فَسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل)

اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِیِّ السُّؤَالُ (حدیث)

احسن الفتاویٰ

بحذف مکررات و تخریجات فرائض مسائل غیر مہمہ

جلد ۱

(از)

فقیہ العصر مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(واحد تقسیم کنندگان)

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک، کراچی

نام کتاب ـــــ احسن الفتاوی

جلد ـــــ اوّل

زیر اہتمام ـــــ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ضخامت ـــــ ۵۴۲ صفحات

کتابت ـــــ محمد فاروق خطاط

تعداد ـــــ ایک ہزار

پریس ـــــ ایجوکیشنل پریس کراچی

طبع اول ـــــ سنہ ۱۳۹۸ھ

طبع پانزدہم ـــــ سنہ ۱۴۲۵ھ

ملنے کا پتہ

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی

فہرست مضامین احسن الفتاوی جلد اوّل

خاندان :

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت مفتی **رشید احمد** صاحب دامت برکاتہم کا وطن مالوف لدھیانہ ہے جو مشرقی پنجاب میں واقع ہے اور آجکل بھارت میں شامل ہے۔ لدھیانہ علم و فضل کے اعتبار سے ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ بڑے بڑے جبال علم و اولیاء کرام کا مرکز رہا ہے۔

حضرت والا علماء لدھیانہ کے مشہور خاندان سے ہیں۔ جو اپنے علم، ذہانت، تقوی، احوال باطنہ، کشف و کرامات، شجاعت، حق گوئی و بیباکی، جسمانی قوت اور انگریز سے جہاد میں نمایاں کارناموں کی وجہ سے غیر معمولی شہرت رکھتا ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم جو حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی صحبتوں سے منجھے ہوئے ہیں۔ اور "**بزم اشرف**" میں صاحب الرؤیا کے لقب سے معروف ہیں بسلسلۂ زمینداری لدھیانہ سے ضلع فیصل آباد اور پھر وہاں سے ضلع ملتان تحصیل خانیوال تشریف لائے۔ وہاں ایک نوآباد گاؤں چک ۱۰۱/۱۵ ایل میں رہائش اختیار کی اور اشرف الاولیاء کے نام پر اس گاؤں کا نام "کوٹ اشرف" رکھا۔

ولادت و مقام ولادت :

اسی مبارک بستی میں "رأس المتقین رشید ثانی" کی ولادت بروز شنبہ ۲ صفر ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۲۲ء میں ہوئی۔ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے نام پر آپ کا نام رکھا گیا۔ آپ کا تاریخی نام سعود الحسن (۱۳۴۱ھ) ہے۔ یہ نام آپ نے خود پندرہ سال کی عمر میں تجویز فرمایا تھا۔ آپ کی سب سے پہلی تصنیف "تسہیل المیراث" میں اس نام کا ذکر ہے۔

طفولیت اور ابتدائی تعلیم :

بچپن میں والدین کو آپ سے غیر معمولی محبت تھی، اور آپ پر انتہائی شفقت فرماتے تھے۔ انہی شفقتوں نے آپ کو "رشید ثانی" بنا دیا۔

والدہ محترمہ نے تقریباً پانچ برس کی عمر میں قرآن مجید اور نماز کی تعلیم دینا شروع کی۔
سنہ [illegible] ہجری سے سنہ [illegible] ہجری تک سرکاری پرائمری اسکول میں چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔
خداداد ذہانت کی وجہ سے ہمیشہ اپنی جماعت میں ممتاز رہے۔

فارسی کی ابتدائی تعلیم:

حضرت والا کے بڑے بھائی مولانا محمد نعیم صاحب، مولانا محمد خلیل صاحب اور مولانا محمد جمیل صاحب پہلے سے ملتان کے قریب گھوٹہ شریف میں دینی علوم پڑھ رہے تھے، [illegible] ہجری میں والد صاحب نے آپ کو بھی تحصیل علم دین کے لئے وہیں بھیج دیا۔ حضرت والد محترم نے آپ کو اور مولانا محمد جمیل صاحب کو میاں چنوں ریلوے اسٹیشن سے ریل پر سوار کر کے ساتھ میں بیٹھے ہوئے ایک جنٹلمین سے کہا کہ ان بچوں کو احتیاط سے ملتان اتار دیں۔

حضرت والا نے فرمایا کہ راستے میں ان جنٹلمین نے ہم سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے کہا کہ علم دین پڑھنے جا رہے ہیں۔ تو انہوں نے کہا، "ملا بن کر بیکار رہوگے" اور علم دین نہ پڑھنے کے لئے کافی لمبی چوڑی تقریر کی۔ راقم الحروف نے حضرت والا سے پوچھا، پھر ان کو کیا جواب دیا؟ فرمایا، "بچے تو تھے ہی کیا جواب دیتے، لیکن اس حالت میں بھی ان سے نفرت ہو رہی تھی، اور الحمد للہ ان کے کہنے سے دین سے متنفر نہ ہوئے۔ یہ بھی اللہ کا کرم ہے ورنہ ہم کون ہیں؟"

اس کے بعد حضرت والا نے فرمایا:

"اگر یہ جنٹلمین صاحب آج مجھے دیکھتے تو پتہ چلتا کہ کون بیکار ہے!
الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آرام و راحت کے سب سامان فراہم
فرمائے ہیں اور نوابوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ عزت و منصب عطا فرمایا
اور سب سے بڑی بات یہ کہ سکون قلب کی دولت نصیب ہے جو کسی
جنٹلمین کو خواب میں بھی میسر نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت
فرمائیں، آمین"

پھر فرمایا:

"یہ تو مسافر خانہ ہے، یہاں کی راحت کا اعتبار نہ تنگی کا، اعتبار تو آخرت کا ہے۔ بیکار اس کا فیصلہ وہ کرسکتے ہیں نہ میں کرسکتا ہوں، اس کا فیصلہ کل ہوگا، جب احکم الحاکمین کی بارگاہ میں پیشی ہوگی، اس

روز پتہ چلے گا کہ ہم کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق
عطا فرمائیں اور ہمیں آخرت کے لئے باکار بنائیں۔ آمین اھ"

گھوڑ شریف پہنچ کر آپ نے اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ قیام کیا اور اپنے بڑے بھائی مولوی محمد خلیل صاحب سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

بشارت :

گھوڑ شریف میں تعلیم کے دوران علم دین کی خاطر بچپن ہی میں والدین سے جدائی کے شدید ترین مجاہدہ کی بدولت حضرت والا کو ایک رات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی اور آپ کو دیکھ کر زبان مبارک میں لکنت کا اثر ہے اسی وقت آپ کو خیال ہوا کہ لکنت تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک میں تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اثر کیسا!

جب خواب سے بیدار ہوئے تو آپ نے اپنے بڑے بھائیوں سے خواب کا تذکرہ کیا، مگر انھوں نے کسی بزرگ سے اس کی تعبیر دریافت نہ کی۔

تعبیر :

اب سے تقریباً تین سال قبل سنہ [illegible] ہجری میں آپ کو یہ بھولا ہوا پرانا خواب یاد آیا، تو بندہ سے ذکر کر کے فرمایا: "اس کی تعبیر یہ سمجھ میں آتی ہے کہ علم نبوت حاصل ہوگا، زبان کی لکنت ثقل وحی کی طرف اشارہ ہے۔ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ○ علاوہ ازیں اس میں نسبت موسویہ کے حصول کی طرف بھی اشارہ ہے۔"

نسبت موسویہ کے مظاہر حضرت والا کی زندگی کے متعدد واقعات راقم کے علم میں ہیں جن کی تفصیل حضرت والا کی مفصل سوانح عمری "انوار الرشید" میں لکھی گئی ہے،

یہ خواب اس لحاظ سے اور بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ ابھی ابھی آپ نے علم دین حاصل کرنا شروع کیا تھا ایسے وقت میں یہ بشارت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے،

عربی کی ابتدائی تعلیم :

شوال سنہ [illegible] ہجری میں چار دن بعد ہی بغرض تعلیم جہانگیر آباد تحصیل تھانیوالی (جو دلو والا کے نام سے مشہور ہے) مولانا سلطان محمود صاحب کی خدمت میں پہنچے، مولوی محمد حسین صاحب

ف سفر حج کے موقع پر آپ کے ساتھ ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا جس کی تفصیل "انوار الرشید" میں بھی جا سکتی ہے۔ ۲۰ سیالکوٹ (؟)

فارسی کی تکمیل کر کے اب عربی شروع کر رہے تھے، حضرت والا کو بھی عربی میں ان کے ساتھ ہی شریک کر دیا گیا، فارسی کی تعلیم بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہی۔

درس نظامی کا دوسرا سال (۱۳۵۵ھ-۱۳۵۶ھ) آپ نے گکھڑ ضلع گوجرانوالہ، اور تیسرا چوتھا سال (۱۳۵۶ھ-۱۳۵۷ھ) جھنگ میں گزارا، ان تینوں سالوں کی کتابیں آپ نے اپنے بہنوئی حضرت مولانا محمود احمد صاحب مدظلہم سے پڑھیں، ۱۳۵۸ھ میں آپ کے والد ماجد مدظلہم بسلسلہ زمینداری خیرپور (سندھ) تشریف لے آئے جس کی وجہ سے صاحبزادگان کی تعلیم کا سلسلہ بھی سندھ کے علاقوں میں شروع ہوا۔ حضرت والا اور آپ کے بھائی مولانا محمد جمیل صاحب اپنے استاذ مولانا محمود احمد صاحب کے ساتھ جامعہ دارالہدیٰ ٹھیڑی میں آگئے۔ یہاں آپ نے مولانا محمود احمد صاحب کے علاوہ مولانا محمد صاحب سے بھی چند کتابیں پڑھیں، مولانا محمد صاحب علم و عمر دونوں کے لحاظ سے اکابر علماء میں سے تھے، بہت عمر رسیدہ تھے، جامعہ کے صدر مدرس تھے، تمام علوم میں بہت بلند مقام رکھتے تھے، بڑے متقی اور متقی بزرگ تھے، آپ نے ایک قلیدس خود تصنیف فرمائی تھی۔

علم ہندسہ، مثلث اور کمیات میں ہمارے حضرت کی مہارت کا دنیا کے چند گنے چنے ماہر ریاضی داں ہی اندازہ کر سکتے ہیں، اس کی چند مثالیں آپ کی مختصر سوانح عمری "انوار الرشید" جلد اول میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

اس سال یعنی ۱۳۵۸-۵۹ھ ہجری میں آپ نے مولانا محمود احمد صاحب سے ہدایۃ اولین، مختصر المعانی اور مسلم پڑھیں اور مولانا محمد صاحب سے حاشیہ عبدالغفور، میر قطبی اور اقلیدس پڑھیں۔

۱۳۵۹ھ میں آپ کے بھائی مولانا محمد خلیل صاحب ڈابھیل سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو وہ اور مولانا محمود احمد صاحب دونوں پیر جھنڈو جدید (درگاہ شریف) میں مدرس ہو گئے، حضرت والا بھی ان کے ساتھ تھے۔

اس سال آپ نے اپنے بہنوئی مولانا محمود احمد صاحب اور بھائی مولانا محمد خلیل صاحب سے سلم العلوم، ملا حسن، میبذی، شرح عقائد نسفی، خیالی، سبع معلقہ اور تفسیر بیضاوی پڑھیں، علاوہ ازیں مطالعہ مذاہب باطلہ، تمرین مناظرہ اور انشاء عربی کی مشق کی۔

فنون کی تکمیل:

اگلے تعلیمی سال شوال ۱۳۶۰ھ میں آپ معقولات کی مشہور درسگاہ انھی ضلع گجرات پنجاب تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ فنون کی اونچی کتابیں پڑھاتے تھے۔ اس ایک سال میں آپ نے جتنی کتابیں پڑھیں انھیں آج کل کا طالب علم کم از کم تین سال میں پورا کر سکے گا۔ اس سال مندرجہ ذیل کتب پڑھیں:

ملا جلال مع حاشیہ میرزاہد، رسالہ قطبیہ مع حاشیہ میرزاہد و غلام یحییٰ، قاضی مبارک، حمد اللہ، شرح مواقف مع حاشیہ میرزاہد، شرح عقائد عضدی، شرح اشارات، صدرا، شمس بازغہ، الدرۃ المیادۃ، تصریح، شرح چغمینی، بست باب، السبع الشداد، ربع مجیب، ربع مقنطرہ، اکر ثاوذوسیوس، اکر مناظر، اکر متحرکہ، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، ان کے علاوہ مشکوٰۃ، بخاری، ہدایہ آخرین، السبع المعلقات اور مقامات کا طلبہ کے ساتھ تکرار کیا۔ (مجموعہ ۳۰ کتب)

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

اور تکمیل دورۂ حدیث

دیگر علوم و فنون کی تکمیل کے بعد آپ دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے مشہور عالم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔

حضرت والا شوال ۱۳۶۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور شعبان ۱۳۶۱ھ میں فارغ ہوئے اس سال مندرجہ ذیل کتب ذیل کے اساتذہ سے پڑھیں:

۱۔ صحیح بخاری
۲۔ سنن ترمذی
} یہ دونوں کتابیں حضرت مولانا مدنی سے پڑھیں، آخر سال میں حکومت برطانیہ نے حضرت مدنی کو گرفتار کر کے مرادآباد جیل بھیج دیا تو یہ دونوں کتابیں حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب نے ختم کرائیں۔

۳۔ صحیح مسلم : حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی

۴۔ سنن ابی داؤد
۵۔ شمائل ترمذی
} حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب امروہوی

۶۔ سنن نسائی : حضرت مولانا عبد الحق صاحب نافع

۷۔ سنن ابن ماجہ : حضرت مولانا مفتی ریاض الدین صاحب

۸۔ طحاوی : حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

۹۔ مؤطا امام مالک : حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی

۱۰۔ مؤطا امام محمد : حضرت مولانا ظہور احمد صاحب

اس سال حضرت والا نے دورۂ حدیث کے ساتھ ساتھ کتب تجوید میں سے فوائد مکیہ اور جزری قاری عزیز احمد صاحب اور خلاصۃ البیان قاری حفظ الرحمن صاحب صدر القراء سے پڑھیں۔

خمیر میں جوشِ جہاد:

اللہ تعالیٰ نے جوشِ جہاد حضرت اقدس کے خمیر میں بھر دیا ہے۔ یہ دولت آپ کو خاندانی وراثت میں ملی ہے، آپ کے خاندان کے اکابر علماء و مشائخ انگریز کے خلاف جہاد میں بہت مشہور ہیں۔ آپ نے نوعمری ہی سے تحصیلِ علومِ اسلامیہ کے ساتھ فنونِ جہاد کی مشق کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے غزوات مجالس میں سنا کر سامعین کے قلوب میں جوشِ جہاد کی آگ بھڑکا دیتے، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحبتِ مبارکہ اور کتبِ حدیث میں مغازی اور جہاد کے موضوع نے جلتی پر پٹرول کا کام کیا۔ چونکہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے علاوہ تربیتِ جہاد بھی بنیادی مقاصد میں ہے اس لئے طلبہ کو جہاد اور فنونِ حرب کی تربیت دینے کے لئے اس فن کے ماہرین اساتذہ دارالعلوم کی طرف سے تھے، حضرت اقدس نے سب سے اونچے درجہ کے استاذ عبدالرحمن اور استاذ عبدالرشید سے بجذبۂ جہاد فنونِ حرب میں مہارت حاصل کی۔

تربیتِ باطن

بشارت قبل از ولادت: حضرت والا کے دادا مولانا محمد عظیم صاحب بڑے صاحبِ مقام بزرگ اور کشف و کرامت میں مشہور تھے، آپ نے اپنے شیخ سے ایک خواب کی تعبیر دریافت فرمائی، شیخ نے فرمایا: "صالح فرزند کی بشارت ہے جو شاید محمد حلیم (حضرت کے والد ماجد) کے کاشانہ کا چراغ ہو" حضرت کے والد صاحب نے یہ خواب کئی بار ذکر فرما کر حضرت والا کے بارے میں فرمایا کہ آپ اس بشارت کے مصداق ہیں۔

حضرت تھانوی قدس سرہٗ: بچپن ہی میں والد ماجد کی زبان سے حضرت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ و ملفوظات کان میں پڑتے رہے، جب خود پڑھنے کے قابل ہوئے تو حضرت حکیم الامت کے مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ کا معمول بنالیا، شوال ۱۳۶۰ھ میں تکمیل حدیث کیلئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے جانے لگے تو پہلے تھانہ بھون حاضری دی، اس کے بعد دیوبند سے تھانہ بھون متعدد بار حاضری کا شرف ملا، اس

زمانے میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ ضعف کی وجہ سے خود بیعت نہیں فرماتے تھے۔
شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ: دار العلوم دیوبند میں حضرت شیخ الادب میں شانِ اصلاح نمایاں دیکھ کر آپ سے روزانہ پندرہ منٹ کے لئے صرف حاضری کی اجازت چاہی، حضرت نے اپنے خصوصی مطالعہ و تصنیف کے وقت میں اجازت مرحمت فرمائی، یہ خصوصی عنایت صرف حضرت والا پر ہی تھی، ایک بار بوقتِ مصافحہ حضرت والا کا ہاتھ تھام کر ایسی توجہ ڈالی جس کا اثر پورے جسم پر برقی رو کی طرح محسوس ہوا۔
حضرت مدنی قدس سرہٗ: حضرت شیخ الادب سے استشارہ اور استخارہ کے بعد حضرت مدنی قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے، حضرت شیخ الادب نے فرمایا کہ حضرت مدنی کی خدمت میں بغرضِ بیعت میں خود اپنے ساتھ لے چلوں گا مگر اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت والا حضرت مدنی کی زیارت کے لئے دولت کدہ پر حاضر ہوئے تو حضرت مدنی نے آمد کا مقصد دریافت فرمایا، حضرت نے بلا تکلف عرض کر دیا جس پر حضرت مدنی نے ازراہِ شفقت فوراً بیعت فرمالیا۔
حضرت مفتی محمد حسن قدس سرہٗ: حضرت مدنی کے انتقال کے بعد حضرت مفتی صاحب سے تعلق رکھا، حضرت مفتی صاحب کی حضرت والا پر خاص نظرِ عنایت تھی، ایک بار دار العلوم کراچی میں حضرت مفتی صاحب کی اچانک تشریف آوری کی وجہ سے حضرت والا کو حاضرِ خدمت ہونے میں قدرے تاخیر ہو گئی، اس تھوڑے سے وقفہ میں حضرت مفتی صاحب نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سے کئی بار حضرت والا کے بارے میں دریافت فرمایا، بعد میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے حضرت والا سے یہ ماجرا بیان فرما کر بہت مسرت سے فرمایا کہ اکابر کی ایسی توجہ بہت بڑی سعادت ہے۔
سلطان العارفین حضرت پھولپوری قدس سرہٗ: حضرت والا کو آخر میں حضرت پھولپوری سے شرفِ بیعت و خلافت حاصل ہوا، بیعت سے قبل حضرت والا نے خواب میں دیکھا کہ آپ دار العلوم دیوبند میں بالائی منزل پر مہمان خانہ میں مقیم ہیں، حضرت شیخ الادب بہت جلدی میں تشریف لائے اور فرمایا "آپ کا الارم آیا ہے سند ھالی کر دیجئے جلدی چلئے" پھر فرمایا کہ ہماری اصطلاح میں اہم ٹیلیفون کو الارم کہتے ہیں، پھر آپ نے الماری سے ایک کتاب نکالی اور حضرت والا کو ساتھ لے کر ایک باغ میں چلے گئے، اس خواب سے کچھ عرصہ بعد حضرت پھولپوری سے بیعت ہوئے تو آپ کی خدمت میں

دار الہدیٰ ٹھیڑی :

سنہ ۱۳۷۰ ہجری میں حضرت والا بحیثیت شیخ الحدیث و صدر مفتی جامعہ دار الہدیٰ ٹھیڑی تشریف لے گئے، صحیح بخاری و دیگر علوم و فنون کے تقریباً آٹھ اسباق پڑھانے کا معمول تھا، اس کے ساتھ ساتھ دار الافتاء کی مکمل ذمہ داریاں بھی سنبھالتے تھے۔

دار العلوم کراچی :

شوال سنہ ۱۳۷۲ ہجری میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم کی فرمائش پر آپ بحیثیت شیخ الحدیث دار العلوم تشریف لائے اور شعبان سنہ ۱۳۸۵ ہجری تک دار العلوم میں رہے۔

سنہ ۱۳۷۳ ہجری سے سنہ ۱۳۸۵ ہجری تک ہر سال آپ نے صحیح بخاری پڑھائی، اس حساب سے آپ نے بارہ مرتبہ درس بخاری دیا۔ شروع میں دار العلوم کی نظامت تعلیم کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد ہوئی مگر کچھ عرصہ بعد آپ نے اسے علمی خدمات میں مخل سمجھ کر ترک کر دیا۔

فتویٰ نویسی :

ویسے تو سنہ ۱۳۶۲ ہجری سے حضرت والا کو فتاویٰ نویسی کے مواقع پیش آتے رہے، لیکن سنہ ۱۳۷۰ ہجری سے دار الافتاء کی مکمل ذمہ داریاں حضرت والا کے سپرد ہوئیں مگر سنہ ۱۳۷۵ھ تک جو فتاویٰ صادر ہوئے ان کے جمع و ضبط کا کوئی انتظام نہ ہو سکا، سوائے چند گنتی کے فتاویٰ کے کہ ان کی نقل محفوظ رکھی گئی، اس قلیل مدت میں آپ کی شان تحقیق اور تعمق نظر کو اس قدر شہرت حاصل ہوئی کہ بیرون ملک کے علماء بھی مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرنے لگے، ہر قسم کے فتاویٰ کے لئے مرجع خواص و عوام بن گئے، علماء میں پیچیدہ مسائل فیصلے کے لئے یہیں آنے لگے آپ نے اس منصب پر فائز ہو کر وہ محنت و جانفشانی کی کہ فتویٰ نویسی کو بجا طور پر آپ پر فخر ہے۔

سنہ ۱۳۷۵ھ سے سنہ ۱۳۸۵ھ تک آپ نے اپنے تحریر کئے ہوئے اہم مسائل کی نقلیں محفوظ رکھیں اگرچہ کثرت مشاغل کی وجہ سے اکثر مسائل نقل نہ ہو سکے، اس پانچ سالہ عرصہ میں تقریباً دس ہزار پچیس فتاویٰ تحریر فرمائے، جن میں سے صرف چار سو اکاون فتاویٰ نقل ہو سکے جو "احسن الفتاویٰ" کے نام سے شائع ہو کر عوام و خواص میں اس قدر مقبول ہوئے کہ "عیاں را چہ بیاں"

اس کے بعد دار العلوم کراچی میں اگرچہ دار الافتاء کی مستقل ذمہ داری آپ پر نہ تھی، تاہم زیادہ اہم اور پیچیدہ مسائل کی تحریر آپ ہی کے سپرد کی جاتی تھی، فقیہ البدن تو بہت ہوتے ہیں، لیکن فقیہ النفس بہت کم ہوتے ہیں، حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے فقیہ النفس بنایا

اور ہمارے حضرت دامت برکاتہم کو "رشید ثانی" ـــــ اللہ تعالیٰ نے علم و فقہ کو حضرت والا کے رنگ میں اس طرح سمو دیا کہ مسائل فقہیہ حضرت کا اوڑھنا بچھونا بن گئے۔

دارالعلوم میں ۱۳۸۱ھ سے آپ کے زیر تربیت تخصص فی الفقہ کا شعبہ شروع کیا گیا، دو سال بعد حضرت والا نے دارالعلوم چھوڑ کر "دارالافتاء والارشاد" کی بنیاد رکھی تو دارالعلوم میں یہ سلسلہ کچھ عرصہ بند رہا، اس کے بعد پھر جاری کر دیا گیا۔

دارالافتاء والارشاد کی بنیاد:

اپنے شیخ حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری قدس سرہ کی خواہش اور خصوصی اشارہ پر حضرت اقدس دامت برکاتہم نے رمضان ۱۳۸۵ھ میں اعلیٰ استعداد رکھنے والے فارغ التحصیل علماء کی تمرین افتاء کے لئے "دارالافتاء والارشاد" کی بنیاد ڈالی اور اب ۱۴۱۲ ہجری تک بھی یہ خدمت جاری ہے، اللہ تعالیٰ ان خدمات کو قبول فرمائیں اور آپ کے سایہ کو مسلمانوں پر تادیر قائم رکھیں آمین۔

مدارس عربیہ سے فارغ التحصیل علماء کرام آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور تحریر افتاء کی تمرین کے ساتھ فیض باطن، تقویٰ، استغناء اور تعلق مع اللہ کی دولت بھی لے کر جاتے ہیں۔

مجالس رشد و ہدایت:

حضرت اقدس دامت برکاتہم یوں تو ہر آنے والے کے کان میں کچھ نہ کچھ دین کی بات پہنچا کر چھوڑتے ہیں، آپ کی نشست و برخاست کا ہر آن ایک مستقل سبق ہے بلکہ آپ کی زندگی پوری کی پوری شریعت مقدسہ کی ایک جیتی جاگتی عملی تصویر ہے لیکن جمعہ اور اتوار کی شام آپ تلقین و ہدایت کے لئے وقت فارغ کر دیتے ہیں جس میں اطراف و جوانب سے کثیر تعداد میں مرد اور خواتین حاضر ہو کر فیضیاب ہوتے ہیں، بالخصوص نوجوان طبقہ کے لئے یہ مجالس اکسیر بلکہ کیمیا تاثیر ہیں چند روز ہی میں ان کے دلوں کی کایا پلٹ جاتی ہے اور ایسا حیرت انگیز انقلاب آتا ہے کہ زندگی کے طور و طریق ہی بدل جاتے ہیں۔

آپ کے بعض خدام نے ۱۴۰۹ھ سے ان مجالس میں سے جمعہ کے بیانات کو بالالتزام اور اکثر و بیشتر اتوار کے بیانات کو بھی قلمبند کر لیا ہے، جو محفوظ ہیں ان کی طباعت کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

خصوصیات:

اس تحریر میں سب مضامین مختصر لکھے گئے ہیں، جو ایک صاحب ذوق قاری کے لئے یقیناً ناکافی ہیں، ان کی رعایت کرتے ہوئے حضرت والا کی مفصل سوانح عمری بنام "انوار الرشید" زیر ترتیب ہے

یہاں دوسرے عنوانوں کے ساتھ اس عنوان کا بھی صرف اشارہ لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں تفصیل کے لئے "انوار الرشید" ملاحظہ ہو۔ آپ کی بعض خصوصیات یہ ہیں:

(۱) صفائی معاملات:

یہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی امتیازی شان ہے، حضرت والا بھی صفائی معاملات کا اس قدر اہتمام فرماتے ہیں کہ عبادات جیسا ہی اہم کام ہو مگر صفائی معاملات کو جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے اُسے مقدم رکھتے ہیں، اس پر حضرت والا کے کئی عجیب واقعات ہیں۔

(۲) تقویٰ اور تصلّب فی الدین:

باوجود خلقی نرمی اور طبعی غلبۂ مروّت کے کسی موقع پر بھی تقویٰ اور تصلّب فی الدین کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹ سکتا، اس پر بھی کئی سبق آموز واقعات ہیں۔

(۳) استغناء:

استغناء کا یہ عالم ہے کہ حکومت اور بڑے بڑے مالدار کروڑپتی لوگ آپ کے دروازے پر ناک رگڑتے ہیں، آپ کے استغناء کا مظاہرہ یہ ہے ؎

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکوں کی جھنکاریں
ترے دستِ توکّل میں ہیں استغنا کی تلواریں

(۴) مواقع شہرت سے اجتناب:

(۵) مشائخ وعلماء کی مخصوص وضعداری اور تکلفات سے دُور سادہ اور بے تکلف زندگی:

ان عنوانات کی تفصیل اور ہمت واستقلال کے حیرت انگیز واقعات "انوار الرشید" میں ملاحظہ ہوں۔

آپ میں یہ خصوصیات اتنی نمایاں ہیں کہ معاندے معاند مخالف بھی ان کے اعتراف پر مجبور ہے۔

تصانیف[عہ]

- الابحاث لموحد طلقات الثلاث
- اجتماعی دعا (مع اجتماعی ذکر)
- احسن الفتاویٰ ۱۰ جلدیں
- احسن القضاء فی الذبح بآلات الکہرباء
- احکام زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، قربانی
- احکام الکلام فی احکام التزوج علی الامام
- احکام معذور
- احسن المعارف لفضل معاویۃ (رضی اللہ عنہ)
- اداء القرض من الحرام
- ارشاد الی تخریج الضاد
- ارشاد الانام بجواب ازالۃ الاوہام
- ارشاد اولی الابصار الی شرائط حق القرار
- ارشاد السبیل الی نور التنزیل (مقدمہ تفسیر بیضاوی)
- ارشاد العابد الی تخریج اوقات و توجیہ المساجد
- ارشاد القاری الی صحیح البخاری
- انعام العقید فی سیرۃ الحفید
- ازالۃ الاوہام عن الفرق فی الاسلام
- ازالۃ الریب عن مسألۃ علم الغیب
- استیناس الآبد بشرح فضل العالم علی العابد
- اسلام کا عادلانہ نظام معیشت
- اعلام الانظار فی الشفع بعد الایتار
- الاقتصاص من خیانۃ الشرکاء
- الاکحال للرجال
- تمام الکلام فی تبلیغ صوت الامام
- نصرۃ الامام بل حجۃ الانام
- الاوامر والنواہی
- ایقاع الطلقات بالقاء الجمرات
- ایمان و کفر کا معیار
- باغیوں کے مسائل
- بسط الباع لتحقیق الصاع
- بشارۃ عظمیٰ لآکل الربا
- بعض ضروری احکام میت
- بلا سود بنکاری
- بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا (دیندار انجمن)
- پراویڈنٹ فنڈ
- تبلیغی جماعت اور انچاس کروڑ کا ثواب
- تحریر الثقات لمحاذاۃ المیقات
- التحریر الفرید فی ترکیب کلمۃ التوحید (غیر مطبوعہ)
- تحریر المقال فی التعزیر بالمال
- تحقیق شب برات ○ تحقیق شب معراج
- تسہیل المیراث ○ تعدد ازدواج
- التفریق بین التقیید والتعلیق
- تقسیم وراثت کی اہمیت
- تکفیر شیعہ پر اشکالات کے جوابات

عہ اس فہرست میں سے بیشتر رسائل احسن الفتاویٰ کی اس جدید ترتیب میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔

- تنبیہ الغافلین فی بیان التفاضل بین المرسلین
- تنبیہ الخیر فی التضحیۃ عن الغیر
- توضیح الاعیان علی حرمۃ ترقیع الانسان
- ٹی وی کی حرمت
- جبری خلع
- جبری نکاح
- الجواہر الغرۃ فی حکم الذبح فوق العقدۃ
- جھینگے کی حرمت
- حج کے ضروری مسائل
- حرمۃ المصاہرۃ بربیبۃ رضاعی
- حرم قتادۃ
- الحلال المعجل بشرط اداء المؤجل
- حفظ الحیاء بتحریم متعۃ النساء
- حقیقت شیعہ
- حکمۃ الازدواج باربع ازواج
- الحکمۃ الغراء فی عدم توریث الانبیاء
- الحکم الربانی برجم الزانی
- حلال وحرام سے مخلوط مال
- حیلہ دخول مکہ بلا احرام
- ڈاکٹری تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچے
- ذب الجہول عن سب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
- رجوم الشیاطین علی الفرقۃ الذکریۃ والاباضیۃ
- ردّ البدعات
- رفع الحجاب عن حکم الغراب
- رفع النقاب عن وجہ الانتقاب
- زینت بلانے میں بدیوی کی خبر
- زبدۃ الکلمات فی حکم الدعاء بعد المکتوبات
- زیادۃ البدل بالاجل الاجل
- زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- السہم الغریب لسالک التقلید
- السراج لاحکام العشر والخراج
- سنان الفتی علی محل الربا
- سیاست اسلامیہ
- شرح الصدر فی الفرق بین صلاۃ الظہر والعصر
- صبح صادق
- صیانۃ العلماء عن الذل عند الاغنیاء
- ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں مفاسد
- ضمیمہ مفید الوارثین
- طریق السداد فی حل الخضاب بالسواد
- الطوالع لتنویر المطالع
- طویل النہار مقامات میں نماز روزہ
- عمدۃ التفسیر لآیۃ التطہیر
- عمدۃ الاحکام فی عرف الطلاق بالحرام
- عورت کی دیت
- عیون الرجال لرؤیۃ الہلال من طیارہ
- القتل المشیر لقتل المرتد
- فتنہ انکار حدیث
- الفصل الثانی لقتل الزانی
- فیصلہ بحق مسلک کی وضاحت
- قادیانی مذہب

(بقیہ فہرست صفحہ ۴۹ پر)

تجدیدی کارنامے

مسائل حاضرہ پر آپ کی دور رس نگاہ اور ان سے متعلق آپ کی جامع اور مدلل تحریریں، قوتِ استنباط، اختصار الفاظ کے ساتھ ٹھوس دلائل کی وہ بھرمار کہ انکے چند صفحات کی شرح کیلئے کئی دفاتر درکار ہیں، اسلام میں پیدا ہونیوالے فتنوں کی سرکوبی اور پرانے فتنوں کی جانچ سے انکا استیصال، ہر نئے اُبھرنے والے فتنہ کا بروقت محاسبہ، دلائل نقلیہ عقلیہ، فنون قدیمہ جدیدہ اور تجارب مشاہدات کی روشنی میں ایسی تحقیقات کہ انکی نظیر نہیں ملتی، مثلاً اختلاف مطالع، مقدار صدقۃ الفطر، حرمین شریفین میں عورتوں کی نماز، اور تحقیق صبح صادق و دیگر تحقیقات، اصلاحِ اُمت کا درد، جو گناہ معاشرے کا جزو بن گئے ہیں اور جو بے جھجک علانیہ کیے جارہے ہیں اور انکے سیلاب میں دیندار گھرانے اور علماء و طلبہ تک بھی بہے جارہے ہیں، انکی تباہی سے اُمت کو بچانے کی فکر اور بذریعہ وعظ و ارشاد بالخصوص نوجوانوں کو اس ہولناک بھنور سے نکالنے کی کوشش اور اسمیں نمایاں کامیابی، آپ کی مجالس وعظ و ارشاد میں شرکت کرنیوالے نوجوانوں کی زندگیوں میں حیرت انگیز انقلاب، حفاظتِ وقت اور صفائی معاملات کا بے نظیر اہتمام، طبعی نرمی و رقتِ قلب و مروت کے باوجود دین میں تصلب کہ کوئی بڑے سے بڑا تعلق بھی ایک بال برابر لچک پیدا نہیں کرسکتا، حکومت اور اہل ثروت سے ایسا استغناء کہ اسکی نظیر تلاش کرنے پر بھی نہیں ملتی، آپ کے دادا پیر حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی شان میں کہا گیا ہے ؎

خدا لے دے سکیں ہرگز تجھے سکوں کی جھنکاریں ✿ ترے دستِ توکل میں ہیں استغناء کی تلواریں

ہو بہو آپ پر صادق آتا ہے، ان کمالات کے باوجود گمنامی و خلوت پسندی، مناصب سے انکار اور مجالس و مواقع شہرت سے احتراز۔

مذکورہ مواہب لدنیہ و نعماء ربانیہ کی بناء پر اکابر علماء و صلحاء دین کی عظیم واہم ترین خدمات علمیہ و عملیہ و اصلاح امت میں آپ کی جلالت قدر اور امتیازی شان کے قائل ہیں،

اولاد:

(۱) صاحبزادی صفورہ، تعلیم: تجوید القرآن، اُردو دینیات، تمرین قواعد صرف و نحو عربی، ترجمۃ القرآن،

(۲) حافظ قاری مولوی محمد (۳) حافظ قاری مولوی احمد (۴) حافظ قاری مولوی حامد

(۵) صاحبزادی اسماء، تعلیم: حفظ قرآن مع تجوید، اُردو دینیات، عربی صرف و نحو، [illegible] طہارت، ریاض الصالحین، ترجمۃ القرآن۔

وصیت نامہ

حضرت والا نے مختلف اوقات میں تین وصیت نامے تحریر فرمائے ہیں
پہلے دو میں اگرچہ خاص اولاد کو خطاب ہے مگر ان کا فائدہ عام ہے
تینوں وصیت ناموں کا مجموعہ ایک مستقل رسالہ کی صورت میں شائع
ہو چکا ہے جس کے سرورق پر یہ آیات تحریر ہیں

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ○

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ○

حضرت والا نے ماہ ذی الحجہ [illegible]ھ کو چوتھا وصیت نامہ بھی تحریر فرمایا جو انشاء اللہ تعالیٰ انوار الرشید میں شائع ہوگا۔

اب تینوں وصیت نامے بالترتیب تحریر کئے جاتے ہیں۔

① عزیزہ اسماء سلمہا اللہ تعالیٰ کی تکمیل حفظ قرآن کے موقع پر یہ نصیحتیں کی گئیں

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۞ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۞

وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۞ أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۞

پہلی آیت میں اس کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کو مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی۔

اور دوسری آیت میں اس کا ذکر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بوقت رحلت اپنی اولاد سے یہ عہد اور اقرار لیا تھا کہ میرے بعد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے رہوگے اور صرف اسی کے سامنے جھکو گے۔

یہ خوب سمجھ لیں کہ اسلام یا اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف کلمہ طیبہ پڑھ لینے یا نماز روزہ وغیرہ چند عبادات ادا کر لینے کا نام نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری زندگی شریعت کے مطابق ہو اور خود اپنی سب خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں فنا کر دے۔

پس میں بھی تمہیں یہی وصیت کرتا ہوں کہ دین کی حفاظت کے لئے امور ذیل کا بہت اہتمام رکھیں۔

(۱) اپنی اولاد کو اسکول اور کالج کی تعلیم سے اس طرح بچائیں جس طرح شیر یا بھیڑیے سے بچایا جاتا ہے۔

اس ماحول میں بچوں کو بھیجنا ان کو اپنے ہاتھوں سے جہنم میں جھونکنا ہے، وہاں جاکر لاکھوں میں سے کسی ایک کا دین محفوظ رہ جائے تو یہ بطور خرق عادت ہوگا جو محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، جیسے کسی کو خونخوار شیر کے منہ سے یا دہکتی ہوئی آگ سے اگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بچالیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خود شیر کے منہ میں جانے یا آگ میں کودنے کا کوئی جواز ہے، دنیوی تعلیم مغربی تہذیب کا ماحول مہلک ہے۔

(۲) اپنی زندگی خدمت دین کے لئے وقف کردیں۔ دین کا جو کام بھی اللہ تعالیٰ لے لیں اسے بہت بڑا انعام سمجھیں اگرچہ لوگوں کی نظر میں وہ کام ذلت و حقارت ہی کا کیوں نہ ہو، عزت و ذلت صرف وہ معتبر ہے جو مالک کی نظر میں ہو ؎

اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری
جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

خدمت دین کی صلاحیت رکھتے ہوئے اس سے کام نہ لینا نعمت الٰہیہ کی بے قدری و ناشکری ہے غرضیکہ دنیوی کاموں کا مشغلہ نہ بنائیں، اس کی وجہ سے تم خدمت دین سے محروم ہوجانے کے علاوہ بہت سے گناہوں میں بھی مبتلا ہوجاؤ گے، خدمت دین میں مشغول رہنا گناہوں سے حفاظت کے لئے بہت مضبوط قلعہ ہے۔

(۳) روزانہ بلاناغہ تلاوت کی پابندی رکھیں۔

(۴) مندرجہ ذیل گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھنے کی تاکید و وصیت کرتا ہوں۔

(ا) کسی ایسی مجلس میں بیٹھنا جہاں کسی جاندار کی تصویر ہو یا تصویر لی جارہی ہو۔

(ب) کسی کا کوئی حق دبانا۔

(ج) بلا اجازت کسی کی کوئی چیز استعمال کرنا

(د) کسی کو تکلیف پہنچانا۔

(ہ) کسی پر بہتان لگانا۔

(و) کسی کی غیبت کرنا۔

(ز) غیبت سننا۔

(ح) شرعی پردہ کا اہتمام نہ کرنا

(۵) یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ تم اپنی اولاد کو بھی ان سب امور کی وصیت کرکے مرنا، میں یہاں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناکر تمہیں امور بالا کی وصیت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت

میں دیتا ہوں، اللّٰھم بلّغت، اللّٰھم بلّغت، اللّٰھم بلّغت، اللّٰھم راقبہم وکن لہم الوکیل ــــ فاطر السمٰوٰت والارض انت ولیّ فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلمًا والحقنی بالصّٰلحین ○ وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ اٰلہ وصحبہ اجمعین، اٰمین برحمتک یا ارحم الراحمین،

رشید احمد

دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

۳ جمادی الآخرۃ ۱۴۰۰ھ عشیۃ الجمعۃ

② بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ایک اہم وصیت اولاد اور انکی ازواج کے نام

میرے عزیزو! چند روز سے تمہارے مستقبل کے بارے میں ایک اہم فکر میرے دماغ پر مسلط ہے آج بتاریخ ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ بروز پنجشنبہ فجر کی نماز کے بعد جب میں فارغ ہو کر اپنے معمولات میں مشغول ہوا تو اللہ تعالیٰ نے قلب میں بڑی قوت کے ساتھ یہ القاء فرمایا کہ اس بارے میں ایک وصیت لکھوں، رمضان المبارک میں اشراق سے فارغ ہو کر دو گھنٹے سونے کا معمول ہے خیال تھا کہ اس معمول سے فارغ ہو کر وصیت لکھوں گا مگر اللہ تعالیٰ نے اس خیال کو اس حد تک مسلط فرما دیا کہ میں بمشکل آدھا گھنٹہ سو سکا اس کے بعد ہر چند سونے کی کوشش کی مگر نیند نہ آئی اور اٹھ کر اس تحریر میں مشغول ہو گیا۔

میرے عزیز بیٹو اور بیٹیو! بچپن میں تمہارا آپس میں تعلق اور محبت میری نظر میں بڑی حد تک قابل اطمینان اور موجب مسرت رہی ہے اور دوسروں کی نظر میں تو بہت ہی باعث رشک اور لائق ستائش و تحسین اور قابل مبارکباد اور عام زبان زد، اب ماشاء اللہ تم سب جوان ہو گئے ہو، بعض کی شادی ہو گئی اور بعض کی ہونے والی ہے، اب تمہارے تعلقات محبت پر بہت بڑے ابتلاء و امتحان کا وقت آ رہا ہے، بیوی بچوں اور مال و منصب کی غلط محبت میں پھنس کر بڑے بڑے عقلاء اور ہوشیار بھی اوندھے گر جاتے ہیں اور گردنیں تڑوا بیٹھتے ہیں، علاوہ ازیں ایک جگہ قیام و طعام اور ان سے متعلق کام کاج بھی بسا اوقات اختلاف کا سبب بن جاتا ہے۔

اس لئے میں تمہیں بتاکید وصیت کرتا ہوں کہ آپس میں محبت کے نازک رشتے کو کسی قیمت

پر بھی ٹوٹنے نہ دیں۔ اس نازک ترین رشتے اور بہت قیمتی سرمایہ کی حفاظت کے لئے تمام خواہشات اور مال ومنصب بھی قربان کرنا پڑے تو اس سے بھی ہرگز دریغ نہ کریں، آپس میں اتفاق اور محبت سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی نعمتوں کے علاوہ دنیا میں بھی راحت، سکون، مسرت، برکات وعزت ومال میں ترقی ہوتی ہے اس کے برعکس اختلاف خالق کی ناراضی اور آخرت کی بربادی کے علاوہ دنیا میں بھی پریشانی، ذلت، فقر وفاقہ اور تباہی کا باعث بنتا ہے۔ اب میں مختصراً اسباب اختلاف واسباب محبت بیان کرتا ہوں تاکہ اول سے اجتناب اور دوم سے اقتراب کا اہتمام کیا جائے۔

اسباب اختلاف

(۱) گناہوں سے نہ بچنا اور گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ نہ کرنا۔ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگوں پر اختلاف کا عذاب مسلط فرما دیتے ہیں۔ (۲) حُبِّ مال (۳) حُبِّ جاہ۔ ان دونوں کی وجہ سے آپس میں اختلاف، فتنہ وفساد، قتل وغارت، تباہی وبربادی کا ہم شب وروز مشاہدہ کر رہے ہیں (۴) غیبت، عیب جوئی اور مذاق اڑانا (۵) روکھاپن، ترشروئی اور زبان درازی (۶) مشترک کام کاج سے جی چرانا (۷) کھانے پینے، بیٹھنے اور آرام وراحت میں اپنے نفس کو ترجیح دینا۔

اسباب محبت

(۱) تقویٰ یعنی گناہ سے بچنے کا اہتمام کرنا اور کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر لینا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور ان کی رحمت آپس میں محبت اور پُرکیف زندگی کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ (۲) حُبِّ مال کا علاج (۳) حُبِّ جاہ کا علاج، ان دونوں خطرناک اور دنیا وآخرت دونوں کے لئے تباہ کن امراض کا علاج اہل اللہ کی صحبت اور یہ میسر نہ ہو تو ان کے ملفوظات اور مراقبۂ موت سے کیا جائے (۴) ایک دوسرے کے قول وفعل اور اشیاء کی تحسین اور غائبانہ تعریف کی جائے (۵) آپس میں تبکلف محبت کا اظہار کیا جائے اور بتایا جائے کہ مجھے آپ کے ساتھ محبت ہے۔ یہ محبت بڑھانے کا بہت ہی اکسیر نسخہ ہے (۶) مشترک کام میں سب سے زیادہ حصہ لینے اور دوسروں کی خدمت کرنے کی کوشش کی جائے (۷) کھانے، پینے، بیٹھنے اور آرام وراحت میں ایثار سے کام لیا جائے، یعنی دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دی جائے (۸) اگر کسی سے کوئی شکایت ہو تو اسے دل میں نہ رکھیں، اس سے نرمی اور محبت سے کہہ دیں (۹) ایک

دوسرے کے لئے دعا کی جائے (۱۰) اللہ تعالیٰ سے آپس میں محبت کی دعا اور اختلافات کے عذاب سے پناہ مانگتے رہیں۔ فقط واللہ المستعان وعلیہ التکلان

رشید احمد

مہتمم دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

۱۳ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ

(۳) بسم اللہ الرحمن الرحیم

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما حق امرئ مسلم لہ شیء یرید ان یوصی فیہ یبیت لیلتین الا و وصیتہ مکتوبۃ عندہ (متفق علیہ)

"کسی مسلمان کو یہ حق نہیں کہ کسی چیز کی وصیت کرنا اس پر ضروری ہو پھر وہ دو راتیں بھی اس طرح گزارے کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔"

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات علی وصیۃ مات علی سبیل وسنۃ ومات علی تقی وشہادۃ ومات مغفوراً لہ (ابن ماجہ)

"جو شخص وصیت کرکے مرا وہ صراط مستقیم اور طریق سنت پر مرا اور تقویٰ و شہادت پر مرا اور مغفرت کی حالت میں مرا۔"

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اگر کسی کے ذمہ کوئی حق واجب ہے تو اس پر اس کی وصیت لکھنا ضروری ہے اور اگر کوئی حق اسکے ذمہ نہیں تو بھی وصیت کرنا مغفرت اور بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ لہٰذا میں امور ذیل کی وصیت کرتا ہوں۔

(۱) اوصی نفسی و ایاکم بتقوی اللہ "میں اپنے نفس کو اور تمہیں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں" یہ دولت کسی اللہ والے کی صحبت کے سوا حاصل نہیں ہوتی لہٰذا کسی ایسی شخصیت کی صحبت کو لازم پکڑیں جس کے پاس بیٹھنے سے دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر پیدا ہو۔ اگر ایسی مجلس میسر نہ آئے تو اہل اللہ کی کتابوں کے مطالعہ کا روزانہ بلا ناغہ معمول بنالیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استحضار کرکے شکر ادا کرنے کا معمول بنالیں۔ اس عاجز کو جو کچھ حاصل ہوا شکر نعمت کی بدولت ہوا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا اس عاجز بندے پر یہ بہت بڑا کرم ہے کہ کسی کا کوئی مالی حق اس بندے کے ذمہ واجب نہیں، آئندہ کے لئے بھی رب کریم سے حفاظت کی امید ہے، البتہ جسمانی حقوق میں

ابتلاء کے مواقع پیش آتے رہتے ہیں، اپنی اولاد اور طلبہ کو بغرض اصلاح اور بعض غیر متعلق لوگوں کو بھی حمیت دینی کے باعث زجر و توبیخ اور بعض مرتبہ جسمانی سزا کی بھی نوبت آگئی، چونکہ ان مواقع میں ضرورت سے زیادہ شدت یا نفس کی آمیزش کا احتمال ہے، اس لئے میں ان سب حضرات سے نہایت عاجزی اور لجاجت سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھے دل سے معاف فرما دیں، اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں اور گناہوں سے درگزر فرمائیں گے، یہ معاف کرنا انشاء اللہ تعالیٰ ان کے لئے بھی مفید اور بڑے اجر و ثواب کا باعث ہوگا۔ درگزر اور معاف کرنے کے بڑے فضائل آئے ہیں اور معذرت کرنے والے کو معاف نہ کرنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں، محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس شخص سے اس کا بھائی معذرت کرے اور وہ اس کو قبول نہ کرے وہ میرے پاس حوض کوثر پر نہ آنے پائیگا۔" (ترغیب و ترھیب)

ایک حدیث میں ہے: "جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے معذرت کرے اور وہ اس کو قبول نہ کرے اس پر ایسا گناہ ہوگا جیسا ظلماً محصول وصول کرنے والے پر ہوتا ہے۔" (ابن ماجہ) اور ظلماً محصول لینے والے کے بارے میں یہ وعید ہے: "اللہ تعالیٰ (بروز قیامت) اپنی مخلوق سے (بلحاظ رحمت و مغفرت) قریب ہو جائیں گے پس زانیہ اور ظلماً محصول لینے والے کے سوا جس کی چاہیں گے مغفرت فرمائیں گے۔" (طبرانی)

دوسری روایت میں ہے: "ظلماً محصول وصول کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔" (ابوداؤد، ابن خزیمہ)

میرا کئی سال سے یہ معمول ہے کہ ہر اس شخص کے لئے جس کو مجھ سے کبھی کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچی ہو، روزانہ بلا ناغہ دعاء مغفرت کرتا ہوں اور اپنے تمام نیک اعمال کا ثواب بخشتا ہوں، اور مزید برآں تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر بھی ایصال ثواب کرتا ہوں، مجھ پر ظلم کرنے والوں کے بارے میں بھی میرا یہی معمول ہے۔

(۴) وصیت کے باب میں میرے نزدیک دارالافتاء والارشاد کا معاملہ بہت اہم ہے، میں اب تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ دارالافتاء والارشاد کے نظم سے متعلق اپنا وصی کسے مقرر کروں؟ اگر آئندہ کوئی قابل اطمینان صورت ظاہر ہوئی تو اس کے مطابق وصیت کر دوں گا ورنہ اللہ تعالیٰ کے سپرد، حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

(۵) میں اپنے تمام متعلقین کو اور بالخصوص اولاد کو اس کی وصیت کرتا ہوں کہ کبھی بھی قرض کا لین دین ہرگز نہ کریں، نہ اپنی ذات کے لئے اور نہ ہی کسی دینی کام کے لئے، اپنی تمام تر

حاجات کو صرف اپنے مالک کے سامنے پیش کیا کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض سے
پناہ مانگی ہے اور استعاذہ (پناہ مانگنے) میں مغرم ومأثم (قرض اور گناہ) کو ایک ساتھ ذکر
فرمایا ہے۔ قرض لینے میں عزت اور دین دونوں کا نقصان ہے۔ قرض دینا اگرچہ بہت بڑا ثواب ہے مگر
اس زمانے میں لوگوں کی بدمعاملگی کی وجہ سے آپس میں عداوت اور منافرت کا باعث بنتا ہے
اسلئے اس سے بھی احتراز لازم ہے بحمد اللہ تعالیٰ میں نے آج تک کبھی بھی کسی سے اپنی ذات کے لئے
یا کسی دینی کام کے لئے قرض نہیں لیا، مجھے اپنے رب کریم کی رحمت سے یقین ہے کہ وہ
آئندہ بھی حفاظت فرمائیں گے، سفر میں کوئی ساتھ ہوتا ہے تو مصارف سفر کا اندازہ
کرکے اس سے بھی کافی زیادہ رقم اس کے حوالہ کر دیتا ہوں، سفر ختم ہونے پر وہ حساب
کرکے بقیہ رقم مجھے واپس کر دیتا ہے، میں حساب نہیں کرتا۔ البتہ کئی لوگوں کو قرض دیا انہیں سے کسی
بھی بطیب خاطر واپس نہیں کیا اکثر کو تو تقاضا ہی کرنا پڑا اور بعض سے آپس میں ناگواری کا سبب بنا۔

(۶) کچھ امانت رکھنے کا معاملہ کریں تو اشیاء کی پوری تفصیل اور رقم کی مقدار لکھ کر اس پر مالک کے دستخط کرالے
محض حافظہ پر اعتماد کرنا بسا اوقات غلط فہمی اور بدگمانی کا باعث بن جاتا ہے۔

(۷) کوئی رقم کسی شخص کے ذمہ ہو تو جتنی جلدی ہو سکے اس پر یادداشت لکھ دیں، اسی طرح کوئی صاحب
آپ کو کوئی چیز یا کچھ رقم بطور امانت دیں اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے ہو پھر بھی جتنی جلدی ممکن ہو
مالک کا نام اور رقم کی مقدار لکھ لیں نہ معلوم کب وقت آجائے، موت کے لئے ہر وقت سب
معاملات سے فارغ رہنا لازم ہے۔

(۸) میں نے قبل ازیں ایک وصیت نامہ ۲۰ جمادی الآخرہ ۱۳۸۸ھ میں عزیزم اسامہ کے حفظ قرآن کی تکمیل
کے موقع پر اہتمام اعمال سے متعلق لکھا تھا پھر ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ میں اسباب محبت اور
اسباب اختلاف و اسباب نفرت پر مشتمل دوسرا وصیت نامہ لکھا ان دونوں وصیت ناموں کے مطابق
عمل کرنے کی اب پھر وصیت کرتا ہوں۔

(۹) مجھے کسی حال میں بھی ہسپتال میں ہرگز داخل نہ کریں اور اتنا مشورہ تو سب کو دیتا ہوں کہ
جب مریض کی حالت مایوس کن ہو تو اسے ہسپتال نہ لے جائیں۔

(۱۰) جس شہر یا گاؤں میں میرا انتقال ہو مجھے وہیں کے عام قبرستان میں دفن کیا جائے کسی دوسرے
مقام کی طرف منتقل نہ کیا جائے اور نہ ہی میرے لئے عام قبرستان سے الگ کوئی جگہ منتخب کی جائے

(۱۱) میت کو غسل دیتے وقت جو کپڑا ناف سے زانو تک ڈالا جاتا ہے وہ تر ہونے کے بعد جسم کے ساتھ

چونکہ جاتا ہے جس سے جسم کی ہیئت اور حجم نظر آنے لگتا ہے اس لئے مجھے غسل دیتے وقت ناف سے زانو
تک کے حصہ پر کوئی چارپائی وغیرہ رکھ کر اس کے اوپر چادر ڈالی جائے یا چارپائی کے بجائے چادر کو
دونوں طرف سے دو آدمی پکڑ کر جسم سے ذرا اونچی کھینچ کر رکھیں۔

(۱۲) میرے جنازے میں شرکت کے لئے کسی قریب سے قریب رشتہ دار یا کسی بڑے سے بڑے بزرگ
یا زیادہ لوگوں کے اجتماع کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ وقت پر جتنے افراد بھی موجود ہوں وہ نماز جنازہ پڑھ کر
جلد از جلد قبرستان پہنچانے کی کوشش کریں، سنت کے مطابق چند افراد کے نماز جنازہ پڑھنے پر اللہ تعالیٰ
کی جو رحمت متوجہ ہوتی ہے وہ خلاف سنت ہزاروں کے مجمع پر بھی نہیں ہوتی۔

(۱۳) منہ دکھائی کی رسم بہت بری ہے اس میں شرعاً بھی کئی قباحتیں ہیں اسلئے اس رسم سے احتراز کی تاکید کرتا ہوں

(۱۴) مجھے قبر میں سنت کے مطابق ٹھیک داہنی کروٹ پر قبلہ رخ لٹایا جائے، میت کو سیدھا لٹا کر
صرف چہرہ قبلہ کی طرف کر دینے کا دستور غلط ہے۔

(۱۵) میرے ایصال ثواب کے لئے اجتماع نہ کیا جائے، ہر شخص اپنے اپنے مقام پر حسب توفیق ایصال ثواب
کرتا رہے مالی عبادت کا ثواب پہنچانا چاہے تو حسب توفیق رقم کسی کار خیر میں لگا دے یا کسی مسکین کی مدد کر دے
اللہ تعالیٰ کے ہاں سنت کے مطابق تھوڑا سا عمل بھی خلاف سنت بہت بڑے اعمال سے بدرجہا بہتر ہے۔

(۱۶) میرے لئے بھی سب روزانہ مغفرت اور رضائے الٰہی کی دعا اور ایصال ثواب کا معمول بنالیں، کم از کم تین بار
قل ہو اللہ ہی پڑھ کر بخش دیا کریں، ان شاء اللہ تعالیٰ یہ عمل خود پڑھنے والوں کے لئے بھی بہت نافع ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہماری حیات، موت، تجہیز و تکفین، نماز جنازہ، دفن، تعزیت اور ایصال ثواب وغیرہ
سب معاملات اپنی مرضی کے مطابق اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق مقدر فرمائیں۔ آمین

انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین، ان صلاتی ونسکی ومحیای
ومماتی للہ رب العالمین، لا شریک لہ وبذلک امرت وانا من المسلمین۔

رشید احمد
مہتمم دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی، ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ

نوٹ: جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، ہو سکتا ہے کہ اہل ذوق کو بہت سی چیزیں اس مختصر مضمون
میں تشنۂ تحریر نظر آئیں جو ان کی پیاس کی تسکین سے قاصر ہوں۔ — وہ "انوار الرشید" کے چھپنے کا
انتظار فرمائیں، فقط، والی اللہ المشتکی علیہ توکلت والیہ انیب۔ احتشام الحق آسیاآبادی ۲۲-۱۰-۹۹ھ

ــــہ مہتمم دار الافتاء ہونا تو لکھنے کا معمول اپنے ہے کہ دنیا میں بے حد ناپائیدار ہے بہر حال قیام عارضی ہی ہے وطن تو آخرت ہے
اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کا استحضار اور وطن کا شوق عطا فرمائیں۔ آمین

تمہید

(طبع جدید)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل العلم نورا یہتدی بہ فی ظلمات الجہل والضلالات الکبار واوضح سبیلہ الصراط المستقیم لمن اتقی وان اضطربت فیہ الاھواء وجعل فی کل زمان رجالا من اھل الحق ادلاء وتبیینا للاحکام وجعل منہم ائمۃ ومجددین متمسکین لہ علماء. والصلوۃ والسلام علی افضل المرسلین وخاتم النبیاء وعلی آلہ وصحبہ الذین ھم من بعدہ من العلماء والاولیاء وسلوکہم صلاۃ ما دامت طلعت القمران والنجوم فی السماء، اما بعد.

اللہ تعالیٰ نے جس کائنات کو وجود بخشا تو اس میں اشرف المخلوقات حضرت انسان کو بنا کر اسے مزید شرف عطا فرمایا لیکن اس کو خود اپنی ذات میں اشرف و اعلیٰ نہیں بنایا بلکہ ایک خارجی چیز ایمان و اسلام کی نعمت سے مالا مال کیا اور یہی نعمت دوسری تمام مخلوق پر اس کے شرف و منزلت کا موجب بنی۔

چنانچہ وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے رہے اور بندگان خدا کو ایمان و اسلام کی حقیقت سمجھاتے رہے، ہدایت کا یہ سرچشمہ انبیاء اور رسولوں کے وجود مبارک سے پھوٹتا ہوا لوگوں کے ایمان کی کھیتی کو سیراب کرتا رہا، بالآخر یہ منبع ہدایت سرکار دو عالم فخر موجودات خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر اپنی انتہا کو پہنچا جس طرح آپ کی ذات گرامی کو بیچ سے ہٹا کر ہدایت کا حصول ناممکن ہے اسی طرح رشد و ہدایت کی انتہا بھی آپ کی لائی ہوئی کتاب و سنت پر ہوتی ہے، یہی فیض نبوت کا وہ چشمہ ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدھما کتاب اللہ وسنتی

(مستدرک حاکم)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں ان کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے، کتاب اللہ اور اپنی سنت۔

(حاکم)

دوسرے الفاظ میں اس کی تعبیر یوں بھی ہو سکتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کے طالبین کو جو پیغام رحمت دیا وہ صراط مستقیم ہے، یہ وہی صراط مستقیم ہے جس کو پروردگار عالم نے صراط الذین انعمت علیہم یعنی منعم علیہم بندوں کا طریق فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ کتاب و سنت کی وہی تعبیر و تشریح صراط مستقیم پر سمجھی جانے والی ہے جو منعم علیہم بندوں، صحابہ و تابعین و سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کی بیان کی ہوئی ہو۔ کتاب و سنت کی یہی تفسیر و تشریح جس کو صراط مستقیم کہا گیا اس کا دوسرا نام "فقہ" ہے۔ فقہ ہی وہ علم ہے جو انسانوں کے لئے منضبط طور پر ایک مکمل ضابطہ حیات اور لائحہ عمل پیش کرتی ہے۔

ان سرچشمہائے ہدایت میں اگرچہ جزئیات سے بھی کافی بحث کی گئی ہے لیکن کلیات جو ایک جامع شریعت کی روح ہوتی ہیں، انہیں کتاب و سنت اور فقہ میں بہت اہمیت دی گئی ہے لیکن ظاہر ہے ان کلیات کو جزئیات پر منطبق کرنا ہر ایرے غیرے کا کام نہیں خصوصاً اس دور ترقی میں جب کہ انسان روز بروز ترقی کے منازل طے کر رہا ہے، ہر نئے دن ایسی ایجادات ہوتی رہتی ہیں جن کے متعلق سلف کی تحریروں میں کوئی صریح حکم دستیاب نہیں ہوتا، آج کے ہر انسان کو ان ایجادات خصوصاً ڈاکٹری طریقہائے علاج وغیرہ سے تو روزمرہ سابقہ پڑتا ہے اور ایک مسلمان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ شریعت مطہرہ کا حکم معلوم کر سکے اپنے روزمرہ کے معمولات کو ان کے سانچے میں ڈھالا جائے لیکن یہ معلومات کہاں سے حاصل کی جائیں؟

اس لئے ہر دور کے ماہرین علوم دینیہ علماء ربانیین نے اپنے اپنے دور کے نئے مسائل کی طرف اپنی توجہ مبذول فرما کر امت کے سامنے ان کا حل پیش فرمایا ہے لیکن اس کے باوجود آج کل کچھ ایسے عجیب و غریب مسائل پیدا ہو گئے ہیں جن کو دیکھ کر ایک عام انسان ششدر رہ جاتا ہے کہ ان مشکلات کا حل کہاں ملے گا؟ جن میں سے کچھ تو نئی ایجادات اور ڈاکٹری طریق علاج میں ترقی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں اور کچھ لاعلمی، جہالت اور نئے تعلیم یافتہ طبقے کی مرعوب ذہنیت اور خود ساختہ مفکرین اور مجتہدوں کی پیداوار۔

علاوہ ازیں بعض ایسے اہم مسائل بھی ہیں جنہیں ملکی رسالوں، جنتریوں اور دوسرے ذرائع سے پروان چڑھایا جا رہا ہے، غرضیکہ تقریباً چودہویں صدی کے وسط سے لے کر آج تک چاروں طرف ایسے مسائل پیدا ہوتے جا رہے ہیں جن کے سیلاب نے عوام کو بھی اپنی رو میں بہا دیا ہے، بلاشبہ علماء کرام اور مفتی حضرات نے ایسے نت نئے پیدا شدہ مسائل پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں اور ان پر گراں قدر تحقیقات کر کے ان کا حل تلاش کیا ہے لیکن ان فتووں سے صرف وہ لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جنہوں نے ان مسائل کا حل زبانی یا تحریری دریافت کیا ہے مگر ذرائع نشر و اشاعت کے مسدود یا محدود ہونے کی وجہ سے یہ تحقیقات کاغذوں کے صفحات اور لاتعداد رجسٹروں کے اوراق کی زینت بنیں اور بس،

جن سے ہر کس و ناکس کو کیا استفادہ کرتا، جن کی وجہ یہ ہے کہ یہ جواہر پارے مختلف مجلات میں لکھے گئے ہیں ان کے لئے بھی بوقت ضرورت لکھے ہوئے کسی مسئلہ کو اتنے بڑے ذخیرہ سے تلاش کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ حالانکہ ان میں سے ایک ایک مسئلہ ایسی اہمیت کا حامل ہے کہ جس قدر جلد ممکن ان کی اشاعت کر کے ضرورت مندوں تک پہنچا دیا جائے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ خزانۂ علم کے وہ نادر جواہر پارے ہیں کہ اب تک صرف چند دانشور اور ضرورت مندوں کو دعوت عمل دے رہے ہیں فیا اسفیٰ علیٰ سنۃ اللہ الخ۔

انہی متبحرین علماء کرام میں جنہوں نے اپنی عمریں علوم اسلامیہ کی خدمت، خصوصاً مسائل و نوازل کی تحقیق و تفتیش میں گذاری ہیں، میرے مربی و محسن فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت فیوضہم بھی ہیں، آپ نے چونتیس برس فتویٰ نویسی میں گزارے ہیں، اور مستقل تحقیقی نویسی میں محنت شاقہ اور غور و فکر دقیق سے کام لیا ہے، [illegible] سے آپ کی فتویٰ نویسی کا آغاز ہوا، آپ کے تبحر نظر و قوت استدلال کی وجہ سے اکثر علماء کے درمیان نزاعی مسائل فیصلے کے لئے آپ کے پاس آتے تھے، [illegible] میں آپ کے ابتدائی دور کے فتاوی کا انتخاب بنام "احسن الفتاوی" کا اول حصہ شائع ہوا، جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ شاید کسی دینی ادارہ کا دار الافتاء اس سے خالی ہو، جو کبار اکابر علماء بھی اس سے استفادہ بلکہ استناد کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا منتخب مجموعہ کی اشاعت کے بعد آپ نے جتنے فتاوی جاری فرمائے ہیں ان سب کی تعداد تو بہت کثیر ہے، اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ حضرت والا کے مختلف مسائل اور زیادہ اہم فتاوی کا انتخاب کر لیا جائے، زوائد کی تخریجات غیر اہم مسائل اور مکررات کو چھوڑ دیا جائے۔

اس سے قبل احسن الفتاوی مکمل کے نام سے جو کتاب معروف ہے اسے بھی اس مجموعہ میں شامل کر لیا گیا ہے تاریخ تحریر سے قدیم اور جدید فتاوی میں امتیاز کیا جا سکتا ہے، رمضان [illegible] سے جدید سلسلہ کا آغاز ہوا ہے۔

اس مجموعہ کی خصوصیات

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے مجموعہ فتاوی و رسائل میں سے اس مجموعہ کی ترتیب میں مندرجہ ذیل خصوصیات کو سامنے رکھ کر رسائل و مضامین کا انتخاب کیا گیا ہے کہ:-

① —— اس مجموعہ میں صرف فقہی رسائل و مضامین اور فتاوی شامل کئے گئے ہیں،

② —— فقہی رسائل و فتاوی کے انتخاب میں ان باتوں کا خیال رکھا گیا ہے:-

(الف) وہ فتاوی و رسائل لئے گئے ہیں جو موجودہ زمانے کی ضرورت اور مسائل کی افادیت کو پورا کریں۔

(ب) ایسے مسائل جو تحقیق طلب تھے مگر عام طور پر ان کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔

(ج) وہ مسائل جو عربی فتاوی میں تو موجود ہیں مگر اردو فتاوی میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا یا اختصار مخل کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔

(د) ایسے مسائل جو ابھی تک طبع نہیں ہوئے، یا طبع تو ہوئے ہیں مگر ضخامت کم ہونے کی وجہ سے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

③ —— مسائل اکثر تحقیقی اور اصطلاحی زبان میں لکھے گئے ہیں تاکہ علماء و مفتین حضرات ان سے کما حقہ استفادہ کر سکیں۔

④ —— بعض مسائل فتاوی آسان زبان میں ہیں اور جن مسائل میں کتابوں کی عبارتیں زیادہ ہیں ان میں اس مسئلہ کا خلاصہ بحث کے شروع یا آخر میں درج کر دیا گیا ہے تاکہ عوام بھی مسئلہ کی نوعیت سے واقف ہو سکیں۔ البتہ عبارات و دلائل کی عوام کو ضرورت ہی نہیں، اس لئے ان کے ترجمے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، نیز یہ تطویل کا باعث بھی ہے جس سے بچنا ضروری تھا۔

⑤ —— احسن الفتاوی کی ترتیب دوسرے فتاوی کی طرح فقہی رکھی گئی ہے۔

⑥ —— یہ فتاوی میرے بشمول دارالافتاء والارشاد کے شعبہ تمرین افتاء میں کام کرنے والے مختلف علماء کا تحریر کردہ ہے مگر چونکہ ہر مسئلہ حضرت اقدس نے اپنی خاص نگرانی اور خصوصی ہدایات کے تحت لکھوا کر اس پر تصدیق فرمائی ہے اس لئے ہر مسئلہ کی تحقیق حضرت اقدس ہی کی ہے، اگرچہ تحریر مختلف حضرات کی ہے۔

⑦ —— ان تمام مسائل و رسائل پر حضرت اقدس نے چھپنے سے پہلے نظر ثانی فرمائی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو عوام و خواص کی رہنمائی کا ذریعہ بنائیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

احتشام الحق آسیا آبادی عفا اللہ عنہ

دارالافتاء والارشاد کراچی

۵ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۲ھ

مطابق ۱۰ مارچ سنہ ۱۹۸۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الایمان والعقائد!

کسی شخص کا یہ کہنا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرض نماز معاف کردی ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین ایسے شخص کے متعلق جس کا عقیدہ اور بیانات حسب مندرجہ ذیل ہوں:

عرض ہے کہ ڈاکٹر عسکری صاحب جو کہ اپنے آپ کو ڈاکٹر اور سید بھی بتلاتے ہیں، مقام نو [illegible] ضلع [illegible] میں آباد ہوئے ہیں، ان کے متعلق ایڈیٹر اخبار رہبر سندھ نے بہت کچھ لکھا، بعدہٗ عسکری صاحب نے سوال لکھ کر ان سے چھٹکارا حاصل کیا۔ ڈاکٹر عسکری صاحب کا عقیدہ اور بیانات حسب ذیل ہیں:

ڈاکٹر عسکری صاحب مذکور نے محمد یعقوب صوفی عبد الستار صاحب و محمد حسن صاحب و احتشام الدین صاحب سابق ایڈیشنل ماسٹر نوابشاہ، و محمد علی خان و سید رشید الدین احمد صاحب پوسٹ ماسٹر نوابشاہ ضلع [illegible] کے روبرو و بشمول حسب ذیل بیان کیا کہ:

① —— پیغمبر اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے فرمایا ہے کہ نماز پڑھنے سے آزاد ہے۔

② —— حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت خواجہ غریب نواز صاحب اور حضرت خواجہ قطب الدین صاحب اور حضرت خواجہ فرید الدین شکر گنج صاحب اور حضرت خواجہ نظام الدین صاحب میرے مکان نوابشاہ میں تشریف لائے اور دیکھ عالم بیداری میں مجھ سے بات چیت ہوئی، جناب موصوف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم سب تمہارے یہاں تین روز قیام کریں گے، چنانچہ تین یوم تک مذکورہ بالا لوگ رہے ہیں جبکہ صوفی عبد الستار صاحب بھی مذکورہ بالا اشخاص کو تین روز تک دیکھا کئے۔

③ —— ایک روز بیان کیا کہ آج جناب سیدہ حضرت فاطمۃ الزہراء میرے گھر تشریف لائیں اور مجھے اٹھا کر لے گئیں، میرا جسم بالکل معطل ہو گیا تھا، اٹھ نہیں سکتا تھا۔ میں بیدار تھا اور دیکھ رہا تھا۔ [illegible]

کہہ رہا تھا۔

(۴) ـــ ایک دن بیان کیا کہ آج شب میں حضرت سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے مکان پر تشریف لائیں اور مجھے عالم بیداری میں زیارت ہوئی۔

(۵) ـــ ایک دفعہ بیان کیا کہ آج شب میں حضرت خواجہ غریب نواز تشریف لائے ہیں اور مجھ سے مسلّم بکرا پکوانے کی فرمائش کی اور پکانے کی خاص ترکیب بھی بتلائی ہے۔ چنانچہ ایک دن کا بچہ بکری کا پکوا کر کھلایا اس کو کھانے کے بعد بعض کو قے بھی ہوئی۔

(۶) ـــ بیان کیا کہ میں ایک روز دہلی میں سیر و تفریح کو جا رہا تھا، راستہ میں ایک بزرگ صاحب کا مزار تھا، جب میں کچھ مزار سے دور پہنچ گیا تو صاحب مزار نے آواز دے کر فرمایا کہ آپ نہیں رکتے ہو، میں لوٹ گیا اور مزار پر حاضر ہوا، دیکھا کہ صاحب مزار مسکرا رہے ہیں، مجھ سے بات چیت ہوئی اور پھر میں چلا آیا۔ یہ بھی دعویٰ کیا کہ میں نے اہل قبور سے باتیں کی ہیں۔ جب اس قسم کے روزانہ قصے بیان کرنے لگے تو اشخاص مندرجہ بالا میں سے کچھ نے شخص مذکور سے کہا کہ اس قسم کے قصے بیان کرنا بند کیجئے، یہ قوت اللہ پاک نے نبیوں کو عطا فرمائی ہے۔ آپ کے بیانات سے تو بزرگان دین اور حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر بہتان ہے۔ اس سے ہماری دل آزاری ہوتی ہے۔ جواب میں فرمایا کہ میری باتیں تم اور میری اپنی نصیب ہیں، میں نے روپیہ خرچ کر کے یہ عمل کیا ہے، مجھ کو کسی سے کچھ نہیں لینا ہے۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

مندرجہ سوال عقائد رکھنے والا شخص زندیق ہے، نماز وغیرہ ظاہری احکام کا انکار کفر ہے۔ ایسے شخص کا معتقد ہونا ہرگز جائز نہیں، ہر شخص پر اس کی تکذیب اور انکار واجب ہے، جو شخص اس کی تصدیق کرے وہ بھی زندیق ہے۔ علامہ محمد برکلی رومی رحمہ اللہ تعالیٰ طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں: ما یلتبسه بعض المتصوفة فی زماننا اذا انکر علیهم بعض امورهم المخالف للشرع ان حرمة ذلک فی العلم الظاهر وانا من اصحاب العلم الباطن وانه حلال فیه وانکم تأخذون من الکتاب وانا نأخذ من صاحبه یعنی محمدا صلی الله علیه وسلم کله الحاد وضلال اذ فیه ازدراء بالشریعة المحمدیة فالواجب علی کل من سمع هذا القول الانکار علی قائله والجزم ببطلان قوله بلا شک ولا تردد ولا توقف والا فهو من جملتهم ویحکم بالزندقة علیهم الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ شوال سنہ [illegible]

تارک صوم کافر نہیں:

سوال: ایک شخص روزہ نہیں رکھتا مگر خود کو بدبخت اور گنہگار سمجھتا ہے۔ یہاں بعض علماء اسے کافر کہتے ہیں۔ آنجناب بادلائل اس پر روشنی ڈالیں کیونکہ اس میں اختلاف ہو گیا ہے۔

بینوا بالدلیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

تارک صوم بلا استحلال باتفاق جمیع اہل السنۃ مسلمان ہے، لان الکفر ہو انکار ما ثبت من الدین ضرورۃ۔ گناہ کبیرہ کی وجہ سے خروج عن الایمان معتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے، ومن ادعی الارتداد فلیطلع ان قرینہ ولیعرض فی مضمار البیان مرۃ فانہ من قال انا، وقع فی العنا۔

اہل سنت کے نزدیک بعض اعمال مثل شد زنار والقاء القرآن ونحوہ اس لئے موجب کفر ہیں کہ یہ انکار اور تکذیب پر دال ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ ذی قعدہ ۸۳ھ

رمضان میں علانیہ کھانے والے کا حکم:

سوال: شامیہ کتاب الصوم میں ہے کہ رمضان میں علانیہ کھانے والا کافر ہے، پس ایک شخص رمضان میں علانیہ کھاتا ہو مگر ساتھ ہی خود کو قصوروار اور گنہگار بھی کہتا ہے، حضور کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ فی شرح التنویر ولو اکل عمدا شہرۃ بلا عذر یقتل وتمامہ فی شرح الوہبانیۃ، وفی الشامیۃ (قولہ وتمامہ فی شرح الوہبانیۃ) قال فی الوہبانیۃ ؎

ولو اکل الانسان عمدا وشہرۃ ۔۔۔ ولا عذر فیہ قیل بالقتل یؤمر

قال الشرنبلالی صورتہا تعمد من لا عذر لہ الاکل جہارا یقتل لانہ مستہزئ بالدین او منکر لما ثبت منہ بالضرورۃ ولا خلاف فی حل قتلہ والامر بہ فتعبیر المؤلف بقیل لیس بلازم للضعف اھ (شامیۃ ج ۲)۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شامیہ کی عبارت مذکورۃ فی السوال واقعی موجب تکفیر ہے، مگر اولاً یہ امر قابل لحاظ ہے کہ شامیہ میں علت تکفیر استہزاء بالدین ذکر کی ہے، اور ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے کو گنہگار اور قصوروار سمجھتا ہے اور اس کا اقرار بھی کرتا ہے وہ مستہزئ بالدین نہیں بلکہ تکاسلاً ترک صوم کرتا ہے، اور تکاسلاً تارک صوم کے متعلق خود شامیہ میں لکھا ہے کہ اسے قید وضرب کی شدید سزا دی جائے گی، قتل نہ کیا جائے گا، اور باتفاق حنفیہ

شافعیہ، مالکیہ تارک صلوٰۃ کافر نہیں تو تارک صوم بطریق اولیٰ کافر نہ ہوگا، اور ثانیاً حکم قتل موجب تکفیر نہیں کحکم القتل حداً او قصاصاً۔ اور ثالثاً قابل توجہ امر یہ ہے کہ تکفیر مسلم میں از حد احتیاط کی ضرورت ہے، وقد ذکروا ان المسألۃ المتعلقۃ بالکفر اذا کان لہا تسع وتسعون احتمالاً للکفر واحتمال واحد فی نفیہ فالاولیٰ للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال النافی لان الخطأ فی ابقاء الف کافر اھون من الخطأ فی افناء مسلم واحد۔ (شرح فقہ اکبر لملا علی القاری ص ۱۹۹)

شامیہ باب المرتد میں (قولہ قال فی البحر وقد الزمت نفسی الخ) کے تحت بہت بسط اور تفصیل سے احتیاط فی التکفیر کی از حد تاکید ہے، اور بہت سی کتب کی عبارات نقل کی ہیں، اور اس مقام سے کچھ آگے چل کر خود درمختار میں اس کی تائید کی گئی ہے، لہٰذا ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ لگانا خلاف احتیاط ہے، البتہ اس کو تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم دینا بہتر ہے، کما فی شرح التنویر معزیاً الی شرح الوہبانیۃ للشرنبلالی ما یکون کفراً اتفاقاً یبطل العمل والنکاح واولاده اولاد زنا وما فیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ وتجدید النکاح۔ وفی الشامیۃ (قولہ والتوبۃ) ای تجدید الاسلام (قولہ وتجدید النکاح) ای احتیاطاً (الی قولہ) وظاہرہ انہ لا یحکم القاضی بالفرقۃ بینہما وتقدم ان المراد بالاختلاف ولو روایۃ ضعیفۃ ولو فی غیر المذہب (شامیۃ ج ۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ محرم ۷۲ھ

علم اور اہل علم کی اہانت کفر ہے:

سوال: ایک شخص اہل علم اور طلبہ و علماء حق کو گالیاں دیتا ہے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

علم دین کی اہانت اور علماء حق کو اس لیے گالیاں دینا کہ وہ معلمین علم دین ہیں کفر ہے، لہٰذا ایسے شخص کو دوبارہ مسلمان کر کے تجدید نکاح کرنا ضروری ہے، اور اسے جلاوطن کرنا چاہیے اگر دوبارہ مسلمان نہ ہو تو شرعاً اسے قتل

کرنے کا حکم ہے۔ حضرت قال فی البریقة المحمودیة شرح الطریقة المحمدیة قال فی الاشباه الاستهزاء بالعلم والعلماء کفر ومن صنیع المفتی تحقیر العالم وتعلیمه کفر ومن الغرامة من اذی العالم بلا سبب من السند بعد تقیید بدالاثم ومن مجموع النوازل اهانة علماء الدین کفر وعن المحیط ان شتم عالما فقد کفر وتطلق امرأته اه (بریقۃ محمودیۃ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۳ھ

پردہ کو برا سمجھنا کفر ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی عورت کو پردۂ شرعی کا حکم دیا، عورت نے جواب میں کہا کہ میں آخر عمر تک لعنت قبول نہ کروں گی۔ اس عورت کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا بالبرهان توجروا عند الرحمٰن

الجواب ومنه الصدق والصواب

لفظ مذکور فی السؤال کلمۂ کفر ہے، کیونکہ نص صریح سے ثابت شدہ حکم حجاب کا انکار بلکہ اہانت ہے۔ قال فی شرح التنویر والکفر لغة الستر وشرعا تکذیبه صلی الله علیه وسلم فی شیء مما جاء به من الدین ضرورة۔ وقال قبیل هذا من هزل بلفظ کفر ارتد وان لم یعتقده للاستخفاف الخ وفی الشامیة المراد بالتکذیب عدم التصدیق الذی مر ای عدم الاذعان والقبول لما علم مجیئه به صلی الله علیه وسلم ضرورة الی قوله ولیس المراد التصریح بانه کاذب فی کذا لان مجرد نسبة الکذب الیه صلی الله علیه وسلم کفر الخ (رد المحتار کتاب الجهاد ج ۳) فقط والله تعالیٰ اعلم

۱۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۳ھ

گناہوں پر فخر کرنا کفر ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ایسے شخص کے بارے میں جو علانیہ گناہوں میں مبتلا ہے اور ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ مجھے اپنے گناہوں پر فخر ہے، شریعت میں اس کی کیا سزا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

احکام شریعت کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر فخر کرنا بلا شبہہ کفر ہے، لہٰذا ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد ہے، اس پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہے، حاکم وقت پر فرض ہے کہ اسے توبہ اور تجدید ایمان کی تلقین کرے، اگر خدانخواستہ توبہ نہ کرے تو اس کے قتل کا حکم دے۔ قال فی شرح التنویر من هزل بلفظ کفر ارتد وان لم

يستحق بالاستخفاف (رد المحتار ص ۲۹۶ ج ۳) وفيه ايضا نقلا عن الفتح ان الاكل في رمضان جهارا يقتل لانه مستهزئ بالدين او منكر لما ثبت منه بالضرورة (رد المحتار ص ۲۹۳ ج ۳)

مزاحاً کلمۂ کفر کہنے والے اور علانیہ گناہ کرنے والے کو مرتد اور واجب القتل قرار دیا گیا ہے تو گناہوں پر فخر کرنے والے کے کفر میں کیا شبہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ ۲۲ ربیع الآخر [illegible]

تبصرہ بر رسالہ "التعلیق فی الہدایۃ لمن انکر الکرامۃ"

میں نے مولانا محمد خلیل اللہ صاحب کی تحریر اور مولانا عبد الکریم صاحب اور مولانا دوست محمد کے جوابات کا بغور مطالعہ کیا، میرے خیال میں جواب لکھنے والے ہر دو حضرات نے مولانا خلیل اللہ صاحب کا مقصد پوری طرح نہیں سمجھا، جس کی وجہ سے مولانا محمد خلیل اللہ صاحب کی تحریر کا جواب مکمل نہیں۔ جواب میں دو امر مذکور ہیں۔

(۱) وقوع کرامت بدرجہ قدر مشترک نصوص قطعیہ سے ثابت ہے حالانکہ مولانا محمد خلیل اللہ صاحب بھی اس کے منکر نہیں۔

(۲) ہر ہر فرد و جزئی کرامت کے ثبوت کے لئے نص قرآنی یا احادیث متواترہ کی ضرورت نہیں، حالانکہ مولانا خلیل اللہ صاحب بھی اس کے قائل نہیں۔

میرے خیال میں مولانا خلیل اللہ صاحب کا مقصد یہ ہے (واللہ تعالیٰ اعلم بمراد عبادہ) کہ سنتِ احراقِ نار مثبت ہونے کی وجہ سے قطعی ہے۔ اب اگر کسی ولی کے متعلق سننے میں آئے کہ اسے کرامت کے طور پر آگ نہیں جلاتی تو اس واقعہ کی تصدیق کے لئے اس کا علم قطعی ضروری ہے، یعنی روبرو وہ کرامت مشاہدہ دیکھا جائے یا اس کی خبر حد تواتر تک پہنچے۔ غرضیکہ قطعی سے مراد علم قطعی ہے قرآن یا حدیث کی نص قطعی مراد نہیں، چنانچہ مولانا خلیل اللہ صاحب کی تحریر کا پہلا جملہ "واقعات عادیہ قطعی ہیں" اس پر بیّن دلیل ہے کہ قطعی سے ان کی مراد قطعی الوجود بالمعاینہ وغیرہ ہے، ثابت بنص القرآن یا بالحدیث القطعی مراد نہیں۔ مولانا خلیل اللہ صاحب کی تحریر کا مقصد واضح ہونے کے بعد معلوم ہوگا کہ سابق میں مندرجہ جوابات مولانا کے استدلال کی تردید کے لئے کافی نہیں، لہٰذا مولانا کے استدلال کے بالاختصار دو جواب تحریر کئے جاتے ہیں۔
ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔

(۱) **الزامی جواب۔** انبیاء کرام علیہم السلام کے اکثر معجزات اخبار آحاد سے ثابت ہیں، آپ کے استدلال کے مطابق ان جملہ معجزات کا انکار کرنا پڑے گا۔ یہ جواب مولانا عبد الکریم صاحب کی تحریر میں بھی موجود

ہے۔ مگر مندرجہ ذیل تحقیقی جواب کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔

(۲) **تحقیقی جواب۔** امور عادیہ کے خلاف بعض واقعات جب علم اقلیدس میں تواتر سے ثابت ہیں تو امور عادیہ قطعی نہ رہے بلکہ عام مخصوص منہ البعض ہونے کی وجہ سے ظنی ہوگئے۔ لہٰذا ان کے مقابلہ میں خبر واحد عادل کافی ہے جو کہ موجب ظن غالب ہے۔ غرضیکہ اگر کوئی کرامت خبر واحد عادل سے منقول ہو تو اس کی تصدیق لازم ہے۔

فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الاول ۸۹ھ

چاند پر پہنچنا شریعت کے خلاف نہیں

عنایت فرما کر اس سوال کا مفصل مختصر جواب تحریر فرمائیں۔ قرآن شریف میں "تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیها سراجا وقمرا منیرا" سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب آسمانوں میں ہیں اسی طرح چند قرآن شریف میں بھی تحریر ہے کہ سب آسمان میں ہیں اور آج کل لوگ چاند پر اتر رہے ہیں اور اسی طرح زہرہ پر اتر رہے ہیں اور وہاں اسٹیشن قائم کر رہے ہیں اور یہ لوگ آسمانوں کے قائل نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آسمان ہوتے تو ہمیں رکاوٹ ہوتی، عنایت فرما کر جواب تحریر فرمائیں۔ والسلام

الجواب باسم ملہم الصواب

سماء کے لغوی معنی بلندی کے ہیں لہٰذا آیۃ مذکورہ میں اگر اس کے لغوی معنی مراد لیے جائیں جو کثرت سے آتے ہیں، کما قالوا فی قولہ تعالیٰ "وانزلنا من السماء ماء" تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا جیسے "کل فی فلک یسبحون" میں فلک کے لغوی معنی مدور مراد لینے سے اعتراض رفع ہوجاتا ہے۔ نیز دونوں جگہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حرف "فی" ظاہری رویت کے اعتبار سے لایا گیا ہے یعنی بظاہر یہ سیارات آسمان کے اندر نظر آتے ہیں اگرچہ حقیقۃً نیچے ہیں، چنانچہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ میں نے آسمان پر یا آسمان میں فلاں چیز دیکھی یا آسمان پر بادل ہیں حالانکہ یہ اشیاء آسمان سے بہت نیچے ہیں۔

نیز آیات مذکورہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیارات نفس سماء میں مرکوز ہیں کیونکہ اشیاء مجاورہ کے لیے بھی "فی" کا استعمال ہوتا ہے کما فی قولہ تعالیٰ "لہ ما فی السموات وما فی الارض" پس قریب الی السماء یا بالفاظ دیگر مائل الی المحیط ہونے کی وجہ سے "فی السماء" کا اطلاق صحیح ہے بلکہ "یسبحون" سے یہی متبادر ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الاول ۹۰ھ

کہ مرزا صاحب کی نبوت پر بحث کرتے ہوئے اکثر علماء یہ بحث از خود چھیڑ دیتے ہیں کہ نبوت ختم ہوچکی ہے۔ اس لئے ہمیں یہ بحث کرنا پڑتی ہے۔

مفتی صاحب :۔ یہ بحث آپ اس عالم سے کریں جو اسے چھیڑے، مجھ سے براہِ راست اپنے دعوی نبوت مرزا پر بحث کریں، اس لئے کہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ بفرضِ محال اگر نبوت جاری ہو تو بھی مرزا صاحب نبی نہیں ہوسکتے۔

حضرت والا کے اس اصرار کے باوجود قادیانی مناظر اجرائِ نبوت ہی پر بحث کرنے پر مصر ہے، اصل وجہ یہ ہے کہ قادیانی مناظر اس مسئلہ میں اصل مدعا کی طرف آتے ہوئے گھبراتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہے کہ مرزا صاحب کی نبوت کو ثابت کرنے کے آگے کانٹوں کا انبار ہے۔ اس لئے حضرت والا ارخاءِ عنان کے لئے اجرائِ نبوت ہی پر بحث کرنے پر رضامند ہوگئے کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ کسی کمزوری کی بناء پر اس بحث سے پہلو تہی کررہے ہیں، چنانچہ اب بحث شروع ہوتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب :۔ یہ بحث ہے تو بالکل فضول مگر جب آپ اپنے اصل مدعا کی طرف نہیں آنا چاہتے اور اسی پر مصر ہیں کہ اجرائِ نبوت ہی پر بحث ہو تو چلئے اس پر فرمایئے۔

قادیانی مناظر :۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک بالاتفاق نبوت جاری رہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کا یہ دعوی ہے کہ نبوت ختم ہوگئی، جو شخص متفق علیہ حقیقت کے خلاف کا قائل ہوتا ہے وہ مدعی کہلاتا ہے اور مدعی کے ذمہ دلیل بیان کرنا ہوتا ہے، آپ مدعی ہیں، لہٰذا ختمِ نبوت پر دلیل بیان کریں۔

حضرت مفتی صاحب :۔ آپ میرا مدعی ہونا تسلیم کرتے ہیں؟

قادیانی مناظر :۔ (ذرا ہچکچا کر) ہاں! اس حیثیت سے کہ آپ متفق علیہ حقیقت کے خلاف کے قائل ہیں۔

حضرت مفتی صاحب :۔ آپ حیثیت وغیرہ چھوڑیں بلکہ صاف اس کا اقرار کریں کہ آپ مجھے مدعی مانتے ہیں۔

قادیانی مناظر :۔ (دبی ہوئی زبان میں) ہاں آپ مدعی ہیں۔

قادیانی مناظر کو حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے مدعی تسلیم کرنے میں تردد اس لئے ہورہا تھا کہ

قادیانیوں سے تعلقات رکھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص صحیح العقیدہ ہے، صوم صلوٰۃ وزکوٰۃ کا پابند ہے، لیکن اس کے دنیوی تعلقات قادیانی جماعت کے ساتھ ہیں، کیا ایسے شخص سے مسجد کے لئے چندہ لینا اور ایسے شخص سے تعلقات رکھنا جائز ہے، اور ایسے شخص کو خنزیر سے بدتر کہنا اور سمجھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسا شخص جو صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے لیکن اس کے تعلقات قادیانی جماعت کے ساتھ ہیں اگر وہ دل سے بھی ان کو اچھا سمجھتا ہو تو وہ مرتد ہے اور بلاشبہ خنزیر سے بدتر ہے، اس سے تعلقات رکھنا ناجائز ہے، اگر وہ مسجد کے لئے چندہ دیتا ہے تو اسے وصول کرنا جائز نہیں۔ اور اگر وہ قادیانیوں کے عقائد سے متفق نہیں اور نہ ہی ان کو اچھا سمجھتا ہے، بلکہ صرف تجارت وغیرہ دنیوی معاملات کی حد تک ان سے تعلق رکھتا ہے تو یہ شخص مرتد نہیں، البتہ بہت سخت مجرم اور فاسق ہے۔ قادیانی زندیق ہیں جن کا حکم عام مرتد سے بھی زیادہ سخت ہے، مرتد اور اس کا بیٹا اپنے مال کے مالک نہیں، لہٰذا ان کی بیع وشراء، اجارہ واستئجار، ہبہ کا لین دین وغیرہ کوئی تصرف بھی صحیح نہیں، البتہ پوتے نے جو مال خود کمایا ہو وہ اس میں تصرف کر سکتا ہے، مگر زندیق کا پوتا بھی چونکہ مرتد کے مال کا مالک نہیں اور اس کے تصرفات نافذ نہیں، اس لئے قادیانی سے کسی ذریعہ سے بھی کوئی مال لیا تو وہ حلال نہیں۔

تجارت وغیرہ معاملات کے علاوہ بھی قادیانیوں کے ساتھ کسی قسم کا کوئی میل جول رکھنا جائز نہیں، اس میں یہ مفاسد ہیں:

(۱) اس میں قادیانیوں کے ساتھ تعاون ہے،
(۲) اس قسم کے معاملات میں عوام قادیانیوں کو مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھنے لگتے ہیں،
(۳) اس طرح قادیانیوں کو اپنا جال پھیلانے کے مواقع ملتے ہیں،

اس لئے قادیانیوں سے لین دین اور دیگر ہر قسم کے معاملات میں قطع تعلق ضروری ہے، ان سے تعلقات رکھنے والا آدمی اگرچہ ان کو برا سمجھتا ہو قابل ملامت ہے، ایسے شخص کو سمجھانا دوسرے مسلمانوں پر فرض ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲ محرم سنہ ۹۲ھ

قادیانیوں سے متعلق مزید مسائل جلد ۶ "باب المرتد والبغاۃ" میں ہیں، اور زیادہ تفصیل کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شہادت کا عقیدہ رکھنا کفر ہے

سوال : مرزائیوں نے کتابیں چھپوا کر بستی میں تقسیم کی ہیں جس میں انھوں نے قرآن کی آیات سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو یہودیوں نے شہید کیا ہے۔ کچھ مسلمان اس عقیدے کی طرف رجوع بھی ہوگئے تو ان مسلمانوں کو مرتد خارج از اسلام و کافر سمجھا جائے یا ضعیف الایمان مسلمان؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شہادت کا عقیدہ رکھنے والے خارج از اسلام اور بلا شبہہ کافر ہیں اس لئے کہ نص قرآن سے ثابت ہے کہ کوئی حضرت عیسٰی علیہ السلام کو شہید نہیں کر سکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا۔ قال اللہ تعالیٰ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ ما لہم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ وکان اللہ عزیزا حکیما۔ جب تک یہ لوگ توبہ و استغفار کر کے تجدید ایمان نہ کریں ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جیسا کہ قادیانی و دیگر مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ان کے ساتھ ہر قسم کا تعلق و کاروبار وغیرہ ناجائز ہے۔ علاوہ ازیں مرتد کا حالت ارتداد میں کمایا ہوا مال اس کے وارثوں کو نہیں مل سکتا بلکہ مسلمانوں کا حق ہے اسلئے بیت المال کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔ نیز مرتد کے تصرفات نکاح، شرکت مفاوضہ، ولایۃ علی الولد الصغیر، ہبہ، اجارہ، قبض دین وغیرہ نافذ نہیں ہوتے اور احد الزوجین کے ارتداد سے نکاح باطل ہو جاتا ہے۔ قال فی التنویر ویبطل منہ اتفاقا ما یعتمد الملۃ وھی خمس النکاح والذبیحۃ والصید والشھادۃ والارث ویتوقف منہ المفاوضۃ والتصرف علی ولدہ الصغیر والمبایعۃ والعتق والتدبیر والکتابۃ والھبۃ والاجارۃ والوصیۃ ان اسلم نفذ وان ھلک او لحق بدار الحرب وحکم بلحاقہ بطل۔

(ردالمحتار ج۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ محرم سنہ ۹۱ھ

ماہ صفر میں شادی کو منحوس سمجھنا

سوال : لوگ صفر کے مہینے میں شادی کرنے کو برا سمجھتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب نے کہا کہ "لوگوں کا نحوست کا گمان غلط ہے لیکن میرے بھائی کی شادی اس مہینے میں ہوئی تو نتیجہ اچھا نہیں ہوا" آپ

مولوی صاحب کا یہ کہنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مولوی صاحب کے قول کا نتیجہ اچھا نہیں ہوا ہے فساد عقیدہ کی تائید ہوتی ہے اس لئے ان پر توبہ لازم ہے نیز جن لوگوں کے سامنے ایسا کہا ہے ان کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف اور توبہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ربیع الاول [illegible]

لی خمسۃ اطفی بہا الخ شرک ہے

سوال: لی خمسۃ اطفی بہا حر الوباء الحاطمہ، المصطفی والمرتضی وابناهما والفاطمہ، یہ تعویذ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ناجائز و شرک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الاول [illegible]

تحقیق وما اہل بہ لغیر اللہ

ایک فتویٰ ارسالِ خدمت ہے اس کے جواب سے نوازیں۔

سوال: ایصالِ ثواب بروح بزرگان، و ان کی طرف جانور منسوب کرنا، اور پھر ان کو زیارتگاہ پر جاکر ذبح کرنا (بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر) اور غرباء میں تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ایصالِ ثواب للغیر جائز ہے۔ زیلعی (شرح کنز) درمختار، فتاویٰ عالمگیری وشامی وغیرہ میں یہ مذکور ہے اور کسی چیز کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا ہرگز حرام نہیں بلکہ احادیث سے ثابت ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب فضل الصدقہ میں حضرت سعد بن عبادہ کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کی والدہ کی جب وفات ہوئی تو انھوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ کی وفات ہوگئی ہے ان کے لئے کونسا صدقہ افضل ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پانی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی والدہ کے نام ایک کنواں کھدوا دیا (مشکوٰۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ خیرات وغیرہ کو اولیاء امت کی طرف منسوب کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی انکار کرے تو وہ منکرِ حدیث ہے۔ اور منکرین نے اس آیۃ کریمہ سے استدلال کیا ہے، وما اہل

به لغیر الله ، حالانکہ باجماع مسلمین یہ اس جانور کے بارے میں ہے جس پر ذبح کے وقت
غیر اللہ کا نام لیا جائے ، ولا خلاف بین المسلمین ان المراد به الذبیحة اذا اهل بها لغیر الله
عند الذبح (احکام القرآن للجصاص ص ۱۳۳ ج ۱)

ومن ههنا علم ان البقرة المنذورة للاولیاء کما هو الرسم فی زماننا حلال طیب لانه
لم یذکر اسم غیر الله علیها وقت ذبحها وان کانوا ینذرونها له (تفسیرات احمدیہ ص ۴۵) بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ایصال ثواب بروح بزرگان و اولیاء کرام ثابت و موجب اجر و ثواب ہے، اس میں کوئی
کلام نہیں، لیکن اس کے ساتھ کسی قسم کی تقیید و تخصیص احداث فی الدین و بدعت ہے۔
اولیاء کرام کے نام پر جانور متعین کرنا اور پھر مزاروں پر لے جا کر ذبح کرنا ما اهل به لغیر الله
میں داخل ہونے کی وجہ سے شرک ہے اور اس کا کھانا حرام ہے گو اس پر ہزار بار بسم الله
الله اکبر پڑھی گئی ہو۔ مجیب نے جواز پر جو دلائل پیش کئے ہیں ان میں سے کوئی ایک دلیل
بھی مفید مدعا نہیں۔ ملاحظہ ہو (قولہ) علماء کرام متفق ہیں کہ ہر کار خیر الخ (اقول) اس تقریر
سے اتنا ثابت ہوا کہ ایصال ثواب الی الغیر مطلقاً جائز ہے۔ اور اس میں ہمیں بھی کوئی کلام نہیں
البتہ اس کے لئے کوئی وقت متعین کرنا اور قیود لگانا بدعت ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔

(قولہ) منکرین نے وما اهل به لغیر الله سے استدلال کیا ہے الخ (اقول) مجیب نے اس
ساری تقریر سے نذر لغیر اللہ کے اثبات کی کوشش کی ہے اور احکام القرآن للجصاص کا حوالہ
دیا ہے۔ ان المراد به الذبیحة اذا اهل بها لغیر الله عند الذبح، لیکن اس سے آگے نظر
نہیں فرمائی جہاں مصرح ہے وظاهر قوله تعالى وما اهل به لغير الله یوجب تحریمها اذا سمی
علیها باسم غیر الله لان الاهلال به لغیر الله هو اظهار غیر اسم الله ولم یفرق الآیة
بین تسمیة المسیح وتسمیة غیره بعد ان یکون الاهلال به لغیر الله (احکام القرآن ص ۱۳۴ ج ۱)
بالفرض ما اهل به لغیر الله کی تخصیص ذبح باسم غیر اللہ کے ساتھ تسلیم بھی کر لی جائے تو
نذر لغیر اللہ کی حرمت "وما ذبح علی النصب" میں مصرح ہے۔

دوسرا حوالہ تفسیرات احمدیہ کا دیا ہے ان البقرة المنذورة للاولیاء الخ اس کا مطلب
یہ ہے کہ نذر تو اللہ تعالیٰ کے لئے مانی جائے اور ثواب اولیاء اللہ کے لئے ہو۔ یہ وضاحت
خود مصنف نے حاشیہ میں فرمائی ہے (بیان القرآن) اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ اگر

اولیاء اللہ کو متصرف فی الامور اور نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر ان کی رضا کے لئے جانور ذبح کرتا ہے تو یہ بلاشبہ ما اهل به لغیر اللہ میں داخل ہے اور آجکل عوام کا عقیدہ یہی ہوتا ہے قال العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحة وقصد بذبحه التقرب الی غیر اللہ تعالی صار مرتدا وذبیحته ذبیحة مرتد (تفسیر نیشاپوری) امام رازی نے اپنی تفسیر میں صراحۃً اس کی حرمت بیان فرمائی ہے اور تمام فقہاء کرام بھی اس کی حرمت پر متفق ہیں۔ درمختار میں ہے ذبح لقدوم الامیر ونحوه کواحد من العظماء یحرم لانه اهل به لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ ولو ذبح للضیف لا یحرم لانه سنة الخلیل علیه السلام واکرام الضیف اکرام اللہ تعالی والفارق بینهما انه ان قدمها لیاکل منها کان الذبح للہ تعالی والمنفعة للضیف او للولیمة وان لم یقدمها لیاکل منها بل یدفعها لغیره کان لتعظیم غیر اللہ فتحرم وهل یکفر قولان انتهی (الاشباه والنظائر) فقط واللہ تعالی اعلم

۲۳ محرم سنہ ۱۳۹۵ھ

سائبہ کی تحقیق

سوال: حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالی نے بیان القرآن میں سائبہ کی حرمت ثابت فرمائی ہے اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن میں حلال لکھا ہے اور وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ سائبہ کو حرام کہنے سے مشرکین کے عقیدہ کی تائید ہوتی ہے، آپ کی تحقیق کیا ہے؟ سائبہ ما اهل به لغیر اللہ میں داخل ہے یا نہیں؟ نیز جانوروں کے علاوہ مٹھائی وغیرہ جو غیر اللہ کی نذر کے طور پر تقسیم کی جاتی ہے وہ حلال ہے یا حرام؟ اور ما اهل به لغیر اللہ اس کو شامل ہے یا نہیں؟ بینوا بیانا شافیا توجروا اجرا وافیا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم نے امداد المفتین ص۲۲۳ ج ۲ میں سائبہ کی حلت کی طرف حضرت تھانوی قدس سرہ کا رجوع نقل فرمایا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی طرف سے سوال اور حضرت تھانوی قدس سرہ کا جواب امداد المفتین سے نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: ایک فتوی ریاست قرولی کا دربارہ (حلت) سائبہ وبحیرہ وغیرہ یہاں آیا ہوا ہے جس پر حضرت والا کی بھی تصدیق ہے۔ غالبا تصدیق کی نقل میں تو غلطی نہیں ہے کیونکہ بیان القرآن

ہو چکے حاشیہ میں بھی حضرت نے اسی صورت کو ترجیح دی ہے اور کچھ یاد ہے زبانی بھی حضرت سے چند بار احقر نے سنے تھے مگر اس میں ایک کھٹک اسی وقت سے چلی آتی ہے وہ یہ کہ صورت ثالثہ جس میں اراقۂ دم لغیر اللہ مقصود نہیں مگر نذر لغیر اللہ کی حد میں تو داخل ہے اور منذور لغیر اللہ کی حرمت پر صاحب بحر نے عبارت[1] ذیل میں اجماع مسلمین نقل کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے جانور کی حلت کے لئے صرف اذن مالک کافی نہیں بلکہ مالک کا اپنی نذر سے رجوع کرنا بھی ضروری ہے۔ ہاں اگر سائبہ وغیرہ جانوروں اور منذور لغیر اللہ میں کوئی فرق ہو تو بیشک یہ شبہ رفع ہو سکتا ہے مگر مجھے ان دونوں میں کوئی فارق معلوم نہیں ہوا کیونکہ اصل علت تقرب الی غیر اللہ ہے وہ دونوں میں یکساں ہے، صرف بحیرہ سائبہ میں صیغہ نذر کا نہیں ہے اگر ہو سکے تو اس پر نظر فرما کر اس کا حل فرما دیا جاوے تاکہ اشکال رفع ہو اور اس کا جواب بھی درج کر دیا جائے۔

جواب

اس مسئلہ کے متعلق میری رائے پر تین دور گزرے ہیں۔ ایک زید کی موافقت (حرمت) کا اور میں نے تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ دوسرا تردد کا، تفسیر کی جلد ثالث کے ضمیمہ میں اس تردد کو ظاہر کیا ہے۔ تیسرا بکر کی موافقت میں (حلت) اور امداد الفتاوی کے فتوی منقولہ سوال میں اسی کو حکم کیا ہے جو کہ تفسیر سے زماناً متاخر ہے، پس اخیر رائے یہی ہے اور پہلی دونوں رائیں مرجوع عنہ ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سوائب ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل نہیں کیونکہ ناذر کا مقصود ان کا ذبح نہیں، پس ان کی حرمت کسی دوسرے عارض (عدم اذن المالک) سے ہوگی جس کے ارتفاع سے حرمت اصل بعد الذبح مرتفع ہو جائے گی۔ چنانچہ بکثرت مفسرین نے آیت یا ایہا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً کا سبب نزول اسی تحریم سوائب کو لکھا ہے اور آیت سے حلت کا اثبات اور اس حرمت کی نفی کی ہے اور بعض نے جو دوسرا سبب نزول لکھا ہے انھوں نے بھی اس حلت کی نفی اور حرمت کا اثبات نہیں کیا تو مسئلہ متفق علیہا ہو گیا البتہ میری تحقیق میں ما اہل بہ لغیر اللہ میں ایک دوسرا عموم ہے یعنی منذور بہ لغیر اللہ غیر حیوان کو بھی حکم حرمت کا شامل ہے مگر اس تفصیل سے کہ حیوان کی حرمت مدلول نص بلا واسطہ ہے لان الآیۃ وردت فی الحیوانات اور غیر حیوان کی حرمت مدلول بواسطہ قیاس ہے۔ لاشتراک العلۃ

---

[1] واما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام (البحر الرائق قبیل باب الاعتکاف ۲/۲۹۸) رشید احمد

وغیرہ نیۃ التقرب الی المخلوق، مگر کا فتوی اسی قیاس پر مبنی ہے۔ باقی آپ نے جو شبہ لکھا ہے
اس کا جواب قواعد سے یہ ہے کہ منذور بہ لغیر اللہ میں وہ تصرف جس میں تقرب ہے ناذر کی غرض
باطل کی حرام ہے لان اعانۃ الحرام حرام اور جس تصرف میں ابطال ہے غرض ناذر کا وہ جائز ہے
پس ما اہل بہ لغیر اللہ کے ذبح و تناول میں تو تقرب ہے اس کی غرض فاسد و ہم کی اسلئے حرام ہے
اور سوائب کے ذبح و تناول میں ابطال ہے اس کی غرض کا اس لئے حرام نہیں اور بحر کی جزئیات
میں مجاورین کا انتفاع یعنی نقد و تناول وغیرہ یہ سب تقریر ہے غرض ناذر کی اسلئے حرام ہے۔
اس سے فرق نکل آیا سوائب کے تناول میں اور منذور للقبور کے تناول میں۔ واللہ اعلم

کتبہ اشرف علی

۲ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۵ھ

سوائب اور منذور للقبور میں ایک اور فرق بھی معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ منذور للقبور کی حرمت
تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے ہے اور تقرب بواسطہ قربت ہوتا ہے، اور تصدق واراقۃ دم شرعاً
قربت ہے مگر محض تسییب کو شریعت نے قربت نہیں قرار دیا اگرچہ مسیب اسے قربت سمجھتا ہے
لہذا سوائب میں تقرب الی غیر اللہ نہیں پایا گیا جو علت تحریم ہے۔

غرضیکہ سائبہ فی نفسہ حلال ہے مگر عدم اذن مالک کی وجہ سے حرام ہے۔ اگر مالک کی طرف
سے صراحۃً یا اباحت عامہ کے تحت اذن پایا جائے تو سائبہ حلال ہے "ما اہل بہ لغیر اللہ" کے
عموم میں سوائب وغیرہ بھی داخل ہے، اور "وما ذبح علی النصب" کا بالاستقلال ذکر اس پر
قرینہ ہے کہ "ما اہل بہ لغیر اللہ" حیوان و غیر حیوان دونوں کو شامل ہے اور اگر اسے حیوان
کے ساتھ خاص رکھا جائے تو غیر حیوان کی حرمت ثابت بالقیاس ہوگی بعلۃ "التقرب الی غیر اللہ"
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۸۸ھ

نجومی کو ہاتھ دکھانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ نجومی
کو ہاتھ دکھا کر حالات معلوم کرنا جائز ہے، علم غیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، نجومی اسباب پر
نظر کر کے نتیجہ کی پیشگوئی کرتا ہے جیسے کہ محکمۂ موسمیات اور دوسرے مختلف محکمے اور ماہرین فن اسباب

کے پیش نظر پیشگوئیاں کرتے رہتے ہیں۔ نیز بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ علم اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دیا تھا اور نجومی جو وقوع حوادث کی خبر دیتا ہے وہ امر تقدیری بقواعد نجوم بتاتا ہے یہ علم غیب میں شمار نہیں۔ کیا مسلمانوں کے لئے یہ عقائد رکھنا شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اسباب سے متعلق عام قاعدہ یہی ہے کہ اگر ان کو مؤثر نہ سمجھا جائے بلکہ درجہ سببیت ہی میں رکھتے ہوئے سبب پر استدلال کیا جائے تو یہ جائز ہے مگر شریعت نے اس قاعدہ سے علم نجوم کو مستثنیٰ قرار دیا ہے یعنی نجوم سے درجہ سبب میں بھی واقعات پر استدلال سے سختی سے منع فرمایا ہے، اس استثناء کی حکمت کا سمجھ میں آنا ضروری نہیں، معہذا بظاہر یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اس میں ذہن ملوث ہوگیا ہے کہ اس کی طرف متوجہ ہونے والے بالعموم نجوم کی تاثیر کے قائل ہو جاتے ہیں، محض سببیت پر توقف نہیں کر سکتے، نیز اس علم میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ بسا اوقات بہت سی پریشانیوں کا باعث بنتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شریعت نجوم کی سببیت ہی کا انکار کرتی ہے یعنی نجومی جن امور کی نسبت نجوم کی طرف کرتے ہیں شریعت نے ان کی تغلیط کی ہے ویسے مطلقاً سببیت بالخصوص شمس و قمر میں مشاہد ہے، یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ علم نجوم و علم فراست در اصل صحیح ہیں مگر ان کے قواعد کسی دلیل سے ثابت نہیں اس لئے ان میں عموماً غلطی واقع ہوتی ہے جو بسا اوقات بدگمانی کا باعث بنتی ہے اور بدگمانی سے فتنے، منافرت اور دیگر کئی مفاسد پیدا ہوتے ہیں چنانچہ چور کی شناخت کا عمل اسی وجہ سے ممنوع ہے۔

افلاطون سے اگر کوئی ملاقات کرنا چاہتا تو پہلے اس کی تصویر منگوا کر بذریعہ فراست اس کے اخلاق معلوم کرتے ملاقات کے قابل ہوتا تو اجازت دیتے۔ ایک شخص کی تصویر دیکھ کر ملاقات سے انکار کر دیا تو اس نے کہا کہ افلاطون کی فراست صحیح ہے واقعی میرے اندر یہ رذائل تھے مگر اب میں نے ان کی اصلاح کر لی ہے، جب افلاطون جیسے مشہور صاحب تصرف اشراقی سے غلطی پہنچ کر اور وہ بدگمانی پیدا کر سکتی ہے تو کوئی دوسرا کیسے محفوظ رہ سکتا ہے۔ غرضیکہ شریعت نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس پر شدید وعیدیں آئی ہیں۔

(۱) من اتی عرافا فسألہ عن شیء لم تقبل لہ صلاۃ اربعین لیلۃ (رواہ مسلم و مسند احمد بن حنبل)

(۲) من اتی عرافا او کاھنا فصدقہ بما یقول فقد کفر بما انزل علی محمد (مسند احمد، مستدرک حاکم)

(۳) من اتی کاھنا فصدقہ بما یقول او اتی امرأۃ حائضا او اتی امرأۃ فی دبرھا

فقد برئ مما انزل علی محمد (ﷺ) (ابو داؤد، مسند احمد)

(۳) من اتی کاهنا فسأله عن شیء حجبت عنه التوبة اربعین لیلة فان صدقه بما قال کفر (طبرانی)

قال فی رد المحتار تحت (قوله والتنجیم) وافاد ان تعلم القدر المذکور (ای ما یعرف به مواقیت الصلوٰة والقبلة) لا بأس به بل صرح فی الفصول بوجوبه وهو ما مشی علیه الشارح والظاهر ان المراد بالقسم الثانی دون الاول ولذا قال فی الاحیاء ان علم النجوم فی نفسه غیر مذموم لذاته اذ هو قسمان الخ ثم قال ولکنه مذموم فی الشرع وقال عمر تعلموا من النجوم ما تهتدوا به فی البر والبحر ثم امسکوا وانما زجر عنه من ثلاثة اوجه احدها انه مضر باکثر الخلق فانه اذا القی الیهم ان هذه الآثار تحدث عقیب سیر الکواکب وقع فی نفوسهم انها المؤثرة وثانیها ان احکام النجوم تخمین محض ولقد کان معجزة لادریس علیه السلام فیما یحکی وقد اندرس وثالثها انه لا فائدة فیه فان ما قدر کائن والاحتراز عنه غیر ممکن اهـ ملخصا (رد المحتار ص ۳۰ ج ۱)

یہ جو کہا گیا ہے کہ علم نجوم حضرت ادریس علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتایا گیا تھا، اولاً تو یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی، ثانیاً قواعد نجوم سند سے ثابت نہیں کہ ان پر اعتماد کر لیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ یہ وہی علم ہے جو حضرت ادریس علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ ثالثاً خود منجمین اور ان سے پوچھنے والے عام طور پر کواکب کو متصرف و فاعل سمجھتے ہیں جو شرک جلی ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۹ جمادی الاولی سنہ ۹۶ھ

خالہ زاد سے پردہ کو معیوب سمجھنا کفر ہے

سوال: خالہ، ماموں، پھوپھی اور چچا کے لڑکوں سے پردہ کو برا سمجھنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خالہ زاد وغیرہ سے پردہ فرض ہے اور شریعت کے کسی حکم کو برا سمجھنا کفر ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ ذی قعدہ سنہ ۹۰ھ

جی ایم سیّد کفر میں جیّد

سوال۔ کتاب "جیئن ڈٹھو موں" تصنیف جی ایم سید، طابع وناشر نور محمد ملک برائے ملاحظہ ارسال خدمت ہے، تحریر فرمائیں کہ اس کے مصنف اور طابع وناشر کے بارہ میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

میں نے اس کتاب کو متعدد مقامات سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ صریح اور ناقابل تاویل کفریات کا مجموعہ ہے۔ اس میں مذہب اور خدا پرستی کو وہم پرستی ثابت کرنے کی بار بار کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات سمع، بصر، رزق، رضا، غضب وغیرہا اور اسلام کے بنیادی عقائد خلق انسان، حیات بعد الموت، برزخ، قیامت، پل صراط، میزان، جنت اور دوزخ، حج، طواف، رمی، سعی، قربانی، صدقات، حشر، جانوروں کی حلت وحرمت، عبادات، اوراد، وظائف اور روزہ وغیرہا احکام کو قدیم وہم پرستی قرار دیا ہے (العیاذ باللہ) یہ نمونہ کے طور پر ذکر کیا گیا ورنہ اس دو سو صفحات کی کتاب میں شاید ہی کوئی صفحہ الحاد وکفر سے خالی ہو، انتہائی حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ مسلم حکومت اور مملکت پاکستان میں ایسی صریح اسلام دشمنی اور عقائد و اصول اسلام کا علانیہ مذاق اڑانے اور صریح کفر والحاد کی نشر واشاعت کی جرأت کیسے ہوئی؟ پھر مسلمانوں نے اور مسلم حکومت نے اسے برداشت کیسے کیا؟ حکومت پر فرض ہے کہ اس کتاب کے ضبط کا فوری حکم دے اور ایسے مردود دشمنان اسلام کو برسر عام قتل کی عبرتناک سزا دے اور عامۃ المسلمین خصوصاً علماء کرام کا فرض ہے کہ اس کھلی ہوئی توہین اسلام اور کفر والحاد کی نشر واشاعت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں اور اس کی روک تھام کے لئے حکومت سے پر زور مطالبہ کریں۔ مسلمانوں کے لئے اس کتاب کے مصنف و طابع وناشر کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق رکھنا جائز نہیں، ان مرتدین کا نکاح بھی باقی نہیں رہا، ان کی بیویوں پر فرض ہے کہ فوراً ان سے الگ ہو جائیں، ان کے ساتھ بیوی جیسا تعلق رکھنا زنا شمار ہوگا اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد ولد الزنا ہوگی۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

۱۳ جمادی الاولیٰ سنہ [illegible]ھ

نور وبشریت

سوال۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور سمجھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نور کے معنی ہیں روشنی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے چاند کو نور فرمایا ہے ھو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا۔ روشنی چونکہ خود بھی ظاہر ہوتی ہے اور دوسری اشیاء کو بھی روشن اور ظاہر کر دیتی ہے اسلئے نور کے اصطلاحی معنی ہیں "الظاہر المظہر" اسی مناسبت سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی نور کہا جاتا ہے اسلئے کہ وہ خود بھی ہدایت پر ہیں اور دوسروں کے لئے بھی وصول الی اللہ کے راستوں کو ظاہر کرنے والے اور صراط مستقیم کی ہدایت کرنے والے، بلکہ اس معنی سے ہر مومن متقی نور ہے۔ حدیث میں "اللّٰھم اجعلنی نورا" کی دعا سے بھی یہی مراد ہے۔ نور الدین، نور الاسلام، نور اللہ وغیرہ نام رکھنے کا جو دستور ہے اس سے بھی یہی مقصود ہے۔ یعنی دین اور اسلام کی ہدایت کرنے والا۔ نور اور بشریت میں کوئی منافات نہیں ورنہ بشر کا نام نور الدین وغیرہ رکھنا جائز نہ ہوتا۔ اسی طرح بشر کے لئے "اللّٰھم اجعلنی نورا" کی دعا جائز نہ ہوتی۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہوتے کہ "یا اللہ! مجھے بشریت اور انسانیت سے نکالدے"۔ قرآن کریم میں بھی دینی ہدایت کو نور اور گمراہی کو ظلمت فرمایا گیا ہے او من کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منہا۔ یہی نور ہدایت روز حشر روشنی بن کر چمکے گا یسعی نورھم بین ایدیھم وبایمانھم۔ اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات کے بارے میں فرماتے ہیں اللہ نور السموات والارض۔ حضرات مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی نور بمعنی ہدایت تحریر فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی تمام مخلوق کو ہدایت دینے والے ہیں۔ بندہ کے خیال میں اس کا زیادہ واضح اور زیادہ جامع مطلب یہ ہے کہ جس طرح روشنی سے استفاضہ کیا جاتا ہے اسی طرح زمین و آسمان اور ان میں جو کچھ بھی ہے ان سب کا وجود اور صفات محض رب کریم کا فیض ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نور بمعنی ہدایت ہی اصل کمال ہے اور یہ ظاہری روشنی سے بدرجہا زیادہ افضل ہے، چنانچہ سورج، چاند اور ستارے ظاہری نور ہونے کے باوجود بشر کے خادم ہیں۔ وسخر لکم الشمس والقمر دائبین۔ چونکہ بشر اشرف المخلوقات ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے نور ہدایت کے لئے بشر ہی کو منتخب فرمایا۔ ارشاد ہے انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان۔ منکرین بشریت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کو اشرف المخلوقات کی جنس اور بشریت کے اعلیٰ ترین مقام سے گرا کر کس مخلوق میں داخل کرنا چاہتے ہیں؟ اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ ملائکہ کی طرح آپ بھی مجردات میں

سے ہیں تو یہ مدعیان محبت نادان دوست کی طرح محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کر رہے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت آدم علیہ السلام سے بھی افضل ہیں۔ بشریت و رسالت میں تضاد کفار کا عقیدہ تھا، وہ کہتے تھے کہ رسول صرف فرشتہ ہی ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انکے اس غلط عقیدہ پر قرآن کریم میں جا بجا تردید فرمائی ہے۔

الغرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں اور بشر بھی، آپ کی بشریت کا انکار نصوص قرآنیہ کے خلاف اور آپ کی توہین کو مستلزم ہونے کی وجہ سے کفر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ر شوال سنہ ۹۱ھ

تکفیر مسلم کفر ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ امیر بادشاہ ایک دینی جماعت کے ایک حلقہ کے ناظم تھے اور کمال الدین صاحب اس جماعت کے مرکزی ناظم، امیر بادشاہ نے جماعت میں یہ مسئلہ اٹھایا کہ امام مسلم کو مشرک قرار دو، یہ مسئلہ اس جماعت کی شوریٰ کے زیر غور تھا امیر بادشاہ نے اتنی شدت اختیار کی کہ جو کتابیں چھپی ہوئی ہیں ان پر جو رحمہ اللہ لکھا ہے اسے کاٹ دو، شوریٰ نے فیصلہ دیا کہ جب تک مسئلہ کا آخری فیصلہ شوریٰ نہ کر دے جب تک رحمہ اللہ نہیں کاٹا جا سکتا، اس پر امیر بادشاہ نے کہا میں ایسی جماعت کا کوئی کام تسلیم نہیں کروں گا اور جماعت کے کام میں بالکل حصہ نہیں لوں گا یعنی جماعت سے علیحدہ ہو جاؤں گا، اور عملی طور پر الگ ہو گئے۔ کمال الدین صاحب مرکزی ناظم کا ارکان کی میٹنگ میں سارا زور اس بات پر تھا کہ امام مسلم رحمہ اللہ مشرک ہرگز نہیں تھے بلکہ پکے مومن تھے، اتفاق سے ایک اور مسئلہ پر کمال الدین صاحب مرکزی ناظم اور جماعت کے امیر اور شوریٰ کے تمام ارکان میں اختلاف ہو گیا، امیر جماعت اور پوری شوریٰ ایک طرف، کمال الدین صاحب مرکزی ناظم دوسری طرف اکیلے تھے تو امیر بادشاہ اپنے مسئلہ پر قائم رہتے ہوئے اپنی پوری طاقت کے ساتھ کمال الدین صاحب کے ساتھ ہو گئے۔ برائے کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں ہمیں تحریر کریں کہ ہم ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں، اب سنا ہے جو صحیح بھی ہے کہ کمال الدین صاحب اس جماعت کے امیر بن گئے ہیں اور امیر بادشاہ مرکزی ناظم بن گئے ہیں۔

بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقام تو بہت بلند ہے، کسی ادنیٰ مسلمان کو بھی کافر یا مشرک کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے، لہٰذا امیر بادشاہ جب تک توبہ اور تجدید ایمان کا اعلان نہ کرے اس وقت تک اس کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں، اگر امیر بادشاہ شادی شدہ ہے تو اس کا نکاح بھی دوبارہ پڑھایا جائے، تجدید ایمان کے بعد تجدید نکاح بھی لازم ہے، کمال الدین۔ اگرچہ تکفیر مؤمن جیسے کفر کا مرتکب نہیں ہوا مگر امیر بادشاہ کے ساتھ تعلق و تعاون کی وجہ سے فاسق ہے جب تک اس سے قطع تعلق کا اعلان نہ کرے اس وقت تک اس کے ساتھ بھی کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں۔

حکومت پر فرض ہے کہ ان دونوں کو عبرتناک سزا دے۔ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما رجل قال لاخیہ کافر فقد باء بہا احدہما (متفق علیہ) وعن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک (رواہ البخاری) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ جمادی الآخرۃ ۹۶ھ

ایمان وکفر کا معیار

○ گاندھی کو مسلمان کہنا کفر ہے
○ مسلمان کی تعریف

سوال: گاندھی نے جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے۔
مجھے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کلمہ کیوں نہ پڑھوں؟ کیوں
اللہ کی تعریف نہ کروں! کیوں میں محمد کو اپنا پیغمبر نہ سمجھوں
مجھے سب مذاہب اور دھرموں کے مہاتماؤں اور پیغمبروں میں
دلچسپی ہے۔ مذکورہ الفاظ کہنے سے گاندھی کو مسلمان کہا
جا سکتا ہے یا نہیں؟ جواب جلد عنایت فرمائیں کیونکہ مجھے
ایک تبلیغی رسالے کے لئے ضرورت ہے ——
بینوا بالبرھان توجروا عند الرحمٰن

الجواب ومنه الصدق والصواب

ایمان کی تعریف یہ ہے: هو التصدیق بما علم مجیء الرسول صلی الله علیه وسلم به اجمالا فیما علم اجمالا وتفصیلا فیما علم تفصیلا. اس تعریف میں التصدیق سے مراد تصدیق منطقی یعنی محض علم وادراک نسبت نہیں اور نہ ہی تصدیق لغوی (ای نسبة الصدق الی القائل) مراد ہے بلکہ مقصود تصدیق شرعی ہے جو امور ثلاثہ کا مجموعہ ہے (۱) معرفت (۲) تصدیق لغوی (۳) انقیاد واستسلام۔ یا یوں کہا جائے کہ ایمان کی حقیقت صرف تصدیق لغوی ہے مگر ایمان کے تحقق کے لئے معرفت اور انقیاد شرط ہیں۔ عند الجہمیہ ایمان صرف معرفت ہے۔ وهو مردود لانها غیر اختیاریة، والایمان اختیاری لکونه مکلفا به والتکلیف لا یرد الا على الافعال الاختیاریة. وایضا قوله تعالى فاعلم انه لا اله الا الله ای اکتسبه یدل على کون الایمان کسبیا والمعرفة لیست بکسبیة وایضا المعرفة کیف والتصدیق فعل وبینهما تضاد.

قرآن مجید کی نصوص بھی جہمیہ کی تردید کر رہی ہیں، قال الله تعالى وجحدوا بها واستیقنتها انفسهم ظلما وعلوا. الذین آتیناهم الکتاب یعرفونه کما یعرفون ابناءهم. فلما جاءهم ما عرفوا کفروا به. وقال الله تعالى حکایة عن موسى علیه السلام مخاطبا لفرعون لقد علمت ما انزل هؤلاء الا رب السموات والارض بصائر وانی لاظنك یا فرعون مثبورا ۰

غرضیکہ ایمان کے لئے صرف معرفت کافی نہیں بلکہ تصدیق اور انقیاد بھی لازمی ہیں۔ قال امام الحرمین ان الایمان والتصدیق على التحقیق کلام النفس ولکن لا یثبت الا مع العلم الخ قال ابن الهمام فظاهر عبارة الاشعری فی هذا السیاق ان التصدیق کلام للنفس مشروط بالمعرفة یلزم من عدمها عدمه ویحتمل ان الایمان هو المجموع من المعرفة والکلام النفسی فیکون کل منهما رکنا من الایمان فلا بد فی تحقق الایمان على کلا الاحتمالین من المعرفة اعنی ادراك مطابقة دعوى النبی صلی الله علیه وسلم للواقع ومن امر آخر هو الاستسلام الباطن والانقیاد لقبول الاوامر والنواهی المستلزم للاجلال وعدم الاستخفاف (اعنی التبری من الکفر الذی کان فیه) وهذا الاستسلام اقرب ما هو المراد بکلام النفس، وبه عبر المصنف (ای الغزالی فی کلامه على الایمان والاسلام) واما ثبت انه لا بد مع المعرفة من امر آخر وهو الاستسلام الباطن لما تقدم من ثبوت مجرد تلك المعرفة مع قیام الکفر الخ. قال العلامة الزبیدی فی شرح الاحیاء الاقرب ان التصدیق قول للنفس غیر المعرفة لان المفهوم من التصدیق لغة هو نسبة الصدق الى القائل وهو فعل والمعرفة لیست فعلا انما هی من قبیل الکیف المقابل لمقولة الفعل فلزم خروج کل من الانقیاد الذی هو الاستسلام ومن المعرفة عن مفهوم التصدیق لغة مع ثبوت اعتبارهما شرعا

ایمان وکفر کا معیار ۔ ۲

فی الایمان و ثبوت اعتبارها بهذا الوجه علی انهما جزءان لمفهومه شرعاً او شرطان لاعتباره لاجراء
احکامه شرعاً والثانی هو الذی یجده فی الاذن یلزم نقل الایمان من الاصل اللغوی الی معنی شرعی وهو بلا
دلیل یقتضیه ونوعه مستنکف لانه خلاف الاصل فلا یصار الیه الا بدلیل ولا دلیل بل قد کثر فی الکتاب
والسنة طلبه من العرب واجابة من اجاب الیه دون استفسار عن معناه ودون وقع استفسار منهم
فانما هو من متعلق الایمان وعدم تحقق الایمان بدون المعرفة والاستسلام لا یستلزم جزئیتهما
لمفهومه شرعاً لجواز ان یکونا شرطین للایمان شرعاً وحقیقته التصدیق بالامور الخاصة بالمعنی اللغوی واذا
تقرر ذلک ظهر ثبوت التصدیق لغة بدون ما یجتمع الکفر الذی هو ضد الایمان اه. وناقش فی بعضه
العلامة الآلوسی فقال بعد کلام وحاصله انه مع حصول التصدیق بما علمه فانه ضد الانکار وان
الحاصل له المعرفة التی هی ضد النکارة والجهالة وهذا القدر اعلی ان تلک المعرفة خارجة عن
التصدیق اللغوی وهو المعتبر فی الایمان. (فتح الملهم ج ۱)

غرضیکہ تصدیق لغوی معرفت اور انقیاد سے جدا ہو سکتی ہے، یاد رہے کہ ہر کہیں ایمان کے تحقق کے لئے انقیاد
ضروری ہے، انقیاد کے بغیر قابل اعتبار نہیں، چنانچہ ہرقل کے قلب میں آپ کی نبوت کا یقین ہونے کے باوجود عدم انقیاد
کی وجہ سے اسے مومن نہیں کہا جا سکتا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے خصوصیات بیان کرنے کے بعد ہرقل کہتا ہے: فان کان
ما تقول حقاً فسیملک موضع قدمی هاتین وقد کنت اعلم انه خارج ولم اکن اظن انه منکم فلو انی
اعلم انی اخلص الیه لتجشمت لقاءه ولو کنت عنده لغسلت عن قدمیه۔ قال هرقل هذا ملک
هذه الامة قد ظهر۔ اتاه کتاب من صاحبه یوافق رای هرقل علی خروج النبی صلی الله علیه وسلم
وانه نبی۔ فقال یا معشر الروم هل لکم فی الفلاح والرشد وان یثبت ملککم فتبایعوا هذا النبی
(بخاری)

وفی الفتح عن الطبرانی: فقال قیصر اعرف انه کذلک، وفی مرسل ابن اسحق: ان هرقل قال
ویحک والله انی اعلم انه نبی مرسل، وفی مسند احمد انه کتب من تبوک الی النبی صلی الله علیه
وسلم انی مسلم فقال النبی صلی الله علیه وسلم کذب بل هو علی نصرانیته، وفی کتاب الاموال
لابی عبید بسند صحیح من مرسل بکر بن عبدالله المزنی نحوه ولفظه فقال کذب عدو الله لیس
بمسلم فعلی هذا اطلاق صاحب الاستیعاب انه آمن ای اظهر التصدیق لکنه لم یستمر علیه ولم یعمل
بمقتضاه بل شح بملکه وآثر الفانیة علی الباقیة والله الموفق (فتح الباری جلد ۱)
قال النووی رحمه الله تعالی: فقال لو انی اعلم لتجشمت لانه قد عرف صدق النبی صلی الله علیه وسلم

قانون کی تفصیل شرح التنویر میں یوں مذکور ہے ۔ (الکفار اصناف خمسة من ینکر الصانع
کالدهریة ومن ینکر الوحدانیة کالثنویة ومن یقر بهما لکن ینکر بعثة الرسل کالفلاسفة
ومن ینکر الکل کالوثنیة ومن یقر بالکل لکن ینکر عموم رسالة المصطفی صلی الله علیه وسلم
کالعیسویة فیکتفی فی الاولین بقول لا اله الا الله وفی الثالث بقول محمد رسول الله وفی الرابع
باحدهما وفی الخامس بهما مع التبری عن کل دین یخالف دین الاسلام (الی قوله) والذی افتی به
معهما بالشهادتین بلا تبر لان التلفظ بهما صار علامة علی الاسلام فیقتل ان رجع ما لم
یعد ذلک) الشامیة تحت (قوله فیکتفی فی الاولین الخ) لان هؤلاء یمتنعون عن الشهادة اصلا
فاذا اقروا بها کان ذلک دلیل ایمانهم وتحت قوله (وفی الثالث الخ) فلو قال لا اله الا الله
لا یحکم باسلامه لانه منکر الرسالة ولا یمتنع عن هذه المقالة ولو قال اشهد ان محمدا
رسول الله یحکم باسلامه لانه یمتنع عن الشهادة فکان الاقرار بها دلیل الایمان وتحت قوله فی
الرابع الخ) علمت ان هذا لانه منکر الامرین جمیعا فبایهما شهد دخل فی الاسلام (الی قوله) وزاد
انه لو قال انا مسلم فهو مسلم لان عبدة الاوثان لا یدعون هذا الوصف لانهم بل
یتبرؤون علی قصد المغایظة للمسلمین وکذا لو قال انا علی دین محمد او علی الحنیفیة او علی دین
الاسلام وتحت قوله (وفی الخامس الخ) والظاهر انه لو اتی بالشهادتین وصرح بتعمیم الرسالة
الی بنی اسرائیل وغیرهم او قال اشهد ان محمدا رسول الله الی کافة الخلق الانس والجن یکفی عن
التبری ایضا کما صرح به الشافعیة وتحت عنوان (تنبیه) قلت وانما اکتفی علیه الصلوة والسلام
بالشهادتین لان اهل زمانه کانوا منکرین لرسالته اصلا کما افاده فی الفتح نعم انه یؤخذ من مسئلة
العیسوی ان من کان کفره بانکار امر ضروری کحرمة الخمر مثلا انه لا بد من تبریه مما کان یعتقده
لانه کان یقر بالشهادتین معه فلا بد من تبریه منه کما صرح به الشافعیة وهو ظاهر
وتحت قوله (الا اذا تبرأ الخ) اما الیهود والنصاری فکان اسلامهم فی زمنه صلی الله علیه وسلم
بالشهادتین لانهم کانوا ینکرون رسالته صلی الله علیه وسلم واما الیوم ببلاد العراق فلا یحکم باسلامه
بهما ما لم یقل تبرأت عن دینی ودخلت فی دین الاسلام لانهم یقولون انه رسول الی العرب والعجم
لا الی بنی اسرائیل کذا صرح به محمد وفی شرح الشیخ اسمٰعیل واما الیهود والنصاری الیوم
بین ظهرانی المسلمین اذا اتی واحد منهم بالشهادتین لا یکون مسلما لانهم جمیعا یقولون هذا الا
من نصرانی ولا یهودی عندنا انه لو قال هذه الکلمة فان المستمر به قال رسول الله الیکم

او الحج و شهود المناسك لا الصلوة وحده و مجرد الاحرام بحس وقدم الشارح ذلك نقلاً فی اول کتاب
الصلوة وقدمنا الکلام علیه مستوفی وذکرنا هناك انه لا فرق فی الاسلام بالفعل بین الصبی وغیره
والمرتد ان هذا دلیل الاسلام فیحکم علی فاعل ذلك به الخ (رد المحتار کتاب الجهاد باب المرتد ج ۳)

درمختار اور ردالمحتار کی مفصل عبارات سے ظاہر ہوا کہ تحقیق الحال کا مدار عرف پر ہے، موجودہ عرف میں
گاندھی جیسے الفاظ کہنے والے کو مسلم تصور نہیں کیا جاتا، نہ ہی غیر مذاہب کے لوگ ایسے الفاظ سے احتراز
واجتناب کرتے ہیں، گاندھی سے بھی زیادہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف مختلف اہل
مذاہب سے نثر ونظم میں ثابت ہے۔ ایسے الفاظ کے تکلم کے بعد بھی عوام ہندو مسلم اور خود متکلم بھی خود کو
ہندو ہی سمجھتا ہے، کسی کو اس کے مسلمان ہو جانے کا وہم بھی نہیں گزرتا، اسی وجہ سے گاندھی کے مرنے
کے بعد مسلم علماء میں سے جو گاندھی کی سوانح سے بخوبی واقف تھے، بلکہ سیاست میں اس کے رفیق رہ چکے تھے
انہوں نے گاندھی پر نماز جنازہ اور تجہیز وتکفین کا مطالبہ نہ کیا اور نہ ہی ہندو قوم نے اسے مسلمان سمجھ کر
اس کی تجہیز سے بیزاری ظاہر کی، غرضیکہ گاندھی کے ان الفاظ کی وجہ سے نہ ہی مسلمانوں نے اسے مسلمان سمجھا
اور نہ ہندوؤں نے، اور خود گاندھی کو بھی یہ خیال ہوا کہ ان الفاظ سے وہ مسلمان ہو گیا ہے، اس لئے تمام عمر
مسلمانوں کی روش اختیار کرے، یا بوقت مرنے وقت نماز جنازہ کی وصیت کرے، ایسے الفاظ گاندھی
سے بھی زیادہ بیشتر غیر مذاہب کے منصف مزاج اشخاص کہتے رہتے ہیں مگر کوئی شخص بھی ان کو مسلمان نہیں
سمجھتا۔ موجودہ عرف میں مسلمان جب سمجھا جاتا ہے کہ صاف کہے کہ میں مسلمان ہوں یا باقاعدہ تجدید شہادتین پڑھے
اور آئندہ مسلمانوں کی روش اختیار کرے، گاندھی کا یہ جملہ "مجھے سب مذاہب اور دھرموں کے مہاتماؤں اور
پیغمبروں میں وشواس ہے" یہ عقیدہ اسلام کے خلاف ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ گاندھی موجودہ جملہ مذاہب اسلام
عیسائیت، یہودیت اور ہندو، سکھ وغیرہ کو حق سمجھتا تھا اس آخری جملہ سے گاندھی کا عقیدہ اور اس کا اسلام میں
داخل نہ ہونا صاف ظاہر ہے

حقیقت یہ ہے کہ گاندھی اس قسم کے اعلان صرف مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے کرتا تھا جیسے
شکاری شکار کو پھانسنے کے لئے اس کی بولی بولتا ہے اگر گاندھی واقعۃً اسلام کو حق سمجھتا تھا تو اسے
قبول اسلام سے مانع کیا تھا؟ اس جیسے مکار اور قطعی کافر کو مسلمان سمجھنا کفر ہے۔ فقط واللہ یہدی
من یشاء الی صراط مستقیم۔

۲۲ ربیع الآخر سنہ ۷۰ ہجری

۵

ایضاً و کفر کا معیار ——— ۶

مسلمان کی تعریف

سوال: ایک رسالہ "مسلمان کی تعریف" ارسال خدمت ہے۔ اس کی تفصیلات کی قدرے تفصیل سے وضاحت فرما کر امت مسلمہ کی رہنمائی فرمائیں۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مضمون نگار کا یہ کہنا کہ "عمر بھر دین دار رہیں، اور فتویٰ دینے والے علماء اس سوال سے بہت گھبرائے مشکل سے جواب دے سکے اور مختلف جوابات دیکر خود ایک دوسرے کی تکذیب کر بیٹھے" خلاف حقیقت ہونے کے علاوہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے سخت خطرناک حد تک مضر بھی ہے۔ درحقیقت یہ بیان [illegible] اور رسوائے زمانہ منیر کمیشن کی تلبیس اور منفی پروپیگنڈہ ہے۔

مضمون نگار کو یہ خیال نہ آیا کہ جب قرآن، حدیث اور فقہ کی خدمت میں عمریں صرف کر دینے والے اور قوانین اسلام کے ماہرین بھی آج تک اسلام اور مسلمان کا صحیح مفہوم نہ بیان کرسکے تو اسلام کو دنیا میں باقی رہنے کا کیا حق ہے؟ یہ تحریر قصر اسلام میں شگاف ڈالنے، اس کی بنیادوں کو متزلزل کرنے اور ملحدین اسلام کو تضحیک کا موقع مہیا کرنے کے مترادف ہے، مضمون نگار نے اسے دانستہ یا نادانستہ اس انداز سے لکھا ہے کہ اس سے قرآن، حدیث اور فقہ کے تمام ماہرین پر مضمون نگار کی فوقیت کا دعویٰ مترشح ہوتا ہے، انھوں نے اس تحریر کی مضرت کی طرف توجہ نہ کی اور یہ نہ سوچا کہ اس سے انھوں نے کیا پایا اور کیا کھویا؟ ؎

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

مسلمان کی تعریف میں علماء دین کی عبارات کے اختلاف کو تضاد سے تعبیر کرنا جہالت یا تلبیس کے سوا کچھ نہیں۔ اگر اختلاف عبارات اختلاف حقیقت کو مستلزم ہے تو خود مضمون نگار نے مسلمان کی تعبیر میں ایسی آیات اور احادیث پیش کی ہیں جن کی عبارتیں مختلف ہیں، اس پر یہ شبہ کیوں نہ ہوا کہ آیات اور احادیث متضاد ہیں اور یہ نتیجہ کیوں نہ نکالا گیا کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی "مسلمان" کی صحیح تعریف بیان نہ کرسکے۔

مضمون نگار کا مسلمان کی تعریف کے اس طریقے کو غلط قرار دینا بالکل بجا ہے کہ جس فرقہ کو اسلام سے خارج کرنا یا اسے خارج قرار دینا ہو اسے پہلے ذہن میں رکھ کر پھر "مسلمان" کی کوئی ایسی تعریف بنائی جائے جس میں صرف ان فرقوں کو داخل ہو سکیں جن کو تعریف کرنے والے داخل کرنا چاہیں

ایمان اور کفر کا معیار۔ ——— ۸

صحیح طریقہ یہی ہے کہ بلکہ خالی الذہن ہو کر کتاب و سنت سے مسلمان کی تعریف اخذ کی جائے اور اسکی مطابق پوری وضاحت کی جائے کہ اس کی رو سے کون مسلمان اور کون کافر قرار پاتا ہے، جو فرد بھی اس تعریف میں آجائے وہ مسلمان اور جو اس سے نکل جائے وہ کافر ہوگا۔

بطریق مذکور قرآن و حدیث میں غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی تعریف بہت جامع، مختصر اور بہت سہل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو صحیح ماننا اسلام ہے علماء نے اسکی تعبیر یوں کی ہے آمنت باللہ کما ھو باسمائہ وصفاتہ وقبلت جمیع احکامہ، قرآن و حدیث کی نصوص میں جہاں کہیں ایمان باللہ کے ساتھ دوسری اشیاء مذکور ہیں مثلاً ملائکہ، کتب، رسل، یوم آخرت وغیرہ یہ مستقل مراد نہیں اور نہ ہی ان میں حصر مقصود ہے بلکہ یہ سب ایمان باللہ ہی کے چند اہم شعبے ہیں۔ انکی اہمیت ظاہر کرنے کی خاطر ان کو مستقلاً ذکر کر دیا گیا ہے استیعاب مقصود نہیں ہے، اگر ظاہر اور مسلم ہونے کے علاوہ اسکے بھی انکار کی کوئی شق نہیں رکھتا۔ اگر ان بعض امور کی مستقل حیثیت تسلیم کر لی جائے تو قرآن و حدیث میں اسلام کی تعریف میں ہر مقام پر ان تمام امور کا ذکر لازم تھا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مختلف مقامات پر یہ امور کمی بیشی کے ساتھ مذکور ہیں حتیٰ کہ بہت سے مواضع میں تو صرف ایمان باللہ ہی پر اکتفاء کیا گیا ہے اسی طرح ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف رسالت کی تصدیق کافی نہیں بلکہ آپ کے ہر حکم کی تصدیق لازم ہے علیٰ ہذا القیاس ملائکہ اور یوم آخرت کے صرف وجود اور وقوع کو ماننا کافی نہیں بلکہ ان سے متعلق اللہ تعالیٰ کی ہر روایت کی تصدیق ضروری ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ علم کیسے ہو کہ فلاں حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تاکہ اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے تو اس کے دو طریقے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ بالمشافہ کوئی حکم معلوم ہو۔

(۲) تواتر سے یقینی اور بدیہی طور پر ثابت ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا

ان دونوں طریقوں سے حاصل ہونے والے علم کو علم بدیہی و ضروری کہا جاتا ہے اور ایسے احکام کو "ضروریات دین" کا نام دیا جاتا ہے جن میں سے ایک کا انکار بھی کفر ہے، مثلاً کسی نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روبرو بلا واسطہ یہ حکم سنا کہ "میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا" اس سننے والے کو اگر اس حکم کے صدق میں ذرا بھی تردد ہو تو وہ بلا شبہ کافر ہو گیا اسی طرح جب یہ حکم ہم تک بطریق تواتر پہنچا اور بدیہۃً و ضرورۃً اس کا حکم نبی ہونا ثابت ہو گیا تو اس کے منکر کے کفر میں کسی شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

مضمون نگار نے اپنے مجموعۂ عجائب میں ایک عجوبہ یہ بھی لکھا ہے کہ "ضروریات دین کی فہرست کوئی عالم پیش نہ کر سکا" ضروریات دین کوئی پانچ دس نہیں کہ ان کی فہرست تیار کی جا سکے احکام ضروریہ اس قدر کثیر ہیں کہ ان کی فہرست لکھنے کی اگر کوئی حماقت کرے بھی تو استیعاب نہیں کر سکے گا اور استیعاب کی ضرورت بھی نہیں اتنا ضروری ہے کہ احکام شرعیہ سے جو مسئلہ بھی سامنے آئے ہم اس کے بارے میں بلا تردد یہ بتا سکیں کہ یہ ضروریات دین میں داخل ہے یا نہیں، سو الحمد للہ علماء دین کو اس فیصلے میں کبھی کوئی اشکال پیش نہیں آ سکتا۔

مضمون نگار نے مسلمان کی تعریف کے لئے قرآن کریم کی چھ آیتیں تحریر کی ہیں۔

(۱) انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم اٰیٰتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون الذین یقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم ینفقون اولٰئک ھم المؤمنون حقا (۸-۴)

(۲) فالم یستجیبوا لکم فاعلموا انما انزل بعلم اللّٰہ وان لا الٰہ الا ھو فھل انتم مسلمون (۱۱-۱۴)

(۳) واذ اوحیت الی الحواریین ان اٰمنوا بی وبرسولی قالوا اٰمنا واشھد باننا مسلمون (۵-۱۱۱)

(۴) قل انما یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد فھل انتم مسلمون (۲۱-۱۰۸)

(۵) فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین (۹-۱۱)

(۶) فاٰمنوا باللّٰہ ورسولہ النبی الامی الذی یؤمن باللّٰہ وکلمٰتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون (۷-۱۵۸)

ان میں ایمان باللہ کی تفسیر میں "خدا کی توحید" لکھا ہے حالانکہ ایمان باللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر ایمان لانا نیز توحید بھی صرف وہی معتبر ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوگی ورنہ یہود و نصاریٰ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینے اور عقیدۂ تثلیث کے باوجود مدعی توحید تھے، بلکہ مشرکین بھی ہزاروں معبودوں کی پرستش کرنے کے باوجود اپنے کو موحد ہی سمجھتے تھے اور یہ کہتے تھے لا شریک لک الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک مگر ان کی توحید اس لئے معتبر نہیں کہ حکم الٰہی کے مطابق نہیں، ہم اوپر تحریر کر چکے ہیں کہ اسلام سے متعلق آیات و احادیث میں مقصود صرف ایمان باللہ ہے اور بقیہ امور اسی ایمان باللہ کے اہم شعبے ہیں۔ پیش نظر چھ آیتوں میں تو بعض ایسے امور مثلاً نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا وغیرہ بھی مذکور ہیں کہ غالباً مضمون نگار بھی ان کے تارک کو کافر نہ کہے گا۔

اس کے بعد مضمون نگار نے مسلمان کی تعریف کے لئے چند حدیثیں پیش کی ہیں۔

(۱) حدیث جبرئیل علیہ السلام۔

(۳) بنی الاسلام علیٰ خمس الخ

ان دو حدیثوں کا مضمون وہی ہے جو آیت قرآنیہ میں ہے۔ ان کی تشریح اوپر گزر چکی ہے

(۳) جس شخص نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کو مانا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلمان ہے (مشکوٰۃ)

اس حدیث میں مسلمان کی تعریف نہیں بلکہ علامات بتائی گئی ہیں۔ اگر اسے مسلمان کی تعریف قرار دیا جائے تو توحید و رسالت کا منکر بھی کافر نہ ہوگا لہٰذا لازماً کہنا پڑے گا کہ یہ امور مسلمان کی علامات میں سے ہیں اور بعض علامات سے حقیقت ثابت نہیں ہوا کرتی۔ مثلاً جھوٹ بولنے کو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی علامت بتایا ہے مگر پوری امت کا اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان محض جھوٹ بولنے سے منافق نہیں ہو جاتا، نیز زمانے کے اختلاف سے علامات بدلتی رہتی ہیں۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی مسلمان ضروریات دین کا منکر نہ تھا اس لئے امور بالا مسلمان کی حتمی علامت شمار ہوتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی میں کفر کی کوئی وجہ ظاہر ہو جانے کے بعد بھی محض علامات مذکورہ کی بنا پر اسے مسلمان سمجھا جائے گا۔ اگر یہ مسلمان کی تعریف ہے تو آخر منافقین بھی تو یہ کام کیا کرتے تھے ان کو مسلمان کیوں نہیں شمار کیا گیا؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جہاد کیا حالانکہ وہ مذکورہ افعال کے پابند تھے، مسیلمہ کذاب بھی نماز پڑھتا تھا، ذبح کرتا تھا اور اس کی اذان میں اشہد ان محمداً رسول اللہ کا اعلان بھی ہوتا تھا (تاریخ طبری ص۱۲۷ ج ۳) پھر اسے کیوں مسلمانوں کی فہرست سے نکالا گیا؟

(۴) بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صاحب کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا تھا وہ ایک حبشی سی کو لونڈی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور دریافت کیا کہ کیا یہ مسلمان ہے؟ آپ نے اس سے پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا دی، آپ نے ان صاحب سے فرمایا کہ جاؤ یہ مسلمان ہے۔

یہ حدیث بخاری میں نہیں، البتہ صحیح مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں اس قسم کی روایت ہے مگر اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ جب اس لونڈی نے آپ کی رسالت کے اقرار کے ضمن میں آپ کے ہر ارشاد کی تصدیق کر دی تو اس کے اسلام میں کیا شبہ رہ سکتا ہے!

مضمون نگار نے حدیث کا جتنا حصہ نقل کیا ہے حدیث کی کسی کتاب میں اس پر اکتفاء نہیں کیا گیا۔ اگر اسے معیار اسلام قرار دے دیا جائے تو مسلم اور کافر میں کوئی فرق اور امتیاز باقی نہ رہے گا

منکرین توحید، منکرین رسالت، یہود و نصاریٰ اور مشرکین سب کے سب مسلمان کی تعریف میں داخل ہو گئے، ماشاء اللہ! یہ ہے آجکل کی وسعت نظر۔

اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں "التاویل نوع من القبول (تاویل قبول و تسلیم ہی کی ایک شکل ہے) مشہور ہے کہ موول کافر نہیں، مگر خوب سمجھ لیں کہ یہ اتنا عام نہیں جتنا بظاہر اس سے مفہوم ہوتا ہے بلکہ اس سے ایسی تاویل مراد ہے جو انکار تواتر کو مستلزم نہ ہو، چونکہ الفاظ قرآن سب متواتر ہیں اور مفہوم اکثر متواتر نہیں اس لئے کہدیا جاتا ہے کہ اگر کوئی لفظ قرآن کا انکار نہ کرے صرف مفہوم میں تاویل کرے تو وہ کافر نہیں کیونکہ امر متواتر کا انکار نہیں پایا گیا مگر قرآن کے بہت سے مفہوم بھی متواتر ہیں لہذا اس مفہوم متواتر میں تاویل کرنے والا کافر ہو جائے گا چنانچہ جس طرح لفظ "خاتم النبیین" متواتر ہے، اسی طرح اس کا مفہوم بھی تواتر سے ثابت ہے لہذا اس کے مفہوم میں تاویل کرنا انکار متواتر ہونے کی وجہ سے بلا شبہ کفر ہے۔

تاریخ الخلفاء میں ہے کہ خوارج میں سے ایک شخص مامون رشید کے پاس آیا، مامون نے اس سے عامۃ المسلمین سے مخالفت کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ کتاب اللہ میں ہے "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون" اور حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما نے ایک انسان کو حکم تسلیم کر لیا، مامون نے کہا کہ تمہارے پاس اسکے قرآن ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اجماع امت، مامون نے کہا کہ جس طرح تم نے اس کے قرآن ہونے کے لئے اجماع کو دلیل قرار دیا ہے، اسی طرح اسکے مفہوم کی تعیین میں بھی اسی طرح اجماع کو حجت تسلیم کرو، اس نے کہا کہ آپ نے درست فرمایا۔

(تاریخ الخلفاء بحوالہ یادگار ص ۳۲۲)

غرضیکہ اسلام و کفر کا اصل معیار تواتر سے ثابت ہونے والی ضروریات دین کی تصدیق یا تکذیب ہے لہذا بدیہی اور متواتر مفہوم کا انکار اور اسمیں تاویل کفر ہے البتہ غیر متواتر مفہوم کا موول کافر نہیں۔

آخر میں امام غزالی رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا "جہاں تک ہو سکے اہل قبلہ کی تکفیر سے اپنی زبان کو روکو، جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قائل رہیں اور اس کے خلاف نہ کریں۔ اور خلاف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی عذر سے یا بغیر عذر کے کاذب قرار دیں۔"

بعینہ یہی مفہوم ضروریات دین کے انکار کا ہے، اگر کوئی شخص ایسے مسئلہ کا انکار کرتا ہے کہ اسکا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا اسقدر بدیہی اور یقینی ہو کہ گویا اس نے بالمشافہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور پھر اسکا انکار کرتا ہے تو کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب نہیں کر رہا؟

اس میں کلام ہے کہ ہر امر متواتر کا انکار کفر ہے یا کہ صرف ایسے متواتر کے انکار کو کفر کہا جائے گا جسکا دین میں ہونا اسقدر مشہور ہو کہ عوام بھی اسے جانتے ہوں۔ اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ ایسا امر متواتر جسے صرف خواص جانتے ہوں عوام تک اسکی شہرت نہ ہوئی ہو اسکا انکار عوام کے لئے تو موجب کفر نہیں اس لئے کہ یہ حکم ان کے حق میں قطعی نہیں، البتہ وہ خواص جو اس کے تواتر و قطعیت کا علم رکھتے ہوں ان کے لئے اسکا انکار موجب تکفیر ہے۔

قال ابن الهمام رحمه الله تعالى واما ما ثبت قطعاً ولم يبلغ حد الضرورة كاستحقاق بنت الابن السدس مع البنت الصلبية بإجماع المسلمين فظاهر كلام الحنفية الإكفار بجحده فانهم لم يشترطوا في الاكفار سوى القطع في الثبوت (الى قوله) ويجب حمله على ما اذا علم المنكر ثبوته قطعاً (مسايرة ص)

تکفیر اہل قبلہ

کتب عقائد میں ہے کہ ”اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں“ اس سے ملحدین یہ فریب دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص بیت اللہ کو اپنا قبلہ تسلیم کرتا رہے اسکی تکفیر جائز نہیں، یہ محض تلبیس ابلیس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ متکلمین کی اصطلاح میں اہل اسلام کو اہل قبلہ کہا جاتا ہے اور یہ دونوں لقب مترادف ہیں اور اسکا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی مسلمان ضروریات دین میں سے کسی کا انکار نہ کرے اسوقت تک اس کی تکفیر جائز نہیں۔

چنانچہ شرح العقائد النسفیہ کی شرح نبراس میں ہے۔

اهل القبلة في اصطلاح المتكلمين من يصدق بضروريات الدين (الى قوله) فمن انكر شيئاً من الضروريات (الى قوله) لم يكن من اهل القبلة ولو كان مجاهداً بالطاعات وكذلك من باشر شيئاً من امارات التكذيب كسجود الصنم والاهانة بامر شرعي والاستهزاء عليه فليس من اهل القبلة (نبراس ص)

وقال الملا علي القاري رحمه الله تعالى اعلم ان المراد باهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من ضروريات الدين كحدوث العالم وحشر الاجساد وعلم الله تعالى بالكليات والجزئيات وما اشبه ذلك من المسائل المهمات فمن واظب طول عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم او نفي الحشر او نفي علمه سبحانه تعالى بالجزئيات لا يكون من اهل القبلة وان المراد بعدم تكفير احد من اهل القبلة عند اهل السنة انه لا يكفر ما لم يوجد شيء من امارات الكفر وعلاماته ولم يصدر عنه شيء من موجباته (شرح الفقه الاكبر)

وفي شرح المقاصد فلا نزاع في كفر اهل القبلة المواظب طول العمر على الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفي الحشر ونفي العلم بالجزئيات ونحو ذلك وكذلك بصدور شيء من موجبات الكفر عنه (شرح المقاصد المبحث السابع)

وقال في العرف رحمه الله تعالى كل من كان من قبلتنا (الى قوله) ومن انكر بعض ما علم من الدين بالضرورة كفر. وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى لا خلاف في كفر المخالف في ضروريات الاسلام من حدوث العالم وحشر الاجساد ونفي العلم بالجزئيات وان كان من اهل القبلة المواظب طول عمره على الطاعات كما في شرح التحرير (رد المحتار ص۳۷۷ ج ۱)

متکلمین کے ہاں یہ مسئلہ اس طرح پیدا ہوا کہ معتزلہ و خوارج مرتکب کبیرہ کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ ان کی تردید میں حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ اہل قبلہ یعنی اہل اسلام کی تکفیر ارتکاب کبیرہ کی وجہ سے جائز نہیں جب تک وہ ضروریات دین سے انکار نہ کریں۔

نقل في شرح التحرير عن ابي حنيفة رحمه الله تعالى لا نكفر اهل القبلة بذنب (شرح الفقہ ص۲۱۰)

وقال في النبراس ومعنى عدم تكفير اهل القبلة ان لا يكفر بارتكاب المعاصي ولا بانكار الامور الخفية غير المشهورة هذا ما حققه المحققون (نبراس ص۵۷۲)

وقال ابن تيمية في كتاب الايمان ونحن اذا قلنا اهل السنة متفقون على انه لا يكفر بالذنب فانما نريد به المعاصي كالزنا والشرب، ونحوه نقلوه في شرح العقيدة الطحاوية۔

متکلمین کے اس قول کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث من اصل الايمان الكف عمن قال لا اله الا الله ولا نكفره بذنب ولا نخرجه من الاسلام بعمل (الحديث) (ابوداود ص۳۴۳ ج۱)

چونکہ متکلمین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں اہل القبلہ یعنی اہل الاسلام کی اصطلاح اور عدم تکفیر اہل القبلہ کا یہ مطلب کہ "ارتکاب کبیرہ موجب کفر نہیں" بہت مشہور اور معروف تھا اس لئے بعض دفعہ صرف اتنا لکھ دیتے ہیں کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں، اور اعتماداً علی فہم المخاطب اس کی تشریح کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

خلاصۂ بحث

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تمام تر احکام کی تصدیق کرنے والا مسلمان ہے اور کسی ایک حکم کا انکار کرنے والا کافر ہے اسکی معروف تعبیر یہ ہے کہ جمیع ضروریات دین کی تصدیق کا نام اسلام ہے اور انہیں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ فقط واللہ الہادی الی سبیل الرشاد

رشید احمد

۱۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۹۳ھ

حقیقت شیعہ
○ کیا شیعہ مسلمان ہیں!
○ کتب شیعہ میں شیخین و دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
کی تعریف
○ شیعہ کو ایک اہم مشورہ

حقیقت شیعہ

اشاریہ :-

کیا شیعہ مسلمان ہیں؟

سوال : شیعہ اثنا عشری مسلمان ہیں یا کافر؟ اگر کافر ہیں تو اہل کتاب کے حکم میں ہونگے یا نہیں؟ اگر اہل کتاب ہیں تو ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ساتھ تعلقات رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا الحق المبین ولا تخصوا ببرھان المتین، اجرکم اللہ یوم الدین۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باقی سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے افضل سمجھتا ہے تو صرف اتنے اعتقاد سے وہ کافر نہیں ہوتا، مگر آجکل کے شیعہ کا صرف یہ اعتقاد نہیں ان کے معتقدات کے کفر میں کوئی شبہ نہیں، چنانچہ تحریف قرآن کا مسئلہ ان کے ہاں مسلمات اور متواتر میں سے ہے، ان کی تصریحات ملاحظہ ہوں

عقیدہ تحریف قرآن

(۱) المستفاد من جميع هذه الاخبار وغيرها من الروايات من طريق اهل البيت عليهم السلام ان القرآن الذي بين اظهرنا ليس بتمامه كما انزل على محمد صلى الله عليه وسلم بل منه ما هو خلاف ما انزل الله ومنه ما هو مغير ومحرف وانه قد حذف عنه اشياء كثيرة منها اسم علي في كثير من المواضع ومنها غير ذلك (دیباچہ تفسیر صافی)

اہل بیت کے واسطے سے پہنچی ہوئی روایتوں سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ جو قرآن ہمارے پاس ہے وہ پورے کا پورا اس طرح نہیں ہے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، بلکہ اس میں کچھ حصہ ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے قرآن کے خلاف ہے اور کچھ حصے میں تغیر اور تحریف واقع ہوئی ہے اور اس میں سے بہت سی چیزیں نکال دی گئی ہیں ان میں سے مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ہے جو قرآن میں کئی مقامات سے نکال دیا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی کئی ایسے مواضع ہیں۔

(۲) لو شرحت لك كل ما اسقط وحرف وبدل مما يجري هذا المجرى لطال وظهر ما تحظر التقية اظهاره (احتجاج طبرسی ص ۱۳۲ طبع ایران)

قرآن میں سے جو کچھ نکالا گیا ہے یا اس میں تحریف اور ردوبدل وغیرہ کیا گیا ہے اگر میں ان سب کو بیان کروں تو بات بہت لمبی ہو جائے اور وہ چیز ظاہر ہو جائے جس کے اظہار کی تقیہ اجازت نہیں دیتا۔

حقیقت فقہ ۔ ـــــ ۴

(۳) قال السید المحدث الجزائری ما معناہ ان الاصحاب قد اطبقوا علی صحۃ الاخبار المستفیضۃ المتواترۃ الدالۃ بصریحہا علی وقوع التحریف فی القرآن

(فصل الخطاب طبع ایران ص ۳۱)

محدث جزائری کہتے ہیں کہ صراحۃً تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی متواتر روایتوں کی صحت پر (ہمارے) سب اصحاب کا اتفاق ہے۔

(فصل الخطاب از طبع ایران ص ۳۱)

(۴) ان الاخبار الدالۃ علی ذلک تزید علی الفی حدیث وادعی استفاضتہا جماعۃ کالمفید والمحقق الداماد والعلامۃ المجلسی

(فصل الخطاب طبع ایران ص ۲۲۷)

تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی روایات دو ہزار سے زیادہ ہیں، ایک جماعت نے انکے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے جیسے مفید، محقق داماد، اور علامہ مجلسی وغیرہ۔

(۵) عن علی بن سوید السائی قال کتب الی ابو الحسن الاول وھو فی السجن واما ذکرت یا علی ممن تاخذ معالم دینک لا تاخذن معالم دینک عن غیر شیعتنا فانک ان تعدیتھم اخذت دینک عن الخائنین الذین خانوا اللہ ورسولہ وخانوا اماناتھم انھم ائتمنوا علی کتاب اللہ جل وعلا فحرفوہ وبدلوہ فعلیھم لعنۃ اللہ ولعنۃ ملائکتہ ولعنۃ آبائی الکرام البررۃ ولعنتی ولعنۃ شیعتی الی یوم القیمۃ

(رجال کشی طبع بمبئی ۱۳۱۷ھ تالیف ابو عمرو محمد بن عمر بن عبد العزیز الکشی ص ۴ سطر ۲)

علی بن سوید کہتے ہیں ابو الحسن اول نے مجھے جیل سے لکھا: "اے علی! یہ جو تم نے لکھا ہے کہ دین کی بنیادی باتیں کس سے سیکھوں؟ اپنے دین کی باتیں سوائے ہمارے شیعہ کے اور کسی سے حاصل نہ کرو اس لئے کہ اگر تم ان کے علاوہ دوسرے کے پاس گئے تو گویا تم نے ایسے خیانت کرنے والوں سے علم حاصل کیا جنھوں نے اللہ و رسول سے خیانت کی، اور جو امانت ان کے پاس رکھی گئی تھی اس میں خیانت کی ان کے پاس کتاب اللہ امانت تھی انھوں نے اس میں تحریف کر ڈالی اور اس میں تبدیلیاں کیں، ان پر اللہ، ملائکہ، میرے نیک آباء و اجداد، میری اور میرے تمام شیعہ کی قیامت تک پھٹکار ہو۔

(۶) مراد بقرآن قرآن محفوظ نزد ائمہ علیہم السلام ست کہ ہفدہ ہزار آیت ست (صافی شرح کافی ج ۲ وکتاب فضل القرآن جز ششم طبع نولکشور)

قرآن سے مراد وہ قرآن ہے جو ائمہ کے پاس محفوظ ہے جس کی سترہ ہزار آیتیں ہیں (صافی شرح کافی ج ۲ کتاب فضل القرآن جز ششم ص ۷۵ طبع نولکشور)

موجودہ قرآن میں ۶۶۶۶ آیتیں ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ دو تہائی قرآن غائب ہے اور ایک

(۱۱) عن ابی بصیر عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قلت لہ قول اللہ عزوجل ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق قال فقال ان الکتاب لم ینطق ولن ینطق ولکن رسول اللہ ھو الناطق بالکتاب قال عزوجل ذکرہ ھذا رسولنا ینطق علیکم بالحق قال فقلت جعلت فداک انا لا نقرؤھا ھکذا فقال ھکذا واللہ نزل بہ جبرئیل علی محمد ولکنہ فیما حرف من کتاب اللہ (روضہ کافی ص ۵۰)

ابو بصیر ابو عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق، یہ ہماری کتاب (اعمال نامہ) تمہارے خلاف ٹھیک ٹھیک بولے گا، ابو عبد اللہ نے کہا کہ کتاب نہ کبھی بولی ہے اور نہ بولے گی، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کو بولتے پڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو "ھذا رسولنا ینطق علیکم بالحق" فرمایا ہے، میں نے کہا میں تم پر فدا ہوں، ہم تو اس طرح نہیں پڑھتے تو فرمایا اللہ کی قسم جبریل علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح (ھذا رسولنا ہی) نازل کی تھی لیکن اللہ کی کتاب میں تحریف کرکے یہ بدل دیا گیا ہے۔

(۱۲) امر موسیٰ الکاظم علی بن سوید لا تلتمس دین من لیس من شیعتک ولا تحبن دینھم فانھم الخائنون الذین خانوا اللہ ورسولہ وخانوا اماناتھم وتدری ما خانوا اماناتھم ائتمنوا علی کتاب اللہ فحرفوہ وبدلوہ (روضہ کافی ص ۱۲۵)

موسیٰ کاظم نے علی بن سوید کو حکم دیا کہ جو تمہارے شیعوں میں سے نہیں ہیں ان سے دین حاصل مت کرو اور ان کے دین کو دوست نہ رکھو کیونکہ یہ دین خیانت کرنے والے ہیں جنہوں نے اللہ و رسول کے ساتھ خیانت کی اور اپنی امانتوں میں خیانت کی، تمہیں معلوم ہے وہ کیا امانتیں ہیں؟ ان کو کتاب اللہ پر امین بنا دیا گیا، انہوں نے اس میں تحریف کر ڈالی اور اسے بدل دیا۔

(۱۳) عن ابی جعفر قال نزل القرآن اربعۃ ارباع ربع فینا وربع فی عدونا وربع سنن وامثال وربع فرائض واحکام (اصول کافی ص ۶۲۸)

ابو جعفر کہتے ہیں کہ قرآن کے چار حصے نازل ہوئے تھے، ایک ربع ہمارے بارے میں ہے، ایک ربع ہمارے دشمنوں کے بارے میں ہے، ایک ربع میں سنن و امثال ہیں اور ایک ربع میں فرائض و احکام شرعیہ ہیں۔ (اصول کافی ص ۶۲۸)

(۱۴) عن ابی بصیر عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قول اللہ ومن یطع اللہ ورسولہ

ابو بصیر ابو عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ

فی ولایة علی والائمة من بعدہ فقد فاز فوزا عظیما، هکذا نزلت (اصول کافی ص۲۶۲)

فوزا عظیما" اس طرح نازل ہوئی تھی " ومن یطع اللہ ورسولہ فی ولایة علی والائمة من بعدہ فقد فاز فوزا عظیما "

(۱۵) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قولہ ولقد عہدنا الی آدم من قبل کلمات فی محمد وعلی وفاطمة والحسن والحسین والائمة من ذریتہم فنسی هکذا واللہ نزلت علی محمد (اصول کافی ص۲۶۳)

ابو عبد اللہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ آیت ولقد عہدنا الی آدم من قبل فنسی اس طرح نازل ہوئی تھی " ولقد عہدنا الی آدم من قبل کلمات فی محمد وعلی وفاطمة والحسن والحسین والائمة من ذریتہم فنسی "

(۱۶) نزل جبرئیل بہذہ الآیة علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ هکذا بئس ما اشتروا بہ انفسہم ان یکفروا بما انزل اللہ فی علی بغیا (حوالہ بالا)

جبرئیل نے آیت بئس ما اشتروا بہ انفسہم ان یکفروا بما انزل اللہ بغیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح نازل کی تھی بئس ما اشتروا بہ انفسہم ان یکفروا بما انزل اللہ فی علی بغیا

(۱۷) نزل جبرئیل بہذہ الآیة علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم هکذا فبدل الذین ظلموا آل محمد حقہم قولا غیر الذی قیل لہم فانزلنا علی الذین ظلموا آل محمد حقہم رجزا من السماء بما کانوا یفسقون (اصول کافی ص۲۶۶)

جبرئیل علیہ السلام آیت فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لہم فانزلنا علی الذین ظلموا رجزا من السماء بما کانوا یفسقون کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح لائے تھے۔ فبدل الذین ظلموا آل محمد حقہم قولا غیر الذی قیل لہم فانزلنا علی الذین ظلموا آل محمد حقہم رجزا من السماء بما کانوا یفسقون ۔

(۱۸) هکذا نزلت هذه الآیة ولو انہم فعلوا ما یوعظون بہ فی علی لکان خیرا لہم (اصول کافی ص[illegible])

آیت ولو انہم فعلوا ما یوعظون بہ لکان خیرا لہم یوں نازل ہوئی تھی، ولو انہم فعلوا ما یوعظون بہ فی علی لکان خیرا لہم

(۱۹) نزل جبرئیل بہذہ الآیة هکذا فابی اکثر الناس بولایة علی الا کفورا (اصول کافی ص[illegible])

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آیت فابی اکثر الناس الا کفورا اس طرح نازل کی تھی فابی اکثر الناس بولایة علی الا کفورا

(۲۰) ونزل جبرئیل بہذہ الآیة وقل

جبرئیل علیہ السلام نے آیت وقل الحق

سے بداء کہتے ہیں اور عقیدۂ بداء سے بڑھ کر ان کے مذہب میں اور کوئی عبادت نہیں۔

(۱) ما عبد الله بشیء مثل البداء (اصول کافی ص۸۵)
بداء کا عقیدہ رکھنے کے برابر اللہ تعالیٰ کی کوئی عبادت نہیں۔

(۲) ما عظم الله بمثل البداء (اصول کافی ص۸۵)
بداء کا عقیدہ رکھنے کے برابر اللہ کی کوئی بڑائی نہیں بیان کی گئی۔

(۳) سمعت الرضا علیه السلام قال ما بعث الله نبیا قط الا بتحریم الخمر وان یقر لله بالبداء (اصول کافی ص۸۶)
امام رضا نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو حرمت شراب اور بداء کے ماننے کا حکم دے کر بھیجا ہے۔

(۴) سمعت ابا عبد الله علیه السلام یقول لو علم الناس ما فی القول بالبداء من الاجر ما فتروا عن الکلام فیه (اصول کافی ص۸۶)
ابو عبداللہ کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ بداء (اللہ کی طرف غلطی کی نسبت) کا عقیدہ رکھنے میں کتنا ثواب ہے تو وہ اس عقیدہ سے نہ رکتے۔

(۵) عن ابی هاشم الجعفری قال کنت عند ابی الحسن علیه السلام (الی قوله) فقال نعم یا ابا هاشم بدا لله فی ابی محمد کما بدا له فی موسی (اصول کافی ص۸۷)
حضرت علی نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ابو محمد کے بارے میں غلطی ہوئی جیسے موسیٰ کے بارے میں غلطی ہوئی۔

کیا مذکورہ بالا عقائد کے کفر ہونے میں کسی کو شبہ کی گنجائش ہے؟ بلکہ شیعہ کی تکفیر خود انکی کتابوں میں ان کے بزرگوں سے منقول ہے۔

شیعہ کی تکفیر خود ان کی کتب سے

(۱) قال ابو عبد الله علیه السلام ما انزل الله آیة فی المنافقین الا وهی فیمن ینتحل التشیع (رجال کشی ص۱۹۵)
ابو عبداللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں جو آیت بھی نازل کی ہے وہ تشیع کی طرف منسوب لوگوں کے بارے میں ہے۔

(۲) سمعت علی بن الحسین یقول (الی قوله) ان قوما من شیعتنا سیحبونا حتی یقولوا فینا ما قالت الیهود فی عزیر وما قالت النصاری فی عیسی ابن مریم فلا هم منا ولا نحن منهم (رجال کشی)
علی بن حسین کہتے ہیں ہمارے شیعوں میں سے ایک قوم عنقریب ہمارے ساتھ دوستی کا اظہار کرے گی حتیٰ کہ ہمارے بارے میں وہ باتیں کہیں گے جو یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں اور نصاریٰ

نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا، نہ وہ ہم سے ہیں نہ ہم ان سے کوئی تعلق (رجال کشی ص۲۰۹)

(۳) عن ابن ابی یعفور قال کنت عند الصادق اذ دخل موسی فجلس فقال ابو عبد الله علیه السلام یا ابن ابی یعفور هذا خیر ولدی واحبهم الی غیر ان الله عز وجل یضل به قوما من شیعتنا فانهم قوم لاخلاق لهم فی الآخرة ولا یکلمهم الله یوم القیامة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم قلت جعلت فداک لقد ارعبت قلبی عن هؤلاء قال یضل به قوم من شیعتنا بعد موته جزعا علیه (رجال کشی ص۲۶۳ س۸)

ابن ابی یعفور کہتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق کے پاس تھا وہاں موسیٰ کاظم آکر بیٹھ گئے تو ابو عبداللہ (جعفر صادق) نے کہا اے ابن ابی یعفور! یہ (موسیٰ کاظم) ہمارا سب سے بہتر اور محبوب بیٹا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ہمارے شیعہ میں سے ایک قوم کو گمراہ کریں گے یہ (شیعہ) ایسی قوم ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے روز رحم وکرم کی بات نہ کریں گے اور نہ ہی ان کو پاک کریں گے، ان (شیعہ) کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ابن ابی یعفور کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا میرا تو دل ان سے بھر گیا ہے، ابو عبداللہ نے کہا اسی کی وجہ سے ہمارے شیعہ میں ایک قوم ان کی وفات کے بعد ان پر جزع فزع کر کے اور رو رو کر گمراہ ہو جائے گی۔ (رجال کشی ص۲۶۳)

(۴) ان علیا علیه السلام لما فرغ من قتال اهل البصرة اتاه سبعون رجلا من الزط فسلموا علیه وکلموه بلسانهم فرد علیهم بلسانهم وقال انی لست کما قلتم انا عبد الله مخلوق قال فابوا علیه وقالوا انت هو فقال لهم لئن لم ترجعوا عما قلتم فی وتتوبوا الی الله تعالی لاقتلنکم قال فابوا ان یرجعوا ویتوبوا فامر ان یحفر لهم آبار فحفرت ثم خرق بعضها الی بعض ثم قذفهم فیها ثم طم رؤسها ثم الهب النار فی بئر منها لیس فیها احد فدخل الدخان علیهم فماتوا (رجال کشی ص۱۹۸ طبع کربلا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب اہل بصرہ کے قتال سے فارغ ہوئے تو آپ کے پاس قبیلہ زط سے ستر آدمی آئے، انہوں نے آپ کو سلام کیا اور اپنی زبان میں بات کی، آپ نے بھی انہی کی زبان میں جواب دیا اور فرمایا کہ میں ایسا نہیں جیسا تم کہتے ہو، میں اللہ کا بندہ اور مخلوق ہوں، انہوں نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ آپ وہی ہیں (یعنی خدا ہیں) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم اس سے باز نہیں آتے جو میرے بارے میں کہتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے توبہ نہیں کرتے تو میں تم لوگوں کو ضرور قتل کر دوں گا، ان (شیعہ) نے رجوع اور توبہ سے انکار کر دیا، آپ نے حکم دیا کہ ان کے لئے کنوئیں کھودے جائیں پھر انکے درمیان

میں ص ۹۵ س ۲ میں زرارہ پر لعنت کی روایت ہے

(۳) اور رجال کشی ص ۹ س ۱۹، ص ۲۲ س ۱۱ میں بریدہ کی تعریف اور ص ۹۵ س ۲ میں اس پر لعنت کی روایت ہے

(۴) اور رجال کشی ص ۱۱ س ۱۱، ص ۱۲ س ۱۱ میں محمد بن مسلم کی تعریف کی روایت اور ص ۱۲ س ۱۰ میں اس پر لعنت کی روایت ہے

(۵) اور رجال کشی ص ۱۰۹ س ۱۰ میں ابو بصیر کی تعریف کی روایت اور ص ۱۱۲ س ۲ میں اس کی مذمت کی روایت ہے۔

(۶) روایت ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ محب علی کتنے ہی بڑے گناہ کرے پھر بھی اس کی مغفرت یقینی ہے

سید بن محمد الحمیری اشعار در تعریف علی ساخته
بود پس آن شعر فضیل الرسان در خدمت امام
جعفر خواند (الی قوله) قال سمعت نحیبا من
وراء الستر وقال من قال هذا الشعر قلت
السید بن محمد الحمیری فقال رحمه الله فقلت
انی رأیته یشرب نبیذا فقال رحمه الله فقلت
انی رأیته یشرب نبیذ الرستاق قال تعنی الخمر
قلت نعم قال رحمه الله وما ذلک علی الله
ان لا یغفر لمحب علی (رجال کشی ص ۱۸۵ س ۲)

سید بن محمد حمیری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کچھ مدحیہ اشعار کہے تھے فضیل الرسان نے وہ اشعار جعفر صادق کے سامنے پڑھے (الی قولہ) میں نے کسی کی آواز سنی جو پس پردہ کہہ رہا تھا یہ شعر کس نے کہے ہیں۔ میں نے کہا سید بن محمد حمیری نے۔ تو اس نے کہا: "اللہ اس پر رحم کرے" میں نے کہا کہ میں نے اسے نبیذ پیتے دیکھا ہے تو اس نے پھر کہا "اللہ اس پر رحم کرے" میں نے کہا کہ نبیذ الرستاق پیتے ہوئے میں نے اسے دیکھا ہے تو اس نے کہا کہ شراب ہی تو پی ہوگی۔ میں نے کہا ہاں! تو کہنے لگے "اللہ اس پر رحم کرے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کسی محب علی کی مغفرت نہ کرے"

(۷) روایت ذیل میں اسی سید بن محمد کو روسیاہی کی قدرتی سزا ملنے کا ذکر ہے حالانکہ روایت بالا میں گزر چکا کہ وہ باوجود شراب پینے کے محبت علی کی وجہ سے مغفور ہے۔

حدثنی ابوالحسین ابن ایوب مروزی
قال روی ان السید بن محمد الشاعر اسود وجهه
عند الموت فقال هکذا یفعل باولیائکم
یا امیر المومنین (رجال کشی ص ۱۸۵ س ۱۳)

ابوالحسین بن ایوب مروزی کہتے ہیں کہ موت کے وقت سید بن محمد شاعر کا چہرہ سیاہ ہو گیا تھا تو اس نے کہا اے امیر المومنین! کیا آپ کے احباب کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا ہے؟

اس سے ثابت ہوا کہ شیعہ کے نزدیک یہ عقیدہ رکھنے کے باوجود ان کے محبین کا چہرہ موت کے وقت سیاہ ہو جاتا ہے۔

(۵) عن الرضا علیہ السلام ان یونس بن عبدالرحمٰن فی زمانہ کسلمان الفارسی فی زمانہ (رجال کشی ص ۳۰۲ س ۲۱)

رضا کہتے ہیں کہ یونس بن عبدالرحمٰن اپنے زمانے میں ایسے تھا جیسے سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) اپنے زمانے میں تھے (رجال کشی ص ۳۰۲)

اور سلمان فارسی کی تعریف میں رجال کشی ص ۹ س ۱۷ اور روضہ کلینی ص ۱۵۵ میں روایت ہے دونوں روایتوں کے مجموعہ سے یونس بن عبدالرحمٰن کی مدح ثابت ہوئی۔ مگر رجال کشی ص ۳۰۹ س ۲ میں رضا ہی سے روایت ہے کہ یونس بن عبدالرحمٰن ابن زانیہ اور زندیق ہے۔

اہل بیت کے دشمن:

ان لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ حسن معاملہ تو اوپر کی روایات سے معلوم ہو چکا، اب ذرا مدعیان عشق اہل بیت کا حضرت حسین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے متعلق حسن اعتقاد بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) عن ابی عبداللہ قال ان جبرئیل نزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ یا محمد ان اللہ یبشرك بمولود یولد من فاطمۃ تقتلہ امتك من بعدك فقال یا جبرئیل وعلی ربی السلام لا حاجۃ لی فی مولود یولد من فاطمۃ تقتلہ امتی من بعدی فعرج ثم ھبط فقال لہ مثل ذلك فقال یا جبرئیل وعلی ربی السلام لا حاجۃ لی فی مولود تقتلہ امتی من بعدی فعرج جبرئیل الی السماء ثم ھبط فقال یا محمد ان ربك یقرئك السلام ویبشرك بانہ جاعل فی ذریتہ الامامۃ والولایۃ والوصیۃ فقال قد رضیت ثم ارسل الی فاطمۃ ان اللہ یبشرنی بمولود یولد لك تقتلہ امتی من بعدی فارسلت الیہ ان لا حاجۃ لی فی مولود تقتلہ امتك من بعدك فارسل الیہا ان اللہ قد جعل فی ذریتہ الامامۃ والولایۃ و

جعفر صادق فرماتے ہیں جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تو فرمایا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بیٹے کی بشارت دیتے ہیں جو فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے پیدا ہوگا جسے آپ کے بعد آپ کی اُمت شہید کر دے گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے رب پر سلام مجھے ایسے بیٹے کی ضرورت نہیں جو فاطمہ سے پیدا ہو اور پھر اسے میرے بعد میری اُمت شہید کر دے جبرئیل علیہ السلام اوپر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد پھر نازل ہوئے اور پھر وہی بات کہی، آپ نے پھر وہی جواب دیا، جبرئیل امین پھر واپس تشریف لے گئے اور پھر آئے اور فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے رب نے آپ کو سلام کہا ہے اور وہ آپ کو بشارت دیتے ہیں کہ وہ ان کی اولاد میں امامت، ولایت اور

الوصية فارسلت اليه انى قد رضيت (الى قوله) فلم يرضع الحسين من فاطمة عليها السلام ولا من انثى كان يؤتى به النبى صلى الله عليه وسلم فيضع ابهامه فى فيه فيمص منها ما يكفيه اليومين والثلاث (اصول کافی ص ۲۹۴)

وصیت رکھیں گے تب آپ نے فرمایا کہ اب میں راضی ہوں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسے بچے کی بشارت دیتے ہیں جو آپ سے پیدا ہوگا، جسے میری اُمت میرے بعد شہید کرے گی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ مجھے ایسے بچے کی کوئی حاجت نہیں جسے آپ کی اُمت شہید کرے، آپ نے پھر پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں امامت، ولایت اور وصیت رکھی ہے تب حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) راضی ہوئیں (حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسکا بدلہ اپنی والدہ محترمہ سے یہ لیا کہ) اس کے بعد نہ اپنی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا اور نہ ہی کسی اور عورت کا (یعنی ان کو بعض عورت سے نفرت ہوگئی جو انکی پیدائش پر ناخوش تھی) آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جاتا، آپ اپنا انگوٹھا ان کے منہ میں دیتے، حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) اس سے دودھ پیتے جو ان کو دو تین روز تک کفایت کرتا۔

(۲) عن ابى عبد الله عليه السلام قال لما حملت فاطمة بالحسين جاء جبرئيل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ان فاطمة ستلد غلاما تقتله امتك من بعدك فلما حملت فاطمة بالحسين كرهت حمله وحين وضعته كرهت وضعه ثم قال ابو عبد الله عليه السلام لم تر فى الدنيا ام تلد غلاما تكرهه ولكنها كرهته لما علمت انه سيقتل قال وفيه نزلت هذه الآية حملته امه كرها ووضعته كرها (حوالہ بالا)

جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) سے حاملہ ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل امین تشریف لائے اور کہا کہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) عنقریب ایک بچہ جنے گی جسے آپ کے بعد آپ کی اُمت قتل کرے گی۔ پس جب فاطمہ حاملہ ہوئیں تو وہ اس حمل کو بُرا سمجھتی تھیں اور جب بچہ پیدا ہوا تو اس کو بھی بُرا سمجھتی تھیں، جعفر صادق نے فرمایا کہ دُنیا میں کوئی ماں ایسی نہیں جو اپنے بچے کو بُرا سمجھتی ہو مگر حضرت فاطمہ اسے بُرا سمجھتی تھیں اسلئے کہ وہ جانتی تھیں کہ یہ بچہ شہید ہوگا (العیاذ باللہ شہادت کی نحوست کی وجہ سے وہ بچے کو بُرا سمجھتی تھیں) جعفر صادق نے کہا کہ آیت حملته امه كرها اسی سلسلے میں نازل ہوئی ہے، (اُس کی ماں نے اسے حمل کی حالت میں بھی بُرا سمجھا اور پیدا ہونے کے بعد بھی) یہ ترجمہ اہل تشیع

(۲) ثم جاء عمر فقیل له یا ابا حفص ان رسول الله قال ان الجنة تشتاق الی ثلاثة فانت الفاروق الذی ینطق الملک علی لسانه (رجال کشی ص ۲)

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ان سے کہا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے، اور آپ ویسے فاروق ہیں کہ آپ کی زبان پر فرشتہ بولتا ہے، یعنی آپ کی رائے کے مطابق وحی نازل ہوتی ہے

(۳) قال بعض المخالفین بحضرة الصادق علیه السلام لرجل من الشیعة ما تقول فی العشرة من الصحابة قال اقول فیهم الخیر الجمیل الذی یحط الله به سیئاتی ویرفع به درجاتی قال السائل الحمد لله علی ما انقذنی من بغضک کنت اظنک رافضیا تبغض الصحابة فقال الرجل من ابغض واحدا من الصحابة فعلیه لعنة الله والملائکة فقال لعلک تتاول ما تقول فیمن ابغض العشرة من الصحابة فقال من ابغض العشرة فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین (تفسیر عسکری مطبع جعفری لکھنؤ ص ۱۹۹)

بعض مخالفین نے جعفر صادق کی موجودگی میں کسی شیعہ سے کہا کہ صحابہ کرام میں سے عشرہ مبشرہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو وہ (شیعہ) کہنے لگا کہ میں ان کے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہوں، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو مٹا دیں گے اور میرے درجات بلند فرمائیں گے، پوچھنے والے صاحب نے کہا خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تیرے بغض سے نجات دلائی میں تو تمہیں صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے عداوت رکھنے کی وجہ سے رافضی سمجھتا تھا وہ شخص (شیعہ) کہنے لگا جو کوئی کسی ایک صحابی سے بغض رکھے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، اس نے کہا کہ شاید تم اس قول میں کوئی تاویل کر رہے ہو۔ عشرہ مبشرہ کے بارے میں بتائیے کہ تمہارا کیا عقیدہ ہے تو اس نے کہا کہ جو عشرہ مبشرہ کے ساتھ بغض رکھے، اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت۔

(۴) فروع کافی جلد ۲ نصف اول ص ۹ پر بھی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت مذکور ہے۔

(۵) نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات منقول ہیں جن میں کئی جگہ بہت کثرت سے شیخین رضی اللہ عنہما کی مدح مذکور ہے، مثال کے طور پر صفحات ذیل ملاحظہ ہوں:

نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۳۲، ۵، ۸۵، ۲، ۸، ۹، ۲۲۹ اور جلد ۲ ص ۲۲، ۳۵، ۲، ۸، ۹، ۱۲۱، ۱، ۸۱ جلد ۳ ص ۸

(۶) شیعہ کی معتبر کتاب تفسیر عسکری میں آیت اولئک ما کان لهم ان یدخلوها الا خائفین کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشہور کرامت "یا ساریة الجبل" مذکور ہے۔

هذا عمر بن الخطاب اذ قیل لهم

یہ عالم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بزرگی کا کہ

انه کان علی المنبر یخطب اذ نادی فی خلال خطبته یا ساریة الجبل وعجبت الصحابة مما هذا من الکلام الذی فی هذه الخطبة فلما انقضی الخطبة والصلوة قالوا ما قولک فی خطبتک یا ساریة الجبل فقال اعلموا انی وانا اخطب رمیت ببصری نحو ... وقد اصطفوا بین یدی جبل هناک وقد جاء بعض الکفار لیدور خلف سعد بن ابی وقاص وسائر من معه من المسلمین فیحیطوا بهم فیقتلوهم فقلت یا ساریة الجبل لیلتجئ الیه فیمنعهم ذلک من ان یحیطوا به ثم یقاتلوا ومنح الله اخوانکم المؤمنین اکتاف الکافرین وفتح الله علیهم بلادهم فاحفظوا هذا الوقت فسیرد علیکم الخبر بذلک وکان بین المدینة ونهاوند اکثر من خمسین یوماً۔
(تفسیر عسکری طبع جعفری ص ۲۰۲)

حالت میں جبکہ آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے بلند آواز سے فرمانے لگے یا ساریۃ الجبل! اے ساریہ پہاڑ کی پناہ لو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے تعجب کرنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خطبہ اور نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت کرنے پر فرمایا کہ اثناء خطبہ میں میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر پہاڑ کے نیچے صف بستہ ہے اور چند کافر پہاڑ کے پیچھے سے آ رہے تاکہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور دیگر مسلمانوں کا گھیراؤ کرکے ان پر حملہ کریں، اس وقت میں نے یا ساریۃ الجبل کہا، تاکہ پہاڑ کی طرف پناہ لیکر کفار کے گھیراؤ سے بچ جائیں اور پھر ان سے مقابلہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بھائیوں کو کافروں کے ہاتھ سے نجات دی اور کافروں پر مسلمانوں کو فتح ہوگئی۔ پھر فرمایا اس وقت کو یاد رکھو تمہارے پاس اس کی خبر آئے گی۔

مدینہ منورہ اور نہاوند (جہاں یہ لشکر تھا) کے درمیان پچاس دن کی مسافت سے زیادہ فاصلہ تھا۔

(۲) وعن عروة بن عبد الله قال سألت ابا جعفر محمد بن علی علیهما السلام عن حلیة السیوف فقال لا بأس به فقد حلی ابو بکر الصدیق رضی الله عنه سیفه قلت فتقول الصدیق فوثب وثبة واستقبل القبلة وقال نعم الصدیق، نعم الصدیق، نعم الصدیق، فمن لم یقل له الصدیق فلا صدق الله له قولاً فی الدنیا ولا فی الآخرة۔

عروہ بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے امام باقر سے پوچھا کہ کیا تلواروں پر سونا چاندی چڑھانا جائز ہے؟ تو کہا کہ جائز ہے اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار پر سونا چڑھایا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ بھی صدیق کہتے ہیں! تو امام باقر نہایت جوش سے اچھل کر کھڑے ہوگئے اور قبلہ رو ہوکر فرمانے لگے، ہاں میں صدیق کہتا ہوں! ہاں میں صدیق کہتا ہوں! ہاں میں

(کشف الغمہ فی احوال الائمہ جلد ۲ ص [illegible]) صدیق کہتا ہوں!!! اور جو آپ کو صدیق نہ کہے اللہ دنیا و آخرت میں اسکا کوئی قول سچا نہ کرے

نکتہ :

افسوس کہ شیعہ نے اپنے امام خامس ابوجعفر محمد بن علی باقر کی بات نہ مانی اور افضل البشر بعد الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہ صرف صدیقیت بلکہ صحابیت کے شرف سے بھی گرانے کی کوشش کرکے اپنی عاقبت برباد کی اور امام باقر کی بددعا فلا صدق اللہ لہ قولا فی الدنیا ولا فی الآخرۃ (اللہ تعالی اس کی کسی بھی بات کو دنیا و آخرت میں سچا (درست) نہ کرے) کے مستحق ہوئے، شیعہ کے حق میں ان کی یہ بددعا قبول ہوئی چنانچہ شیعہ لوگوں نے تقیہ یعنی جھوٹ اور فریب کو اپنا مذہب قرار دے لیا ہے اور کہتے ہیں کہ جو جھوٹ نہیں بولتا، فریب اور دغا بازی نہیں کرتا وہ بے دین ہے، اس کا ایمان معتبر نہیں، اسکے ساتھ یہ بھی دعوی کیا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی جھوٹ بولتے تھے، اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالی پر بھی جھوٹ اور افتراء باندھ کر (معاذ اللہ) اللہ تعالی سے غلطی ہو جاتی ہے، پھر حد یہ کردی کہ اللہ تعالی کی طرف غلطی کو منسوب کرنے سے بڑھ کر دروغ گوئی کو عبادت ٹھہرایا، یہ ان کی قولی کذب بیانی اور افتراء پردازی کا نقشہ تھا، دوسری جانب ان کی اخلاقی حالت کا اس سے اندازہ کرلیں کہ انہوں نے یہ مذہب اختیار کرلیا کہ عورتوں کا بلا نکاح بصیغہ متعہ کسی کے گھر چلے جانا اور مذہب کے علاوہ اخلاق و روایت کی بندشوں کو بھی توڑ کر حیا سوزی کا مرتکب ہونا، اسے کار خیر بلکہ گناہوں کی بخشش کا ذریعہ قرار دیدیا۔

کتب شیعہ سے فضائل صحابہ نقل کرنے سے قبل ایک اشکال کا جواب تحریر کیا جاتا ہے۔

کتب شیعہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی تعریف دیکھنے پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ مردود تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کھلے دشمن ہیں پھر تعریف کیونکر؟ اسکے دو جواب ہیں:

① یہ تعریف تقیہ کی بنا پر ہے جس پر ان کے ایمان کا مدار ہے، جیسا کہ تقیہ کے بیان میں ان کا مذہب لکھا جا چکا ہے کہ جو تقیہ نہیں کرتا اس کا ایمان نہیں۔

② اللہ تعالی نے "حق" میں ایسی تاثیر رکھی ہے کہ وہ بسا اوقات اہل باطل اور دشمنوں کی زبان پر بھی بولتا ہے۔ دنیا میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے بغض و عناد سے کتب شیعہ بھری پڑی ہیں، ان نفوس مقدسہ کے حق میں ایسی فحش گالیاں لکھتے ہیں کہ جس مسلمان کے قلب میں

ایمان کی ذرا سی بھی رمق ہو وہ کسی مردود سے ایسی بکواس سن کر اسے جہنم رسید کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔

فضائل متعہ

(۱) قال ابو عبد اللہ علیہ السلام ما من رجل تمتع ثم اغتسل الا خلق اللہ من کل قطرۃ تقطر منہ سبعین ملکا یستغفرون لہ الی یوم القیمۃ

(برہان المتعہ [illegible])

جعفر صادق کہتے ہیں کہ متعہ کے بعد غسل جنابت سے گرنے والے پانی کے ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ ستر فرشتے پیدا کرتے ہیں جو اس متعہ کرنے والے (شخص) کے لئے قیامت تک مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔

(۲) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تمتع مرۃ امن سخط اللہ الجبار ومن تمتع مرتین حشر مع الابرار ومن تمتع ثلاث مرات زاحمنی فی الجنان

(منہج الصادقین ص ۴۹۲)

نبی علیہ السلام نے فرمایا جو ایک مرتبہ متعہ کرے خدا کے قہر سے نجات پائے، جو دو مرتبہ متعہ کرے اس کا حشر نیک لوگوں کے ساتھ ہو، اور جو تین بار متعہ (اپنا روسیاہ) کرے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ نعوذ باللہ من سخط الجبار ومن اکاذیب سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ الاطہار۔

(۳) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تمتع مرۃ واحدۃ عتق ثلثہ من النار ومن تمتع مرتین عتق ثلثاہ من النار ومن تمتع ثلاث مرات عتق کلہ من النار۔ (منہج الصادقین ص ۴۹۳)

نبی علیہ السلام نے فرمایا جو ایک مرتبہ متعہ کرے اسکا تیسرا حصہ آگ سے نجات پا جاتا ہے جو دو دفعہ کرے اس کا دو تہائی اور جو تین دفعہ منہ کالا کرے اسکا تمام بدن آتش دوزخ سے آزاد ہو جاتا۔ (العیاذ باللہ من شرور انفسنا)

(۴) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تمتع مرۃ درجتہ کدرجۃ الحسن ومن تمتع مرتین درجتہ کدرجۃ الحسین ومن تمتع ثلث مرات درجتہ کدرجۃ علی ومن تمتع اربع مرات درجتہ کدرجتی

(تفسیر منہج الصادقین ص ۴۹۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایک مرتبہ متعہ کرے اسے حضرت حسن کا درجہ مل جاتا ہے جو دو مرتبہ متعہ کرے حضرت حسین کا درجہ اور جو تین مرتبہ متعہ کرے وہ حضرت علی کا درجہ اور جو (العیاذ باللہ) چار مرتبہ متعہ کرکے (منہ کالا کرے) وہ میرے درجہ کو پا لیتا ہے۔

(۵) قال ابو جعفر علیه السلام ان النبی صلی الله علیه وآله وسلم لما اسری به الی السماء قال لحقنی جبرئیل علیه السلام فقال یا محمد ان الله تبارک وتعالی یقول انی قد غفرت للمتمتعین من امتک من النساء (من لا یحضره الفقیه جزء ۳ ص ۳۰۰)

ابو جعفر فرماتے ہیں معراج کی رات جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں پر تشریف لے گئے تو فرمایا کہ جبرئیل مجھ سے ملے اور فرمایا کہ اے محمد! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے تیری امت میں سے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے والوں کو بخش دیا۔

اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں، اہل تشیع کے نزدیک سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج سے تشریف لائے تو بجائے نماز کے تحفہ کے ان کے لئے بے شرمی اور حیا سوزی کا سامان لائے۔ اور العیاذ باللہ انہیں یہ بشارت دی گئی کہ اسی میں تمہاری نجات اخروی کا راز پوشیدہ ہے۔

(۶) روی بکر بن محمد عن ابی عبد الله علیه السلام قال سألته عن المتعة فقال انی لاکره للرجل المؤمن ان یخرج من الدنیا وقد بقیت علیه خلة من خلال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم لم یقضها (من لا یحضره الفقیه جزء ۳ ص ۳۰۰)

جعفر صادق سے متعہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا میں کسی مومن کے لئے یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ وہ دنیا سے اس حالت میں چلا جائے کہ اس کے ذمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب سنتوں میں سے کوئی سنت باقی ہو (یعنی متعہ کرنے کا ادا نہ کیا ہو)

(۷) جو شخص متعہ کرے عمر میں ایک مرتبہ وہ اہل بہشت سے ہے (تحفۃ العوام ص ۲۷۱ ج ۲)

(۸) عذاب نہ کیا جائے گا وہ مرد اور وہ عورت کہ متعہ کرے (تحفۃ العوام ص ۲۷۱ ج ۲)

دیوثی و بے غیرتی کے مظاہرہ اور نفس امارہ کی تسکین کے لئے متعہ جیسا ہم خرما و ہم ثواب نسخہ بھی کافی نہ ہوا تو اس سے بھی آسان ترکیب "تحلیل" نکالکر بے غیرتی کو بھی ختم کر دیا۔ ابن بابویہ کتاب الاعتقادات میں لکھتا ہے: اسباب حل المرأة عندنا اربعة النکاح و ملک الیمین والمتعة والتحلیل۔ تحلیل کی تفسیر کتب شیعہ میں تلاش کرنے کا موقع نہیں ملا، ایک مجتہد نے دریافت کرنے پر بتایا کہ اس سے عاریۃً فرج مراد ہے۔ دنیا کا بدترین سے بدترین جانور بھی حضرت انسان کی اس شرافت کے سامنے شرم کے مارے سرنگوں ہے۔

شیعہ لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ ایک صدیق کی صداقت کے انکار سے ان پر کیا کیا آفتیں ٹوٹ پڑیں، جن کے سبب مذہب و روایات کی بندشوں سے تو وہ آزاد ہو ہی چکے، اخلاق و انسانیت بھی شیعہ معاشرے سے رخصت ہوگئی۔ فقط واللہ اعلم

۱۹ ذی قعدہ ۱۴۰۰ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیعہ کو اہم مشورہ

خالص شیعہ بن جاؤ تو سارے جھگڑے ختم

([illegible])

شیعہ کا مذہب بالاتفاق یہ ہے کہ یہ قرآن جو ہمارے پاس ہے اس کا ایک حرف بھی صحیح نہیں، ان کے مذہب کی بنیاد اسی پر قائم ہے، اگرچہ بعض شیعہ قرآن کو دیکھتے اور تلاوت کرتے ہوں، انکی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ مسئلہ ان کے ہاں متواترات میں سے ہے، متواتر اسے کہتے ہیں کہ کسی چیز کے خبر دینے والے اس قدر ہوں کہ دنیا کی کوئی طاقت اسکے خلاف کو باور نہ کرا سکے، جیسے کہ مکہ کا وجود اس شخص کے لئے بھی یقینی ہے کہ جس نے مکہ نہ دیکھا ہو، اسی طرح ان کے نزدیک قرآن کا ایک حرف صحیح نہ ہونا اتنا یقینی ہے کہ اسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا، حالانکہ اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کے ایک لفظ کا انکار کر دینے والا بھی کافر ہے۔

ایک اعتراض اور اسکا حل

شاید آپ کہیں کہ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن پڑھتے ہیں قرآن ہمارے گھروں میں رکھا ہوا ہے ہم پر الزام غلط اور بے وجہ ہے، مگر میں کہتا ہوں کہ جب ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور وہ ان کتابوں کو صحیح سمجھتے ہیں ان کو چومتے ہیں سینوں سے لگاتے ہیں اپنے گھروں میں رکھتے ہیں تو آخر یہ کتابیں اگر ان کے عقیدہ کے خلاف ہیں تو ان کے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہے؟ میں نے ان کی کتابیں خوب دیکھی بھالی ہیں، ان کو خوب کھنگال کر دیکھا ہے، جو کہونگا کسی کی مجال نہیں کہ اس کا ایک حرف بھی جھٹلا سکے، چاہیں تو کتاب نکال کر دکھاؤں گا، ان کی کتابوں میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مجلس میں ایک مجتہد صاحب سے کسی نے پوچھا کہ قرآن کیسا ہے؟ تو جواب دیا کہ صحیح ہے، بعد میں انکے کسی شاگرد نے کہا کہ آپ ہم کو تو رات دن یہ پڑھاتے اور سکھاتے رہتے ہیں کہ یہ قرآن غلط ہے اور آج آپ نے یہ نئی بات کہی، تو مجتہد صاحب کہنے لگے، قلتہ تقیۃ میں نے تقیہ کیا تھا۔

تقیہ کی حقیقت

تقیہ ان کے دین کا جزء ہے، تقیہ کے معنی ہیں جھوٹ بولنا، نفاق سے کام لینا، کسی کو دھوکہ

---

[1] ان جوابات کی تفصیل عنوان "کیا شیعہ مسلمان ہیں" کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

دینا وغیرہ۔ ان کے مذہب میں تقیہ جائز ہی نہیں بلکہ بہت بڑا ثواب ہے، جو آدمی نفاق سے کام
نہیں لیتا وہ بے دین ہے، اصول کافی کی روایت ہے لا دین لمن لا تقیۃ لہٗ[1] اور ایک روایت
میں ہے لا ایمان لمن لا تقیۃ لہٗ[2] یعنی جو شخص لوگوں کو دھوکہ نہیں دیتا وہ بے دین اور بے ایمان ہے۔ ان
دو چیزوں کو ملا لیں۔ ایک یہ۔ ان کے ایمان میں سے یہ ہے کہ قرآن کا ایک حرف بھی صحیح نہیں۔
دوسری یہ کہ جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا فرض ہے بلکہ عین ایمان ہے۔ اب آپ خود اندازہ لگا لیں
کہ وہ گھروں میں قرآن کیوں رکھتے ہیں سوائے فریب دہی کے اور کیا ہو سکتا ہے جس کا نام
انہوں نے تقیہ رکھا ہے ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

اہل تشیع کا امتحان

ان منافقین کا امتحان اس طرح لو کہ تم اگر قرآن کو صحیح کہتے ہو تو یہ بتاؤ کہ جن مصنفین مجتہدین نے قرآن کو غلط کہا ہے وہ مسلمان ہیں یا کافر؟ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو قرآن کو غلط کہنے والے جتنے گزرے ہیں سب کو کافر کہو، اپنے مجتہدین کو جو یہ کہہ گئے ہیں کافر کہو اور ان کی ایسی کتابیں جلا دو تو ہم مان لیں گے کہ تم اپنے دعوے میں سچے ہو، لیکن اگر ان کتابوں کو چھاپتے ہو، ان کی تعظیم کرتے ہو، ان کے مصنفین کو اپنا امام مان کر ان کا احترام کرتے ہو تو معلوم ہوا کہ کچھ دال میں کالا ہے۔

پچھلے دنوں قادیانیوں کا بھی اسی طرح امتحان ہوا کہ جب انہوں نے یہ کہا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں، ہمارا ختم نبوت پر ایمان ہے تو ان سے کہا جاتا تھا کہ تم غلام احمد کو کافر کہو، اس کی کتابیں خاکستر کردو۔

حیدرآباد دکن کے صدیق دیندار چن بسویشور کے چند گنتی کے معتقدین ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم مجاہدین اسلام ہیں، ہمارا اسلام پر یقین ہے، ہم دیندار ہیں، ان سے بھی یہی کہا جاتا ہے کہ صدیق دیندار جو پہلے غلام احمد کا چیلا بنا، پھر ترقی کر کے خود نبی بن بیٹھا اور بعد میں خدائی کا دعوی کیا اسے کافر کہو، یہ عجیب بات ہے کہ غلام احمد قادیانی جو صدیق چن بسویشور کا پیر ہے وہ تو

---

[1] اصول کافی ص ... [2] اصول کافی ص ...

صرف نبی ہوا اور اس کا مرید صدیق دیندار خدا بن گیا۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

آخر کسی کے دعوے کے صدق و کذب کی کوئی کسوٹی اور معیار بھی تو ہوتا ہے، اس سے بہتر کوئی کسوٹی ہو تو بتا دو۔ آج اگر خدا نخواستہ ہمارے پاس کوئی ایسی کتاب آ جائے جس میں لکھا ہو کہ اللہ کا وجود نہیں ہم اس کو چومیں، چاٹیں، غلاف چڑھائیں، سینوں سے لگائیں اور کہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں تو کیا کوئی ایسا بے وقوف ہے جو ہمارے اس دعوے کو ماننے کے لئے تیار ہو، یہی حال ہے ان شیعہ کا کہ ان کی کسی بھی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ قرآن صحیح ہے۔

شیعہ کی اہم کتب:

شیعہ کی اہم کتابیں کافی اور صافی ہیں۔ صافی دو ہیں، ایک اصول کافی کی شرح ہے دوسری تفسیر کے فن میں ہے، ان کتابوں کے حوالے اگر دیکھنے ہوں تو میری کتاب "احسن الفتاوی" میں ان کو تفصیل سے دیکھا جا سکتا ہے۔

بہرحال اصول کافی ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کا کوئی شیعہ انکار نہیں کر سکتا، دوسری کتابوں کے بارے میں وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم مجتہد ہیں اور ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کا قول حجت نہیں ہوتا، اس کا جواب یہ ہے کہ جن مجتہدین نے قرآن تک کا انکار کر دیا ہے ان کو کافر کیوں نہیں کہتے؟ نیز ان کی کوئی بات کہتا ہو تو اصول کافی کو پکڑنا چاہئے اس کا وہ کسی طرح انکار نہیں کر سکتے، اس کی وجہ بھی سن لیجئے کہتے ہیں کہ ابن یعقوب کلینی نے اس زمانے میں یہ کتاب لکھی جبکہ امام مہدی کی غیبت صغریٰ کا زمانہ تھا، امام مہدی کے غار میں جا کر غائب ہونے کے بارے میں ان کا خیال یہ ہے کہ ایک زمانے تک جس غار میں وہ چھپے ہوئے ہیں ان کے خاص لوگوں کو اس کا علم تھا کہ کہاں ہیں یہ غیبت صغریٰ ہے اور بعد میں وہ ایسے غائب ہو گئے کہ کسی کو ان کا پتہ نہ چلا کہ اب وہ کہاں ہیں یہ غیبت کبریٰ ہے۔ یہ شیعہ بڑے نافرمان ہیں ان کا امام تو مسلمانوں سے ڈر کر غار میں چھپے اور یہ یہاں بیٹھے خواہ مخواہ کا فساد کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں کہ امام مہدی شہر "سر من رای" میں کسی غار میں چھپے ہیں، یعنی اس شہر کو دیکھنے والا خوش ہو جاتا ہے، ابن یعقوب کلینی نے اصول کافی لکھ کر غار میں جا کر امام مہدی کو دکھائی، امام مہدی نے دیکھ کر فرمایا: ھذا کاف لشیعتنا، یہ کتاب ہمارے شیعہ کے لئے کافی ہے، یہی اس کی وجہ تسمیہ بھی ہے۔ اب اس کے ساتھ دو باتیں اور ملا دیں، ایک یہ کہ امام ان کے نزدیک معصوم ہوتا ہے

جھوٹ نہیں ہوتا، دوسری یہ کہ امام عالم الغیب ہے اس لئے اس سے غلطی نہیں ہوتی۔ تو جس کتاب کی تصحیح امام نے کی ہو نہ اس میں غلطی ہو سکتی ہے اور نہ اس میں جھوٹ کا احتمال ہے، اس کتاب کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے: هذا ما قال فيه الامام الاكبر حجة الله المنتظر هذا كاف لشيعتنا، واقعی یہ شیعہ کی پٹائی کے لئے کافی ہے۔

شیعہ صرف قرآن کی تحریف ہی کے قائل نہیں بلکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن موجود کفر کے ستونوں کو مضبوط کرتا ہے۔

وضمنوه من تلقاء انفسهم ما يقيمون به دعائم كفرهم (تنبيه الحائرين)	خلفاء ثلاثہ نے قرآن میں وہ باتیں درج کیں جن سے وہ اپنے کفر کے ستونوں کو قائم کر سکیں۔

شیعہ کو موجود قرآن سے اس لئے عداوت ہے کہ اس میں شیعہ کی طرفداری نہیں کی گئی۔

لولا انه زيد في القرآن ونقص منه لما خفي حقنا على ذي حجى (تنبيه الحائرين)	اگر قرآن میں کمی بیشی نہ کی جاتی تو ہمارا حق کسی عقلمند پر مخفی نہ رہتا۔

شیعہ عقیدۂ تحریف قرآن کو بطور تقیہ چھپانے کی خواہ کتنی ہی کوشش کریں مگر پھر بھی کبھی دل کی بات زبان پر آہی جاتی ہے، چنانچہ سید محمد دہلوی اپنی کتاب "ضربت حیدریہ" میں لکھتے ہیں:

ایں نظم قرآنی نظم عثمانی است بر شیعیان احتجاج بداں نشاید	قرآن کی موجودہ ترتیب عثمانی ہے اس لئے یہ قرآن شیعہ پر حجت نہیں ہو سکتا۔

دل کا راز معلوم کرنیکا عجیب گُر

یہ امر تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ نشہ، جنون یا نیند وغیرہ کی بیہوشی میں دل کی باتیں زبان پر آجاتی ہیں، بعض نفسیات سے واقف لوگ اس گُر کے ذریعہ دل کے راز معلوم کر لیتے ہیں، کوئی ایسی بات کہدی کہ سننے والا طیش میں آکر ہوش کھو بیٹھے اور مجبوراً الحواس ہوکر دل کی بات اگل دے۔

جب مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی کے "النجم" نے رجوم الشیاطین بن کر دشمنان دین پر تابڑ توڑ حملے کئے، اور ان پر سے تقیہ کی نقاب کو خاکستر کرکے ان کی اصل تصویر کو عریاں کر دیا تو شیعہ بلبلا اٹھے، "النجم" کے دفع کے لئے مستقل تصانیف کے علاوہ تقریباً پچیس رسائل جاری کئے مگر "النجم" کے راکٹ کے سامنے وہ بیت العنکبوت سے زیادہ نہ ٹھیر سکے اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد یکے بعد دیگرے سب نے دم توڑ دیا، ان رسائل میں سے ایک ہفتہ وار "ذوالفقار" بھی

سیالکوٹ سے جاری کیا گیا تھا اس کی یکم [illegible] کی اشاعت میں علمائے شیعہ کے خصوصی ترجمان اعجاز حسن بدایونی کا مضمون شائع ہوا تھا۔ ہم اس مضمون کا چیدہ چیدہ حصہ پیش کرتے ہیں، جس سے ناظرین کو یقین ہو جائے گا کہ اعجاز حسن صاحب اس وقت "النجم" کی شدید ضرب سے بوکھلا کر ہوش کھو چکے تھے اس بے ہوشی کے عالم میں انھوں نے سربستہ راز کو اگل کر رکھ دیا۔

> "چشم بد دور "النجم" کیسا چمکیلا کوکب ہے جیسے دل والا ننگ جرمنی کا چمکتا ستارہ۔ بس اتنا فرق ہے کہ اس کے پرتو سے دل کالے ہو جاتے ہیں اور اس کی خونی چمک سے قلوب عوام کالانعام کی بینائی چٹ ہو جاتی ہے۔

> "النجم" خرافات و مزخرفات کا طومار ہے اور وہ ایک بے ضرر چیز ہے۔ "النجم" اپنی بے ڈھنگی رفتار سے نفس دہیلاتا ہے اور وہ اپنی چال سے کبھی کبھی چکر دیتا ہے "النجم" کی رنگت گرگٹ کے مانند بدلتی رہتی ہے اور وہ اول دن سے نیلگوں شیشہ کی میں ضیا بار ہے۔ "النجم" کی نحوست یہ ہے کہ وہ ستمگر سے بدرجہا زائد ہے کہ یہ روز ہلال میں ایک مرتبہ دیکھنا پڑتا ہے اور "النجم" کی خونی شعاعیں ہر راہ میں رنگ لاتی ہیں اور مرئی اثر دکھاتی ہیں۔ "النجم" کی پیشانی پر یہ آیہ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ایسی ہے جیسے پیر ابلیس کے سر پر تاج خدمت یا عالم بے عمل کے سر پر قبائے ہدایت یا خلیفہ[۱] بے حیائی کے بدن میں قمیص خلافت یا جاہل محقق کی چندیا پر دستار فضیلت شیعوں کا عجب لطیفہ ہے کہ وہ خود گمراہ ہے لیکن ہدایت کا دم بھرتا ہے۔ اس کا مدیر طرح تفسیر فاسق دلے دیتا ہے لیکن ہم پر بہتان عیب رکھتا ہے۔ خود مؤمن بالقرآن نہیں اور نہ اسکے ہم مشرب مگر اپنا گناہ بے مروت ہماری طرف منسوب کرتا ہے"

آگے چل کر مدیر "النجم" کو لکھتا ہے:

> "مگر تمھیں حیا نہیں آتی اور چلو بھر پانی میں ڈوب نہیں مرتے کہ تعصب پر کمر بستہ ہو۔
> "اپنی جھوٹی بکواس سے توبہ کر لو"۔

اب ہم ص ۲۵ اس بانفس کے اگلے ہوئے زہر سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں:

> "رسول کی رحلت کے بعد قرآن کا مرتب ہونا دینی بدعت قرار پایا۔ بدعت پرستو

۱۔ خلیفہ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں اور بے حیائی سے مراد مہاجرین و انصار کا وہ تاریخی اجتماع ہے جس پر دنیائے اسلام آج تک ... جس میں حضرت صدیق اکبر کا انتخاب عمل میں آیا۔ یہ حیات اقوام عالم کی تاریخ ... کی خلافت اول کا درجہ رکھتا ہے۔

اگر تم سمجھے ہو تو قرآن کی صفات موجودہ عہد رسول والے قرآن پر منطبق کر دینا ورنہ
اپنے دعوائے باطلہ سے تائب ہو جانا پھر کبھی اس قرآن کے اصلی ہونیکا دعوی نہ کرنا"
—— "مسٹر الکتّاجر تم کس منہ سے قرآن موجود کو پورا قرآن بتاتے ہو ورانحالیکہ
اصلی قرآن میں سورۂ احزاب دو سو آیت کی تھی" —— "اس سورت میں
آیۂ رجم بھی تھی"۔ —— "اور سنو! سورۂ توبہ کا صرف ایک حصہ رہ گیا ہے،
باقی تین حصے غائب ہو گئے" —— "بڑے افسوس کی بات ہے کہ قرآن کے
تواتر کا دعوی کیا جاتا ہے مگر حال یہ ہے کہ قرآنی آیات بڑی مشکل سے ملتی تھیں
معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اصحاب میں کوئی بھی پورے قرآن کا حافظ نہ تھا"
—— "الغرض پورا قرآن موجود نہیں ہے اور نہ اسکا دعوی صحیح ہے" ——
"قرآن سے پورا سورۂ "نورین" غائب ہو گیا" —— "قرآن موجود میں دو مکمل
سورے یعنی "حفد و خلع" بالکل ندارد ہیں" —— "یہ قرآن جو تمہارے زعم ناقص
میں مکمل ہے" —— "اگر آیۂ انا لہ لحافظون کے ذریعہ سے اصل و غیر مجموع قرآن
کی حفاظت کا وعدہ خدا نے فرمایا تھا تو وہ کہاں محفوظ رہا" —— "پس اگر عہد رسول
والا قرآن غیر مخلوق ہے جو مجموع اور مجلّد نہ تھا تو اسکا وجود صفحۂ ہستی سے غائب ہے
اور اگر یہ قرآن مراد ہے تو اس کے خالق جناب عثمان ہیں پھر کیسے قدیم ہو سکتا ہے"
"حضرت ابوبکر کا قرآن غلط ثابت ہوا جس کی ہر ایک آیت دو عادلوں کی گواہی سے
لکھی گئی تھی۔ اسمیں فضول بھرتی ثابت ہونے سے عدل صحابہ اور ایمان صحابہ کے
ساتھ حضرت ابوبکر کا ایمان بھی رخصت ہوا کہ یہ سب غلط قرآن پر ایمان رکھتے تھے"
—— "مگر آپ نے (حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ) ایجاد بندہ فرمائی۔ اب
بتاؤ اصلی قرآن کہاں محفوظ رہا" —— "آیات کی بیڈھنگی ملاحظہ ہو" ——
"دوسری آیت بالکل بے بیجا مقام میں لکھی گئی ہے جیسے آیۂ تطہیر ازواج نبی کے
تذکرہ میں ٹھونس دی گئی ہے"۔ "اور سنو بارہویں پارہ کے چوتھے رکوع
میں طوفان نوح کا قصہ عجیب عنوان میں لکھا گیا ہے جس سے جامع قرآن کی
جہالت کا طوفان بے تمیزی اُبلتا ہے" —— "کیوں میاں عبدالشکور یہی کہنا
یہی ترتیب مطابق لوح محفوظ ہے کیا یہی بے ڈھنگی ترتیب توقیفی ہے، کیا ہی

اور جس ترتیب کی حفاظت کا خدا نے وعدہ فرمایا ہے۔ کیا اسی ترتیب پر آپ کا اور
جامع القرآن کا ایمان ہے؟"

کیا ان اقتباسات کو دیکھنے کے بعد بھی کوئی سیدھا سادہ مسلمان شیعہ کے گھر میں قرآن یا اس کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ دیکھ کر اس دھوکے میں آسکتا ہے کہ شیعہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہم کا ایک شیعہ مجتہد سے مناظرہ اور مجتہد صاحب کا فرار

ایک دفعہ ایک شیعہ مجتہد نے تقریر میں عام مناظرہ کا چیلنج دیا کہ جو چاہے میرے مقابلہ میں آجائے۔ سندھ کے ایک مقام پر مجھے بلایا گیا کہ ایک شیعہ عالم بار بار پکار کر مناظرہ کا چیلنج دے رہا ہے، میں نے کہا کہ مجھے تجربہ ہے کہ جب بھی میں جاتا ہوں وہ لوگ مناظرہ کو تیار نہیں ہوتے، خواہ مخواہ میرا وقت ضائع ہوگا، انہوں نے کہا کہ اس میں اہل سنت کی ذلت ہے، تو میں تیار ہوگیا، کتابیں لے کر مناظرہ کے مقام پر پہنچا، لوگوں کا ہجوم تھا، بات وہی نکلی جو میں نے شروع میں کہی تھی وہ شیعہ مناظرہ کو تیار نہ ہوا اور عذر یہ بیان کیا کہ اس سے فتنہ فساد پھیلتا ہے تو میں نے کہا کہ بھئی بلایا تو آپ لوگوں نے خود ہی، فساد پھیلتا ہے تو آپ نے چیلنج کیوں دیا؟ لیکن جب وہ کسی طرح بھی تیار نہ ہوئے تو میں نے کہا کہ واقعی ٹھیک کہا آپ نے اس سے فتنہ فساد پھیلتا ہے مگر یہ جو صلح ہے یہ پائیدار ہونا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ آج صلح ہوا اور کل کو میدان خالی دیکھ کر پھر چیلنج شروع کردیا اس لئے میں پائیدار صلح کی چند صورتیں پیش کرتا ہوں آپ ان میں سے جو صورت پسند کریں اسکا انتخاب کرلیں۔

صلح کا پہلا طریق:

صلح کی بنیاد اس پر رکھی جائے کہ جس کے قبضے میں مراکز ہیں اس مذہب کو لے لیا جائے خواہ مخواہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا لینا ٹھیک نہیں ہے مراکز ہی کو فیصل قرار کرنا چاہئے۔

پہلا مرکز اللہ تعالیٰ:

شیعہ کے نزدیک سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھو کہ اللہ سے غلطی ہوتی ہے، میں ایک لفظ اپنی طرف سے نہیں کہتا، کتاب نکال کر ان کو دکھا دی، اصول کافی کی روایت ہے۔ ما عظم اللہ تعالیٰ بمثل البداء (اصول کافی ص ۸۴) دوسری روایت ما عبد اللہ تعالیٰ بمثل البداء (اصول کافی ص ۸۵) تیسری روایت سمعت الرضا علیہ السلام قال ما بعث اللہ نبیا قط الا بتحریم الخمر

ان يفعل شيئاً بالبداء (اصول کافی ص۴۰)

بداء کے معنی ان کے ہاں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی کام کر بیٹھتے ہیں بعد میں پچھتاتے ہیں کہ اوہ مجھے غلطی ہو گئی نعوذ باللہ منہ۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر غلطی سے پاک ہے اور تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے غلطی ہو سکتی ہے بلکہ ہوتی رہتی ہے تو یوں سمجھ لو کہ معاذ اللہ شیعہ کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ سے غلطی ہو گئی۔ بہرحال یہ مرکز مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

دوسرا مرکز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول معصوم ہوتے ہیں وہ کسی سے دب کر یا ڈر کر کوئی کام نہیں کرتے یہ ہمارا عقیدہ ہے اور شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول بھی تقیہ کرتا ہے لا دین لمن لا تقیۃ لہ (اصول کافی ص۴۸۳) اور لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ (اصول کافی ص۴۸۴) نبی اور رسول بھی جب تک جھوٹ اور فریب سے کام نہ لے وہ ایماندار نہیں ہو سکتے، نعوذ باللہ منہ

تیسرا مرکز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد:

اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خصوصیت حاصل ہے اور حضرت حسین شیعہ کے مذہب میں العیاذ باللہ بہت بڑے منحوس ہیں۔ نقل کفر کفر نباشد، ورنہ زبان یہ کہنے کو تیار نہیں ہوتی۔ شیعہ کی کتابوں میں ہے کہ جبرئیل امین حضور کے پاس آئے اور حضرت حسین کی بشارت دی اور کہا کہ وہ شہید ہوگا، تو آپ نے فرمایا مجھے ایسا نواسہ نہیں چاہئے جو شہید ہو، پھر دوسری دفعہ جبرئیل آئے اور یہی کہا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ایسا نواسہ نہیں چاہئے، پھر تیسری دفعہ جبرئیل آئے اور کہا کہ انہیں اور ان کی اولاد کو اللہ تعالیٰ امام بنائیں گے تب آپ راضی ہو گئے پھر آپ نے حضرت فاطمہ کے پاس آدمی بھیجکر بشارت دی، اس نے کہا کہ ایسا بیٹا نہیں چاہئے جو شہید ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام ہوگا تو بھی حضرت فاطمہ بادل نخواستہ راضی ہوئیں گویا کہ شہادت کی نحوست بالکل ہی نہیں ٹل سکتی، اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی حملتہ امہ کرھا و وضعتہ کرھا، حالانکہ قرآن کریم کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اولاد کو ماں کا شکر گزار ہونا چاہئے کیونکہ اس نے کتنی تکلیفیں جھیل کر اسے جنا ہے اور یہ لوگ اسے فاطمہ و حسین پر چسپاں کر رہے ہیں، پھر یہ لوگ کہتے ہیں کہ امام چونکہ عالم الغیب ہوتا ہے اس لئے حضرت حسین کو پتہ چل گیا کہ ان کی والدہ ان کو نہیں چاہتیں تو انہوں نے انتقام لیا اور ان کا دودھ پینے سے انکار

عــه یہ حوالہ کیا شیعہ مسلمان ہیں؟ کے تحت گزر چکا ہے ۱۲ منہ

کر دیا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور اپنا انگوٹھا ان کے منہ میں رکھتے وہ چوستے اور اس سے سیر ہوتے ۔ دیکھئے کس طرح ماں اور بیٹے سے عداوت ظاہر کر رہے ہیں ۔ اسی واقعہ کو شیعہ شاعر نے یوں نظم کیا ہے ۔

ہائے رے شبیر مظلوم تری　　　　دو پہر کی تیری بشارت تین بار
گرچہ راضی ہو چکی تھیں فاطمہ　　　　پھر بھی تھی تیری ولادت ناگوار
کرتی ہے اس رمز کو قرآن میں　　　　مدّ کرہ کی آیت آشکار
تجھ کو بھی غیرت کا ایسا جوش تھا　　　　دودھ اس ماں کا نہ چوسا زینہار

چوتھا مرکز حرمین شریفین :

یہ ہمارے قبضہ میں ہیں ۔

پانچواں مرکز قرآن مجید :

یہ بھی مسلمانوں کے پاس ہے شیعہ تو اس کی صحت ہی کے قائل نہیں[1]

صلح کا دوسرا طریق

صلح کی دوسری صورت یہ ہے کہ باری کا طریقہ طے کیا جائے یعنی کچھ مدت کے لئے سب سنی بن جاؤ ۔ پھر کچھ عرصہ سب شیعہ تاکہ اتفاق و اتحاد رہے ۔ آگے اس میں اختلاف ہوگا کہ پہلے شیعہ بنیں یا سنی ۔ اس کا فیصلہ یوں کریں کہ جس کے پاس قانون فی الحال موجود ہے اس مذہب کو فی الحال لے لیا جائے ۔ ہمارا قانون قرآن و حدیث موجود ہے اور شیعہ کا قرآن امام مہدی کے پاس غار میں ہے جو دشمن کی زد سے بچ کر غار میں روپوش ہو گئے ہیں وہ تو یہاں موجود ہی نہیں ۔ جس مذہب کا قانون ہی نہیں اس کو لیکر کیسے کام چلے گا اس لئے فی الحال سب شیعہ مسلمان بن جائیں جب بھی امام مہدی آپ کی کتاب لے آئیں گے ہم سب ان کے ساتھ ہو جائیں گے آپ ہم سے اس بارے میں معاہدہ لکھوالیں پھر اس کو رجسٹری بھی کرالیں ۔

تیسرا طریق کار

اگر صلح کے یہ طریقے منظور نہیں تو آسان سی بات یہ ہے کہ شیعہ اصلی شیعہ بن جائے تو سب

---

[1] اس کو بھی ہم عنوان کیا شیعہ مسلمان ہیں کے تحت ذکر کر چکے ہیں ۔ ص ۱۱۰ منہ

جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے کیونکہ شیعہ مذہب میں یہ احکام ہیں۔

(۱) سیاہ لباس پہننا حرام ہے، عبارات ملاحظہ ہوں۔

(ا) قال امیر المؤمنین علیہ السلام فیما علّم اصحابہ لا تلبسوا السواد فانہ لباس فرعون کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکرہ لبس السواد الا فی ثلثۃ العمامۃ والخف والکساء (من لا یحضرہ الفقیہ الجزء الاول ص [illegible])

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ کالے کپڑے نہ پہنیں کیونکہ یہ فرعون کا لباس ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پگڑی، موزے اور چادر کے سوا دوسرے لباس میں سیاہ رنگ کو برا سمجھتے تھے۔

(ب) سئل الصادق علیہ السلام عن الصلوۃ فی القلنسوۃ السوداء فقال لا تصل فیہا فانہا لباس اہل النار (من لا یحضرہ الفقیہ الجزء الاول ص [illegible])

جعفر صادق سے پوچھا گیا کہ کالی ٹوپی میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا اس میں نماز نہ پڑھی جائے اسلئے کہ یہ جہنمیوں کا لباس ہے۔

(ایضاً)

(ج) روی اسمعیل بن مسلم عن الصادق علیہ السلام انہ قال اوحی اللہ تعالی الی نبی من انبیائہ قل للمؤمنین لا تلبسوا لباس اعدائی ولا تطعموا مطاعم اعدائی ولا تسلکوا مسالک اعدائی فتکونوا اعدائی وما لبس السواد للتقیۃ فلا اثم فیہ (من لا یحضرہ الفقیہ ص [illegible])

جعفر صادق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی پر وحی بھیجی کہ مومنین سے کہہ دو میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنیں، ان کے کھانے نہ کھائیں اور ان کے راستے پر نہ چلیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو میرے دشمن بن جائیں گے، ہاں البتہ تقیہ کے طور پر سیاہ لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں۔

(ایضاً)

(د) نقل وروی عن حذیفۃ بن منصور انہ قال کنت عند ابی عبد اللہ علیہ السلام بالحیرۃ فاتاہ رسول ابی العباس الخلیفۃ یدعوہ فدعا بممطر احد وجہیہ اسود والآخر ابیض فلبسہ ثم قال علیہ السلام اما انی البسہ وانا اعلم انہ لباس اہل النار (من لا یحضرہ الفقیہ ص [illegible])

حیرہ میں خلیفہ ابو العباس کا قاصد امام جعفر صادقؒ کو بلانے آیا آپ نے بارش سے بچاؤ کا ایک ایسا کپڑا منگوایا جس کی ایک جانب سیاہ اور دوسری سفید تھی امام جعفر نے اسے پہن کر فرمایا میں اسے یہ جان کر پہن رہا ہوں کہ یہ دوزخیوں کا لباس ہے

(ایضاً)

(۲) ماتم کرنا کافروں کا کام ہے۔

(الف) عن ابی عبداللّٰہ قال ان الصبر والبلاء یستبقان الی المؤمن فیاتیہ البلاء وھو صبور وان الجزع والبلاء یستبقان الی الکافر فیاتیہ البلاء وھو جزوع قال قلت لہ ما الجزع قال اشد الجزع الصراخ بالویل والعویل ولطم الوجہ والصدر وجز الشعر من النواصی (فروع کافی صا۱۲ ج ۱)

جعفر صادق کہتے ہیں کہ صبر و مصیبت مومن کے پاس آتے ہیں، چنانچہ مومن پر آفت آتی ہے تو وہ صابر رہتا ہے، ایسے ہی جزع و مصیبت کافر کے پاس آتے ہیں، چنانچہ کافر کے پاس آفت آتی ہے تو وہ جزع فزع کرنے لگتا ہے امام جعفر سے جب پوچھا گیا کہ جزع کیا ہے تو فرمایا اشد ترین جزع یہ ہے کہ واویلا کیا جائے چہرہ اور سینہ (شیعہ کی طرح) پیٹا جائے اور پیشانی کے بال نوچے جائیں۔

(ب) من اقام النوحۃ فقد ترک الصبر واخذ فی غیر طریقہ (فروع کافی صا۲۲ ج ۱)

جس نے ماتم اور نوحہ کی مجلس قائم کی اس نے صبر کو چھوڑ کر غیر طریق اختیار کیا (فروع صا۲۲ ج ۱)

(۳) سنی امام کے پیچھے پہلی صف میں نماز پڑھنا اتنا ثواب ہے جتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے میں۔

من صلی معھم فی الصف الاول کمن صلی خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ (من لا یحضرہ الفقیہ باب الجماعۃ)

جس نے اہل سنت کے ساتھ صف اول میں نماز پڑھی وہ ایسا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔

(۴) مناظرہ کرنا حرام ہے اس لئے کہ یہ تقیہ کے خلاف ہے اور تقیہ نہ کرنے والے کا ایمان باقی نہیں، اس کے حوالے پہلے بتائے جا چکے ہیں۔

(۵) ڈاڑھی رکھنا اور مونچھیں کٹانا واجب ہے۔

یہ سب کام کرنے لگو تو کیا کوئی اختلاف باقی رہ سکتا ہے۔ شیعہ مذہب میں تقیہ فرض ہے آپ تقیہ کرکے سنی بن جائیں تو سب جھگڑے ختم ہو جائیں۔ شیعہ کی کتابوں میں مدح صحابہ کی روایات موجود ہیں اور نہج البلاغۃ میں حضرت علی کے کئی خطبے منقول ہیں جن میں انہوں نے شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مدح کی ہے اس لئے آپ بھی مدح صحابہ کے جلسے کیا کریں۔

ملاحظہ ہو رسالہ عنوان "کتب شیعہ میں حضرات شیخین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف" میں گزر چکے ہیں۔

پھر جب آپ لوگ سب شیعہ بن جائیں گے تو امام مہدی غار سے باہر نکل آئیں گے، کیونکہ شیعہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب تین سو تیرہ[1] شیعہ روئے زمین پر ہو جائیں گے تو امام مہدی غار سے باہر آجائیں گے۔

آپ شیعہ بنتے نہیں، امام مہدی نکلتے نہیں، ان کا حق آپ نے اپنے کرتوتوں سے غار میں دھکیل رکھا ہے، اپنے امام پر کتنا بڑا ظلم کر رہے ہو، نیز آپ کے خالص شیعہ نہ بننے سے کتنا بڑا فساد ہو رہا ہے، دنیا گمراہ ہو رہی ہے۔ آپ شیعہ بن جائیں تو امام مہدی آجائیں گے اور سارے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔

حاضرین سے

اور کچھ نہیں تو آپ یہاں پر کم از کم تین چار سو شیعہ موجود ہیں آپ سب یہیں پر عزم کر کے سچے شیعہ بن جائیں تو فیصلہ ہو جائے گا، امام مہدی آجائیں گے۔ اگر آپ اتنی تعداد میں ہوتے ہوئے صرف تین سو تیرہ شیعہ بھی نہیں بن سکتے تو معلوم ہوا کہ شیعیت سب منافق ہیں چنانچہ آپ کی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے ائمہ شیعہ کا یہ فیصلہ[2] موجود ہے کہ سارے سب شیعہ منافق اور مرتد ہیں۔ شیعہ علماء نے ان امور کا کچھ جواب نہ دیا اور مجلس مناظرہ برخواست ہو گئی، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں اور صراطِ مستقیم پر قائم رکھیں آمین۔

(اس رسالہ کا ضمیمہ "احسن الفتاویٰ" کے تتمہ میں ہے)

---

[1] اگر علماء البتہ اس وقت شیعہ جب تعداد میں تین سو تیرہ (۳۱۳) کی جمعیت اجتماعی ہو گی امام ظاہر ہوں گے (اصول کافی، ج ۱ ص ۳۴۰)

[2] یہ حوالے عنوان "کیا شیعہ مسلمان ہیں" کے تحت گزر چکے ہیں ۱۲ منہ

فتنہ
انکار
حدیث

حجیت حدیث پر مبسوط بحث

سوال: آج کل انکار حدیث کا فتنہ روز افزوں ترقی پر ہے۔ اس کا قلع قمع کرنا اور عوام کو ایسے فتنوں سے محفوظ رکھنا علماء وقت ہی کا فریضہ ہے۔ لہٰذا استدعاء ہے کہ حجیۃ الحدیث سے متعلق سیر حاصل بحث فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں گے، وَاللّٰهُ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

بسم الله الرحمن الرحيم

يا رب صلّ وسلّم دائماً أبداً — على حبيبك خير الخلق كلّهم

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

عبد اللہ چکڑالوی نے سب سے پہلے انکار حدیث کا فتنہ برپا کر کے مسلمانان عالم کے قلوب کو مجروح کیا۔ مگر یہ فتنہ چند روز میں اپنی موت خود مر گیا۔ حافظ اسلم جیراجپوری نے دوبارہ اس دبے ہوئے فتنہ کو ہوا دی اور بجھی ہوئی آگ کو دوبارہ بھڑکا کر عاشقان شمع رسالت کے جذبات کو مشتعل کرنے کی سعی ناپاک کی، اور اب غلام احمد پرویز بٹالوی ٹکڑی رسالہ "طلوع اسلام" اسی پیش کردہ کی توجیت قبول کر کے رسول دشمنی پر کمر بستہ ہے، اور کیوں نہ ہو جب کہ قادیان و بٹالہ دونوں ایک ہی ضلع میں واقع ہیں۔ بلکہ بٹالہ تو تحصیل ہونے کے ناطے قادیان پر ایک قسم کی مرکزی فوقیت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر غلام احمد بٹالوی غلام احمد قادیانی سے رسول دشمنی میں ایک دو درجے آگے بڑھ جائے تو کوئی بعید نہیں۔ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان نام نہاد غلاموں نے بموجب مقولہ مشہور "برعکس نہند نام زنگی کافور" سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہی بغاوت کا علم بلند کیا۔ رسول دشمنی تو پرویز کا لقب ہے۔ اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور یہ امتیازی شان اس کے منحوس نام کا اثر ہے۔ وہ سیاہ بخت کسریٰ جس نے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو بہت بے تابی کے ساتھ پھاڑ ڈالا تھا وہ بھی پرویز کہلاتا تھا۔ پرویز طلوعیہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسریٰ پرویز کو رسول دشمنی جیسے ناقابل معافی جرم میں نہ صرف تاج و تخت کھونا پڑا بلکہ سارا خاندان تباہ و برباد ہو گیا۔ یہ تو دنیا کا معاملہ ہے جو زیادہ بڑا نہیں، وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ۔ وہ دن دور نہیں جس کے متعلق ارشاد ہے۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ — جس روز ظالم (بغایت حسرت) اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا

فقہاء، صوفیاء اور تمام علماء اسلام کے علاوہ سنت نبویہ کو دین میں حجت مانتے آئے ہیں۔ مگر غلام احمد پرویز کا خیال ہے کہ اب امت مسلمہ کو قرآن کی وہ تفسیر اور تعبیر قبول کرنی چاہئے جس پر میرے نام کی چھاپ لگی ہوئی ہو، میری تفسیر و تعبیر قرآن کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ملا ازم ہے، عجمی سازش ہے، جہل اور نادانی ہے۔ اب تک قرآن کو ٹھیک طور پر سمجھا ہی نہیں گیا ہے۔ بڑے بڑے علماء حدیث اور فقہ میں الجھے رہے بلکہ قرآن کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ یہ عجمی سازش تھی قتادہ، حسن، مجاہد اور عکرمہ جیسے مفسرین کی تفسیر کو سند قبول کرتے تھے، میں نے ان تمام مفسرین کے علی الرغم عبد اللہ چکڑالوی، سرسید احمد خان اور اسلم جیراجپوری سے فیض حاصل کیا ہے۔ لہٰذا قرآن کی تفسیر وہ معتبر ہے جو میں کر رہا ہوں۔ قرآن کو ان عجمی سازشوں سے نجات دلانے اور مظلومیت سے چھڑانے دو، آؤ، بھاگتے ہوئے لوگو رک کر اکٹھے جمع ہو جاؤ۔ پہلے اٹھا دو تفسیر ابن کثیر کے پارہ پارہ کر دو، بیضاوی، ابن جریر اور اتقان کو۔ معارف القرآن پڑھو۔ اللہ کی آیات کا صحیح مفہوم اسی میں مل سکتا ہے۔

پرویز لکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور احادیث دین میں حجت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو قبول کر کے دین میں حجت ٹھہرایا گیا ہے یہ اصل قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش ہے۔ پرویز خاک بدہن گستاخ نے جن نفوس قدسیہ کی طرف عجمی سازش کو منسوب کیا ہے یہ وہ پاک روحیں ہیں جن کو بڑے سے بڑے جابر اور ظالم ملوکیت کا ظلم و استبداد کلمہ حق سے روک نہ سکا، جنہوں نے کوڑے کھائے، مصیبتیں جھیلیں، دار کے تختوں پر لٹکے، تیغوں کے سائے میں اور توپوں کی گرج میں اعلائے حق کی خاطر جانیں قربان کر دیں۔ کوئی قوت انہیں مرعوب نہ کر سکا اور نہ ہی کوئی بڑی سے بڑی طمع اور دنیا کا لالچ انہیں رام کر سکا۔

ٹل نہ سکتے تھے جو میدان میں اڑ جاتے تھے　　پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے　　تیغ تو کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

یہ ایسے نفوس قدسیہ تھے جن کی طہارت پر فرشتوں کو رشک تھا جن کے دامن ملائکہ کے لئے مصلے بن سکتے تھے۔ جن کی پاکبازی کی قسم کھائی جا سکتی ہے جن کے جسم رات بھر بستروں سے علیحدہ رہتے تھے جنہوں نے برسوں عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی اور خشیت الٰہی نے جن کے لئے دنیا کی تمام لذتوں کو یکسر بے کیف کر ڈالا تھا۔ جو شخص خاک بدہن گستاخ ان سعید روحوں کو قرآن کے خلاف عجمی سازش کرنے والا کہتا ہے۔ اگر

اس کی تحریروں کی وجہ سے عالم اسلام اور عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت جوش میں آگئی تو فتنہ و فساد اور امن کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی؟

ناپاک عزائم

دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف انکارِ حدیث تک محدود نہیں بلکہ یہ لوگ (علیہم ما علیہم) اسلام کے سارے نظام کو مخدوش کر کے ہر امر و نہی سے آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ نمازوں کے اوقاتِ خمسہ، تعدادِ رکعات، فرائض اور واجبات کی تفاصیل، صوم و صلوٰۃ کے مفصل احکام، حج کے مناسک، قربانی، بیع و شراء، امورِ خانہ داری، ازدواجی معاملات اور معاشرت کے قوانین۔ ان سب امور کی تفصیل حدیث ہی سے ثابت ہے۔ قرآن میں ہر چیز کا بیان اجمالاً ہے جس کی تشریح اور تفصیل حدیث میں ہے۔ پرویز (علیہ ما علیہ) ان سب تفصیلات اور پورے نظام کو یکسر بدل ڈالنا چاہتا ہے۔ باقی رہا قرآن، سو اس میں بھی من مانی تفسیر کر کے حقیقی مطالب اور مرادِ الٰہی کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ یہ لوگ اہلِ قرآن کہلواتے ہیں اور بظاہر قرآن کی تائید میں مضامین بھی لکھتے ہیں لیکن حقیقت میں انہوں نے مارِ آستین بن کر قرآن کے مفہوم کو فنا کر دیا ہے۔ یہ ہی نہیں بلکہ قرآن کی حقانیت کو مشکوک کر رہے ہیں۔ صحابہ، تابعین، محدثین اور فقہاء بقول پرویز جب گستاخ قرآن کے خلاف سازشیں کرنے والے اور قرآن کے دشمن تھے تو انہی اسلاف کے ہاتھوں سے ہم تک پہنچنے والے قرآن کی صداقت پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

گند گی چھپی نہیں رہتی

مشہور ہے کہ گندگی چھپی نہیں رہتی، کیونکہ اس کی بدبو ہی اس کی غمازی کرتی ہے۔ منکرینِ حدیث کی تحریروں کے چند جملے ملاحظہ ہوں:-

① منکرینِ حدیث ایک جدید اسلام کے بانی ہیں (رسالہ طلوع اسلام ص ۱۹، اگست و ستمبر ۱۹۵۵ء)

② بالکل واضح ہے کہ اللہ اور رسول سے مراد "مرکزِ حکومت" ہے (معارف القرآن ص ۶۲۵ ج ۴)

③ دین نے قیامِ صلوٰۃ کا حکم دیا تھا، مذہب میں یہ چیز نماز پڑھنے کے مرادف بن گئی (پرویز طلوع اسلام ص ۴۶ جون ۱۹۵۰ء)

④ مرکزِ ملت کو ان میں (جزئیاتِ نماز میں) تغیر و تبدل کا حق ہوگا (پرویز، طلوع اسلام ص ۴۶، جون ۱۹۵۰ء)

⑤ میرا دعویٰ تو صرف اتنا ہے کہ فرض صرف دو نمازیں ہیں جن کے اوقات بھی دو ہیں۔ باقی سب نوافل۔
(عباد اللہ اختر طلوع اسلام ص ۵۵ اگست ۱۹۵۰ء)

⑥ پھر آج کل مسلمان دو نمازیں پڑھ کر کیوں مسلمان نہیں رہ سکتا (لاہوتی، طلوع اسلام ص ۱۱ اگست ۱۹۵۰ء)

⑦ مذہب میں نماز، روزہ، صدقہ، خیرات اسی خوشامدانہ مسلک (یعنی منافقانہ زندگی کے خوشامدانہ مسلک) کے مظاہر بن جاتے ہیں (پرویز، طلوع اسلام جنوری فروری ص ۱۰۸ ۱۹۵۰ء)

⑧ حج ایک بین الملی کانفرنس ہے اور حج کی قربانی کا مقصد بین الملی کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کیلئے خورد و نوش کا سامان فراہم کرنا ہے۔ مکہ معظمہ میں حج کی قربانی کے سوا عید کی قربانی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

(رسالہ قربانی از ادارہ طلوع اسلام)

⑨ عید کے دن بارہ بجے تک دس کروڑ روپے کا قومی سرمایہ ضائع ہوجاتا ہے اور یہ دس کروڑ ہر سال ضائع ہوتے ہیں۔ (رسالہ قربانی)

⑩ عید کی صبح بارہ بجے تک قوم کا کس قدر روپیہ نالیوں میں بہہ جاتا ہے (ادارہ طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۵۰ء)

⑪ روایات (احادیث نبویہ) محض تاریخ ہیں (پرویز، طلوع اسلام جولائی ص ۴۹، جولائی ۱۹۵۰ء)

⑫ الغرض حدیث کا صحیح مقام دینی تاریخ وغیرہ کا ہے۔ اس سے تاریخی فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں لیکن دینی حجت کے طور پر نہیں پیش کی جا سکتی (اسلم جیراجپوری، طلوع اسلام ص ۳۰، نومبر ۱۹۵۰ء)

⑬ حدیث ظنی ہے (مقدمہ اول) ظن کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے (مقدمہ دوم) نتیجہ: حدیث کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے (اسلم جیراجپوری، طلوع اسلام ص ۵۰، جولائی ۱۹۵۰ء)

⑭ بخلاف اس کے نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔

(اسلم جیراجپوری، طلوع اسلام ص ۱۰، دسمبر ۱۹۵۰ء)

⑮ حدیث کا پورا سلسلہ ایک عجمی سازش تھی اور جس کو شریعت کہا جاتا ہے وہ بادشاہوں کی پیدا کردہ ہے۔ (پرویز، طلوع اسلام ص ۶، اکتوبر ۱۹۵۲ء)

⑯ صرف مردار، بہتا خون، خنزیر اور غیر اللہ کے نام کی طرف منسوب چیزیں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ اور کچھ حرام نہیں بلکہ محمد صبیح ایڈووکیٹ لکھتے ہیں کہ مذکورہ چار چیزوں کے علاوہ باقی ہر چیز کا کھانا فرض ہے کھانے سے انکار کر دینا گناہ اور خدا کے حکم کی معصیت ہے (طلوع اسلام جون ۱۹۵۱ء)

یعنی کتا، گدھا، گیدڑ، بلی، چیل، حتی کہ پیشاب پاخانہ وغیرہ کا کھانا فرض ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ منکرین حدیث خدا کے حکم کی معصیت سے بچنے کے لئے فرض اور ثواب سمجھ کر شبانہ روز مذکورہ چیزیں مزے لے لے کر کھاتے ہوں گے۔ سوّد اللّٰہ تعالیٰ وجوھھم

دامن رسول صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑنے والا سیدھا مرتد بنا دیا جائیگا

اکتوبر ۱۹۵۱ء کے رسالہ طلوع اسلام سے معلوم ہوتا ہے کہ پرویز [illegible]

عہ اس کا جواب آپ کو آٹھ صفحات میں ملے گا [illegible]

کا زمانہ قریب ہے۔ اور اس کو اتنی بخشش مل سکتی ہے کہ وہ موت کی طرف سے بے خبر ہو جائے اب
اس کو چند زرداں بھی ہاتھ لگ گئے ہیں۔ لہذا پرویز علیہ ما علیہ اب اپنا مشن (انکار حدیث) کو پوری تنظیم
کے ساتھ چلانے کا ارادہ کر رہا ہے۔

لہذا ہم پرویز علیہ ما علیہ کو متنبہ کرتے ہیں کہ اگر آپ کے یہی عزائم اور حوصلے ہیں تو بسم اللہ۔ ہم اس
چیلنج کو قبول کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کام کے فدائی سرور کائنات کی سنت اور
اسوۂ حسنہ کے شیدائی اللہ کے فضل سے ابھی زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ جو ہاتھ ہم سے دامن
رسول چھڑانے کیلئے آگے بڑھے گا اس کا پنجہ مروڑ دیا جائے گا۔ طارق رسالت میں اٹھنے والا ہر ہاتھ کی نوک سے
ٹھکرا دیا جائے گا۔ رسول دشمنی کا حوصلہ رکھنے والے گروہ کے پرخچے اڑا دئے جائیں گے اور راہ رسول میں کانٹے
بچھانے والے چودھویں صدی کے ابو جہل کو اپنی ہیکڑی کا نتیجہ دنیا ہی میں بھگتنا پڑے گا۔ پاکستان کی دستور ساز
اسمبلی نے قرارداد مقاصد میں کتاب اللہ کے ساتھ جو سنت کا لفظ بھی شریک کر دیا ہے۔ مسٹر پرویز علیہ ما علیہ
بہت خفا ہے۔ متواتر چیخ چیخ کر پکار رہا ہے اور دہائی دے رہا ہے کہ قرارداد مقاصد سے سنت نبوی کو حذف
کر کے صرف کتاب اللہ کو باقی رکھا جائے۔ یہ در پردہ دین پاکستان میں بہت بڑے فتنہ کا دروازہ کھولنا چاہتا
ہے اور حکومت کو مشورہ دے رہا ہے کہ دین کے اصل الاصول اور مسلمانوں کے اجماعی عقیدہ کو یکسر ٹھکرا دیا جائے۔
ہمیں یقین ہے کہ پاکستان کے ارباب حل و عقد کے سامنے ایسی مفسدانہ آوازیں صدا بصحرا ثابت ہوں گی۔ اگر
بفرض محال دستور ساز اسمبلی نے قرارداد مقاصد سے سنت نبویہ کو حذف کر ڈالا تو جس دن یہ فتنہ ابھرے گا اعلان ہوگا۔ وہ
دن پاکستان کی تاریخ میں شدید ترین کشمکش کا دن ہوگا۔ یہ باتیں اس مملکت میں نہیں چل سکتیں جو کتاب و سنت کے نام
پر وجود میں آئی ہو۔ مسلمان اس معاملہ میں ہرگز کسی قیمت پر نہیں جھک سکتے۔ ہمارے اس انداز تحریر سے کسی صاحب کو
درشتی کا شکوہ نہ ہو کیونکہ منکرین حدیث حقیقت میں منکرین اسلام ہیں۔ یہ کفر اور ایمان کا سوال ہے
ہم اس پر ذرہ برابر بھی نرمی کرنا روا نہیں سمجھتے۔ ہماری ان سے جنگ ہے اور اس کی ابتدا ہم نے نہیں کی۔ انہوں نے
کی ہے۔ انہوں نے ہی پہلے فتنہ کی آگ کو بھڑکایا ہے۔ بس ہم بھی اس فتنہ کو کچلنے کے لئے اپنی تمام تر توانائیاں صرف
کر دیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حیات ہماری جان اور ایمان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام
اور کام کی حفاظت کے لئے اپنی جان قربان کر دینا ہم انتہائی سعادت سمجھتے ہیں۔

فان ابی و والدہ و عرضی لعرض محمد منکم وقاء

حق تو یہ ہے کہ اس قسم کے ملحدوں کو تہ تیغ کر کے انہیں ان کے کردار کا مزہ چکھا دیا جائے مگر شریعت

مخلص اور نیکی سمجھ والے اس فتنہ پر ملامت کریں اور ناواقف مسلمانوں کو اس بے دینی کے سیلاب سے بچائیں۔ یہ اختلاف مسلمانوں کے مختلف مسالک کے درمیان فروعی اختلافات جیسا نہیں، یہ ایمان اور کفر کا اختلاف ہے۔ لہٰذا تمام فروعی اختلافات کو چھوڑ کر متحدہ محاذ قائم کرنا اور مسلمانوں کی تمام جماعتوں کا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اس فتنہ کا مقابلہ کرنا فرض ہے۔

اس کے بعد ہم حجیت حدیث پر مختصراً چند دلائل پیش کرتے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ دشمنان رسول کے مقابلہ میں کھڑے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: قل وجبرئیل معک۔ اس لئے میں دشمنان رسول کے مقابلہ میں مضمون لکھتے وقت ہر لمحہ کو انتہائی سعادت اور خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی کا ذکر جب بار بار اسم گرامی جب آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو روئیں روئیں میں وہ جذبہ موجزن ہونے لگتا ہے جو حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب میں موجزن ہوتا ہوگا۔ اس لطف اور سرور کے سامنے دنیا بھر کی لذتیں بے کیف اور بڑے سے بڑے مصائب اور رنج و غم کافور ہو جاتے ہیں۔ یہی ادھوری سی ایک خدمت ہے جسے میں اوثق الاعمال اور ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں اور یہی ہدیہ لئے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتا ہوں ع گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

آیاتِ بینات

(۱) ـــ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا ۔ وحی کو رسالت رسول کے مقابلہ میں ذکر فرمانا دلیل ہے کہ بغیر رسل کے بھی وحی ہوتی ہے۔ یہی حدیث ہے۔

(۲) ـــ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا سے معلوم ہوا کہ بیت المقدس کی طرف استقبال حکم الٰہی تھا حالانکہ قرآن مجید میں یہ حکم مذکور نہیں۔

(۳) ـــ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ سے معلوم ہوا کہ پہلے رمضان کی رات میں بھی جماع کرنا حرام تھا۔ یہ حرمت حدیث ہی سے تھی۔ قرآن میں اس کا ذکر نہیں۔

(۴) وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ بدر کے موقع پر نازل ہوئی جس میں مذکور ہے کہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے نزول ملائکہ کا وعدہ فرمایا تھا۔ حالانکہ قرآن میں موقع بدر پر اس قسم کا کوئی وعدہ مذکور نہیں۔ معلوم ہوا کہ نزول ملائکہ کا وعدہ وحی غیر متلو سے تھا جو حدیث ہے۔

(۵) ـ قرآن کریم میں انبیاء سابقین علیہم السلام کی احادیث مذکور ہیں جو حجیت حدیث پر واضح دلیل ہے۔ جب انبیاء سابقین کی احادیث کا ان کی امتوں پر واجب الاتباع ہونا قرآن سے ثابت ہے تو ہمارے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہم پر کیوں واجب العمل نہیں؟

(۶) قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا واقعہ مذکور ہے جس میں صریح دلیل ہے کہ نبی کا خواب حجت اور واجب العمل ہے، حالانکہ خواب وحی متلو نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو طویل انتظار کے بعد عمر عزیز میں اللہ تعالیٰ نے فرزند عزیز عطا فرمایا، پھر حالات زمانہ ہی سے برسوں تک لخت جگر کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ کر فرقت کے صدمے برداشت کئے، مگر خلیل علیہ السلام کے مقام تسلیم و رضا و خلت کے امتحان کی ایک شدید ترین منزل ابھی باقی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب کو حکم الٰہی یقین کرتے ہوئے بغیر کسی قسم کے تردد کے تعمیل حکم کے لئے نہ صرف آمادہ ہو جاتے ہیں بلکہ لخت جگر کو قربان کرنے کا عمل بھی نہایت مستعدی کے ساتھ شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عزیز ترین لخت جگر بیٹے کے ذبح کا اقدام کرنا اور اسمٰعیل علیہ السلام کا "افعل ما تؤمر" کی بجائے ما تؤمر کہنا اور اللہ تعالیٰ کا "قد صدقت الرؤیا" و "وفدیناه بذبح عظیم" ارشاد فرمانا اور اس امتحان کو "بلاء مبین" سے تعبیر کرنا یہ جملہ امور واضح دلیل ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ذبح ولد کا حکم ہوا تھا اور وہ حکم واجب العمل بھی تھا۔

(۷) — قرآن کریم میں جگہ جگہ "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" ارشاد ہے، اگر نبی کا قول و فعل قابل اعتبار نہیں تو "اطیعوا اللہ" کے ساتھ "واطیعوا الرسول" کا لفظ بار بار کیوں ذکر کیا گیا؟ قرآن میں کئی جگہ بار بار اطاعت رسول کی تاکید کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پر وعید سنائی گئی ہے۔

(۸) — فان تنازعتم فی شیء فردوه الی اللہ والرسول (۴-۵۹) اگر تم کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اس کو اللہ اور رسول کے حوالے کر دیا کرو۔

(۹) لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیهم رسولا من انفسهم یتلوا علیهم آیٰته ویزکیهم ویعلمهم الکتٰب والحکمة (۳-۱۶۴) تحقیق اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتاتے رہتے ہیں۔

(۱۰) — کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم آیٰتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتٰب والحکمة ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون (۲-۱۵۱) جیسا کہ ہم نے تمہاری جنس سے تم میں ایک رسول کو بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور تمہاری صفائی کرتے ہیں اور تمہیں کتاب اور فہم اور ایسے علوم کی تعلیم دیتے رہتے ہیں جن سے تم ناواقف تھے۔

فتنۂ انکار حدیث ——— ۱

(۱۱) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (۲-۱۲۹) اے ہمارے رب ان میں انہی کی جنس سے ایسے رسول کو بھیجئے جو ان کو آپ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائیں اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور انہیں پاک کریں۔

(۱۲) هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (۶۲-۲) اللہ تعالیٰ نے ناخواندہ لوگوں میں ان کی جنس سے ایسے رسول کو بھیجا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب آسمانی و فہم کی تعلیم دیتے ہیں۔

یہ آیات معنی اور مفہوم کے لحاظ سے قطعی طور پر محکم ہیں۔ ان میں صاف دلالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ڈاک کے ہرکارے کی طرح محض پہنچا دینا ہی نہ تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اور حکمت کے معلم اور مسلمانوں کے مزکی بھی تھے۔ تعلیم الکتاب کا فرض جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لگایا گیا تو آپ اس فرض کو کس طرح ادا کرتے تھے؟ کیا قرآن کے طلبہ (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) آپ سے کسی آیت کے بارے میں کچھ دریافت ہی نہ کرتے تھے؟ اور اگر کچھ دریافت کرتے تھے تو کیا آپ ان کے جواب میں قرآن ہی کی کوئی آیت پیش کر دیتے تھے؟ کیا یہ طریق تعلیم ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ ایک معلم کسی کتاب کی تعلیم دے تو طلبہ تلاوت متن اور سماع کے سوا کوئی بات دریافت ہی نہ کریں، اور اگر کچھ دریافت کریں تو معلم اس کے جواب میں کتاب ہی کا متن پڑھ دے، اپنی زبان سے کچھ تشریح نہ کرے۔ معلم کا فرض ہے کہ کتاب کے مقامات کی تفسیر اور تشریح کرے اور طلبہ کے اعتراضات و شبہات کو حل کرے۔ کتاب کے مفہوم اور معنی کو واضح طور پر سمجھائے۔ پرویز کہتا ہے کہ قرآن سمجھنے کے لئے حدیث کی ضرورت نہیں، ہر شخص اپنے دماغ سے قرآن سمجھ سکتا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ قرآن میں صلوٰۃ و صوم، حج و زکوٰۃ وغیرہ کی تفاصیل کا کہاں ذکر ہے؟ اور اگر قرآن کی تفسیر کرنے کا کسی کو حق نہیں تو آپ نے "معارف القرآن" لکھ کر حماقت کا ثبوت کیوں دیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر تو قابل قبول نہیں اور اس گستاخ ملک دشمن کی تفسیر قابل اعتماد ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اپنے قول و فعل سے قرآن کی تشریح فرماتے تھے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیوں کا تزکیہ کرتے تھے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل قابل اعتبار نہیں تو معلم الکتاب ہونے کے کیا معنی؟ اور پھر "والحکمۃ" کا عطف صاف بتا رہا ہے کہ حکمت سے مراد قرآن کے سوا کوئی اور چیز ہے، نیز وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ میں تصریح ہے کہ یہ علوم قرآن کے سوا کسی دوسری جنس کے ہیں، یہی حدیث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو قرآن کی تشریح اور تفصیل فرماتے تھے وہ اپنی ذات کی طرف سے نہ تھی بلکہ وہ بھی پروردگار کی وحی و الہام ہوا کرتی تھی جیسا کہ آئندہ آیت سے ظاہر ہے۔

(۱۳) — وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (۵۳-۳،۴) آپ اپنی نفسانی خواہشات سے باتیں نہیں بناتے، آپ کا ارشاد خالص وحی ہے۔

(۱۴) — فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى (۵۳-۱۰) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر کچھ وحی نازل فرمائی۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ حدیث وحی ہے۔

(۱۵) — فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (۴-۱۰) قسم ہے تیرے رب کی یہ لوگ اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے اختلافات میں آپ کو فیصل نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلے سے تنگدل نہ ہوں اور خوشی سے تسلیم کریں۔

(۱۶) — لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۳۳-۲۱) تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہترین نمونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام لفظوں میں بھیجے۔ اس نے خود نماز پڑھ کر، زکوٰۃ دے کر، حج کر کے اور روزہ رکھ کر نہیں دکھایا۔ اس فریضہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا۔ اس لئے فرمایا صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بیوی، مال، بچوں اور خواہشات سے منزہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے ساتھ حسن سلوک، بچوں کی تربیت، دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ برتاؤ کر کے دکھایا۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو برت کر ایک نمونہ قائم کر دیا۔ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی قول و فعل اور زبان و عمل سے قرآن کی تفسیر اور معلم تھی۔ گویا کہ آپ بولتے ہوئے قرآن تھے۔ ع: قاری نظر آتے تھے حقیقت میں تھے قرآن۔

(۱۷) — قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (۱۲-۱۰۸) آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اس طور پر کہ میں اور میرے متبعین دلیل پر قائم ہیں۔

(۱۸) — قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۳-۳۱) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔

(۱۹) — وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۴-۶۴) ہم نے ہر رسول اس لئے بھیجا تاکہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

(۲۰) — فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (۳-۵۰) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

(۲۱) —— ومن يطع الرسول فقد اطاع الله (۴-۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(۲۲) وان تطيعوه تهتدوا (۲۴-۵۴) اگر رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔

(۲۳) —— فاتبعوني واطيعوا امري (۲۰-۹۰) میرا اتباع کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔

(۲۴) واطعن الله ورسوله (۳۳-۳۳) اللہ اور رسول کی اطاعت کرو

(۲۵) —— وان تطيعوا الله ورسوله لا يلتكم من اعمالكم شيئا (۴۹-۱۴) اگر تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں ذرا بھی کمی نہ کریں گے۔

(۲۶) —— استجيبوا لله وللرسول (۸-۲۴) اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

(۲۷) —— ربنا امنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاكتبنا مع الشاهدين (۳-۵۳) اے ہمارے رب ہم تیرے نازل کئے ہوئے احکام پر ایمان لائے اور ہم نے رسول کا اتباع کیا

(۲۸) —— قل يا ايها الناس اني رسول الله اليكم جميعا (۷-۱۵۸) آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔

(۲۹) —— وما ارسلناك الا رحمة للعالمين (۲۱-۱۰۷) ہم نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔

(۳۰) —— وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا ونذيرا ولكن اكثر الناس لا يعلمون (۳۴-۲۸) ہم نے آپ کو ساری دنیا کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔

(۳۱) —— ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين (۳۳-۴۰) آپ رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں۔

ان چاروں آیتوں میں واضح دلیل ہے کہ قیامت تک کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل حجت ہے۔ رحمت اور بشیر و نذیر تبھی ہو سکتے ہیں کہ آپ مرکز ہوں اور آپ کا قول و فعل حجت ہو۔

(۳۲) —— وانه لتنزيل رب العالمين نزل به الروح الامين على قلبك لتكون من المنذرين بلسان عربي مبين (۲۶-۱۹۵) قرآن آپ پر اس لئے نازل کیا گیا تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں۔

(۳۳) —— رسلا مبشرين ومنذرين لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل (۴-۱۶۵) رسولوں کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا۔

(۳۴) —— يا ايها النبي انا ارسلناك شاهدا ومبشرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا (۳۳-۴۶) ہم نے آپ کو شاہد، بشیر، نذیر، اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

ایسے لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اللہ و رسول کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں سمجھتے۔

اسی آیت کے حکم کے بموجب حکومت اسلامیہ پر فرض ہے کہ بذریعۂ قتال جزیہ تحصیل کرے۔

(۴۵) يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (۷-۱۵۷) رسول پاکیزہ چیزوں کو حلال اور خبیث چیزوں کو حرام کرتا ہے۔

(۴۶) وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (۹-۵۹) اگر یہ لوگ اللہ اور رسول کے دیے پر راضی رہتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔

(۴۷) وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ (۴-۱۵۰) کفار اللہ اور رسول کی اطاعت میں تفرقہ کرنا چاہتے ہیں۔

(۴۸) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (۴۹-۲) اگر تم رسول کی آواز پر آواز بلند کروگے تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر آواز کا بلند کرنا جب اعمال کی بربادی کا باعث ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مقابلہ میں اپنی رائے کو مقدم رکھنا اعمال کی تباہی کا سبب کیوں نہ ہوگا؟

(۴۹) النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (۳۳-۶) نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتا ہے۔

(۵۰) إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (۴-۱۰۵) ہم نے آپ کی طرف قرآن اس لیے نازل کیا کہ آپ لوگوں میں حکم الٰہی سے فیصلہ کریں۔

(۵۱) وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (۵۹-۷) رسول کے حکم کی اطاعت کرو اور جس چیز سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم روک دیں اس سے باز رہو۔

مسلم جیراجپوری کہتا ہے، مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ الخ مال غنیمت کے ساتھ خاص ہے رسول اللہ کی احادیث و روایات اس میں شامل نہیں اور دلیل میں ایک مضحکہ خیز بات کہتا ہے کہ حدیثیں چونکہ اقوال ہیں اس لیے ان پر آتاہ کا لفظ اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ نتیجہ ہے رسول دشمنی کا کہ خود قرآن میں تحریف کرنے لگے۔ قرآن مجید میں کتاب، حکمت، علم، فضل، رحمت، عذاب وغیرہ

پر ایتاء کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۔ وَاٰتٰنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ ۔ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ ۔ فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۔ وَاٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا ۔ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَةَ ۔ وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ۔

رسول دشمنی کے جرم میں عقل اور فہم تو سلب ہو ہی چکی تھی۔ اب حافظہ کا بھی دیوالہ نکل گیا بلکہ آنکھیں بھی چندھیا گئیں۔ قرآن میں کوئی دس یا بیس مرتبہ نہیں بلکہ بار بار کئی جگہ کتاب، علم اور حکمت کے متعلق ایتاء کا لفظ وارد ہوا ہے۔ مگر بصارت قرآنی کے مدعیوں کی بصیرت کے ساتھ ساتھ بصارت بھی مسخ ہو چکی ہے۔ اور وہ دن بھی دور نہیں جب کہ دشمنان رسول کی زبان پر رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا (اے اللہ مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں دنیا میں اندھا نہ تھا) کا ورد ہوگا۔ بفرض محال اگر مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ کا مال غنیمت کے ساتھ مخصوص ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہم پوچھتے ہیں کہ جب مال غنیمت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل تم بھی حجت مانتے ہو تو دیگر امور میں آپ کا اسوۂ حسنہ کیوں قابل اعتبار نہیں؟ مابہ الفرق کیا چیز ہے۔

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حجیت حدیث کا اثبات خود حدیث سے نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا مندرجہ ذیل احادیث مؤیدات کے باب میں سے ہیں۔

منکرین حدیث تاریخ سے استدلال کرتے ہیں اور حدیث تو بوجہ تنقید و تنقیح اسناد وغیرہ کے تاریخ سے بدرجہا قوی ہے۔ اثبات حجیت حدیث کے لئے تین قسم کے دلائل قطعی ہیں جن میں سے آیات قرآنیہ اوپر گذر چکیں اور اجماع و عقل سلیم کا بیان احادیث کے بعد آئے گا۔

① عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین۔ (رواہ الشیخان)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو میرے ساتھ اپنی اولاد اور اپنے والد اور سب لوگوں سے زیادہ محبت نہ ہو جائے۔

محبت مستلزم ہے محبوب کی اطاعت کو

تعصی الرسول وانت تظهر حبه — هذا لعمری فی الفعال بدیع

لو کان حبك صادقا لاطعته — ان المحب لمن یحب مطیع

(۲) عن ابی امامة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فی خطبة یوم حجة الوداع ایها الناس انه لا نبی بعدی ولا امة بعدکم فاعبدوا ربکم وصلوا خمسکم وصوموا شهرکم وادوا زکوة اموالکم طیبة بها انفسکم واطیعوا ولاة امورکم تدخلوا جنة ربکم۔

(مسند امام احمد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں، تم اپنے رب کی عبادت کرو اور پانچ وقت کی نمازیں، رمضان کا روزہ اور خوش دلی سے زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور مسلمان حکام کی اطاعت کرتے رہو تو تمہارے لئے جنت ہے۔

(۳) عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی قالوا یا رسول الله ومن یابی قال من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی۔

(رواه البخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی مگر جو انکار کرے گا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ انکار کون کرے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

(۴) عن انس رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا بنی ان قدرت ان تصبح وتمسی لیس فی قلبك غش لاحد فافعل ثم قال یا بنی وذلك من سنتی ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة (رواه الترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ حتی الامکان کسی کے ساتھ بغض نہ رکھو پھر فرمایا کہ یہ میری سنت ہے جس نے میری سنت کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا اور جس نے مجھ سے محبت رکھی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

⑤ عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ (شرح السنۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میرے بتلائے ہوئے احکام کے تابع نہ ہو جائیں۔

⑥ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (ابوداؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے اور خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑو۔

⑦ ولو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم (مسند احمد بن حنبل ودارمی)

اگر نبی کا راستہ چھوڑو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

⑧ وجوب اتباع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما لم یوح الیہ من القرآن (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ)

جو حکم قرآن میں مذکور نہ ہو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع فرض ہے۔

⑨ ملازمۃ الرجل للکتاب والسنۃ (موطا امام مالک بحوالہ مشکوٰۃ)

قرآن و حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے۔

⑩ اثم المعرض عن السنۃ (دارمی بحوالہ مشکوٰۃ)

حدیث سے اعراض کرنے والا سخت گنہگار ہے۔

⑪ کان جبریل ینزل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالسنۃ کما ینزل علیہ بالقرآن (دارمی بحوالہ مشکوٰۃ)

حضور پر جس طرح جبرئیل قرآن نازل کیا کرتے تھے اسی طرح حدیث بھی اللہ کی طرف سے نازل کیا کرتے تھے۔

⑫ السنۃ قاضیۃ علی القرآن (دارمی بحوالہ مشکوٰۃ)

حدیث قرآن کی تفسیر اور تشریح ہے۔

⑬ ملعون التارک لسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ)

حدیث کو چھوڑنے والا ملعون ہے۔

⑭ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شھید (بیہقی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جس شخص نے فتنہ کے زمانہ میں میری سنت کو مضبوط پکڑا اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

⑮ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اکل طیبا وعمل فی سنۃ دخل الجنۃ الخ (ترمذی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال کھانے والا اور حدیث پر عمل کرنے والا جنت میں جائے گا۔

(۱۶) عن ابی رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا الفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ (ابوداؤد، ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض لوگ ایسے بھی پیدا ہوں گے جو مال و دولت کے نشہ میں مغرور ہوں گے ان کے سامنے اگر کوئی حدیث بیان کی جائے گی تو حدیث کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو صرف قرآن کو ماننے والے ہیں۔

(۱۷) الا ان ما حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہو مثل ما حرم اللہ (دارمی، ابن ماجہ، ترمذی، مستدرک)

جن چیزوں کو حدیث میں حرام کیا گیا ہے وہ بھی ویسے ہی حرام ہیں جیسے وہ چیزیں جن کی حرمت قرآن سے ثابت ہے۔

(۱۸) عن المقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ الا لا یحل لکم الحمار الاھلی ولا کل ذی ناب من السباع الخ (رواہ ابوداؤد والدارمی وابن ماجۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر قرآن کے علاوہ اور بھی بہت سے احکام نازل کیے گئے ہیں بعض لوگ مال و دولت کے غرور میں ہوں گے اور کہیں گے کہ ہم قرآن کے سوا حدیث کو تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ رسول نے جن چیزوں کی حرمت کو حدیث میں بیان فرمایا ہے وہ بھی ایسی ہی حرام ہیں جس طرح وہ چیزیں جن کی حرمت قرآن میں مذکور ہے گدھا اور ہر درندہ حرام ہے۔

(حالانکہ ان کی حرمت کا قرآن میں ذکر نہیں)

(۱۹) عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایحسب احدکم متکئا علی اریکتہ یظن ان اللہ لم یحرم شیئا الا ما فی ھذا القرآن الا وانی واللہ قد امرت ووعظت ونہیت عن اشیاء انہا لمثل القرآن او اکثر الخ (رواہ ابوداؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض لوگ مال و دولت سے مغرور ہو کر کہیں گے کہ حرام صرف وہی چیزیں ہیں جن کی حرمت قرآن میں بیان کی گئی ہے آپ نے فرمایا: خبردار اللہ کی قسم بلاشبہ میں نے بہت سے ایسے اوامر و نواہی کی تبلیغ کی ہے جو قرآن جتنے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں۔

یہ آخری دو حدیثیں چونکہ انکار حدیث کے شجر خبیث کی جڑیں کاٹ رہی ہیں۔ اس لئے ترجمان

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اعتراض کیا کہ یہ حدیثیں موضوع ہیں اور دلیل یہ بیان کی کہ قرآن تو معجز ہے اور اس کی مثال لانے سے جن وانس وغیرہ عاجز ہیں تو احادیث کا مثل قرآن کیسے ہو سکتی ہیں۔ قرآن کے خلاف عجمی سازش سے، تحت احادیث کو وضع کرکے قرآن کی مثل ٹھہرایا گیا ہے۔

جواب (۱) حدیث میں مثل سے مثل فصاحت و بلاغت اور اعجاز میں مماثلت مراد نہیں بلکہ واجب الاتباع ہونے میں مثل فرمایا گیا ہے۔ یعنی کتاب و سنت دونوں کا اتباع ضروری ہے۔ اور ان پر عمل کرنا واجب ہے

(۲) مثل سے مراد مثل فی الکمیت ہے چنانچہ دوسری حدیث میں او اکثر کا لفظ اس پر واضح دلیل ہے۔ لغت میں شدت وضعف کا لفظ کیفیت کے لیے اور کثرت و قلت کمیت کے لیے موضوع ہے عرف اور اصطلاح میں بھی یونہی استعمال ہے۔ قرآن مجید میں ہے أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّأَكْثَرُ جَمْعًا (۲۸-۷۸) قوت کے ساتھ اشد اور جمع کے ساتھ اکثر کا لفظ ہے۔ غرضیکہ لغت، عرف و اصطلاح شریعت میں ہر لحاظ سے کثرت کا لفظ کیفیت میں نہیں کمیت میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر رسول دشمنی کی وجہ سے عقل و خرد کا دیوالیہ نکل چکا ہے کہ یک ظاہر و بالکل واضح حقیقت کے سمجھنے سے قاصر رہا۔

اسی طرح غلام جیلانی برق لکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی حیض کی حالت میں نماز پڑھا کرتی تھیں اور خون نیچے گرتا تھا۔ برق یہ حدیث بیان کرکے اس پر اعتراض کرتا ہے کہ حائضہ کیسے نماز ادا کر سکتی ہے۔ یہ بھی برق کی جہالت اور نادانی پر واضح دلیل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی جسے برق نے حائضہ لکھا ہے وہ حائضہ نہ تھیں بلکہ استحاضہ کا خون گرتا تھا اور استحاضہ کی حالت میں نماز معاف نہیں۔ یہ تو بطور مثال کے ہم نے بیان کر دیا۔ ورنہ ان دشمنان رسول و اسلام کے جتنے بھی اعتراض حدیثوں پر ہیں سب کے سب اسی طرح جہالت اور کم فہمی پر مبنی ہیں۔

اجماع امت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک امت مسلمہ ہر معاملہ میں حدیث کو حجت سمجھتی رہی ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، خلفائے اربعہ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء، ائمہ، محدثین، صوفیاء اور علماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو مشعل راہ سمجھتے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے استدلال لیتے رہے اس کی تفصیل ہم "تدوین حدیث" کے ضمن میں لکھیں گے۔

عقل سلیم

① اگر احادیث کے راوی قرآن کے خلاف بھی سازش کرنے والے تھے اس لئے حدیث قابل قبول نہیں تو قرآن بھی ان ہی وسائط سے ہم تک پہنچا ہے۔ پس قرآن کیسے قابل اعتبار ہو سکتا ہے؟ اگر کہا جائے کہ قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○ (بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) تو ہم کہتے ہیں کہ خود اس آیت کی صداقت پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ یہ بھی تو انہی لوگوں کی وساطت سے ہم تک پہنچی جو کہ حدیث میں وسائط ہیں۔

② صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین و من بعدہم جمیع امت مسلمہ جو حدیث کو حجت تسلیم کرتی رہی ہے کیا اس میں ان سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔ یا دیدہ دانستہ جان بوجھ کر ایسا کرتے رہے؟ اگر اجتہادی غلطی ہوئی ہے یعنی حقیقت میں حدیث قابل اعتبار تھی مگر اسلاف سے غلطی ہو گئی کہ وہ اسے قابل عمل سمجھتے رہے تو غور کرنے کا مقام ہے کہ ساری امت کے متقدمین اور متأخرین علماء اور صلحاء تمام تر اسلاف اسی اجتہادی غلطی میں ہی صدیوں تک مبتلا رہے؟ کسی ایک نے بھی اس غلطی کو محسوس نہ کیا؟ اور اگر اسلاف حدیث کو ناقابل اعتبار سمجھتے تھے اس کے باوجود جان بوجھ کر حدیثیں بیان کر کے قرآن کے خلاف سازشیں کرتے آئے ہیں تو اس امت میں سے مومن کون باقی رہا؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین، تبع تابعین، ائمہ، محدثین اور جمیع سلف صالحین رحمہم اللہ تو نعوذ باللہ خاک بدہن گستاخ قرآن کے مخالف تھے، کیا مذہب اسلام کی چودہ سو سالہ زندگی میں پہلا مومن صرف پرویز رحمہ علیہ ما علیہ ہی ہے؟ جو دین چودہ سو سال تک صرف مخالفین اور دشمنوں کے قبضہ میں رہا ہو اتنی طویل مدت تک اس کا کوئی محافظ اور اسے قبول کرنے والا پیدا ہی نہ ہوا ہو تو ایسے دین پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

③ یہ امر دریافت طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور سابقہ آسمانی کتابوں کو رسول کے واسطہ سے کیوں اتارا؟ اگر اللہ تعالیٰ ہر فرد بشر کے پاس لکھی لکھائی کتاب بلا واسطہ رسول کے بھیج دیتے تو یہ صریح معجزہ ہونے کی وجہ سے زیادہ موثر ہوتا۔ کفار خود اس کے طالب تھے کہ لکھی لکھائی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہو۔ سو اگر یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تو منہ مانگا معجزہ ہونے کے باعث زیادہ سبب ہدایت ہوتا۔ مگر پھر بھی یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ رسولوں کی معرفت کتابیں نازل فرمائیں۔ اور رسول بھی صرف انسانوں سے منتخب فرمائے۔ کفار کہتے تھے کہ پیغام پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے کیوں نہیں بھیجے، تاکہ

کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اس کے ساتھ ہم پر لازم کر دیا

اس کے بعد ہم دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خرافات کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض: دشمنانِ رسول کہتے ہیں کہ حدیث بالاتفاق ظنی ہے اور ظن کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔ وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (۱۰-۳۶) قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ (۶-۱۴۸) وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (۶-۱۱۶) وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (۱۷-۳۶)

نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔

جواب: لفظ ظن تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) الشک یعنی بلا دلیل محض گمان اور تخمین (۲) شواہد و قرائن سے ظن غالب (۳) ظن بمعنی نظری و استدلالی علم یقینی جو دلیل و برہان قطعی سے حاصل ہوا ہو۔ مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ میں لفظ ظن اسی علم یقینی کے معنی میں ہے۔ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (۲-۴۶) قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ (۲-۲۴۹) وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ (۳۸-۲۴) كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ (۷۵-۲۸) أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ (۸۳-۵)

قرآن نے ظن بمعنی الشک و تخمین کی پیروی سے منع کیا ہے۔ احادیث کا سلسلہ نعوذ باللہ محض الشک اور تخمین نہیں ہے۔ پس احادیث کو ظن کے معنی ثانی (ظن غالب) اور معنی ثالث علم یقینی استدلالی کے لحاظ سے ظنی کہا جاتا ہے۔ بہت سی احادیث علم یقینی استدلالی کا فائدہ بھی دیتی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ متوفی ۸۵۲ھ شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں۔

وقد يقع فيها أي في أخبار الآحاد المنقسمة إلى مشهور وعزيز وغريب ما يفيد العلم النظري بالقرائن على المختار (شرح نخبۃ الفکر)

علم یقینی استدلالی تو ظاہر ہے کہ واجب الاتباع ہے۔ باقی رہیں وہ حدیثیں جو ظن غالب کا فائدہ دیتی ہیں۔ سو شریعت مطہرہ نے ظن غالب کو یقین کا حکم دے کر واجب الاتباع قرار دیا ہے

شرعی یقین کے لئے ثقہ عادل کی شہادت، جس میں کہیں دو کی اور کہیں زیادہ کی، کافی ہے۔
سو وہ احادیث میں موجود ہے۔ اس لحاظ سے احادیث سب یقینی ہیں، ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ بعض علم
یقینی استدلالی ہیں یا اس لئے کہ اکثر احادیث میں عقلاً احتمال خطا موجود ہے شرعاً نہیں۔ غرضیکہ احادیث
کو ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ بعض احادیث مفید علم الیقین عقلی استدلالی ہیں۔ اور اکثر احادیث مفید ظن غالب
ہیں اور دنیا میں ظن غالب پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہم رات دن اپنے تمام معاملات میں ظن غالب
ہی پر عمل کرتے ہیں۔ دوا پیتے وقت شفا کا یقین نہیں ہوتا بلکہ زیادہ مضرت کا احتمال موجود ہے۔ موٹر، ریل،
طیارہ، دریائی جہاز وغیرہ پر سوار ہوتے وقت ہمیں ان کی مشینری کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ مشینری کے پرزہ جات
کی درستی کا کوئی یقین نہیں ہوتا۔ راستہ کے حوادث سے محفوظ رہنے کا یقین نہیں، طیارہ کے گرنے، ریل کے
پٹری سے اتر جانے، بحری جہاز کے غرق ہو جانے کا احتمال موجود ہے۔ معہذا ہم دن رات ان ذریعوں سے سفر
کرتے ہیں۔ بازار سے گوشت خریدتے وقت اس کی حلت کا، دودھ، گھی، اناج، شکر وغیرہ کی پاکیزگی
کا، نہر کا پانی پیتے اور غسل کرتے وقت اس کی طہارت کا ہرگز ہرگز کامل یقین نہیں ہوتا اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ غرضیکہ ہر
معاملہ میں ظن غالب کی پیروی پر مجبور ہیں۔ ظن غالب کی پیروی کو چھوڑ دیا جائے تو انسان دنیا میں زندہ ہی نہیں
رہ سکتا۔ سانپ کے پاس جانے سے ہمیں اس کے کاٹنے کا یقین نہیں اور کاٹنے کے بعد مرنے کا یقین نہیں
اسی طرح زہر پینے سے موت یقینی نہیں۔ معہذا ہم زہر پینے سے بچتے ہیں اور سانپ سے پرہیز کرتے ہیں۔
جب ہم شب و روز ہر معاملہ میں ظن غالب ہی پر عمل کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حدیث کو ظنی ہونے کی وجہ سے
ترک کر دیا جائے۔ قرآن یقینی ہے اور حدیث ظنی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث کو محض ظنی کہہ کر
ناقابل عمل قرار دیا جائے۔ قرآن کے یقینی اور حدیث کے ظنی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کا ہر لفظ تواتر سے
ثابت ہونے کی وجہ سے یقینی بدیہی قطعی ہے۔ حدیث میں چونکہ روایت بالمعنی جائز ہے اس لئے اس کے
ہر لفظ کے متعلق قرآن جیسا یقین نہیں ہو سکتا لہٰذا حدیث یقینی استدلالی یا یقینی شرعی ہے جیسا
کہ ماں کا علم یقینی ہے اور باپ کا ظنی کیونکہ ماں کے متعلق قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ فلاں شخص کی ماں ہے
مگر بچے کے باپ کے بارے میں اس یقین کے ساتھ حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ معہذا باپ کا علم یقینی شرعی ہے۔

دوسرا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث سے منع فرما دیا تھا۔

لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ (مسلم) اس حدیث سے صحیح کرنا امر کی دلیل
ہے کہ حدیث حجت نہیں۔ اس کے بعد تیسری صدی کے آخر میں محدثین نے حدیثیں جمع کیں۔ ان محدثین

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان عموماً پانچ اور کبھی اس سے بھی زیادہ وسائط ہیں۔ یہ محدثین روایت در روایت، در روایت، در روایت، در روایت کرتے ہیں، جو چیز اتنے وسائط سے ہم تک پہنچی اس پر کیسے اعتماد ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد عام لوگوں میں از خود حدیثیں بیان کرنے اور ان پر عمل کرنے کی رسم پیدا ہو گئی۔ جس کی تردید قرآن نے بار بار ان الفاظ کی ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا (۳۱-۲) جب ان کو قرآن کی پیروی کے متعلق کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے۔

جواب: اس اعتراض کے جواب کے لئے تاریخ تدوین حدیث کے بیان کی ضرورت ہے لہذا ہم مختصراً بقدر ضرورت اس مضمون پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

تدوین حدیث

شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث سے اس لئے منع فرمایا تھا کہ قرآن سے التباس نہ ہو جائے کیونکہ اس وقت میں کتابت قرآن کا عام دستور تھا اور عوام قرآنی اسلوب اور اس کے معجزانہ انداز سے پوری طرح مانوس نہ تھے۔ کتابت حدیث سے منع کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ حدیث قابل اعتبار نہیں، اگر یہ مقصد ہوتا تو آپ حدیث کے بیان کرنے سے بھی روک دیتے۔ حالانکہ مسلم شریف کی جس روایت میں کتابت حدیث سے نہی ہے اسی روایت کے آخر میں یہ جملہ بھی ہے "وحدثوا عنی ولا حرج"۔ منکرین حدیث کی بد دیانتی کا یہ عالم ہے کہ جس حدیث سے استدلال لیتے ہیں اسی کے بقیہ جملے جو ان کی اہواء کے بالکل خلاف ہیں ان سے بالکل صرف نظر کر لیتے ہیں اور پھر تعجب یہ کہ انکار حدیث کے لئے خود حدیث سے استدلال کر رہے ہیں جب حدیث قابل اعتماد نہیں تو لا تکتبوا عنی پر کیسے اعتماد کر لیا؟ حدیث کی اشاعت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلیبلغ الشاهد منکم الغائب حاضر غائب کو پہنچا دے۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اس کے بعد زمانہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حدیثیں بیان کرنے کا عام رواج تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی حکومت پر بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کیا کرو گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ پہلے قرآن پر نظر رکھوں گا پھر آپ کے قول و عمل سے استدلال کروں گا۔ پھر اجتہاد سے کام لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مسرت کا اظہار فرما کر حجیت حدیث کی تصدیق فرما دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

بھی ارشاد ہے تسمعون ویسمع منکم ویسمع ممن یسمع منکم (ابو داؤد، حاکم) منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ تیسری صدی کے آخر میں حدیث کی تدوین ہوئی ہے سراسر غلط ہے۔ تدوین کا کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے شروع ہو چکا تھا اگرچہ عوام کو اختلاط بالقرآن کے خوف سے کتابت حدیث کی اجازت نہ تھی تاہم خاص خاص لوگوں کو کتابت کی اجازت تھی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں بجز عبد اللہ بن عمرو بن العاص لکھا کرتے تھے میں نہ لکھتا تھا۔ انہ کان یکتب ولا اکتب (بخاری)

مستدرک حاکم سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا لکھا ہوا ذخیرہ موجود تھا چنانچہ حسن بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک حدیث سنائی تو آپ نے اس کا انکار کیا اور فرمایا کہ اگر تم نے یہ حدیث مجھ سے سنی ہے تو میری کتابوں میں لکھی ہوگی۔ چنانچہ آپ نے اپنی کتابوں میں تلاش کیا تو یہ حدیث مل گئی۔ اس مقام پر منکرین حدیث نے دو اعتراض کئے ہیں (۱) بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ سے عبد اللہ بن عمرو کو علم حدیث زیادہ تھا۔ حالانکہ روایات کا ذخیرہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے منقول ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری کی روایت میں استثناء منقطع ہے اس لئے اس کا ماقبل سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ نیز کثرت علم کثرت روایت کو مستلزم نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عبد اللہ بن عمرو زیادہ تر شام میں رہے ہیں اور ابو ہریرہ کا قیام مدینہ ہی میں رہا ہے۔ چونکہ دور اول میں علم کا مرکز مدینہ ہی تھا لوگ تحقیق مسائل میں مدینہ ہی کے علماء کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ اس لئے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو روایات بیان کرنے کا زیادہ موقع ملا۔

(۲) مستدرک حاکم میں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لکھی ہوئی حدیثیں موجود تھیں اور بخاری میں ہے "لا اکتب" اس کا جواب یہ ہے کہ ابو ہریرہ خود لکھنا نہ جانتے تھے ان کے پاس جو ذخیرہ تھا وہ دوسروں سے لکھوایا گیا تھا۔ (فتح الباری ۱۸۴ ج ۱)

طبقات ابن سعد میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص کا واقعہ لکھا ہے کہ انہوں نے خدمت نبوی میں عرض کیا کہ جو حدیثیں میں نے آپ سے بالمشافہ سنی ہیں ان کے لکھنے کی اجازت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ پھر عبد اللہ نے دریافت کیا کہ صرف حالت رضا ملک حدیثیں لکھوں یا حالت غضب کی بھی۔ آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس منہ سے سوائے حق کے کچھ نہیں

تھا۔ چنانچہ انہوں نے احادیث کو جمع کیا اور اس کا نام "الصادقہ" رکھا۔ یہی واقعہ ابوداؤد کتاب العلم میں بھی ہے۔

جب لوگ قرآن کے معجزانہ اسلوب سے بخوبی واقف ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف کتابت حدیث کی اجازت دی بلکہ لکھنے کا حکم دیا اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دینی مسائل اور ضروری ہدایات لکھوا دیں۔

کان رجل من الانصار یجلس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیسمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث فیعجبہ ولا یحفظہ فشکی ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی لاسمع منک الحدیث فیعجبنی ولا احفظہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعن بیمینک واومأ بیدہ للخط (رواہ الترمذی)

فتح مکہ کے موقع پر آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور ابوشاہ یمنی کی درخواست پر وہ خطبہ لکھوا کر ان کو دیا۔ اکتبوا لابی شاہ (مفتاح السنۃ مصری ص۳۵ بخاری)

عمرو بن حزم کو یمن بھیجتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مفصل تحریری ہدایت نامہ دیا جس میں صدقات، دیات، فرائض وغیرہ کے احکام تھے۔ (مفتاح السنۃ ص۳۵)

مسلم بن الحارث کے والد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے شخص سے بشارت لکھوا کر دی۔ (ابوداؤد)

طائف کے ایک شخص نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کی ایک کتاب سنائی تھی (ترمذی کتاب العلل) خطیب کی روایت کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا مجموعہ تھا۔ حضرت انس اپنی اولاد کو کتابت حدیث کا حکم دیا کرتے تھے (دارمی ص۶۸)

ابن عبدالبر نے جامع میں عبدالرحمٰن بن مسعود سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب نکال کر قسم کھائی اور کہا کہ یہ عبداللہ بن مسعود کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

عبداللہ بن مسعود اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بعض احادیث کو لکھ کر صحیفہ کی صورت میں اپنے پاس رکھا (بخاری) بعض کثیر الروایات صحابہ مثلاً ابوہریرہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، براء بن عازب اور انس بن مالک وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مرویات کو ان کے شاگرد ان کے روبرو بیٹھ کر لکھا کرتے تھے۔

(دارمی ص۶۹، ۷۰ ، تہذیب التہذیب جلد ۲ ص۱۴۰ ، کتاب العلل للترمذی)

حضرت عمر نے عمالِ حکومت کے لئے صدقہ اور زکوٰۃ کے احکام لکھوائے تھے۔

(موطا مصری صفحہ ۱۴۵، ۱۳۰، ۱۵، ۱۵۲ پر اس قسم کی مثالیں ملاحظہ ہوں)

مگر اس زمانہ میں حفظ صدور پر زیادہ زور تھا، عرب کے لوگ حافظہ میں مشہور تھے۔ طویل طویل قصیدے مختلف مضامین کے انہیں یاد ہوتے تھے اور اونٹوں گھوڑوں کے نسب نامے حفظ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ان لوگوں نے خصوصیت سے وحی الٰہی سمجھ کر حفظ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو واجب الاتباع جان کر اس کی حفاظت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا تھا وہ دور دراز سے سفر کر کے صحابہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کرتے تھے اور انہیں محفوظ رکھتے تھے۔ خود صحابہ نے دوسرے ممالک میں پہنچ کر حدیث کی تبلیغ کی۔

دارمی نے میمون بن مہران سے روایت کیا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روبرو جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو ابوبکر پہلے قرآن میں تلاش کرتے، اگر قرآن سے فیصلہ نہ ملتا تو اپنی معلومات احادیث میں غور کرتے، اگر اس میں بھی نہ ملتا تو صحابہ میں عام طور پر اعلان کروا دیتے کہ ہمارے یہاں اس قسم کا مسئلہ پیش آیا ہے کیا آپ صاحبوں میں سے کسی کو اس سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے؟ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ لوگ آ کر آپ سے علم نبوی بیان کرتے اور آپ سن کر خدا کا شکر کرتے کہ ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو یاد رکھنے والے موجود ہیں اور اگر اس پر بھی فیصلہ نہ ہوتا تو صحابہ سے مشورہ لے کر اتفاق رائے سے فیصلہ کر دیتے۔ اگر کوئی شخص ایسی بات کہتا جو صحابہ کرام میں مشہور و متعارف نہ ہوتی تو اس سے اس کے متعلق شہادت طلب کی جاتی خواہ وہ کیسا ہی معتبر کیوں نہ ہوتا۔

مغیرہ بن شعبہ نے ابوبکر صدیق سے دریافت کرنے پر جب بتایا کہ جدہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سدس دیا کرتے تھے تو آپ نے پوچھا ھل معک احد (کیا کوئی تیرا گواہ ہے) اس پر محمد بن مسلمہ نے بھی گواہی دی تب صدیق نے جدہ کو سدس دیا (بخاری ومسلم)

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا اور اس میں بکثرت جنازہ جزیہ مجوس۔ طاعون۔ خبر الضحاک بن سفیان فی توریث المرأۃ من دیۃ زوجہا۔ اور خبر سعد بن ابی وقاص فی المسح علی الخفین وغیرہ مسائل کا فیصلہ احادیث ہی کو۔۔۔ حجت بنا کر کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کے بیان کرنے پر شہادت طلب کی کہ جب کوئی مسلمان تین بار سلام کہنے پر (اندر سے) جواب نہ پائے (اجازت اندر آنے کی اجازت نہ ملے) تو واپس چلا جائے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق شہادت پر ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پریشانی

رفع ہوئی (مفتاح السنۃ ص۳۱، مقدمہ بخاری و مسلم)

ان واقعات سے ثابت ہوا کہ محدثین نے روایات حدیث کی پوری چھان بین کی ہے اسی وجہ سے اسماء الرجال اور اصول جرح و تعدیل کو مستقل فنون کی صورت میں مدون فرمایا اور صرف انہی احادیث کو قطعی علمی شہادت کی بنا پر صحیح قرار دیا جو اصول روایت و درایت کے چند معیار پر پوری اتریں اور تعارض کی حالت میں انہیں کوئی معقول صورت تطبیق کی دریافت ہو سکی اور قرآن کے خلاف کسی حدیث کو بھی قبول نہیں کیا۔

ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

"فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسیار از ابواب فن حدیث روایت کردہ است و در دست مردم تا ہنوز باقی است بعد ازان فاروق اعظم علماء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم را به اقلیم دار الاسلام روان ساخت و امر کرد باقامت شہر و روایت حدیث در آنجا۔"

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایت حدیث کا اس قدر شغف تھا اور حدیث کی تبلیغ و اشاعت اس قدر ضروری سمجھتے تھے کہ فرماتے ہیں:۔

"اگر تم میرے قتل کے لئے میری گردن پر تلوار رکھ دو اور مجھے یہ امید ہو کہ مرنے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کلمہ بھی جو میں نے سنا ہے پہنچا سکوں تو میں ضرور پہنچا دوں گا۔" (بخاری)

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب احادیث بیان کرتے تو سننے والوں کے ذوق و شوق کی حالت ہوتی تھی کہ آدمیوں کی دیوار آپ کے سامنے کھڑی ہو جاتی۔ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم لوگوں کی کثرت اور ہجوم کے سبب مکانوں کی چھت پر چڑھ کر روایت بیان کرتے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما زمانہ نبوت میں کم سن تھے، آپ زیادہ تر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دروازوں پر صبح کے وقت سے لیکر دوپہر تک صرف اس لئے بیٹھے رہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات وہ بیان کریں تو اسے لکھ لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں بہت سے اجلہ صحابہ مثلاً معاذ بن جبل، عمرو بن حزم، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، زید بن ثابت، ابو الدرداء، ابوذر، ابوموسیٰ اشعری وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، شام، مصر، یمن وغیرہ بلاد مملکت اسلامیہ میں پھیل گئے اور ہر جگہ انہوں نے کتاب و سنت کی تعلیم دی۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین رحمہم اللہ کا زمانہ آیا۔ انہوں نے دنیائے اسلام کے بعید سے بعید گوشہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو کمال حفاظت کے ساتھ پہنچایا۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اگرچہ زبانی یاد داشتیں لکھی ہوئی تھیں۔ مگر حدیث کی کوئی مرتب کتاب نہ تھی پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبدالعزیز (متوفی ۱۰۱ھ) نے مدینہ منورہ کے والی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا:۔

انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذہاب العلماء

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھ لو۔ مجھے حدیث کے مٹ جانے کا خوف ہے۔

(مفتاح السنۃ ص ۱۰)

اور لکھ بھیجا کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (متوفاۃ ۹۸ھ) اور القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق (متوفی ۱۰۷ھ) کی احادیث کے جو مجموعے ہیں وہ لکھ کر ان کے پاس بھیجے۔

اسی طرح دوسرے بڑے شہروں مثلاً کوفہ، بصرہ، شام اور یمن وغیرہ میں اپنے عمال کو تدوین حدیث کے لئے لکھا۔ امام محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن الشہاب الزہری المدنی المتوفی ۱۲۴ھ بھی انہی لوگوں میں سے تھے جن کو تدوین حدیث کے متعلق کہا گیا تھا۔ (مفتاح السنۃ)

خلیفہ عادل کی اس ہدایت نے محدثین کی حوصلہ افزائی کی اور انہوں نے اپنی کوششوں کو تیز کر دیا اور احادیث کی تدوین کا کام بڑے پیمانہ پر شروع ہو گیا۔ اس مقدس گروہ میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت محمد بن مسلم زہری کی ہے۔ ان کی پیدائش سنہ ۵۰ھ میں ہوئی۔ یہ عمل دو آتشہ زہری کے تھے کہ یہ چند ستون فن حدیث میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ امام زہری (مدینہ میں) عمرو بن دینار (مکہ میں) قتادہ و یحییٰ بن کثیر (بصرہ میں) ابو اسحٰق و سلیمان الاعمش (کوفہ میں)۔

امام زہری تابعین کے طبقہ اولیٰ کے محدثین میں سے ہیں جنہوں نے احادیث کو جمع کیا۔ بعد میں اسی دوسری صدی میں جو طبقہ تابعین آیا اس میں تدوین کا کام عام اور شائع ہو گیا۔ چنانچہ ابن جریج (متوفی سنہ ۱۵۰ھ) نے سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں احادیث کو بصورت کتابت جمع کیا (مدینہ منورہ میں) ابن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ (بصرہ میں) ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۰ھ (کوفہ میں) سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ (شام میں) اوزاعی متوفی ۱۵۶ھ (یمن میں) معمر متوفی ۱۵۳ھ اور خراسان میں ابن المبارک متوفی ۱۸۱ھ وغیرہ نے احادیث کو لکھ کر مدون کیا۔ جس میں اقوال صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ بھی مخلوط تھے۔ اسی دور میں سفیان بن عیینہ مکہ میں حماد بن سلمہ و سعید بن ابی عروبہ بصرہ میں۔ ہشیم بن بشیر واسط میں، وکیع بن الجراح شام میں۔ عبدالرزاق یمن میں۔ جریر بن عبداللہ رے میں وغیرہم ایسے جلیل القدر محدثین گزرے ہیں جن کے کارنامے حیات ابدی پا چکے ہیں۔ دوسری صدی کی چند مستند کتابیں یہ ہیں:۔

(۱) مصنفات اللیث بن سعد (متوفی ۱۷۵ھ) (۲) موطا امام مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ)

(۲) مصنف سفیان بن عیینہ (متوفی ۱۹۸ھ) (۳) مسند الامام الشافعی (متوفی ۲۰۴ھ)

اس کے بعد تیسری صدی ہجری خدمتِ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جلیل القدر زمانہ ہے۔ اسی میں صحاحِ ستہ وغیرہ مستند کتب کی تدوین ہوئی اور آج تک یہی صحاح وغیرہ کتب ہر زمانے کے منابع بنی ہوئی ہیں۔

صحاحِ ستہ یہ ہیں:۔

(۱) صحیح البخاری (متوفی ۲۵۶ھ) (۲) صحیح مسلم (متوفی ۲۶۱ھ) (۳) سنن ابی داؤد (متوفی ۲۷۵ھ) (۴) سنن الترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) (۵) سنن النسائی (متوفی ۳۰۳ھ) (۶) سنن ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ)

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب بھی اسی تیسری صدی میں مدون ہوئیں۔

(۷) مسند احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) (۸) مسند اسحٰق بن راہویہ (متوفی ۲۳۸ھ) (۹) مسند عبد بن حمید (متوفی ۲۴۹ھ) (۱۰) مسند الدارمی (متوفی ۲۵۵ھ) (۱۱) المسند الکبیر للقرطبی (متوفی ۲۷۶ھ) (۱۲) مسند ابی یعلی الموصلی (متوفی ۳۰۷ھ) (۱۳) تہذیب الآثار للامام محمد بن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)

محدثین کے علاوہ ائمہ فقہ نے بھی حدیث کی روایت کی اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر ان کے احکام اور فتاویٰ کی بنیاد ہوتی تھی۔

امام ابو حنیفہ ولادت ۸۰ھ، وفات ۱۵۰ھ۔ امام مالک، ولادت ۹۳ھ وفات ۱۷۹ھ۔ امام شافعی ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۰۴ھ۔ امام احمد ولادت ۱۶۴ھ وفات ۲۴۱ھ۔ امام ابو یوسف ولادت ۱۱۳ھ وفات ۱۸۲ھ۔ امام محمد بن حسن ولادت ۱۳۲ھ وفات ۱۸۹ھ

غرضیکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک تبلیغ اور حفاظت اکمل طریقے سے چلی آرہی ہے اور امت اس سے استدلال کرتی آئی تو آج اسے ناقابلِ اعتبار قرار دینا صریح ضلالت اور گمراہی ہے۔ آیاتِ قرآنیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ امت پر واجب الاتباع ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ حکم قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ پس اگر احادیث کے ہم تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ قابلِ وثوق ہی نہیں تو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ نے ایسا لغو اور فضول حکم کیوں دیا جس پر عمل کرنا ہمارے لئے ممکن ہی نہ ہو۔

محدثین نے حفاظتِ حدیث کا ہر ممکن طریقہ اختیار فرمایا۔ علم حدیث حاصل کرنے کے لئے دور دراز کے پاپیادہ سفر کئے، بے پناہ تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائیں۔ پھر حاصل کرنے کے بعد تبلیغ میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ چنانچہ امام بخاری نے علم حدیث کی خاطر مکہ، مدینہ، شام، بخارا، مرو، ہرات، مصر، بغداد، کوفہ، بصرہ، بلخ، نیشاپور اور دیگر بہت سے بلاد کا ایسے زمانہ میں سفر کیا جبکہ ریل، موٹر وغیرہ سواری کا کوئی بندوبست

نہ تھا جہاں حدیث کا پتہ چلتا یا پیادہ وہاں پہنچ جاتے۔ ایک ہزار اسی شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا اور امام بخاری سے رو برو بلاواسطہ علم حدیث حاصل کرنے والے شاگردوں کی تعداد نوے ہزار ہے۔

یہ تو تحصیل حدیث و تحصیل کی حالت تھی۔ پھر صحیح اور موضوع حدیث کو پرکھنے کے لئے محدثین نے اسماء الرجال کا فن لکھا۔ اسناد کی پوری تحقیق اور تنقید کی، حدیث کی صحت و سقم کو پرکھنے کے لئے ہر ممکن ذریعہ استعمال کیا۔ جس حدیث میں ذرا بھی ضعف معلوم ہوا یا شک پیدا ہوا اس حدیث کو کتاب میں درج ہی نہیں کیا۔ اگر کسی محدث نے درج کیا بھی تو اس کے ضعف کو واضح کر دیا۔ ان محدثین کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی حالت اگر بیان کی جائے تو اس کے لئے دفاتر بھی کافی نہیں ہو سکتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ ہر حدیث لکھنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کا التزام فرماتے تھے۔ پھر اسناد میں یہاں تک احتیاط کی کہ راوی اور مروی عنہ اگر ایک ہی زمانہ میں گزرے ہوں، ان کا آپس میں لقاء بھی ممکن ہو، مگر جب تک ان کا لقاء ثابت نہ ہو جائے امام بخاری اس کی روایت کو قبول نہیں کرتے، اگرچہ یہ راوی کتنا ہی عادل اور ثقہ کیوں نہ ہو۔

دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع حدیث کو بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا (۲-۱۷۰) میں داخل کرنا انتہائی بدبختی اور کج روی ہے۔ اتباع آباء ضلالت و گمراہی میں ممنوع ہے نہ کہ رشد و ہدایت میں۔ قرآن مجید میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا قول منقول ہے:-

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲-۱۳۳)

ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل، اسحاق کے واحد معبود کی عبادت کرتے رہیں گے۔

دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود رسول دشمنی میں تاریخ سے استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ تاریخ کی صحت کے لئے کوئی سند نہیں۔ تاریخ میں سکندر اور دارا وغیرہ کے مفصل قصے مذکور ہیں مگر کوئی شخص اگر سکندر یا دارا کے وجود ہی کا انکار کر دے یا کسی واقعہ کو تسلیم نہ کرے تو اس کے اثبات کے لئے کیا دلیل و سند ہو سکتی ہے؟ بخلاف حدیث کے کہ اس کی ہر جزئی سند اور دلیل سے ثابت ہے۔ پھر سند کی بھی پوری تحقیق و تنقید اور ہر ممکن ذریعہ سے جانچ پڑتال کی گئی ہے اور محض علمی شہادت کے بعد قبول کی گئی ہے۔

تیسرا اعتراض: بہت سی حدیثیں بالاتفاق موضوع ہیں اور بہت سے راوی خود حدیثیں بنا لیا کرتے تھے۔ لہٰذا اب کیسے معلوم ہو سکے کہ صحیح حدیث کونسی ہے اور موضوع کونسی؟

جواب:- اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے دشمنان دین خود حدیثیں بنا کر اسلام کو نقصان

پہنچانا چاہئے تھے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی حفاظت تا قیامت منظور ہے، کیونکہ اس پر عمل کرنے کا حکم جمیع امت کو دے چکے ہیں، اس لئے محدثین نے صحیح اور موضوع حدیث پرکھنے کے لئے ایسے اصول (معیار) قائم کرنے اور ان اصول کی وضاحت کے لئے مستقل فنون مدون کئے جن سے کھری اور کھوٹی میں امتیاز قائم ہو جائے، کسی حدیث کے متعلق موضوع ہونے کا علم ہو جانا یہ خود حجیت حدیث پر دلیل ہے، کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محدثین نے موضوع حدیثوں کو چن چن کر ذخیرہ حدیث سے باہر کر دیا ہے۔

چوتھا اعتراض: دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ صرف قرآن کے اصول قیامت تک کیلئے مؤبد ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ضروری مسائل بیان فرمائے وہ قیامت تک کے لئے نہیں بلکہ اس زمانہ کے لحاظ سے اسی وقت کے ساتھ خاص تھے اور ہر زمانہ کے مطابق ان جزئیات میں تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے، اگر یہ جزئیات بھی مؤبد ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اصول کی طرح ان کو بھی قرآن میں کیوں بیان نہیں کیا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ جزئیات بھی تا قیامت مؤبد ہیں، ان میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے جمیع امت کو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ہم آیات قرآنیہ سے ثابت کر چکے ہیں، باقی یہ سوال رہا کہ پھر ان جزئیات کو قرآن میں کیوں نہیں بیان کیا گیا؟ سو ہم کہتے ہیں کہ جزئیات کو قرآن نے اگرچہ تفصیلاً بیان نہیں کیا مگر اطیعوا الرسول کی کلی کے ضمن میں سب جزئیات کا حکم قرآن سے ثابت ہو جاتا ہے، نیز وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (۵۳-۴) سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ جزئیات بھی وحی الٰہی ہیں، یہی سبب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار منبر پر چڑھ کر مسلمانوں کو خطاب کیا:

یا ایہا الناس ان الرای انما کان من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبا لان اللہ کان یریہ وانما هو منا الظن والتکلف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا کرتی تھی، اس لئے یقیناً صحیح ہوتی تھی، اور ہماری رائے ظنی ہوتی ہے

منکرین حدیث کا تذبذب

منکرین حدیث تا حال اپنا دعویٰ متعین نہیں کر سکے۔

(۱) کبھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل مطلقاً حجت نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام بیان فرمائے وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھے، ہر زمانہ کے لحاظ سے

فتنۂ انکار حدیث ــــ ۴۳

ان احکام میں تغیر و تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

(پرویز معارف جلد ۴ ص…)

(طلوع اسلام جون ۱۹۵۰ء ص۴۳)

(۲) اور کبھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل حجت تو ہے، مگر چونکہ ہم تک بذریعۂ وثوق ذرائع سے نہیں پہنچا اس لئے ظنی ہونے کی وجہ سے قابل اعتماد نہیں رہا۔ (پرویز طلوع اسلام جولائی ۱۹۵۰ء ص…)

(اسلم جیراجپوری طلوع اسلام نومبر ۱۹۵۰ء ص…)

(۳) اور کسی وقت یوں کہتے ہیں کہ روایات حدیث کا سلسلہ قرآن کے خلاف عجمی سازش ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ حدیث کو تاریخی درجہ بھی حاصل نہیں۔

(پرویز طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۵۲ء ص…)

منکرین حدیث کے اس تذبذب سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی جملہ مساعی کا مقصد صرف یہ ہے کہ حدیث کا کسی نہ کسی طریقہ سے انکار کرکے آزادانہ زندگی بسر کریں اس مقصد کے لئے وہ جہاں کہیں جیسا موقع پاتے ہیں ویسی ہی بات منہ سے نکال دیتے ہیں۔ اس امر کی پروا نہیں کرتے کہ اس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں۔ آخر میں ہم منکرین حدیث کو بطور نصیحت کہتے ہیں کہ ؎

ظالم ابھی ہے فرصت توبہ نہ دیر کر
وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

وما علینا الا البلاغ ۝

رشید احمد
۱۸ ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ

ضمیمہ

ایک مستقل سوال کے جواب میں رسالہ فتنۂ انکارِ حدیث کا اقتباس لکھا گیا تھا جو درج ذیل ہے۔

منکرینِ حدیث کے متضاد نظریات پر ایک نظر

سوال: کیا کتب حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "لا تکتبوا عنی غیر القرآن" اور "ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ" موجود ہے؟ اگر ہے تو اس کا مطلب کیا ہے؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس قسم کے سوالات کا منشأ فتنۂ انکارِ حدیث ہے، جو آجکل نہایت آب وتاب سے پھل پھول رہا ہے۔ حدیث کے بارے میں منکرینِ حدیث کی طرف سے عجیب قسم کے متضاد خیالات اشاعت پا رہے ہیں۔

(۱) قرآن سمجھنے کے لئے حدیث کی ضرورت نہیں، ہر شخص اپنے دماغ سے قرآن سمجھ سکتا ہے۔

(پرویز۔ طلوع اسلام)

روایاتِ حدیث کا پورا سلسلہ قرآن کے خلاف عجمی سازش ہے۔ (پرویز، طلوع اسلام [illegible])

مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تشریح کی قطعاً حاجت نہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر بھی واجب الاتباع نہ تھا۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام بیان فرمائے ہیں وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھے، ہر زمانہ کے لحاظ سے ان احکام میں تغیر وتبدل کیا جا سکتا ہے۔

(پرویز۔ معارف جلد ۴ ص [illegible] اور طلوع اسلام جون [illegible])

یعنی آپ کا فرمان آپ کے زمانہ میں حجت تھا، ہم پر حجت نہیں۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ازروئے حجت تو ہے مگر چونکہ ہم تک باوثوق ذرائع سے نہیں پہنچا اس لئے ظنی ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتبار نہیں رہا۔

(پرویز طلوع اسلام جولائی [illegible]، اسلم جیراجپوری، طلوع اسلام نومبر [illegible])

اگر منکرینِ حدیث کے مختلف گروہوں کے یہ مختلف خیالات ہوتے تو کوئی تعجب نہ ہوتا، عجیب امر یہ ہے کہ ایک ہی گروہ بلکہ ایک ہی شخص مختلف آراء اور متضاد خیالات کا اظہار کر رہا ہے۔ جسے دیکھ کر دو قولوں میں سے ایک کا تسلیم کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے، یعنی یا تو ان کو مجنون سمجھ کر معذور خیال کیا جائے اور یا یوں کہا جائے کہ ان کا کوئی نصب العین اور نظریہ متعین نہیں ہے، بلکہ اس ساری تگ ودو سے ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ تعلیماتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرکے ہر طرح سے آزادانہ زندگی بسر کریں۔ اس لئے جس قسم کا موقع

پاتے ہیں ویسی ہی بات منہ سے نکال دیتے ہیں، اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں۔ ہم قبل ازیں ان کا پول کھولنے کے لئے مختلف مضامین بذریعہ اخبارات و رسائل شائع کر چکے ہیں۔ اس وقت ہم ان تین قسم کے مختلف نظریات پر بالاختصار بحث کرنا چاہتے ہیں۔

ابطالِ نظریہ اُولیٰ

(۱) وما كان لبشر أن يكلمه الله إلا وحيا أو من وراء حجاب أو يرسل رسولا (۴۲ - ۵۱)

اس آیت میں وحی کو ارسالِ رسول کے مقابلہ میں ذکر کرنا دال ہے کہ بغیر ارسالِ رسول کے بھی وحی ہوتی ہے۔ یہی حدیث ہے۔

(۲) وما جعلنا القبلة التي كنت عليها (۲ - ۱۴۳) سے معلوم ہوا کہ بیت المقدس کی طرف استقبال حکمِ الٰہی تھا، حالانکہ قرآن مجید میں یہ حکم مذکور نہیں۔

(۳) علم الله أنكم كنتم تختانون أنفسكم (۲ - ۱۸۷) سے معلوم ہوا کہ ابتدا میں رمضان شریف کی رات میں بھی جماع کرنا حرام تھا۔ یہ حرمت حدیث ہی سے تھی، قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں۔

(۴) ولقد نصركم الله ببدر وأنتم أذلة الخ (۳ - ۱۲۳) اُحد کے موقع پر نازل ہوئی جس میں مذکور ہے کہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے انزالِ ملائکہ کا وعدہ فرمایا تھا حالانکہ قرآن میں واقعہ بدر سے پہلے اس قسم کا کوئی وعدہ مذکور نہیں۔ معلوم ہوا کہ انزالِ ملائکہ کا وعدہ وحی غیر متلو سے تھا جو حدیث ہے۔

(۵) قرآن میں انبیاء سابقین علیہم السلام کی احادیث مذکور ہیں جو حجیتِ حدیث پر واضح دلیل ہے۔ جب انبیاء سابقین علیہم السلام کی احادیث کا ان کی امتوں پر واجب الاتباع ہونا قرآن سے ثابت ہے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہم پر کیوں واجب العمل نہ ہوگی؟

(۶) قرآن کریم میں جابجا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول ارشاد ہے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل قابلِ اعتبار نہیں تو أطيعوا الله کے ساتھ أطيعوا الرسول کا لفظ بار بار کیوں ذکر کیا؟ قرآن میں کئی جگہ پر بار بار اطاعتِ رسول کی تاکید کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پر وعید شدید سنائی گئی ہے۔

(۷) لقد من الله على المؤمنين إذ بعث فيهم رسولا من أنفسهم يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة (۳ - ۱۶۴) یہ آیت معنی اور مفہوم کے لحاظ سے قطعی طور پر محکم ہے۔ جس میں صاف دلالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تلاوت کے ہمراہ تعلیم

محض بلاغ ہی پہنچانا تھا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اور حکمت کے معلم اور مسلمانوں کے مزکی بھی تھے۔ تعلیم کتاب کا فرض جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لگایا گیا تو آپ اس فرض کو کس طرح ادا کرتے تھے؟ کیا قرآن کے طلبہ (صحابہ) آپ سے کسی آیت کے بارے میں دریافت ہی نہ کرتے تھے؟ اور اگر کچھ دریافت کرتے تو کیا آپ ان کے جواب میں قرآن ہی کی کوئی آیت پیش فرما دیتے تھے؟ کیا یہ طریق تعلیم قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ ایک معلم کسی کتاب کی تعلیم دے تو طلبہ تلاوت سنتے رہیں اس کے سوا کوئی بات دریافت ہی نہ کریں اور اگر کچھ دریافت کریں تو استاد اس کے جواب میں کتاب ہی کا متن پڑھ دے، اپنی زبان سے کچھ تشریح نہ کرے۔ معلم کا فرض ہے کہ کتاب کے مجملات کی تفسیر اور تشریح کرے، طلبہ کے اعتراضات اور شبہات کو حل کرے، کتاب کے مفہوم اور معنی کو واضح طور پر سمجھائے۔ اگر قرآن مجید کے لئے حدیث کی ضرورت ہی نہیں، ہر شخص اپنے دماغ سے قرآن سمجھ سکتا ہے تو پرویز (علیہ ما علیہ) نے "معارف القرآن" لکھ کر جہالت کا ثبوت کیوں دیا؟ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر تو قابل قبول نہ ہو اور ایک گستاخ خاکم بدہن کی تفسیر مقبول ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اپنے قول یا فعل سے قرآن کی تشریح فرماتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا تزکیہ کرتے تھے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل قابل اعتبار نہیں تو معلم الکتاب اور مزکی کیسے ہوئے؟

⑧ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا واقعہ مذکور ہے جس میں صریح دلیل ہے کہ نبی کا خواب بھی حجت اور واجب العمل ہے، حالانکہ خواب وحی متلو نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہزار تمناؤں کے بعد آخر عمر میں اللہ تعالیٰ نے فرزند عزیز عطا فرمایا، پھر حالت رضاع ہی سے برسوں تک اکلوتے بیٹے کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ کر فراق کے صدمے برداشت کئے، گو خلیل علیہ السلام کے مقام تسلیم و رضا کے امتحان کی ایک شدید ترین گھاٹی ابھی باقی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب کو وحی الٰہی یقین فرما کر بغیر کسی تامل کے فرزند کے تعمیل حکم کے لئے نہ صرف آمادہ ہو جاتے ہیں بلکہ لخت جگر کو قربان کرنے کا عمل بھی نہایت مستعدی سے شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عزیز ترین اکلوتے بیٹے کے ذبح کا اقدام کرنا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا "فاعل ما تری" کے بجائے "فَافْعَلْ مَا تُؤْمَرُ" کہنا، اور اللہ تعالیٰ کا "قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا" اور "وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ" ارشاد فرمانا اور اس امتحان کو "بلاء مبین" سے تعبیر فرمانا، یہ جملہ امور واضح دلیل ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ذبح ولد کا حکم ہوا تھا اور وہ حکم واجب العمل ہی تھا۔

⑨ کذٰلکم قال اللّٰہ من قبل الخ میں تصریح فرمائی جا رہی ہے کہ منافقین کو غزوہ خیبر میں شرکت کی اجازت نہ دینے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے کر دیا ہے حالانکہ اس آیت کے سوا اس فیصلہ کا ذکر قرآن میں کہیں نہیں، معلوم ہوا کہ یہ فیصلہ وحی غیر متلو سے ہوا تھا۔

قرآن اور حدیث —— ۳۹

(۱۰) وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ (۱۶-۴۴) معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب تبیین وتشریح ہے۔

(۱۱) ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ (۷۵-۱۹) سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بیان کا ذمہ لیا ہے اب غور طلب یہ امر ہے کہ اگر قرآن کا بیان خود قرآن ہی کی آیت ہے تو کیا اس آیت کے لئے بھی بیان کی ضرورت ہوگی کیونکہ بیانہ کی ضمیر کا مرجع کل قرآن ہے پس ہر جزء قرآن محتاج بیان ہوا۔ اب اگر ایک آیت کا بیان دوسری آیت سے ہوا تو اس دوسری آیت کا بیان کسی تیسری سے ہوگا، پھر وہ تیسری آیت بھی محتاج بیان تو اس کے لئے چوتھی آیت ضروری ہوئی پس تسلسل یا دور لازم آئے گا اور یہ دونوں باطل ہیں اور باطل کو مستلزم امر خود باطل ہے تو یہ معلوم ہوا کہ قرآن کا بیان خود قرآن سے باطل ہے پس قرآن کا بیان غیر قرآن سے ہوگا جو حدیث ہے۔

منکرین حدیث کا وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر) سے استدلال باطل ہے۔ اس لئے کہ قرآن کے مضامین دو قسم کے ہیں ایک احکام دوسرے توحید ورسالت کے دلائل اور انذار وتخویف کے مضامین اور تذکیر کے لئے امم سابقہ میں سے منکرین کے قصص۔ تو تیسیر قرآن بحیثیت تذکیر کے ہے نہ بحیثیت استنباط احکام کے، اس پر چند قرائن ہیں۔ (۱) وَلَقَدْ یَسَّرْنَا کو للذکر سے مقید کرنا (۲) فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ کا ترتب تیسیر پر (۳) قصص انذار وتخویف کے ساتھ بار بار اس آیت تیسیر کا اعادہ (۴) اگر تیسیر کو عام لیا جائے تو آیت معارض ہوگی آیات مذکورۃ الصدر سے جن سے معلم القرآن اور اس کی تبیین وتشریح کی ضرورت ثابت ہوتی ہے پس وجہ توفیق یہی ہوگی کہ تیسیر قرآن محض بحیثیت تذکیر ہے اور استنباط احکام میں قرآن کریم کی تبیین وتشریح کا محتاج ہے اس کے باوجود لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ سے تفکر وتدبر کی حاجت ظاہر ہو رہی۔

(۱۲) وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ (الی قولہ) نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ (۶۶-۳) اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک راز کے اخفاء کی تاکید کے باوجود جب ایک بی بی نے اس کا افشاء کر دیا تو اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی جو وحی غیر متلو سے تھی کیونکہ قرآن میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔

(۱۳) لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ (۲-۱۸۵) یعنی فرمایا کہ احکام حج اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ طریق کے مطابق ادا کرو۔ حالانکہ قرآن میں احکام حج کی تفصیل مذکور نہیں سو اس آیت میں حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں احکام کی پوری تفصیل ہے۔

(۱۴) بہت سے انبیاء علیہم السلام کتاب کے بغیر مبعوث ہوئے ہیں۔ پس اگر قول رسول حجت نہیں تو

ایسے انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے کیا فائدہ؟

دلائل عقلیہ

① قرآن میں ہر چیز کا بیان اجمالاً ہے جس کی تشریح و تفصیل حدیث میں ہے۔ نمازوں کے اوقات، تعداد رکعات، فرائض اور واجبات کی تفصیل، صوم و زکوٰۃ کے مفصل احکام، حج کے مناسک، قربانی وغیرہ، بیع و شراء، امور خانہ داری، ازدواجی معاملات اور معاشرت کے قوانین۔ ان سب امور کی تفصیل حدیث ہی سے ثابت ہے۔ پس حدیث کا انکار سارے نظام اسلامی سے یکسر ہاتھ دھو بیٹھنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح بول و براز، کتے، گیدڑ وغیرہ کی حرمت کا قرآن میں ذکر نہیں، چنانچہ اسی اعتراض سے بچنے کے لئے منکرین حدیث ان جملہ اشیاء خبیثہ کی حلت کے قائل ہیں۔ بلکہ محمد شیخ ایڈووکیٹ لکھتا ہے کہ قرآن میں مذکور چار چیزوں کے سوا باقی ہر چیز کا کھانا فرض ہے، کھانے سے انکار کر دینا گناہ اور خدا کے حکم کی معصیت ہے۔

(طلوع اسلام جون ۵۲ء)

یعنی کتا، گدھا، گیدڑ، بلی، چوہا حتی کہ پیشاب پاخانہ وغیرہ کا کھانا فرض ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ منکرین حدیث خدا کے حکم کی معصیت سے بچنے کے لئے فرض اور ثواب سمجھ کر مذکورہ چیزیں بشاشت اور مزے لے لے کر کھاتے ہوں گے۔ (سود اللہ تعالیٰ وجوههم)

② اگر احادیث کے راوی قرآن کے خلاف بھی سازش کرنے والے تھے اس لئے حدیث قابل قبول نہیں تو قرآن بھی تو انہی وسائط سے ہم تک پہنچا ہے۔ پس قرآن پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ اگر کہا جائے کہ قرآن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۵-۹) تو ہم کہتے ہیں کہ خود اس آیت کی صداقت پر کیسے اعتماد ہوگا؟ یہ بھی تو انہی لوگوں کی وساطت سے ہم تک پہنچی ہے جو حدیث میں وسائط ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن کا اعجاز فی البلاغۃ اس کی صداقت پر دال ہے کیونکہ اولاً تو قرآن کا معجز من حیث البلاغۃ ہونا مختلف فیہ ہے۔ بعض نے اعجاز من حیث الاخبار عن المغیبات وغیرہ کا قول کیا ہے جس کی تصدیق مذکورہ وسائط کے ذریعہ سے منقول ہے۔ ثانیاً قلیل تغیر اور بعض مواقع پر ترتیب کی تبدیلی سے اعجاز فی البلاغۃ میں بظاہر کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ جیسا کہ "الم اعهد" پر مختصر المعانی میں بحث کی گئی ہے۔ ثالثاً اعجاز فی البلاغۃ معیار صداقت تب ہوگا کہ تحدی ثابت ہو اور آیات تحدی بھی مذکورہ وسائط ہی سے منقول ہیں۔ رابعاً تحدی من حیث البلاغۃ زمانہ موجودہ میں تو معیار صداقت نہیں ہو سکتی کیونکہ تحدی ایسی چیز کی مفید ہوگی

میں کافی پیچھے رہ گیا ہو ظاہر ہے کہ دورِ حاضر میں علم البلاغہ کی بنسبت سائنس کا بہت زیادہ چرچا ہے۔ پس بلاغت کے لحاظ سے تحدی کا صرف زمانۂ نزول کے ساتھ مخصوص ہوگی اور اس وقت اہل بلاغت کا قرآن کے مثل سے عاجز ہونا تا قیامت تک کے لئے صداقتِ قرآن پر دلیل ہوگا یعنی زمانہ حاضرہ میں صداقتِ قرآن پر یہ دلیل نہیں کہ ہم اس کے مثل سے عاجز ہیں بلکہ دلیل یہ ہے کہ بلاغت کے مشہور دور میں بڑے بڑے بلغاء اس کے مثل سے عاجز آ گئے تھے۔ جو یعنی یہ کہ زمانۂ نزول دورِ بلاغت تھا اور یہ کہ اس زمانہ میں قرآن نے تحدی من حیث البلاغۃ کی تھی اور یہ کہ مشاہیر بلغاء قرآن کے مثل سے عاجز رہے تھے۔ انہی کے واسطے سے منقول ہیں جن کو قرآن کے خلاف بھی سازشی کہا جا رہا ہے۔

(۳) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ اور ان کے بعد ہم تک یہ سلسلہ جو حدیث کو حجت تسلیم کرتی آئی ہے کیا اس بیان سے چشم پوشی ممکن ہے۔ یا جان بوجھ کر ایسا کرتے تھے اگر حجیتِ حدیث کی بنیاد حقیقت میں بہت قابلِ اعتبار تھی مگر سازش کی غلطی کر کے وہ اسے قابلِ عمل سمجھتے رہے تو غور کرنے کا مقام ہے کہ ساری امت کے متقدمین اور متاخرین علماء و صلحاء تمام تر اسلاف اسی انتہائی غلطی ہی میں صدیوں تک مبتلا رہے؟ کسی ایک فرد نے بھی اس غلطی کو محسوس نہ کیا؟ اور اگر اسلاف حدیث کو قابلِ اعتبار سمجھتے تھے اس کے باوجود جان بوجھ کر حدیثیں بیان کر کے قرآن کے خلاف سازشیں کرتے آئے ہیں تو اس امت میں سے مومن کون باقی رہا؟ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ، محدثین اور جمیع سلف صالحین تو نعوذ باللہ خاک بدہن گستاخِ قرآن کے مخالف تھے کیا مذہبِ اسلام کی چودہ سو سالہ زندگی میں پہلا مومن مسٹر پرویز (علیہ ما علیہ) ہی ہے؟ جو دین چودہ سو سال تک صرف مخالفین اور دشمنوں کے قبضہ میں رہا ہو اتنی طویل مدت تک اس کو کوئی محافظ اور اسے قبول کرنے والا میسر ہی نہ ہوا ہو ایسے دین پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

(۴) یہ امر دریافت طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور سابقہ آسمانی کتابوں کو رسول کے واسطہ سے کیوں اتارا؟ اگر اللہ تعالیٰ ہر فرد بشر کے پاس لکھی لکھائی کتاب بلا واسطہ رسول کے بھیج دیتے تو یہ صریح معجزہ ہونے کی وجہ سے زیادہ مؤثر ہوتا۔ کفار خود اس کے طالب بھی تھے کہ لکھی لکھائی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہو سو اگر یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تو صراحتاً معجزہ ہونے کے باعث زیادہ سبب ہدایت ہوتا۔ مگر پھر بھی یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ رسولوں کی معرفت کتابیں نازل فرمائیں اور رسول بھی صرف انسانوں میں سے منتخب فرمائے۔ کفار کہتے تھے کہ پیغام پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے کیوں نہیں بھیجے تاکہ ہمیں احکام کے منزل من اللہ ہونے کا یقین ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا (۶-۹) وَلَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (۱۷-۹۵) غرضیکہ سوال یہ ہے کہ تنزیل کتب کے لئے رسولوں کو واسطہ بنانے اور رسالت کے لئے مخصوص انسانوں ہی کو منتخب کرنے پر اس قدر اصرار کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب خود کلام الٰہی میں موجود ہے وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ (نساء ۹) یعنی خدا نے جتنے رسول بھیجے ان کی بعثت کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ قوانین خداوندی کے مطابق حکم دیں اور خود کو بھی قوانین الٰہیہ کے مطابق زندگی بسر کریں اور منزل من اللہ احکام کو برت کر امت کے لئے ایک نمونہ قائم کر دیں تاکہ امت ان کا اتباع کرے۔ اگر بلا واسطہ رسول کے احکام نازل کر دئیے جاتے، وہاں کی تفصیل و تشریح کرنے والا اور عملی جامہ پہنانے والا کوئی نہ ہوتا تو لوگ آیات کے مفہوم و معانی میں اختلاف کرتے اور منشأ الٰہی سمجھنے میں غلطی کرتے۔ ان کو عمل کا جامہ پہنانے والا کوئی نہ ہوتا۔ اس ضرورت کو اگر کسی حد تک فرشتے بھی پورا کر سکتے تھے مگر ان کے متعلق ہر شخص خیال کرتا کہ فرشتے تو قوت شہوانیہ و غضبیہ سے منزہ ہیں اور انسانی حوائج و ضروریات سے مستغنی ہیں اس لئے تقویٰ اور طہارت و پاکیزگی کے احکام میں انسان فرشتے کی تقلید نہیں کر سکتا۔ انسان پیٹ رکھتا ہے، کھانے پینے، پیشاب، پاخانہ کا محتاج ہے، شہوت اور غضب کی قوت رکھتا ہے، جذبات و داعیات اور امراض و عوارض کا شکار رہتا ہے، بیوی بچوں کے جنجال میں جکڑا رہتا ہے۔ اس لئے فرشتے کا اتباع انسان کے بس کا کام نہیں۔ لوگ کہہ سکتے تھے کہ ہم انسانی کمزوریاں رکھتے ہوئے فرشتے کی منزہانہ زندگی کی تقلید کیسے کریں! اس لئے ضروری تھا کہ رسول انہی جذبات و عوارض انسانیہ کے ساتھ زمین پر آتا۔ اسے بھی وہ تمام معاملات پیش آتے جو ایک عام انسان کو پیش آتے ہیں، تاکہ وہ قوانین الٰہیہ کے مطابق زندگی بسر کر کے دکھاتا کہ کس طرح انسان خدا کے نازل کردہ قوانین پر عمل کرے۔ قدم قدم پر لوگوں کو اپنے قول اور عمل سے ہدایات دیتا اور انہیں سمجھاتا کہ انسان زندگی کی پیچیدہ راہوں سے کس طرح بچ کر صراط مستقیم پر چل سکتا ہے۔ غرضیکہ لفظوں میں نازل کردہ احکام کو عمل کا جامہ پہنا کر امت کے لئے اسوۂ حیات قائم کر دیتا۔ بس یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے صرف کتاب کو ہمارے لئے کافی نہ سمجھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اس کے ساتھ ہم پر لازم کر دیا۔

ابطالِ نظریۂ ثانیہ

اگر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات صرف آپ کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھیں بعد میں حجت

نہیں تو اس کا لازمی نتیجہ ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قیام قیامت تک کے لئے عام نہیں، حالانکہ مندرجہ ذیل آیات اس کی تردید کر رہی ہیں۔

(۱) اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ حکم نزولی عام اور قیام قیامت تک کے لئے ثابت رہیگا اگر ہم پر قرآن حجت ہے تو قرآن کا یہ حکم کیوں کر حجت نہ ہوگا؟

(۲) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (۷-۱۵۸)

(۳) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۲۱-۱۰۷)

(۴) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۴-۲۸)

(۵) تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (۲۵-۱)

(۶) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (۳۳-۴۰)

اور یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ کتاب اللہ کو سمجھنے کے لئے معلم کی ضرورت ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی جدید معلم (رسول) نہیں آسکتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات قیام قیامت تک کے لئے واجب الاتباع ہیں۔

(۷) رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (۴-۱۶۵)
اگر حدیث ہم پر حجت نہیں تو ہم پر اتمام حجت کیسے ہوا؟ جو کہ بعثت سے مقصود ہے۔

دلائل عقلیہ

(۱) کتاب اللہ کے سمجھنے کے لئے معلم الکتاب کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو رسول کیوں مبعوث فرمایا گیا اور حضور کے اہل زمانہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کیوں واجب الاتباع قرار دیا گیا؟ اور اگر معلم کی ضرورت ہے تو ہم ان تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے مستغنی ہو سکتے ہیں، ہم تو خود بخود کتاب اللہ کو سمجھ سکیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے معلم کی ضرورت پڑے، ما الفرق کیا چیز ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہل لسان تھے، محاورات سے واقف تھے، ان کو موقع تنزیل کا مشاہدہ اور شان نزول کا علم تھا، خطاب الٰہی کے مخاطبین اولین تھے اس کے باوجود ان کے لئے تو معلم الکتاب کی ضرورت ہو اور ہمارے لئے کوئی ضرورت نہ ہو؟

(۲) وہ دلیل جو نظریہ اولیٰ کی تردید میں دلائل عقلیہ کے تحت نمبر ۳ میں گذری، یعنی ترجیح امت

جو حدیث کو آج تک قبول کرتی آئی ہے ان سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے یا کہ جان بوجھ کر قرآن کے خلاف سازشیں کرتے رہے ہیں۔ دونوں شقیں خلافِ عقل اور مردود ہیں۔

ابطالِ نظریۂ ثالثہ

منکرینِ حدیث کہتے ہیں کہ حدیث ظنی ہے اور ظن کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔ منکرینِ حدیث کا یہ استدلال محض جہل اور تلبیس ہے لفظ ظن تین معنوں میں مستعمل ہے۔

① اٹکل یعنی بلا دلیل محض گمان اور تخمین۔

② شواہد و قرائن سے ظنِ غالب۔

③ علم یقینی نظری و استدلالی جو دلیل و برہان سے قطعی طور پر حاصل ہوا ہو۔ مندرجۂ ذیل آیاتِ قرآنیہ میں لفظ ظن اسی علم یقینی کے معنی میں مذکور ہے

① الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ (۲-۴۶)

② قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ (۲-۲۴۹)

③ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ (۳۸-۲۴)

④ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ (۷۵-۲۸)

⑤ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ (۸۳-۴)

قرآن نے ظن بمعنی اٹکل و تخمین کی پیروی سے منع کیا ہے۔ احادیث کا سلسلہ محض اٹکل اور تخمین نہیں ہے بلکہ احادیث کو ظنی کے معنی ثانی (ظن غالب) اور معنی ثالث (علم یقینی استدلالی) کے لحاظ سے ظنی کہا جاتا ہے، بہت سی احادیث علم یقینی استدلالی کا فائدہ بھی دیتی ہیں۔ حافظ ابن حجر شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں: وقد يقع فيها اي في اخبار الآحاد المنقسمة الى مشهور وعزيز وغريب ما يفيد العلم النظري بالقرائن على المختار خلافا لمن ابى ذلك والخلاف في التحقيق لفظي لان من جوز اطلاق العلم قيده بكونه نظريا وهو الحاصل عن الاستدلال ومن ابى الاطلاق خص لفظ العلم بالمتواتر وما عداه عنده ظني۔ پھر حافظ نے خبر محتف بالقرائن موجب علم یقینی استدلالی کی چند انواع ذکر کی ہیں۔

① ما اخرجه الشيخان في صحيحيهما مما لم يبلغ حد التواتر وما لم ينتقده احد من الحفاظ ولم يقع التخالف بين مدلوليه.

(۱) المشہور اذا کانت له طرق متباینة سالمة من ضعف الرواۃ والعلل.

(۲) المسلسل بالائمة الحفاظ المتقنین حیث لا یکون غریبا.

پس علم یقینی استدلالی تو ظاہر ہے کہ واجب الاتباع ہے۔ باقی رہیں وہ حدیثیں جو ظن غالب کا فائدہ دیتی ہیں، سو شریعت مطہرہ نے ظن غالب کو یقین کا حکم دے کر واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ شرعی یقین کے لئے ثقہ عادل کی شہادت (کہیں ایک کی، کہیں دو کی اور کہیں زیادہ کی) کافی ہے۔ سو وہ احادیث میں موجود ہے۔ اس لحاظ سے سب احادیث یقینی ہیں۔ ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ مفید علم یقینی استدلالی نہیں۔ یا اس لئے کہ اکثر احادیث میں عقلاً احتمال خطا موجود ہے بشرعاً نہیں۔ غرضیکہ احادیث کو شرعاً ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ جمیع احادیث مفید علم یقینی عقلی استدلالی نہیں اور اکثر احادیث موجب ظن غالب ہیں۔ اور دنیا میں ظن غالب پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، ہم رات دن اپنے جمیع معاملات میں ظن غالب ہی پر عمل کرتے ہیں۔ دوا پیتے وقت شفا کا یقین نہیں ہوتا بلکہ زیادہ مضرت کا احتمال موجود ہے۔ ریل، کار، طیارہ اور بحری جہاز وغیرہ پر سوار ہوتے وقت ہمیں ان کی مشینری کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ مشینری کے تمام پرزہ جات کی درستی کا کوئی یقین نہیں ہوتا۔ راستہ کے حوادث سے محفوظ رہنے کا یقین نہیں۔ طیارہ کے گرنے، ریل کے پٹڑی سے اتر جانے، بحری جہاز کے غرق ہو جانے کا احتمال موجود ہے۔ مع ہذا ہم دن رات ان ذریعوں سے سفر کرتے ہیں۔ بازار سے گوشت خریدتے وقت اس کی حلت کا، دودھ، گھی، اناج، شکر وغیرہ کی پاکیزگی کا، پانی پیتے وقت، غسل اور وضو کرتے وقت اس کی طہارت کا ہرگز کامل یقین نہیں ہوتا اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ مگر پھر ہر معاملہ میں قدم قدم پر ظن غالب کی پٹڑی پر مجبور ہیں۔ ظن غالب کی پٹڑی کو چھوڑ دیا جائے تو انسان دنیا میں زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ سانپ کے پاس جانے سے ہمیں اس کے کاٹنے کا یقین نہیں اور کاٹنے کے بعد مرنے کا یقین نہیں، اسی طرح زہر پی لینے سے موت یقینی نہیں۔ مع ہذا ہم زہر پینے سے بچتے ہیں اور سانپ سے پرہیز کرتے ہیں۔ جب ہم شب و روز ہر معاملہ میں ظن غالب ہی پر عمل کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حدیث کو ظنی ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا جائے۔ قرآن یقینی ہے اور حدیث ظنی، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث کو محض اٹکل اور تخمین سمجھ کر ناقابل عمل قرار دے دیا جائے۔ قرآن کے یقینی اور حدیث کے ظنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا ہر ہر لفظ تواتر سے ثابت ہونے کی وجہ سے یقینی بدیہی ہے۔ حدیث میں چونکہ روایت بالمعنی جائز ہے اس لئے اس کے ہر لفظ کے متعلق قرآن جیسا یقین نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا حدیث یقینی استدلالی یا یقینی شرعی ہے۔ جیسا کہ ماں کا علم یقینی ہے اور باپ کا ظنی، کیونکہ ماں کے متعلق قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ فلاں کی ماں ہے مگر باپ کے بارے میں اس یقین کے ساتھ حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

سمجھنا باپ کا طفیلی مخرین ہے۔

دلیل عقلی

جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیام قیامت تک کے لئے واجب الاتباع ہے، مگر حدیث کا موجودہ ذخیرہ حجت اس لئے نہیں کہ ظنی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جب تعلیمات رسول کریم پر قیامت تک کے لئے واجب الاتباع قرار دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان تعلیمات کی حفاظت کے اسباب کیوں نہ پیدا فرمائے؟ کیا یہ تکلیف ما لا یطاق اور صریح ظلم نہ ہوگا؟ کہ ان اقوال کا اتباع ہم پر لازم کر دیا گیا جن کے علم کی تحصیل ہمارے لئے ناممکن ہے۔ غرضیکہ قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ کے لئے واجب الاتباع تسلیم کر لینے کے باوجود اسے ظنی ہونے کی وجہ سے حجت نہ سمجھنا اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کرنے کے مترادف ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ حدیث تیسری صدی کے آخر میں لکھی گئی ہے صاف دھوکہ دہی ہے کیونکہ خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں حدیث کی کتابت شروع ہو چکی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کتابت حدیث سے منع فرمانا ابتدائی دور میں اس لئے تھا کہ قرآن سے التباس نہ ہو جائے۔ اس وقت میں کتابت قرآن کا عام دستور تھا اور عوام قرآنی اسالیب اور اس کے معجزانہ انداز سے ابھی پورے مانوس نہ تھے۔ کتابت حدیث سے منع کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ حدیث قابل اعتبار نہیں۔ اگر یہ مقصد ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث کے بیان کرنے سے بھی روک دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا فلیبلغ الشاھد منکم الغائب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اس کے بعد زمانہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں احادیث بیان کرنے کا عام رواج تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خدمت پر بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ پہلے قرآن پر نظر کروں گا، پھر آپ کے قول و عمل سے استدلال کروں گا، پھر اجتہاد سے کام لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پر مسرت کا اظہار فرما کر حجیت حدیث کی تصدیق فرمادی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے "تسمعون ویسمع منکم ویسمع ممن یسمع منکم" (ابو داؤد، کتاب العلم) شروع میں اگرچہ عام کو اختلاط بالقرآن کے خوف کی وجہ سے کتابت حدیث کی اجازت نہ تھی۔ تاہم خاص خاص لوگوں کو کتابت کی اجازت تھی، طبقات ابن سعد میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص کا واقعہ مذکور ہے کہ آپ نے خدمت نبوی میں عرض کیا کہ جو حدیثیں میں نے آپ سے بالمشافہ سنی ہیں ان کے لکھنے کی اجازت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ پھر عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ صرف

حالت رضا کی باتیں لکھوں یا حالت غضب کی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دہن مبارک کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس منہ سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلتا چنانچہ انہوں نے احادیث نبویہ کو جمع
کیا اور اس کا نام "الصادقہ" رکھا، یہی واقعہ ابوداؤد کتاب العلم میں بھی ہے، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
فرماتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد نہیں، مگر عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما لکھا کرتے تھے اور
میں نہیں لکھتا تھا۔ "انه کان یکتب ولا اکتب" (بخاری ج۱) مستدرک حاکم سے
معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا لکھا ہوا ذخیرہ موجود تھا،
چنانچہ حسن بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک حدیث سنائی
تو آپ نے اس کا انکار کیا اور فرمایا اگر تم نے مجھ سے یہ حدیث سنی ہے تو میری کتابوں میں موجود ہوگی
چنانچہ آپ نے اپنی کتابوں میں تلاش کی تو یہ حدیث مل گئی۔ اس مقام پر منکرین حدیث نے دو اعتراض
کئے ہیں۔ (۱) بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عبداللہ
بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم حدیث زیادہ تھا۔ حالانکہ روایات کا ذخیرہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے زیادہ منقول ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری کی روایت میں استثناء منقطع ہے۔ اس لئے اس کا ماقبل
جملہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ نیز کثرت علم کثرت روایت کو مستلزم نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد
عبداللہ بن عمرو زیادہ تر شام میں رہے ہیں۔ اور ابوہریرہ کا قیام مدینہ منورہ ہی میں رہا ہے۔
چونکہ دور اول میں علم کا مرکز مدینہ ہی تھا۔ لوگ تحقیق مسائل میں مدینہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔
اس لئے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایات بیان کرنے کا زیادہ موقع ملا۔ (۲) مستدرک حاکم میں
ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لکھی ہوئی حدیثیں موجود تھیں اور بخاری میں ہے "ولا اکتب" اس کا
جواب یہ ہے کہ ابوہریرہ خود لکھنا نہ جانتے تھے۔ ان کے پاس جو ذخیرہ تھا وہ دوسروں سے لکھوایا
گیا تھا۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۱۸۴)۔

جب لوگ قرآن کے معجزانہ اسلوب سے بخوبی واقف ہوگئے تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
نہ صرف کتابت حدیث کی اجازت دی بلکہ لکھنے کا حکم دیا۔ اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دینی
مسائل اور پیغمبرانہ ہدایات خود لکھوائیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد
فرمایا اور ابو شاہ یمنی کی درخواست پر وہ خطبہ لکھوا کر انکو دیا۔ (مفتاح السنہ بخاری)
عمرو بن حزم کو یمن بھیجتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مفصل تحریری ہدایت نامہ دیا جس میں
صدقات، دیات، فرائض وغیرہ کے احکام تھے (مفتاح السنہ مصری ص)

مسلم بن الحارث کے والد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت لکھ کر دی (ابوداؤد) طائف کے ایک شخص نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ان کی ایک کتاب سنائی تھی۔ (ترمذی کتاب العلل) خطیب کی روایت کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا مجموعہ تھا۔ حضرت انس اپنی اولاد کو کتابت حدیث کا حکم دیا کرتے تھے (دارمی ص۶۸) ابن عبدالبر نے جامع میں عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب دکھا کر قسم کھائی اور کہا کہ عبداللہ بن مسعود کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بعض احادیث کو صحیفہ کی صورت میں اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔

بعض کثیر الروایات صحابہ مثلاً ابوہریرہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، براء بن عازب اور انس بن مالک وغیرہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی مرویات کو ان کے شاگرد ان کے سامنے بیٹھ کر لکھا کرتے تھے (دارمی ص۶۸ و ۶۹، تہذیب التہذیب ج۴ ص۱۹۸، کتاب العلل للترمذی)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمال حکومت کے لئے زکوٰۃ اور صدقات کے احکام لکھ کر رکھے تھے موطا امام محمد صفحہ ۱۳۵ و ۱۳۹ و ۱۵۱ و ۲۰۵ پر اس قسم کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اگرچہ کتابت حدیث ثابت ہے مگر اس زمانہ میں حفظ صدور پر زیادہ زور تھا، عرب کے لوگ حافظ اور ذہین تھے، طویل طویل قصیدے مختلف مضامین کے انہیں یاد ہوتے تھے۔ اونٹوں اور گھوڑوں کے نسب تک انہیں حفظ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ان لوگوں نے خصوصیت سے دل لگا کر حفظ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو واجب الاتباع جان کر اس کی حفاظت کی۔ صحابہ کے بعد تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا زمانہ آیا، انہوں نے دنیائے اسلام کے بعید سے بعید گوشے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو کمال حفاظت کے ساتھ پہنچایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اگرچہ متفرق یادداشتیں لکھی ہوئی تھیں، مگر حدیث کی کوئی مرتب کتاب نہ تھی۔ پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبدالعزیز (المتوفی سنہ ۱۰۱ھ) نے مدینہ منورہ کے والی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا: انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذهاب العلماء (مفتاح السنۃ ص۱۶)

اور ان کو یہ بھی لکھا کہ عمرہ بنت عبدالرحمن انصاریہ (متوفاۃ سنہ ۹۸ھ) اور القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق (متوفی سنہ ۱۰۷ھ) کی احادیث کے جو مجموعے ہیں وہ لکھ کر ان کے پاس بھیجیں۔ اسی طرح دوسرے بڑے شہروں مثلاً کوفہ، بصرہ، شام اور یمن وغیرہ میں بھی اپنے عمال کو تدوین حدیث کے لئے لکھا۔ امام محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری المدنی (متوفی سنہ ۱۲۴ھ) بھی انہی لوگوں میں سے تھے جن کو تدوین حدیث کے متعلق لکھا گیا تھا۔ (مفتاح السنۃ)

للذكر مثل حظ الانثيين
ولكل جعلنا موالي مما ترك الوالدان والاقربون
ارغام العنيد
في
ميراث الحفيد
پوتے کی میراث
اصول وراثت پر منکرین حدیث کے اعتراضات کے جوابات

پوتے کی میراث

سوال: بیٹے کی موجودگی میں یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ آجکل پنجاب اسمبلی میں زیر غور ہے اس لئے اخبارات میں مختلف لوگ اس مسئلہ پر اپنی آراء ظاہر کر رہے ہیں۔ چنانچہ اخبار آثار، زمیندار اور ڈیلی نیشن کی اشاعت میں ایک مضمون بعنوان اجماع علماء شائع ہوا ہے جس میں شریعت مطہرہ کے قانون کے خلاف پوتے کی وراثت کو بزور ثابت کیا گیا ہے۔ لہٰذا جناب سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ پر تفصیلی دلائل سے روشنی ڈال کر جواب تحریر فرماویں۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

منکرین حدیث کا اصل مقصد قرآن کریم کے قطعی فیصلے کے خلاف بیٹے کی موجودگی میں یتیم پوتے کی وراثت کو ثابت کرنا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ فاضل مضمون نگار نے بے ضرورت بحث (اسنکر اجماع کا ذہبی) کو تو کافی طول دیا مگر اپنے اصل مقصد پر جس پر صرف ایک مجمل جملہ لکھ کر اس کی مدد سے تشریح کرنے کی بھی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے بعد علم الفرائض کے بعض مسائل پیش کر کے ان پر وہ دیرینہ اعتراض دہرائے ہیں جو منکرین حدیث کے قائد اسلم جیراجپوری اور ان کے ہمنواؤں کی طرف سے طلوع اسلام وغیرہ کے صفحات پر بارہا شائع ہو چکے ہیں اور پھر علماء حق کی طرف سے ان کا مسکت جواب دیا جا چکا ہے۔ غرضیکہ مضمون نگار نے اصل مقصد پر صرف ایک مجمل جملہ لکھ دینا کافی سمجھا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں "قرآن اس اصول وراثت کو بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ قریب کے رشتہ دار کو بعید کے رشتہ دار سے پہلے ورثہ ملے گا لیکن علماء اپنے بنائے ہوئے اصول کی لاج رکھنے کی خاطر اس کا مفہوم یہ قرار دیتے ہیں کہ قریب کا رشتہ دار دور کے رشتہ دار کو محروم کر دیتا ہے اسے عجب حیران کرتے ہیں۔"

آپ نے یہ تو لکھ دیا کہ قرآنی اصول کے بموجب قریب کے رشتہ دار کو بعید کے رشتہ دار سے پہلے ورثہ ملے گا مگر "پہلے ورثہ ملنے" کے مفہوم کی تشریح وتفصیل سے بالکل پہلو تہی کی ہے جو دیانت کے قطعاً منافی ہے، میں اس وقت صرف "پہلے ورثہ ملنے" کا مفہوم متعین کرنا چاہتا ہوں۔ غالباً مضمون نگار کو بھی اس سے اتفاق ہوگا کہ "پہلے ورثہ ملنے" کا مفہوم یہ نہیں کہ قریب کا حصہ صبح کے وقت ملے اور بعید کو شام کے وقت۔ بلکہ اس کا مفہوم صرف یہی ہو سکتا ہے کہ قریب کا حق بعید سے زیادہ ہے اور یہ "الاقرب فالاقرب" کا قانون آیۂ کریمہ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا سے مستنبط ہے، پس قرآن کریم کا یہی اصل قانون ہے جسے خود مضمون نگار نے بھی تسلیم کیا ہے، البتہ وارثوں ذوی الفروض وعصبات میں جاری ہوگا۔ الحکم الکبیر نے ذوی الفروض کے حصے متعین کرنے میں اسی قانون کو ملحوظ رکھا ہے۔ قریب کا حصہ بعید

سے زیادہ رکھا گیا ہے۔ ممکن تھا کہ عقل انسانی کسی خاص صورت کو اس قانون قدرت کے خلاف سمجھنے لگے۔ لہٰذا اس کی تسکین کے لئے ارشاد فرمایا ﴿اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾۔ جس طرح ذوی الفروض کے سہام معین کرنے میں اس قانون کا لحاظ ہے ایسے ہی عصبات کی توریث میں بھی یہی قانون ملحوظ ہے فرق صرف یہ ہے کہ ذوی الفروض کے سہام چونکہ معین ہیں اس لئے قریب کا سہم بعید سے زیادہ کر کے قریب کو ترجیح دے دی گئی۔ اس کے برعکس عصبات کے سہام معین نہ ہونے کی وجہ سے الا بایں صورت کی ترجیح ناممکن ہے کیونکہ ان کا کوئی حصہ مقرر نہیں کہ بعض کا حصہ بعض سے زیادہ رکھ دیا جاتا بلکہ قرآن کریم میں صاف ارشاد ہے کہ ذوی الفروض سے جو کچھ بچے وہ عصبات پر ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ تقسیم کر دیا جائے۔ لہٰذا یہاں قریب کو مقدم رکھنے کی صرف یہی صورت ممکن ہے کہ بعید کو بالکل محروم کر دیا جائے۔ اس بیان سے واضح ہو گیا کہ عصبات کے بارہ میں فقہاء کا مقرر کردہ قانون (قریب کی موجودگی میں بعید محروم) قرآنی قانون سے مخالف نہیں بلکہ عین وہی قانون ہے جو قرآن میں ہے۔ یعنی قریب کا بعید سے زیادہ حق ہو گا۔ عصبات میں اس قانون کا اجراء کرنے والے فقہاء نہیں بلکہ یہی قانون حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے جیسا کہ بخاری میں ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی صاف الفاظ میں اس کی تشریح کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحقوا الفرائض باہلہا فما بقی فہو لاولٰی رجل ذکر (بخاری کتاب الفرائض) یعنی ذوی الفروض کو ان کے سہام دینے کے بعد جو کچھ بچے، وہ سب کا سب عصبات میں سے اس شخص کا حق ہے جو سب سے زیادہ قریب ہو۔ بخاری ہی میں ایک جلیل القدر صحابی کاتب الوحی حضرت زید بن ثابت کا یہ قول بھی منقول ہے: قال زید ولد الابناء بمنزلۃ الولد اذا لم یکن دونہم ولد (الی قولہ) ولا یرث ولد الابن مع الابن۔ یعنی بیٹے کی اولاد میت کی اولاد کے قائم مقام اس شرط سے ہو سکتی ہے کہ میت کی اولاد میں سے کوئی فرد بھی نہ ہو اور فرمایا کہ کسی بیٹے کی موجودگی میں کوئی پوتا وارث نہیں ہو سکتا۔ اگر ذوی الفروض کی طرح عصبات میں بھی قریب کو زیادہ اور بعید کو کم دینے کے اصول پر عمل کیا جاتا تو اس کی بیشی کا معیار کیا ہوگا؟ اگر اپنے خیال اور عقل ہی سے بیٹے کے لئے ⅔ اور پوتے کے لئے ⅓ معین کر دیا جائے تو گویا اس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ آج تک نعوذ باللہ قرآن ناقص تھا جس کی تکمیل جیراجپوری اور اس کے متبعین نے کی ہے۔ اور اگر بیٹے اور پوتے کو مساوی حصہ دینا چاہتے ہیں تو یہ آپ ہی کے بیان کردہ قرآنی قانون (قریب کو بعید سے پہلے ورثہ ملے گا) کے خلاف ہے۔ میں فاضل مضمون نگار سے مؤدبانہ التماس کروں گا کہ آپ اپنے ہی بیان کردہ قرآنی قانون کے مطابق بیٹے اور پوتے یا دوسرے عصبات میں تقسیم ترکہ کے متعلق فقہاء کی بیان کردہ صورت کے علاوہ کوئی دوسری

صورت پیش کریں۔ امید ہے کہ جواب سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ پوتے کی وراثت کے بارہ میں یہ سوچنا ضروری ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی زندگی میں اس کی وراثت کا مالک یا حق کا دعویدار ہے یا نہیں؟ اگر ایسا ہے تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس بیٹے کا بیٹا اپنا حق دار ہے یا نہیں؟ مگر ایسا نہیں بلکہ اس کے برعکس ہے یعنی بیٹا اپنے باپ کی زندگی میں بالکل اس شخص کی مانند ہے جس کو صاحب جائداد کہا ہی نہیں جا سکتا تو ایسی صورت میں اس بیٹے کے بیٹے (پوتے) کے حقوق کا سوال ہی فضول ہے۔

زید
عمرو — بکر — خاتون
خالد (ابن عمرو)

مندرجہ بالا صورت میں زید کی موجودگی میں عمرو اس کے کسی مال کا حقدار ہی نہیں۔ جب عمرو حقدار نہیں تو خالد کے حقدار ہونے کا سوال ہی باطل ہے جس چیز کو عمرو اپنی زندگی میں حاصل نہیں کر سکا اس کے لئے اس کا بیٹا کیسے دعویٰ کر سکتا ہے؟ معترضین نے لفظ ولد میں وسعت پیدا کر کے اس سے بیٹا، پوتا اور پڑپوتا مراد لیا ہے اور بیٹی کو سرے سے چھوڑ دیا ہے حالانکہ ایسا کرنے کے بعد کسی قاعدہ کی رو سے جب لفظ ولد سے بیٹی کو نکال دیا جائے تو پوتا کسی صورت ولد کے ضمن میں نہیں آ سکتا۔ دوسری جگہ لفظ اقرب پر جس خیال کا اظہار کیا گیا ہے وہ بھی عجیب ہے۔ ذرا خیال فرمائیں کہ زید کی موت کے بعد صرف خاتون (لڑکی) اور بکر (لڑکا) زندہ ہیں۔ عمرو اس کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا۔ اگر عمرو کو اس کی موت کے بعد بھی "اقرب" میں شامل کیا جا سکتا ہے تو زید کی اپنی ذات اس سے بھی زیادہ قریب ہے لہٰذا اگر ایسا کر لیا جائے تو نقص ہوگا جو نظام حیات پر مبنی ہے درہم برہم ہو جاتا ہے۔ پس نہ عمرو کو کسی حالت میں بھی اقرب میں شامل کیا جا سکتا ہے نہ اس کے بیٹے خالد کا اقربا میں شامل ہونا ہی بے بنیاد ہے۔ صرف بکر اور خاتون ہی اقرب میں شامل ہونے کے مستحق ہیں۔

اس کے بعد لفظ "قائم مقام" پر اس طریقے سے بحث کی گئی ہے جو سیدھے لوگوں کی گمراہی کا موجب بن سکتی ہے۔ حالانکہ قائم مقام اور وراثت میں جو فرق ہے اس کو ہر تھوڑی بہت سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے۔ مثلاً اب حال ہی میں جسٹس ایس اے رشید صاحب غلام محمد گورنر جنرل کے قائم مقام تھے۔ مگر وارث نہیں تھے۔ لیکن ان کا لڑکا وارث تھا مگر قائم مقام نہیں بن سکتا تھا گو وہ قائم مقام ہو سکتا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ وارث قائم مقام ہو سکتا ہے مگر ہر قائم مقام وارث نہیں ہو سکتا۔ باقی رہا یتیم پوتے کی پرورش کا سوال تو شریعت اسلامیہ نے اپنے مال سے ۱/۳ حصہ کی حد تک وصیت کرنے کی اجازت دی ہے۔ پس دادا بطور وصیت کے اپنے پوتے کی پرورش کا انتظام کر سکتا ہے بلکہ خود اپنی زندگی میں بھی مناسب ملکیت پوتے کو دے کر اس کو معاشی مشکلات سے بچا سکتا ہے۔ اگر بالفرض دادا نے پوتے کو کچھ نہ دیا اور نہ ہی وصیت

کی تربیت اس یتیم کا دادا ہے اور اس کی پرورش کے جملہ مصارف چچا پر شرعاً لازم ہیں۔ فقط
واللہ الہادی الی سبیل الرشاد

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

سوال: آج کل پنجاب قانون ساز اسمبلی میں یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ پیش ہونے کی وجہ سے اس موضوع پر عام اخباروں، پمفلٹوں اور رسالوں میں مختلف قسم کے مضامین تردید اور تائید میں متواتر شائع ہو رہے ہیں۔ آنجناب کی نظر انتقاد سے امید ہے کہ اس موضوع پر مدلل اور مفصل مضمون تحریر فرما کر تحقیق حق فرمائیں گے۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یتیم پوتے کے متعلق قرآن، حدیث اور اجماعِ امت کے اٹل فیصلے کے خلاف جو لوگ میدان میں نظر آ رہے ہیں ان کا اصل مقصد حدیث کا انکار کر کے سارے اسلامی نظام کو درہم برہم کرنا اور ہر طرح سے آزادانہ زندگی گذارنا ہے، یہ لوگ منکرین حدیث ہیں اور اصولی طور پر مسلمانوں سے ایک علیحدہ نظریہ رکھتے ہیں، اس لئے رات دن مسلماتِ دین میں سے ایسے مسائل کی تاک میں رہتے ہیں جن کو پیش کر کے کچھ نہ کچھ رنگ آمیزی کر کے ہمدردی اور جذباتی قسم کے الفاظ کا سہارا لے کر سادہ لوح عوام کے سامنے سنتِ نبویہ اور چودہ سو سالہ نظامِ شریعت و اجماعِ امت کا تمسخر اڑایا جا سکے۔ یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، لہٰذا ان لوگوں کے ساتھ کسی خاص جزئی میں گفتگو کرنا فضول ہے، اگر ایک جزئی کا فیصلہ ہو بھی گیا تو دوسرا مسئلہ شروع ہو جائے گا، اس لئے ان کا مقابلہ اصولی طور پر ضروری ہے۔ چنانچہ حجیتِ حدیث کے بارہ میں ہم ایک مدلل و مبسوط رسالہ "فتنۂ انکارِ حدیث" شائع کر چکے ہیں۔

سنتِ نبویہ اور نظامِ فقہ و قانونِ اسلامی کے بارہ میں دین کے دشمنوں اور منکرینِ حدیث ملحدین نے یہ پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے کہ یہ سارا علم صرف چند ملاؤں کے ڈھکوسلے ہیں جو پرانی کتب میں لکھے چلے آ رہے ہیں اور بعد کے لوگ ان کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو کر لکیر پیٹتے جا رہے ہیں۔ موجودہ تعلیم یافتہ طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ منکرین حدیث کا یہ تصور محض بازاری خرافات کی حیثیت رکھتا ہے، یہ نظامِ اسلامی اور قانونِ فقہ جو ہماری درسگاہوں کے نصاب سے خارج اور ہماری لائبریریوں و عمومی مطالعہ سے باہر ہو چکا ہے کچھ عرصہ قبل یہی قانونِ فقہ اسی طرح نافذ تھا جس طرح آج ہمارے ملک میں انگلو سیکسن نظام قانون نافذ ہے۔ یہ قانونِ فقہ بادشاہانِ اسلام کی عدالتوں اور پارلیمنٹ میں زیرِ غور و کاوش مرتب ہوا ہے۔ فاضل ججوں اور قانونِ اسلامی کے ماہروں نے اس کے اصولوں کو عدالتوں میں روزمرہ پیش آنے والے مقدمات پر منطبق

گزر کے اور ہر قسم کے نو پید حوادث کو ان قوانین سے حل کر کے اس قانون کا بار ہا امتحان کرنے کے بعد اسے انسانی زندگی کا کامل معیار کر کے ایک خاص وسعت تک پہنچایا ہے۔ یہ مسجد کے حجروں میں نہیں بلکہ حکومت کے ایوانوں میں، یونیورسٹیوں، تحقیقی اداروں اور عدالتوں کے گہواروں میں ٹھیک اسی شان سے پلا ہے جس طرح آج کسی حکومت کا قانون پروان چڑھتا ہے۔ ایک ایک شعبہ میں اس کے اصول متعین کئے گئے ہیں، قسمیں اور تفصیلیں سامنے لائی گئی ہیں۔ ہر بحث میں مصلحت و مضرت کا ہر پہلو زیر نظر رکھا گیا ہے۔ اور منافع و مفاسد کو ملحوظ رکھتے ہوئے ماہرین قانون نے وسیع سرمایہ نظر و فکر کا ڈھانچہ تیار کیا ہے جسے مدتوں تک پیش آنے والے واقعات پر رکھ کر مدون کیا گیا ہے اور اس کے لئے خاص خاص نئی اصطلاحات وضع کی گئی ہیں۔ پھر یہ نہیں کہ ہر قانون دان فقیہ کا نظریہ آنکھ بند کر کے مان لیا گیا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ماہرین قانون فقہاء کے درمیان بڑے بڑے اختلافات موجود ہیں، متفقہ اصولوں پر اجماع کے باوجود تفاصیل میں اختلاف رائے رہا ہے۔ یہاں تک کہ چار بڑے بڑے مذاہب فکر ہماری فقہ میں پیدا ہو گئے ہیں خود ان میں بھی اصولی طور پر اجتہادی اختلاف نمایاں ہے۔

بعد میں جب یہ نظام فقہ متروک ہو گیا تو اس کا نشو و نما اسی طرح رک گیا جس طرح کسی بھی حکومت کا کوئی قانون عملی زندگی سے برطرف کر دینے کے بعد فطری نشو و نما سے رک جاتا ہے۔ لیکن آج بھی اس کے سرچشموں کی دولت اس کے اصولوں کی مضبوطی اور اس کے قابل نشو و نما ہونے میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ کسی بھی حکومت میں فارمولوں اور کلیات کو جب ایک مرتبہ پورے غور و خوض کے بعد اختیار کیا جاتا ہے تو پھر وہ قانون کے پورے نظام پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کو کوئی بھی رائے قائم کرنے، فیصلہ دینے، اجتہاد کرنے یا کسی مقدمہ میں کوئی نظیر پیش کرنے میں پوری طرح مدنظر رکھا جاتا ہے۔ پھر کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کلیات اور فارمولے کہیں نہ کہیں تک ایسے ہیں جا کر جب باہم متأثر ہوتے ہیں تو کچھ نہ کچھ پیچیدگیاں ہر فارمولے اور کلیے کو پیش آتی ہیں لیکن دنیا کے کسی بھی نظام میں یہ حالت نہیں کی جاتی کہ جہاں کوئی پیچیدگی کسی کلیے کی وجہ سے پیش آئی تو اسے چھوڑ کر فوراً کوئی متضاد جدید کلیہ گھڑ لیا۔ بلکہ کلیات اور فارمولوں کے بنیادی ڈھانچے کو برقرار رکھ کر اس کے اندر رہتے ہوئے پیچیدگیوں کو حل تلاش کیا جاتا ہے، بعینہ اسی طرح اجماع کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی نظام قانون کو ایک مستقل ڈھانچہ فراہم کرنے کے لئے نصوص ہی سے اخذ کردہ متفق علیہ کلیات اور فارمولے سامنے لاتا ہے۔ ان فارمولوں کے تعامل سے بعض اوقات جا کر کہیں کہیں پیچیدگیاں بھی نمودار ہوتی ہیں لیکن ان پیچیدگیوں کی وجہ سے اس قانون کو ملائی ڈھکوسلے کا نشانہ بنانا کوئی معقول حرکت ہو سکتی ہے اور نہ ان جزئی چیزوں کی خاطر قانون کے مجموعی ڈھانچہ کو

متفق علیہ ہونے کے ساتھ قرآن مجید کی نصوص صریحہ سے بھی ثابت ہے، مثلاً ترک الوالدان والاقربون،
اور دوسری تمام متعلقہ آیات میراث کی تصریح ہے۔

اصل دوم۔ جب وراثت کا مدار رشتہ قرابت پر ہے تو ساری دنیا اولادِ آدم ہونے کی وجہ سے آپس میں رشتہ قرابت کا تعلق رکھتی ہے، حالانکہ ساری دنیا کو حقِ وراثت کا دلانا عقلاً ممکن ہے نہ کسی مذہب میں اسے قابلِ عمل سمجھا گیا ہے، لہٰذا "الاقرب فالاقرب" کا قانون سامنے آتا ہے یعنی درجۂ قرابت میں جو لوگ مقدم ہیں وہ مؤخرین کو کلاً یا جزءاً محروم کر دیں گے۔ جو لوگ اصولاً وارث ہوتے ہیں ان میں درجۂ قرابت کے تفاوت کی وجہ سے سہام متفاوت ہوں گے۔ استحقاقِ ارث میں قرب و بعد کا تفاوت مندرجۂ ذیل دلائل سے ثابت ہے۔

① یہ تفاوت مسائل متفق علیہا میں سے ہے، نقلی طریقے سے اس کا واجب العمل ہونا اوپر بیان ہو چکا ہے۔
② مثلاً ترک الوالدان والاقربون میں "اقربون" کا لفظ۔
③ علاقۂ حقوق میں زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے والدین کو خاص طور پر قرابت سے جدا ذکر کرنا۔
④ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔
⑤ اجماعِ امت۔

پھر قرب و بعد کے لحاظ سے دو صورتیں ہیں۔
(الف) جب نقصان یعنی قریب کو زیادہ اور بعید کو کم حصہ ملے۔

(ب) جب حرمان یعنی قریب کی موجودگی میں بعید بالکل محروم رہ جائے۔ ذوی الفروض میں یہ دونوں صورتیں موجود ہیں۔ احکم الحاکمین نے ذوی الفروض کے سہام متعین کرتے وقت اپنی حکمت سے قریب کی موجودگی میں بعید کو کلاً یا جزءاً محروم کر دیا ہے، چنانچہ قرب و بعد کے لحاظ سے وارثوں کو تین مراتب پر تقسیم کر دیا گیا ہے۔

(۱) ذوی الفروض ——— (۲) عصبات ——— (۳) ذوی الارحام

اور پھر ہر مرتبہ میں قرب و بعد کے لحاظ سے تین درجات ہیں

(۱) جزءِ میت ——— (۲) اصلِ میت ——— (۳) جزءِ اصلِ میت

عصبات اور ذوی الارحام کے متعلق یہ تقسیم مشہور اور کتب متداولہ میں مذکور ہے۔ لہٰذا ہم یہاں صرف ذوی الفروض کو تین درجات پر تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا درجہ جزءِ میت: اس میں بیٹی، پوتی، خاوند اور بیوی ہیں۔ کیونکہ زوجین میں ولد کی وجہ سے علاقۂ جزئیت پیدا ہو جاتا ہے۔

دوسرا درجہ (اصلِ میت) ماں، باپ، دادا، دادی اور نانی پر مشتمل ہے۔

⑦ ما احرز الولد او الوالد فهو لعصبته من كان (مسند احمد، ابوداؤد)

⑧ فايما مؤمن ترك مالا فليرثه عصبته من كانوا (بخاری، کتاب التفسیر)

⑨ واجعلوا الاخوات مع البنات عصبة (بخاری)

⑩ اجماع امت۔

غرضیکہ عصبات میں قرب وبعد کا لحاظ صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ قریب کی موجودگی میں بعید بالکل محروم رہے۔ بخاری کی روایت مذکورہ الحقوا الفرائض باهلها فما بقي فهو لاولى رجل ذكر بھی صراحۃً اس کی مثبت ہے۔ حقیقی عصبہ صرف مرد ہی ہیں، بہن اپنے بھائی کے ساتھ محض عصبہ بن جاتی ہے بقولہ تعالیٰ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ اور بیٹی کے ساتھ بہن کا عصبہ ہونا صرف حدیث پر مبنی ہے۔

عصبات کی طرح ذوی الارحام کا بھی کوئی حصہ معین نہیں، بلکہ ذیل کے دلائل سے بلحاظ قرب وبعد استحقاق ثابت ہے۔

① وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۔

② لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ لفظ اقربون میں قرابت کا ہر درجہ داخل ہے خصوصاً لفظ للنساء نے ذوی الارحام کے استحقاق کی زیادہ وضاحت کر دی۔

③ الخال وارث من لا وارث له (بخاری)

④ التمسوا له وارثا او ذا رحم (ابوداؤد)

اصل سوم کوئی شخص کسی شخص کی زندگی میں اس کا وارث نہیں ہو سکتا بلکہ مرنے کے بعد استحقاق وراثت ہو سکتا ہے۔ یہ اصل مندرجہ ذیل دلائل سے ثابت ہے۔

① عقل سلیم، اسی لئے جملہ ادیان کا اس اصل پر اتفاق ہے۔

② قانون وراثت سے متعلق نصوص قرآنیہ میں ما ترك، مما تركن، مما تركتم کے الفاظ بار بار وارد ہیں یعنی قانون وراثت کی بحث کا موضوع ہی مال متروکہ ہے۔ نہ کوئی مال کسی کی زندگی میں ترکہ ہو سکتا ہے اور نہ اس مال میں بحیثیت ورثاء کسی کا حق پیدا ہو سکتا ہے۔

③ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ (۴-۱۷۶)

اس میں پوری وضاحت ہے کہ اقرباء کے استحقاق وراثت کا سوال مورث کے مرنے ہی پر پیدا ہوتا ہے زندگی میں نہیں۔ غرضیکہ یہ اصل بھی قطعی ہے کہ کسی کی زندگی میں کوئی دوسرا اس کا وارث قرار نہیں پا سکتا۔ بلکہ

مرنے کے بعد وراثت کا حق پیدا ہوتا ہے۔ برطانوی قانون وراثت بیان ہی حصوں کی طرح زیر عمل ہے۔

اصل چہارم ترکہ میں حق وراثت صرف زندہ وارثوں کا ہوتا ہے۔ مورث سے پہلے مرجانے والے کو ترکہ
کو مورث سے محجوب ہی نہیں کیا جاتا۔ غور کیجئے کہ قانون میراث سے متعلق آیات میں یہ الفاظ ہیں: لِلرِّجَالِ
نَصِيبٌ. لِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ. يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ. فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ.
وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً. إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ. فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ. فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ.
إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ. إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ. فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ. وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ.
فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ. لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ. إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ. فَإِنْ
كَانَتَا اثْنَتَيْنِ. وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً. کیا یہ الفاظ مردہ اور زندہ سب لوگوں کو شامل
ہیں؟ کیا یہ بات صرف زندہ وارثوں کی ہے یا کہ مُردوں کی بھی؟ مذکورہ آیات کے ٹکڑوں کو سامنے رکھ کر
فیصلہ کیجئے کہ "اگر فلاں رشتہ دار ہو" سے یہ مطلب نکالا جا سکتا ہے کہ کبھی پہلے موجود رہا ہو یا "فلاں رشتہ دار
نہ ہو" سے یہ مفہوم بھی پیدا کیا جا سکتا ہے کہ اس قسم کا رشتہ دار سرے سے پیدا ہی نہ ہوا ہو؟ اگر کوئی ایسا معنی
ہو تو ہم اسے عربی زبان و ادب سیکھنے پر توجہ دلائیں گے۔ آج تک کوئی ایک فرد بھی دونوں سے لے کر ایسا پیدا
نہیں ہوا جس نے اس انوکھے اجتہادی مفہوم کی گنجائش کہیں سے ڈھونڈ نکالی ہو۔ اگر اس پر بھی نشۂ اجتہاد نہ
اترے تو ہم ذیل کی نصوص سامنے رکھ کر پوچھیں گے کہ ان پر آپ کا مفہوم کس طرح منطبق ہو سکے گا۔

① وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ. کلالہ اسے کہتے ہیں جس کا
نہ باپ زندہ ہو نہ بیٹا۔ تو کیا یہاں یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص بے باپ کے عیسیٰ علیہ السلام کی طرح
پیدا ہوا ہو۔ ظاہر ہے کہ باپ تھا اور مر گیا۔ لہٰذا اس کے وارث ہونے کا سوال خارج از بحث ہے۔

② وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ. کیا والدین مردہ ہونے کی
صورت میں بھی وارث ہوں گے اور مردہ ماں بھی ثلث حصہ حاصل کرے گی؟

③ حدیث "الْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ" (ابوداود) میں کیا "من لا وارث له" سے یہ
مراد ہے کہ سرے سے اس کا کوئی وارث پیدا ہی نہ ہوا ہو یا کہ یہ مطلب ہے کہ ماموں کے سوا کوئی دوسرا
وارث زندہ نہ ہو؟ نیز کیا خال سے مراد ایسا خال بھی لیا جا سکتا ہے جو مورث سے پہلے فوت ہو گیا ہو۔

④ عن بريدة رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم جعل للجدة
السدس إذا لم تكن دونها أم (ابوداود) کیا "إذا لم تكن دونها أم" سے یہ مراد لیا جا سکتا
ہے کہ سرے سے ماں پیدا ہی نہیں ہوئی؟ یا کہ صاف صاف یہ مطلب ہوگا کہ ماں تو تھی لیکن مورث سے پہلے

کے دعا گو کو پاش پاش کر دے گا۔ منکرین حدیث یہ نہیں سوچتے کہ اولاً تو یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ صد ہا میں کوئی ایک آدھ
ہی پیش آتا ہے اور پھر کسی صورت میں یہ ہوتا ہے کہ پوتا برسرِ روزگار اور مستقل آمدنی کا مالک ہوتا ہے یا اپنے والد سے علیحدہ کام
کر رہا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں دادا اپنی زندگی میں جس قدر چاہے یتیم پوتے کو دے سکتا ہے بلکہ قرآن و حدیث نے بھی اس
کی ترغیب دی ہے اور ساتھ ہی خاندانی قرابت کے جذبات بھی اس کے مؤید ہوتے ہیں۔ اگر زندگی میں نہ دے سکا تو
ثلث مال تک وصیت کر سکتا ہے۔ پھر تعجب اس پر ہے کہ ان لوگوں کی نظرِ رحم صرف یتیم پوتے ہی پر مرکوز ہے۔
اس طرف قطعی توجہ نہیں جاتی کہ انتقال دادا کے وقت بھائی اپنی بہنوں سے اور بیٹے اپنی والدہ سے دستبرداری
کے بیان دلا دیتے ہیں اور رشوت خود فریبی تخفیف کر کے سب کچھ ہڑپ کر لیتے ہیں۔ اگر آپ میں ایسا ہی جذبۂ رحم موجزن
ہے تو ایسی ہی بیچاری ماؤں اور بہنوں کے متعلق کیوں قانون پاس نہیں کراتے؟ حالانکہ مستورات کے حقوق کی
حفاظت کے متعلق ارشاد ہے وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ قرآن کریم میں
ہر جگہ مردوں کے احکام میں ضمناً عورتوں کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ مگر یہاں اہتمام کے لئے عورتوں کا حکم مستقل
بیان فرمایا اور پھر مزید تاکید کے لئے نَصِيبٌ مِّنْهُ کی بجائے نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ
کو مکرر لایا گیا۔ پھر نَصِيبًا مَّفْرُوضًا سے واضح کر دیا کہ مستحق کو اس کا حصہ بعینہٖ پہنچا دینا فرض ہے۔ نیز اس میں
اس پر بھی دلیل ہے کہ وارث اگر اپنا حصہ لینے سے انکاری کرے تب بھی اس کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ قرابت
کی علی الاعلان خلاف ورزی کی جاتی ہے مگر اس کے متعلق جذبۂ رحم کی رگِ حمیت نہیں پھڑکتی۔ حالانکہ ان کی گودوں میں
بسا اوقات یتیم ہوتے ہیں۔ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا
وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا۔ خود یتیم پوتے کی بھی ہمدردی یہ ہے کہ قرآن کے نصوص اور اٹل قانون کو ٹھکرانے کے
بجائے مستورات کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ یتیم پوتے کی والدہ کو جب کئی طرف سے حصے ملیں گے تو وہ خوشحال ہوگی اور کسی کا
دست نگر نہ رہے گا۔ علاوہ ازیں اگر یتیم پوتا محتاج ہو تو جب تک وہ نابالغ ہے یا بالغ ہو تو اس کے مصارف تو
اس کے چچا پر واجب ہیں۔ اگر خدانخواستہ کوئی صورت بھی نہ ہو سکے تو بیت المال جو مساکین اور محتاجوں کے مصارف
کا کفیل ہوگا۔ اسلامی قانون کو مکمل طور پر جاری نہ کرنے کی وجہ سے اگر کسی یتیم بچے آفت میں مبتلا ہوں تو
ظاہر ہے کہ اس کی ذمہ داری قانون اسلامی کی بجائے اس قانون ساز مجلس پر ہے جس کے ہاتھ میں اس کا نفاذ ہے۔
پس آپ کو اگر واقعی یتیم پوتے پر شفقت ہے تو اسلامی قانون پاس کروائیے۔

مندرجہ بالا صورتوں سے معلوم ہو گیا کہ منکرین حدیث کا یہ سوال کہ یتیم پوتے کی معاش کی کیا صورت
ہوگی؟ بالکل باطل ہے۔ قانون وراثت یا وصیت تمام انسانوں کے گزارہ کا ذمہ دار نہ عقلاً ہو سکتا ہے نہ شرعاً
اگر لوگوں کے معاش کا مدار وراثت ہی پر رکھا جاتا تو کروڑوں انسان ایسے ہیں جن کے مورث کچھ بھی ترکہ نہیں چھوڑتے

سو جو نظام ان کی معاش کا ہوگا وہی یتیم پوتوں کی معاش کا بھی ہو جائے گا۔

صورت دوم۔ شریعت کے قانون میراث میں تقدم و تاخر کا ضابطہ ہی ختم کر دیا جائے تو یتیم پوتا بیٹوں کے ساتھ شامل ہو کر میراث پائے گا۔ یہ صورت اصل دوم یعنی "الاقرب فالاقرب" کے قانون سے ٹکراتی ہے نیز اس اجتہادی اقدام کا اثر سارے ہی نظام قانون کو اپنی لپیٹ میں لے لیگا یعنی جب کسی میت کے مرنے سے اس کے تمام زندہ رشتہ دار یکساں وارث ہوں گے، خواہ درجہ قرابت میں کتنا ہی تفاوت ہو اس صورت کے اختیار کرنے میں اجتہاد کیا خود نصوص پر پانی پھر جائے گا۔

صورت سوم۔ یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم۔ لفظ اولاد کے تحت بیٹوں، پوتوں، پڑپوتوں سب کو جمع کر دیا جائے اور سب کو ایک ہی درجہ میں رکھ کر ان پر علی السویہ تقسیم کی جائے۔ یہ اجتہادی تجویز بھی اصل دوم یعنی "الاقرب فالاقرب" کے قاعدہ کلیہ سے بالصراحت ٹکراتی ہے۔ علاوہ ازیں اولاد عربی لغت اور محاورہ میں حقیقۃً بلاواسطہ اولاد کے لئے بولا جاتا ہے۔ اگرچہ کبھی توسعاً اولاد کی اولاد پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے، جیسے فان لم یکن لہ ولد ولا ولد میں لفظ ولد عام ہے (روح المعانی)۔ یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم میں لفظ اولاد کو عام لینا اصولی طور پر معقول ہے کہ قریب و بعید کو یکساں حصہ ملے اور نہ ہی جمہور امت نے قرآن کا یہ مطلب سمجھا بلکہ کہیں ایسا عمل ہوا اور نہ پوری امت محمدیہ میں کوئی اس کا قائل ہے۔ آپ جب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ والد کی موجودگی میں پوتا اپنے دادا کا وارث نہیں ہے کیونکہ اقرب یعنی اس پوتے کا والد جو اصلی وارث ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ پوتے کو ولد کے وسیع مفہوم میں داخل کرنا مجاز ہے درحقیقت بیٹے کی موجودگی میں مجاز کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا۔ اگر ولد کے مفہوم میں پوتا حقیقۃً داخل ہے تو بیٹے کی موجودگی میں پوتے کو ضرور حصہ ملنا چاہئے۔

صورت چہارم دونوں طریقوں کی طرح بیٹے اور پوتے میں قرب و بعد کا لحاظ رکھتے ہوئے بیٹے کو زیادہ حصہ دیا جائے اور پوتے کو کم۔ یہ صورت بھی اصل دوم سے ٹکراتی ہے۔ اصل دوم میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ عصبات میں جب متعدد افراد ہوں تو ان کا حصہ متعین ہونے کی وجہ سے انہیں "الاقرب فالاقرب" کا قانون جاری کرنے کی صرف یہ صورت ہے کہ قریب کی موجودگی میں بعید بالکل محروم رہے۔ اگر بجائے الاقرب فالاقرب کے بیٹے اور پوتے کو کم و بیش حصہ دینا چاہتے ہیں تو اس کمی بیشی کا معیار کیا ہوگا؟ اگر اپنی طرف سے کوئی معیار مقرر کیا جائے مثلاً بیٹے کو ۲/۳ اور پوتے کو ۱/۳ دیا جائے تو کیا یہ قرآن پر زیادتی نہ ہوگی؟ کیا نشۂ اجتہاد میں عصبات کے متعلق "للذکر مثل حظ الانثیین" میں بیان کردہ غیر متعین حصص کو متعین کرنے اور قرآن کے اٹل قانون کی مخالفت کرنے کی گنجائش ہے؟ پھر ہم یتیم پوتے کو ظلم سے بچانے کے مدعیوں سے پوچھتے ہیں کہ جب بعید کو قریب کے حصہ میں شریک قرار دیا گیا تو کیا اس میں قریب پر ظلم نہیں کہ یتیم پوتے کو تو حصہ دیا گیا مگر

زندہ بیٹے کی اولاد کو محروم کر دیا گیا جو درحقیقت یتیم پوتے کے مساوی ہے اور ان کے باپ کو جو کچھ ملتا ہے وہ
حقیقت میں ان کو نہیں ملا اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ آئندہ بھی وہ ان کو نہ ملے اور ملا بھی تو اپنے والد کے ترکہ کی
حیثیت سے ملے گا جس سے یتیم پوتا بھی محروم نہیں۔ الغرض یتیم پوتے پر رحم کھا کر قانون شرعی میں ترمیم کرنا بہت
سے لوگوں پر بے رحمی کا سبب بنے گا اور سب سے بڑا ظلم اپنے نفس پر ہوگا کہ حق تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کے اٹل قانون میں دست اندازی کرتے ہیں۔

صورت پنجم۔ نظریہ قائم مقامی یعنی جو تعلق بالواسطہ ہونے کی وجہ سے مرتبہ ثانی پر ہوتا ہے وہ واسطہ کے
بیچ میں سے ہٹ جانے پر مرتبہ اول پر آجاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فقہاء متقدمین نے خود قائم مقامی کا نظریہ تسلیم کیا
ہے جیسے حضرت ابوبکر و ابن عباس کے قول "الجد اب" کے تحت باپ کا حصہ دادا کی طرف منتقل ہو جاتا ہے
جب باپ کی خالی جگہ کو دادا پُر کر سکتا ہے تو بیٹے کی خالی جگہ کو پوتا کیوں پُر نہیں کر سکتا۔ یہ صورت بھی اصل دوم
سے ٹکراتی ہے اور پوتے کو دادا پر قیاس کرنا باطل ہے۔ چچا کی موجودگی میں پوتے کو بیٹے کا قائم مقام کر کے
چچا کے برابر کر دینے سے "الاقرب فالاقرب" کا قانون ٹوٹ جاتا ہے اور دادا کو باپ کے قائم مقام
کرنا اس قانون کے مطابق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص کے بیٹے متعدد ہو سکتے ہیں، مگر باپ متعدد
نہیں ہو سکتے تاکہ یہ سوال پیدا ہو کہ متعدد باپوں میں سے ایک باپ کے مرنے پر اس کا باپ اس کا قائم مقام
ہو کر دوسرے باپوں کے ساتھ شریک ہو سکتا ہے یا نہیں۔ "الاقرب فالاقرب" کے قانون کا حاصل یہ ہے
کہ درجہ اول میں سے جب تک کوئی فرد بھی موجود ہو درجہ دوم کا کوئی شخص بھی وارث نہ ہوگا۔ درجہ اول
میں سے اگر کوئی موجود نہیں تو درجہ دوم کے افراد درجہ اول کے قائم مقام ہوں گے۔ یہی قانون اصول اور
فروع میں دونوں طرف جاری ہوتا ہے۔ لہٰذا جب تک کوئی بیٹا موجود ہوگا پوتا وارث نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ اصول
میں بھی جب دادی فوت ہو گئی ہو اور لڑکی کی ماں زندہ ہو اور نانی بھی موجود ہو تو دادی کی ماں کو دادی کے قائم مقام
کر کے نانی کے ساتھ سدس میں شریک نہیں کیا جاتا اور باپ چونکہ ایک ہی ہو سکتا ہے اس لئے اس کی عدم
موجودگی میں درجہ اول خالی ہونے کی وجہ سے درجہ دوم میں سے دادا کو اس کا قائم مقام کر کے میراث دلائی جاتی
ہے۔ بالفرض اگر باپ کے مرنے پر دادا کو اس کا قائم مقام اس لئے کیا جاتا ہے کہ درجہ اول خالی ہے اور چچا کی
موجودگی میں پوتے کو بیٹے کا قائم مقام اس لئے نہیں کیا جا سکتا کہ درجہ اول خالی نہیں بلکہ اس میں چچا
(میت کا بیٹا) موجود ہے۔ اگر چچا نہ ہو تو پوتا بھی بیٹے کا قائم مقام ہوگا۔ منکرین حدیث نے عجیب ضابطہ
ایجاد کیا ہے کہ وہ اصحاب وراثت جو میت کی طرف بالواسطہ منسوب ہوں واسطے کے فوت ہو جانے پر اصل واسطہ
کے قائم مقام ہو کر میت کا اقرب بن جاتا ہے ؎ بریں عقل و دانش بباید گریست

تمام اہل عقل کے نزدیک بھی رشتہ داری کی قرابت میت سے بلا واسطہ ہو وہ اقرب کہلاتا ہے اور جس کا تعلق کسی واسطہ سے ہو وہ ابعد۔ تو خواہ واسطہ زندہ ہو یا مر چکا ہو، کیونکہ واسطہ کی زندگی اور موت کا رشتہ کی نوعیت اور اس کے قرب و بعد سے کوئی تعلق نہیں۔ جو شخص میت سے قرابت با واسطہ رکھنے کی وجہ سے ابعد ہے وہ جس طرح واسطہ کی زندگی میں ابعد ہے اسی طرح واسطہ کے مرجانے کے بعد بھی ابعد ہی رہتا ہے، اس کے رشتہ و قرابت کی نوعیت تبدیل نہیں ہوتی، وہ اب بھی ابعد ہی ہے۔ ہاں اقرب کے موجود نہ ہونے پر ابعد ہونے کے باوجود اس کو وارث تسلیم کیا جاتا ہے اور بہت تعجب ہے کہ یہ لوگ چچا کی موجودگی میں پوتے کو یتیم ہونے کے باعث میراث دلاتے ہیں، پس جب پوتے کو یتیم کہا جاتا ہے تو یہ دعویٰ باطل ہوگیا کہ بیٹے کے مرنے پر پوتا یتیم بیٹے کے قائم مقام ہوگیا اور اسے ابن ہونے کا درجہ مل گیا۔ جب پوتے کو بیٹا کہا جاتا ہے تو اسے یتیم کیوں کہتے ہیں؟ غضب یہ کہ اہل عقل کا اجماع ہے کہ واسطہ مر جانے سے ابعد اقرب نہیں ہوتا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس اور باقی بہن کو دیجئے (بخاری ص۹۹۷)
اس سے معلوم ہوا کہ بیٹی اور پوتی برابر نہیں۔ اس حدیث سے پوتے کی وراثت پر جس طرح استدلال کیا جاتا ہے کہ جب بیٹی کی موجودگی میں پوتی وارث ہے تو بیٹے کی موجودگی میں پوتا کیوں نہ وارث ہوگا، یہ بوجوہ ذیل باطل ہے۔

(۱) —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کو نصف اور پوتی کو سدس دیا، وہ تو بیٹے اور پوتے کو برابر سمجھتے ہیں۔

(۲) —— اگر بیٹے کو بیٹی پر قیاس کیا جائے تو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کی موجودگی میں بہن کو بھی وارث بنایا اسی طرح آپ کو چاہیے کہ بیٹے کی موجودگی میں بہن کو محروم نہ کریں۔

(۳) —— مؤنث اولاد کا کل حصہ $\frac{2}{3}$ ہے۔ ایک بیٹی چونکہ $\frac{1}{2}$ کی مستحق ہے، لہٰذا باقی $\frac{1}{6}$ پوتی کو دیا جاتا ہے تاکہ $\frac{2}{3}$ حصہ پورا ہوجائے۔ جب زیادہ بیٹیاں ہوں تو چونکہ کل $\frac{2}{3}$ ان میں تقسیم ہوجاتا ہے اس لئے پوتی محروم رہ جاتی ہے۔ بیٹا چونکہ کل مال کا مستحق ہے اس لئے اس سے کچھ بچتا ہی نہیں کہ پوتے کو دیا جائے۔

(۴) —— ایک بیٹا دو بیٹیوں کی جگہ ہے۔ پس جب دو بیٹیوں کی موجودگی میں پوتی وارث نہیں ہوتی حالانکہ بیٹیاں کل مال کی مستحق نہیں، تو بیٹا جو کل مال کا مستحق ہے بطریق اولیٰ پوتے کو محروم کر دے گا۔

(۵) —— بیٹی اور پوتی ذوی الفروض میں سے ہیں، اس لئے ان میں حجب نقصان جاری ہو سکتا ہے، بیٹا اور پوتا عصبات میں سے ہیں، ان میں "الاقرب فالاقرب" کا قانون صرف حجب حرمان کی صورت میں جاری ہوتا ہے، حجب نقصان ممکن نہیں۔

ارقام الضعیف ـــــ ۹،

صورت ششم: منکرین حدیث کے نظریہ قائم مقامی کا وہ دوسرا تصور اختیار کیا جائے جو ہندو رواجی
قانون سے ماخوذ ہے اور جو اخباری بحثوں میں زیادہ تر پیش کیا جا رہا ہے۔ نیز جس پر مولوی اقبال قریشی کا ترمیمی مسودہ
قانون بھی ہے جو انہوں نے پنجاب اسمبلی میں پیش کیا ہے۔ یعنی یہ تصور کہ یتیم پوتا اگرچہ بذات خود وارث نہیں
ہے لیکن وہ اپنے باپ کا حصہ دادا سے لینے کا حق دار ہے۔ یہ صورت اصل سوم اور اصل چہارم سے ٹکراتی ہے۔
یعنی اس تصور کو قبول کرنے کیلئے ہمیں شریعت کا یہ بنیادی اصول ختم کرنا پڑے گا کہ کسی شخص کی زندگی میں
اس کے مال پر کسی کا حق میراث نہیں لگ سکتا اور یہ اصول بھی ختم کرنا ہوگا کہ تقسیم ترکہ کے وقت زندہ وارثوں کے
ساتھ کسی مردہ وارث کو مستحق نہیں بنایا جا سکتا۔ اگر ان دو اصولوں سے آزاد ہو کر قانون سازی کی جائے تو صرف
پوتے کیلئے ہی اس کے مردہ باپ کو زندہ تصور کرنا ہوگا بلکہ ہر ترکہ تقسیم کرتے وقت جملہ کئی پشتوں کو زندہ فرض کرنا پڑیگا
اور اس طریق سے جو رشتہ دار بھی فوت ہو گیا ہو ہر ایک کو حصہ دینا ہوگا۔ قرآن اور حدیث، اجماع اور عقل سلیم
کے خلاف اگر اس اجتہاد کو زیر عمل لایا جائے تو تقسیم ترکہ ممکن ہی نہیں۔ چار وارثوں پر تقسیم کرنا تو درکنار صرف
دو رشتہ داروں کا مال آپس میں تا قیام قیامت تک تقسیم نہ ہو سکے گا۔ فرض کیجئے کہ زید کا بیٹا بکر جو صاحب
اولاد ہے زید سے پہلے فوت ہو گیا۔ اس نے بکر کے مال سے ۱/۶ زید کو دیا گیا۔ پھر زید فوت ہوا تو یہی مال
اس کے مردہ بیٹے بکر کو دینا ہوگا پھر بکر کا ترکہ تقسیم کرتے وقت اس سے ۱/۶ بکر کے مردہ باپ زید کو دینا ہوگا
اور زید سے پھر مردہ بیٹے بکر کو اسی طرح اوپر سے نیچے کو اور نیچے سے اوپر کو یہ تسلسل ختم ہی نہ ہوگا اور مال
تقسیم ہوتے ہوتے اجزائے لا تتجزی یا ذرات تک پہنچ جائے گا۔ آخر یہ ذرات مسلم گھروں کا ورثہ ہے
پھر تو تمام دنیا میں اس اجتہاد کے ڈنکے بج جائیں گے۔ اسلامی قانون کی بڑی قدر و قیمت ہوگی اور اس کی
حماقتوں کی اصلاح کرنے والے مصلحوں کے ہاتھوں کو سونے میں تولا جائے گا۔

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ یتیم پوتے کی وراثت کے متعلق جو بھی صورتیں اختیار کی جا رہی
ہیں سب کی سب نظام اسلامی کے کلیات کے خلاف ہیں۔ اور قرآن، حدیث، اجماع اور عقل سے ثابت شدہ
قطعی اصول کے ڈھانچہ کو پاش پاش کر دیتی ہیں۔ لہٰذا ان صورتوں میں سے کسی صورت کو اختیار کرنا
نظام اسلامی کو یکسر ٹھکرا دینا ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک پورے چودہ سو سالہ
اسلامی تاریخ میں کوئی ایک جزئی بھی منکرین حدیث اپنے نظریہ کی تائید میں پیش نہیں کر سکے حالانکہ
اس مدت مدیدہ میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں صورتیں اس قسم کی علمائے مجتہدین کے سامنے آئی ہوں گی
اس کے برعکس بیٹے کی موجودگی میں پوتے کے وارث نہ ہونے پر بالاختصار ذیل کے دلائل لکھے جاتے ہیں۔

① ـــــ عقل اور قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت شدہ قانون: الاقرب فالاقرب۔

میراث کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

(۲) ــــ الحقوا الفرائض باهلها فما بقی فهو لاولی رجل ذکر (بخاری ومسلم)

(۳) ــــ عن علی مرفوعاً الرجل یرث اخاه لابیه وامه دون اخیه لابیه۔ رواه الترمذی وابن ماجة والدارمی (مشکوٰۃ) جب سگے بھائی کی موجودگی میں باپ شریک بھائی بطریق اولیٰ وارث نہ ہوگا حالانکہ منکرین حدیث اس پر بھی مصر ہیں۔

(۴) ــــ قال زید ولد الابناء بمنزلة الولد ان لم یکن دونهم ولد ذکرهم کذکرهم وانثاهم کانثاهم یرثون کما یرثون ویحجبون کما یحجبون ولا یرث ولد الابن مع الابن (بخاری) یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے جو امام بالفرائض ہیں (طبقات ابن سعد، مسند احمد)

اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کاتب وحی اور عہد صدیقی میں جامع القرآن و عہد عثمان میں ناسخ مصحف رہے (بخاری)

چودھویں صدی کے مجددین نے یہاں ایک عجیب نکتہ پیدا کیا ہے۔ یعنی لا یرث ولد الابن مع الابن، میں ولد الابن سے صرف وہ پوتا مراد ہے جس کا باپ زندہ ہو اور اس پر اصول نحو کی یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ الابن جو معرفہ کی صورت میں مکرر لایا گیا ہے حسب اصول نحو اس سے عین اول مراد ہے۔ مگر انہیں کیا خبر کہ نحاۃ نے اس قاعدہ کو کلیہ قرار نہیں دیا۔ پھر تعجب یہ کہ جن اصول نحو پر استہزاء اور تمسخر کرنے کے لئے پرنیا اسلام طلوع ہو رہا ہے اسی سے استدلال بھی کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی نادانی حیرت انگیز ہے کہ صرف "لا یرث ولد الابن مع الابن" کا لفظ لے کر تاویل کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس کے شروع میں "اذا لم یکن دونهم ولد" میں ولد نکرہ آیا ہوا ہے۔ اور پھر بخاری کا ترجمۃ الباب بھی عام ہے اور ما قبل میں مرفوع حدیث بھی عام ہے۔ یہ لوگ گویا مطلق نہیں سمجھتے کہ کون زحمت گوارا کر کے بخاری دیکھے گا اور ان کی چوری اور بددیانتی ظاہر کرے گا۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اگر یہی مراد ہوتی جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں تو اس کے لئے سیدھی عبارت یوں ہوتی "لا یرث الابن مع ابیه"۔

(۵) ــــ عینی شرح بخاری اور موطا میں ابن کی موجودگی میں ابن الابن کے محروم رہنے پر اجماع منقول ہے۔ موطا کی عبارت یہ ہے: الامر المجتمع علیه عندنا (الی قوله) فان اجتمع الولد للصلب وولد الابن فکان فی الولد للصلب ذکر فانه لا میراث معه لاحد من ولد الابن فان لم یکن فی الولد للصلب ذکر وکانتا اثنتین فاکثر من ذلک من البنات للصلب فانه لا میراث لبنات الابن معهن الا ان یکون مع بنات الابن ذکر الخ (موطا مالک)

ارغام العنید ــــ ۸۔

(۶) — لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ اور وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ سے صاف ظاہر ہے کہ میت کی جب صرف ایک لڑکی ہو تو وہ صرف نصف کی حقدار ہوگی، اور اگر اس کے ساتھ پوتا بھی ہو تو باقی نصف وہ لے جائے گا۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ایک لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ رکھا ہے اور تنہا لڑکی کے لئے آدھا رکھا تو تنہا لڑکے کے لئے آدھے کا دوگنا ہونا چاہئے جو کل ہے، جب تنہا بیٹا کل مال کا مستحق ہوگیا تو پوتے پوتیاں محروم رہیں گے۔

(۷) — حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس اور باقی بہن کو دیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ بیٹی اور پوتی کی طرح بیٹے اور پوتے میں بھی مساوات نہیں۔ اس حدیث سے منکرین حدیث کے استدلال کا جواب گزر چکا ہے۔

کبھی یہ سوال پیدا کیا جاتا ہے کہ آخر یتیم پوتے کے لئے صورت معاش کیا ہوگی۔ اس کا جواب اور معاش کی صورتوں کی تفصیل صورت اول کے تحت گزر چکی ہے۔ اگر کہا جائے کہ بیت المال آج کل موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان کا گذارہ مشکل ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا حل یہ نہیں ہو سکتا کہ رہے سہے اسلامی قوانین کو بھی ختم کر دیا جائے۔ بلکہ اس کا واحد علاج یہ ہے کہ ایسی ترمیم پیش کرنے کی بجائے ان قوانین شرعیہ کو نافذ کروائیں جن کے ذریعہ یتیموں اور غریبوں کی کفالت ہو سکے اور پنجاب قانون ساز اسمبلی کو بھی ہمارا مشورہ ہے کہ وہ اس قانون شریعت میں جو بہ اجماع امت ثابت ہے ترمیم کا خطرناک اقدام ہرگز نہ کرے۔ اس مسئلہ میں مسلمانوں کی تمام جماعتیں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور اہل حدیث وغیرہ سب متفق ہیں اس میں اختلاف کرنے والے صرف ایسے چند لوگ ہیں جو قرآن کو تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ کر کے اپنی اہواء کا تابع بنانا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کی مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ کوئی تعداد ہے اور نہ ہی کوئی علمی یا عملی حیثیت، سمجھ میں نہیں آتا کہ حکومت کی طرف سے اس قسم کا خطرناک اقدام اس کی اسلامی حیثیت کے منافی ہے۔

اصول وراثت پر منکرین حدیث کے اعتراضات کے جوابات

پہلا اعتراض: قرآن نے وصیت کا پورا پورا اختیار دیا ہے اور کہیں یہ نہیں لکھا کہ وصیت صرف ⅓ حصہ مال میں ہو سکتی ہے۔ اللہ نے وصیت کے حکم میں کہیں یہ نہیں کہا کہ وصیت صرف ⅓ حصہ میں ہو سکتی ہے لیکن ملا کہتا ہے کہ نہیں تم وصیت صرف ⅓ حصہ تک کر سکتے ہو۔ یعنی (معاذ اللہ) خدا کو اتنی بات بھی کہنی نہیں آتی تھی کہ وصیت ⅓ حصہ میں کی جا سکتی۔ وہ اس کے لئے بھی روایات کا محتاج ہو گیا۔ یہ ہے ملا کا

روایاتی مذہب۔ (طلوع اسلام جون ۱۹۵۳ء ص ۔)

جواب: وصیت کا حکم کل مال میں جاری نہ ہونے کو روایاتی مذہب قرار دینا بالکل غلط ہے، یہ کہنا محض جہالت ہے۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا میں صاف ارشاد ہوا ہے "نصیبا مفروضا" یعنی ترکہ میں بہر حال وارثوں کا حق ثابت ہے جس سے ظاہر ہے کہ کل مال کی وصیت ہرگز نافذ نہ ہوگی ـــــ اور پھر وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا میں بھی کل مال کی وصیت سے صراحۃً منع کیا گیا ہے۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ میں لفظ بالمعروف سے معلوم ہوا کہ کل مال کی وصیت جائز نہیں۔ تعجب ہے کہ قرآن دانی کے مدعیوں کی آنکھیں ان آیات سے چندھیا جاتی ہیں جو ان کے اوہام کے خلاف ہوں۔ احادیث میں ⅓ حصہ کی تصریح موجود ہے، ملاحظہ ہو۔

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مرضت بمکۃ مرضا اشفیت منہ علی الموت فاتانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعودنی فقلت یا رسول اللہ ان لی مالا کثیرا ولیس یرثنی الا ابنتی افاتصدق بثلثی مالی فقال لا، قال فالشطر قال لا قلت الثلث قال الثلث کثیر انک ان ترکت ولدک اغنیاء خیر من ان تترکہم عالۃ یتکففون الناس وانک لن تنفق نفقۃ الا اجرت علیہا حتی اللقمۃ ترفعہا الی فی امرأتک الخ (بخاری)

وصیت کا ⅓ حصہ میں منحصر ہونا احادیث متواترہ سے ثابت ہے (احکام القرآن للجصاص ص ۔ ج ۱) اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۴۹) حدیث مذکور سے ذیل کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

① ⅓ سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔

② مستحب یہ ہے کہ ⅓ سے بھی کم کی وصیت کی جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثلث کو کثیر فرمایا ہے۔

③ جب مال کم ہو اور ورثاء بھی محتاج ہوں تو افضل یہ ہے کہ بالکل وصیت نہ کرے۔ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم انک ان تدع ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعہم عالۃ یتکففون الناس۔

④ جب کوئی وارث نہ ہو تو جمیع مال کی وصیت درست ہے، کیونکہ زیادہ کی وصیت صرف ورثاء کے

حق کی وجہ سے ناجائز ہے۔

⑤ صدقہ فی مرض الموت بھی وصیت کے حکم میں ہے۔ کیونکہ حضرت سعد کا سوال صدقہ کے بارہ میں تھا۔ بعض روایات میں وصیت کا لفظ ہے۔ تطبیق یہ ہے کہ پہلے وصیت بجمیع المال کی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تو کل مال کے تصدق کا ارادہ ظاہر کیا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ بھی بحکم وصیت ہے۔

معلم الکتاب والحکمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی ثابت بالتواتر سے انحراف کرنا اور اجماع امت کو ٹھکرانا اور قرآن کریم میں اپنی اہواء کے مطابق تحریف کرنا منکرین حدیث کے مبارک اسلام کا طلوع ہے اسی لئے ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ان کا اختلاف مسلمانوں سے اصولی اختلاف ہے۔ جب تک یہ لوگ اسلام کے اصول کو قبول نہیں کرتے اس وقت تک ان سے کسی جزئی مسئلہ پر بحث کرنا فضول ہے۔

دوسرا اعتراض ۔ اور سب سے بڑی افسوسناک صورت یہ کہ اس قانون کی رو سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ (معاذ اللہ) خدا چوتھی جماعت کے بچوں جتنا بھی حساب نہیں جانتا اس اصول کو ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ جب کسی چیز کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جائے تو تمام حصوں کی حاصل جمع ایک (۱) آنی چاہیے۔ اگر حاصل جمع ایک نہیں آتی تو ریاضی کے ابتدائی قاعدہ کی رو سے یہ تقسیم غلط ہے مثلاً $\frac{1}{2} + \frac{1}{3} + \frac{1}{6} = 1$ یہ تقسیم درست ہے لیکن $(\frac{1}{2} + \frac{1}{4} + \frac{1}{3} = \frac{13}{12})$ یہ تقسیم غلط ہے کیوں کہ ان حصوں کا مجموعہ ایک نہیں بلکہ $(1\frac{1}{12})$ ہے (طلوع اسلام جون [illegible])

جواب ۔ منکرین حدیث کو اللہ تعالیٰ نے قرآن اور حدیث کے علم اور ان پر عمل سے تو محروم رکھا ہی ہے مگر اب ظاہر ہوا کہ انکار حدیث اور رسول دشمنی جیسے جرم کا نتیجہ یہ ہے کہ حساب کے ابتدائی قواعد سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ حساب کی تفاصیل میں کئی جگہ ایسی صورتیں پیش آتی ہیں کہ سہام کا مجموعہ مخرج سے بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ ایسے مواقع پر سہام کو اندازہ کے مطابق گھٹا کر مخرج کامل کرنے کے لئے اہل حساب نے مختلف قوانین اور طریقے لکھے ہیں۔ اگر حساب میں ایسی صورتیں ممکن نہیں یا وقوع میں نہیں آتیں تو ان قواعد اور طرق کے وضع کرنے کی کیا حاجت تھی؟

حقیقت یہ ہے کہ تفصیل اور جزئی صورتوں میں مستحقین کی کمی یا بیشی کی وجہ سے اگر سہام میں کچھ فرق پڑ جائے تو اس کی وجہ سے سہام کے کلیات پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ ذرا غور کیجئے اگر میت پر ایک شخص کا ہزار روپے قرض ہو اور دوسرے کا پچاس روپیہ، یا میت نے ایک شخص کے لئے ہزار روپے کی وصیت کی ہو اور دوسرے کے لئے پچاس کی حالانکہ میت کا کل ترکہ صرف ہزار روپے ہو تو ان صورتوں میں آپ طریق عول کے سوا کوئی دوسرا طریق اختیار کر سکتے ہیں؟ نیز دیگر صورتوں میں بھی (نعوذ باللہ) آپ اللہ تعالیٰ پر جہالت

کا حکم لگا دیں گے۔ مثلاً لڑکی کا حصہ قرآن مجید میں ½ ہے اور ماں کا ⅙ مگر جب کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو آپ کہیں گے کہ واہ خدا نے تقسیم ترکہ کا خوب طریقہ ایجاد کیا اور ریاضی کی چوتھی جماعت والے بچے بھی جان جاتے ہیں یعنی کسور کی جمع پوری ایک نہیں (½ + ⅙ = ⅔) یہ تقسیم غلط ہے اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو زیادہ تعجب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کل ترکہ کو یوں تقسیم کرتے ہیں کہ لڑکی کو ½ دیدو اور بس۔ معاذ اللہ خدا نے کل چیز کا صرف ایک کسر (½) سمجھی ہے گویا خدا کے ہاں (½) اور ۱ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسکول کی ابتدائی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قضا کا ایک واقعہ درج ہے کہ تین شخصوں نے تقسیم کا مطالبہ کیا جو کہ سترہ اونٹوں میں اس طرح شریک تھے کہ ایک کا ½ دوسرے کا ⅓ تیسرے کا ⅑ حضرت علی نے ایک اونٹ بیت المال میں سے ملا کر اٹھارہ اونٹوں میں سے ½ والے کو ۹ اور ⅓ والے کو ۶ اور ⅑ والے کو ۲ دے دیے۔ اس طرح پورے اونٹ تقسیم ہو گئے اور اٹھارواں اونٹ بیت المال میں واپس کر دیا۔ ہر شریک کو اونٹ بھی پورے بلا کسر مل گئے اور ہر ایک کو حصہ بھی زیادہ مل گیا۔ پھر بیت المال کا اونٹ بھی بچ گیا۔ اسکول کے بچے اس مسئلے کی اصل حقیقت اور طریق تخریج سے ناواقف ہوتے ہیں اور اس کی حقیقت ہی اس ظاہری صورت کو سمجھتے ہیں جو سادہ لوح لوگوں کو سمجھانے اور مطمئن کرنے کے لئے اختیار کی گئی تھی۔
خیال ہے کہ پرویز اینڈ کمپنی بھی معاذ اللہ خدا کو جہالت سے بچانے کے لیے ایسے مواقع پر یہی صورت اور حیلہ اختیار کرتے ہوں گے۔ حالانکہ انہیں کیا معلوم کہ اس مسئلہ کی ظاہری صورت بدل دینے کے بعد بھی حقیقت وہی ہے جو رد اور عول کی۔

یہ قرآن دانی کے مدعی اگر ذرا قرآن ہی میں غور کر لیتے تو یہ اعتراض پیدا نہ ہوتا مگر انہیں کیا معلوم کہ عول کا طریقہ خود قرآن میں بھی موجود ہے۔ یعنی لڑکی جب اکیلی ہو تو اس کا حصہ ½ ہے اور لڑکا اکیلا ہو تو کل مال کا مستحق ہے۔ مگر دونوں جمع ہو جائیں تو لڑکی کو ⅓ اور لڑکے کو ⅔ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ سے تو کیا ان کے اعتبار کا اختیار کردہ طریق عول اس کے سوا کوئی دوسری نوعیت رکھتا ہے؟
پھر ہم پوچھتے ہیں کہ طریق عول نہ بدلا جائے تو لامحالہ بعض وارثوں کو بالکل محروم کرنا پڑے گا کیا یہ ان پر ظلم نہ ہوگا؟ اور سب سے بڑا ظلم تو اسی شخص پر ہوگا کہ جن وارثوں کو اللہ تعالیٰ نے محروم قرار نہیں دیا بلکہ نصوص قطعیہ سے ان کے سہام متعین ہیں ان کو صرف اپنے خیال سے محروم کر دیا۔
یہ لوگ حقیقی بھائیوں کی وراثت کے بارے میں حضرت عمرؓ کا قول پیش کرتے ہیں اور عول سے متعلق حضرت عمرؓ کے فیصلہ کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ شاید کہ مسئلہ عول میں منکرین حدیث کا مطمح نظر ابن عباسؓ کا قول ہے۔
ابن عباسؓ کی یہ رائے تھی کہ ایسی صورتوں میں عول سے بچنے کے لئے ان ذوی الفروض کو محروم کر دیتے تھے

جو کسی وقت عصبہ بنفسہ یا مع الغیر ہو جاتے ہیں، جو ذوی الفروض کی حالت میں بھی عصبہ نہیں ہوتے انہیں محروم سمجھتے تھے۔ اگر واقعی ان لوگوں کے خیال کی بنیاد اسی پر ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ عول کی صورت میں اخت عینیہ کی موجودگی میں اخت علّیہ محروم رہے مگر یہ لوگ اس کے برعکس بنو الاعیان کو محرومی سے بچانے کے لئے بار بار حضرت عمر کا قول پیش کرتے ہیں۔ غرضیکہ ان کی چول نہ اس طرف لگتی ہے نہ اس طرف۔ منکرین حدیث کے ہاں اگرچہ اخت علّیہ اور عینیہ میں کوئی فرق نہیں۔ اخت عینیہ بھی اور علّیہ بھی کب عصبہ ہو جاتی ہے۔ مگر یہ بھی ان کا وہم محض اور جہالت ہے جس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔ عول کے بارے میں ابن عباس کا مذہب قرآن کے خلاف ہے۔ نیز اس سے پہلے حضرت عباس کی تحریک سے حضرت عمر کے سامنے شوریٰ عول پر صحابہ کا اجماع ہو چکا تھا۔ اس لئے امت میں سے کسی نے بھی ابن عباس کا قول قبول نہیں کیا۔

تیسرا اعتراض:۔ قرآن نے کہا ہے کہ تمہارے اقرب جو چھوڑ کر مریں اس کی تقسیم یوں ہوگی یعنی دیکھنا یہ ہوگا کہ مرنے والا اپنے زندہ رشتہ داروں میں سے کس کس کا اقرب ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ زندہ رشتہ داروں میں سے جو میت کا سب سے قریبی ہو اس کو حصہ ملے گا۔

(طلوع اسلام جون [illegible] ص ۲۴)

جواب:۔ اس اٹکل پچو تحقیق سے منکرین حدیث کو کچھ فائدہ تو کیا پہنچ سکتا تھا بلکہ الٹا بہت سی مصیبتیں ان کے لئے وبال جان بن گئی ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص نے پھوپھی اور بھتیجا وارث چھوڑے تو چاہئے کہ پھوپھی کل مال کی مستحق ہو اور بھتیجا محروم رہ جائے کیونکہ میت پھوپھی کا بھتیجا ہے اور بھتیجے کا چچا۔ اس لئے میت پھوپھی کا اقرب ہے۔ اسی طرح باپ کی موجودگی میں میت کا بیٹا محروم ہو جانا چاہئے۔ اس لئے کہ میت کا اپنے باپ سے بنوت کا تعلق ہے اور بیٹے سے ابوت کا اور بنوت کا رشتہ زیادہ قریب ہے غرضیکہ یہ اجتہاد خود مجتہد کے لئے باعث ننگ ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ جب پرویز پر یہ اعتراض کیا گیا تو جواب دیا کہ اس کا جواب حافظ اسلم جیراجپوری سے طلب کیا جائے۔ تعجب ہے کہ ایک شخص اجتہاد کرے اور جواب دوسرے سے طلب کیا جائے۔ ؎

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں — لو خود ہی اپنے دام میں صیاد آ گیا

اب پرویز حسرت سے کہہ رہا ہوگا۔ ؎

جواب معلوم ہے کاش ان دنوں معلوم ہو جاتا

اور پھر جب حافظ اسلم جیراجپوری سے یہ سوال کیا گیا تو ارشاد ہوا کہ باپ اور بیٹے کی وراثت کے متعلق جو بات آپ نے لکھی ہے اور قیاس لگایا ہے اس کی کیا ضرورت پڑی۔ آگے کی آیت یوصیکم اللہ ۱۲

میں اللہ نے ماں باپ اور بیٹا بیٹی کی وراثت مفصل بیان کردی ہے اس کو کیوں نہیں دیکھتے اور غلط قیاس کیوں بیچ میں لاتے ہیں۔

لیجئے اب تو چلے کے اعتبار کو خود گمرہی نے خاک میں ملا دیا ؎
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حقیقت یہ ہے کہ ترک الوالدان والاقربون میں اقرب بمعنی قریب ہے اس سے فقہاء نے الاقرب فالاقرب کا قانون اس طرح استنباط کیا ہے کہ قرآن نے وراثت کا مدار قرابت پر رکھا ہے پس جس مستحق میں یہ سبب وراثت قوی ہوگا اور جو وارث زیادہ قریب ہوگا وہ مقدم ہوگا عقل کا بھی یہی تقاضیٰ ہے۔ یہ قرب و بعد میت کی طرف سے نہیں بلکہ مستحقین کی طرف سے ملحوظ ہوگا، کیونکہ اس سے کچھ بحث نہیں کہ دینے والا یا مال چھوڑنے والا کون ہے بلکہ سوال یہ ہے کہ لینے والے یا مستحقین کون کون ہیں۔ خود قرآن مجید میں ترک الوالدان کا لفظ اس پر بیّن دلیل ہے کہ قرب و بعد وارث کی طرف سے ملحوظ ہے نہ کہ مورث کی طرف سے والدین کو جملہ اقربین سے جداگانہ ذکر کرنے سے قریب ترین وارث (اولاد) کے استحقاق کی اہمیت مقصود ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم میں جتنے بھی مفصل سہام مذکور ہیں ان میں غور کرنے سے ظاہر ہے کہ مورث کی طرف سے قرب و بعد کا لحاظ نہیں کیا گیا بلکہ وارث کے قرب و بعد پر سہام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

معلم القرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فما بقی فهو لاولی رجل ذکر کے ارشاد سے اس کی پوری وضاحت فرمادی۔ شاہ عبد القادر صاحبؒ نے اقربون کا ترجمہ قریب تر رشتہ دار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اقربون کا عطف للرجال کے محل پر ہو یا اقربون کا رفع والدان کے جوار کی وجہ سے ہو۔ "فقہ اللغۃ للثعالبی" قسم ثانی میں عطف علی اللفظ کی مستقل فصل ہے۔

چوتھا اعتراض ۔ اگر یہ قاعدہ "الاقرب فالاقرب" اپنے ظاہری معنوں میں رکھا جائے یعنی یہ کہ مطلقاً درجہ کے لحاظ سے جو قریب ہو وہ بعید کو محروم کردے تو وراثت کے بہت سے مسلمہ اور اجماعی مسائل ٹوٹ جائیں گے۔ اس کے بعد چند مثالیں پیش کرکے ان پر اعتراض کیا ہے۔
(طلوع۔ جون ۵۲ء ص ۲۱)

جواب: اس اعتراض کا منشاء یہ ہے کہ "الاقرب فالاقرب" کے قانون کو صرف درجہ میں منحصر کردیا ہے حالانکہ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ ذوی الفروض میں اس قانون کے اجراء کی دو صورتیں ہیں۔
(۱) اقرب کو ابعد سے زیادہ حصہ ملے۔

(۲) قرب کی وجہ سے ابعد بالکل محروم ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے قرب و بعد کے لحاظ سے ذوی الفروض کے حصے کم و بیش متعین کر دئیے ہیں اور ان میں حجب حرمان کا اصول یہ ہے کہ واسطہ کی موجودگی میں ذی الواسطہ محروم ہوگا بشرطیکہ سبب وراثت متحد ہو یا واسطہ کل مال کا مستحق ہو۔ اس قاعدہ پر جو طلوع اسلام میں اعتراض کیا گیا ہے اور دو مثالیں پیش کی ہیں ان میں بعض مسائل میں کیوں کہ بیٹی پوتی کے لئے اور حقیقی بہن علاتی بہن کیلئے واسطہ نہیں۔ علاوہ ازیں پوتی اور علاتی بہن کو صرف تکملۃ للثلثین حصہ دیا گیا ہے۔

پانچواں اعتراض۔ حجب حرمان کا پہلا قاعدہ یہ چاہتا تھا کہ دونوں مادری بھائی جو ماں کے واسطہ سے رشتہ رکھتے ہیں اس کی موجودگی میں محروم ہوں لیکن نہیں ہوئے۔ دوسرا قاعدہ بھی یہی چاہتا تھا کہ ماں چونکہ قریبی رشتہ دار ہے مادری بھائیوں کو محروم کر دے لیکن نہیں کر سکی۔

(طلوع جون ۵۸ء ص ۳۱)

جواب۔ اعتراض ۴ کے جواب میں گزر چکا ہے کہ ذوی الفروض میں ابعد کا محروم ہونا لازم نہیں۔ باقی یہ کہ بھائیوں کا حصہ ماں سے کیوں کم نہیں۔ اس کا جواب اصل دوم میں مفصل گزر چکا ہے اور یہاں واسطہ کی وجہ سے ذی الواسطہ اس لئے محروم نہیں کہ سبب وراثت مختلف ہے اور واسطہ کل مال کا مستحق نہیں۔

چھٹا اعتراض۔ تعجب پر تعجب ہے کہ باپ جو کمزور ہے وہ تو دادی کو محروم کر دیتا اور باپ جو قوی وارث ہے نانی کو نہیں محروم کر سکتا۔ (حوالہ بالا)

جواب۔ واقعی جس چیز کی حکمت سمجھ میں نہ آئے اس پر تعجب ہوتا ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دادی اور نانی کا استحقاق ہی اس لئے ہے کہ یہ حکماً ماں ہیں۔ بس حقیقی ماں کی موجودگی میں حکمی ماں محروم رہیگی اس سے نظر پر قائم مقامی کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ دادی اور نانی ماں کی عدم موجودگی میں اپنے درجہ میں رہتی ہوئی باوجود بعید ہونے کے اپنی ذاتی قرابت کی وجہ سے وارث ہوتی ہے۔ باپ کا حصہ نانی کو شامل نہیں ہوتا اس لئے وہ نانی کو محروم نہیں کرتا۔ بلکہ صرف دادی کو محروم کرتا ہے اس لئے کہ باپ کا واسطہ ہے اور وہ کل مال کا مستحق ہے۔

ساتواں اعتراض۔ دنیا میں کون شخص ہے جو کہہ سکتا ہے کہ حقیقی بھائیوں کو محروم کر کے اخیافی بھائیوں کو حصہ دینا جو زیادہ تر اپنے کنبہ کے بھی نہیں ہوتے کسی معقول اصول وراثت پر مبنی ہے۔ یہ سمجھنے کی بات ہے کہ جس رشتہ سے اخیافی وارث بنائے گئے حقیقیوں میں اگر باپ کے رشتہ کا نہ بھی خیال کیا جائے تو کم از کم

وہ رشتہ تو ضرور موجود ہے۔ بھائی کو محروم کرنے کے کیا معنی۔ چنانچہ امام مزنی کی کتاب المختصر میں ہے کہ اس صورت میں حضرت عمر حقیقیوں کو محروم نہیں کرتے تھے (طلوع اسلام جون ۱۹۵۸ء صفحہ ۳۲، ۳۳)

جواب: اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عصبہ کا عنوان ضروری نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ قریب بعید کا حصہ کم ہو۔ چنانچہ اخت عینیہ و علّیہ سے اخیافیہ کا سہم اقل ہے۔ عینی و علّی بھائیوں کا درجہ اخیافی بھائیوں سے قوت قرابت کے لحاظ سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ اسی لئے ان کو بیٹے کی طرح عصبہ کیا گیا اور حقیقی وارث عصبہ ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر حالات میں حقیقیوں کا حصہ اخیافیوں سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اخیافی بھائی بنت کی وجہ سے محروم ہو جاتے ہیں، علّی و عینی محروم نہیں ہوتے۔ غرضیکہ عینی بھائیوں کا درجہ اور استحقاق اخیافیوں سے بہت زیادہ ہے۔ پیش کردہ مثال میں بھی حقیقیوں کو محروم کرنا صحیح نہیں بلکہ شاذ و نادر ایک جزئی صورت میں ان کے لئے باقی کچھ نہیں بچا۔ اس جزئی صورت کو کبھی شاذ و نادر کوئی پیچیدگی پیدا ہو جانے سے قانون کلی کو توڑنا بہت بڑی حماقت ہے۔ باقی رہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال سو اس کی علت بھی یہی ہے کہ عینی بھائی بھی ماں کے رشتہ میں شریک ہیں اس لئے ان کا حصہ اخیافی بھائیوں سے کم نہ ہونا چاہئے۔ مگر حضرت عمر کا یہ قول خود انہی کی بیان کردہ علت کے خلاف ہے۔ چنانچہ جب ایک اخیافی اور متعدد عینی بھائی ہوں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سدس اخیافی کو دلاتے تھے اور ایک سدس عینی بھائیوں پر تقسیم کرتے تھے۔ (بدایۃ المجتہد جلد دوم ص [illegible])

اس صورت میں عینیوں کا حصہ اخیافی سے بہت کم ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ حضرت عمر کا خیال چونکہ اپنی ہی بیان کردہ دلیل کے خلاف ہے اس لئے امت نے بالاتفاق یہ خیال غیر قابل قبول سمجھ کر چھوڑ دیا۔

تعجب ہے کہ منکرین حدیث اس صورت میں عینیوں کو حصہ دلانے کے لئے حضرت عمر کے قول سے استدلال کرتے ہیں مگر عینیوں اور اخیافیوں کے درمیان طریق تقسیم کے بارے میں حضرت عمر کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کا اجتہاد ہر مسئلہ میں انوکھی ہی نوعیت رکھتا ہے۔

طلوع اسلام جون ۱۹۵۸ء صفحہ ۲۲، ۲۳ کے حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ منکرین حدیث اخیافی بھائیوں کو عصبہ قرار دیتے ہیں۔ اور سورۂ نساء کے آخر میں کلالہ والی آیت کو عینی، علّی، اخیافی ہر اقسام کے بھائی بہنوں کے لئے عام کہتے ہیں۔ اور آیت وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس میں لَهُ کی ضمیر کا مرجع کلالہ ہے اور فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا میں تثنیہ کی ضمیر رَجُلٌ أَوِ امْرَأَةٌ کی طرف راجع ہے نہ کہ اخ و اخت کی طرف۔ یہ حدیث باب العالی سے بھی مجروح نہیں بس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی مرد

کسی کلالہ کا وارث بنایا جائے یا کوئی عورت بنائی جائے اور اس کلالہ کا کوئی بھائی یا بہن ہو تو اس مذکورہ صورت میں سے
ہر ایک کو ایک ایک سدس ملے گا۔ اس آیت میں بھائی اور بہن کا حصہ قطعاً نہیں بیان کیا گیا بلکہ عہدی رشتہ داروں کا
ہے جو وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ — میں مذکور ہیں۔ بھائی اور
بہن کا ذکر صرف اس وجہ سے آگیا ہے کہ یہ والدین اور اولاد کی طرح عہدی رشتہ داروں کو محروم نہیں کرتے
بلکہ ان کی موجودگی میں وارث ہو سکتے ہیں۔ اس دعویٰ کے اثبات کے لئے لکھتے ہیں کہ فقہاء اور مفسرین "له" کی
واحد مذکر غائب کی ضمیر کو رجل اور امرأة دونوں کی طرف راجع کرتے ہیں جن میں امرأة مؤنث حقیقی ہے وہ
کبھی اس کا مرجع ہو ہی نہیں سکتی۔ اس صورت میں لہما یا لکل واحد منہما ہونا چاہئے تھا۔ نیز اس آیت میں
"لام" کا لفظ اور تورث کلالہ والی آیت میں جو آخر سورہ میں ہے "لاب وام" یا "لاب" بڑھانے کا
کوئی قرینہ نہیں ہے۔

منکرین حدیث نے اجتہاد میں اس حد تک مست ہو گئے ہیں کہ قرآن کی صریح نصوص میں کھلی تحریف کرنے
لگے ہیں۔ اس سے زیادہ کیا حماقت ہو سکتی ہے کہ اخیافی بھائیوں کو عصبہ کہا جائے۔ عصبہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو
نسب میں شریک ہو اور نسب صرف باپ کی طرف سے ہوتا ہے اس لئے اخیافی بھائی ہرگز عصبہ نہیں ہو سکتے۔ اس آیت
میں اخیافی بھائی اور بہنوں ہی کا حصہ متعین کرنا مقصود ہے اور اس پر دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) اخیافیوں کا حصہ قرآن مجید میں کسی دوسری جگہ قطعاً نہیں ہے۔ سورۂ نساء کی آخری آیت میں بالاجماع
صرف عینی اور علاتی کا بیان ہے۔ اس پر اجماع امت کے علاوہ یہ قرینہ بھی ہے کہ اس میں اخت اور اخ کے
اجتماع کے وقت لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ تقسیم کرنے کا حکم ہے۔ حالانکہ اخیافی بھائی اور بہن عصبہ
نہیں ہو سکتے۔

(۲) اخت اور اخ کا حصہ ۱/۲ اور ۲/۳ بیان کیا گیا ہے اور اس کے ماقبل میں ان کا حصہ بھی ۱/۶ اور ۱/۳
بیان ہو چکا ہے۔ اس مناسبت سے معلوم ہوا کہ یہ حصہ مادری بھائی اور بہنوں کا ہے۔ ان قرائن کی وجہ سے
اس جگہ "لام" اور دوسری آیت میں "لاب وام و اب" کا لفظ ذکر نہیں کیا گیا۔

(۳) حضرت سعد بن ابی وقاص اور ابی بن کعب کی قراءت میں "لام" کا لفظ بھی موجود ہے جس سے ظاہر
ہے کہ یہ لفظ انہوں نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور تفسیر کے سنا ہوگا۔ منکرین حدیث (معاذ اللہ)
حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ قرآن دانی کے مدعی ہیں (فعلیہم ما علیہم)

(۴) اس آیت میں اخیافیوں کا حصہ مذکور ہونے پر جملہ امت کا اجماع ہے۔

باقی رہا "له" کی ضمیر کا سوال سو اس کی چند وجوہ ہیں۔

① عرب کا قاعدہ ہے کہ جب دو اسم حکم میں مشترک ہوں تو دونوں میں سے ایک کی طرف ضمیر لوٹانی کافی سمجھتے ہیں جیسے کہ "وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ" میں ہے۔ قال الفراء اذا جاء حرفان بمعنی واحد باو اسندت التفسیر الی ایہما اردت ویجوز ان تسندہ الیہما ایضاً (بغوی)

② "لہ" کی ضمیر رجل اور یا امرأۃ ہر ایک کی طرف ہے مگر مذکر کو غلبہ دے کر ضمیر مذکر لائی گئی ہے جیسے کہ "وَاِنْ كَانُوْا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاءً" میں "کانوا" اور "اخوۃ" مذکر ہیں۔

③ ضمیر صرف رجل کی طرف ہے، عورت کا حکم بالتبع خود بخود معلوم ہو جائے گا۔

④ ضمیر لفظ "احدہما" کی طرف ہے جو مذکر ہے اور حرف "او" سے مفہوم ہے۔

⑤ مورث مذکر کی طرف راجع ہے۔

⑥ میت کی طرف ہے۔

⑦ اگر ضمیر "لہ" کو کلالہ کی طرف کہا جائے تو بھی مقصود کے خلاف نہیں۔

⑧ آپ نے ضمیر "لہ" کی اصلاح کے لئے تورث کی تحریف معنوی کر دی، مگر یہ نہیں سوچا کہ اس تحریف کے بعد بھی آپ اسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ آپ کی تحریف کے مطابق بھی "لہ" مذکر کی وجہ سے عبارت یوں ہوگی "اِنْ كَانَ امْرَاَةٌ يُّوْرِثُ" اس میں "کان" اور "یورث" مذکر ہیں۔

آپ کی بیان کردہ تفسیر مندرجہ ذیل وجوہ سے محض تحریف اور باطل ہے۔

① یہاں عہدی رشتہ دار مراد لینے پر کوئی قرینہ نہیں۔

② "امرأۃ" کا عامل "کان" اور ضمیر "یورث" مذکر ہے جو آپ کے خیال میں درست نہیں۔

③ حال ذو الحال کے عامل کے لئے قید ہوتا ہے، پس جملہ حالیہ "وَلَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ" استحقاق سدس کے لئے قید ہوگا، آپ نے خود اس کا ترجمہ "بحالیکہ" کیا ہے، اور یہ آپ کے مقصود کے خلاف ہے۔ آپ کے نظریہ پر ان دو جملوں کے ساتھ "وَاِنْ كَانَ لَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ" ہونا چاہیے تھا۔

④ قرآن کریم میں اس آیت کے سیاق و سباق میں دونوں جگہ ورثہ کے لئے فعل مجرد سے صیغہ معلوم استعمال کیا گیا ہے "وَوَرِثَهٗ اَبَوَاهُ"، "وَهُوَ يَرِثُهَا" وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ "یورث" بھی مجرد سے صیغہ مجہول ہے اور رجل سے مراد مورث ہے نہ کہ وارث۔

⑤ آپ کی تحریف پر لازم آتا ہے کہ خنثیٰ کا حصہ قرآن میں مذکور نہ ہو یا خنثیٰ کو کوئی بھی حصہ نہ ملتا ہو، اور یہ دونوں امور باطل ہیں۔

⑥ یہ تحریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کے خلاف ہے جو سعد بن ابی وقاص اور ابی بن کعب

سے منقول ہے۔

(۷) یہ تحریف اجماع امت کے خلاف ہے۔ یہ قراءت حضرت ابی بن کعب کی نہیں بلکہ ابن مسعود، سعد ابن ابی وقاص اور سعید بن ابی وقاص سے بھی منقول ہے (فتح الباری ج ۱۲ ص ت) واخرج غیر واحد عن سعید بن ابی وقاص (روح المعانی ج ۴ ص ۱۹۳) ابی بن کعب کی قراءت میں معوذتین کا قرآن سے خارج ہونا محتاج نقل ہے، عبد اللہ بن مسعود کی طرف یہ نقل منسوب ہے جس کی محققین نے تردید کی ہے اور کہا ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود پر یہ بہتان ہے۔ ملاحظہ ہو المحلی لابن حزم کا شرح، شرح تہذیب النووی، ابن ہمام کی کتاب التحریر کی شرح ج ۱ ص ۹۔ شفاء ملا علی [illegible] کی شرح ملا علی القاری ج ۲ ص ۱۵۵۔ اگر بالفرض ابی بن کعب کی قراءت پر معوذتین قرآن سے خارج ہیں تو کیا کسی صحابی کا ایک قول غیر مقبول ہونے کی وجہ سے اس کا ہر قول رد کیا جا سکتا ہے خصوصاً جبکہ حضرت ابی بن کعب سید القراء ہیں۔ کما فی تقریب التہذیب۔
ایسے ہی بیہقی میں بعض روایات ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کی جمیع روایات کو رد کر دینا کوئی معقول چیز نہیں خصوصاً جبکہ فتح الباری اور روح المعانی میں بھی دیگر صحابہ سے یہ قراءت منقول ہے اور اس پر اجماع بھی ہے۔

آٹھواں اعتراض۔ اقرب وہ رشتہ دار ہے جو بلا واسطہ مورث سے رشتہ رکھتا ہو یا بالواسطہ لیکن بوقت وفات مورث کے وہ واسطہ موجود نہ ہو۔ جس طرح کہ بیٹے کے مرنے کے وقت اگر اس کا باپ موجود نہیں ہے تو دادا بجائے باپ کے رکھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ بیچ میں جو واسطہ تھا یعنی باپ جس کی وجہ سے دادا محجوب ہو جاتا تھا وہ نہیں ہے۔ لہذا پوتا اس واسطہ کی عدم موجودگی سے خود اقرب ہو گیا۔ اور اب کوئی اقرب خود وہ بیٹا ہی کیوں نہ ہو دادا کو محجوب نہیں کر سکتا۔ (طلوع اسلام [illegible] ص ۳۲)

جواب۔ اس کا مفصل جواب اور پوری تحقیق صورت نمبر ۱ میں گذر چکی ہے۔

نواں اعتراض۔ اگر عصبات میں "اولیٰ رجل ذکر" آپ بطور قانون کلی کے قرار دیتے ہیں تو خود کیوں اس کو جا بجا توڑتے ہیں۔ مثلاً

بیٹیاں	بہن	بھتیجا
۲	۱	محروم

اس مثال میں بیٹیاں ذوی الفروض ہیں ان کو ۲ ثلث دینے کے بعد جو کچھ بچا تھا وہ اس قاعدہ کی رو سے بھتیجے کو جو اقرب ترین مرد تھا ملنا چاہئے تھا لیکن وہ محروم کر دیا گیا اور بہن جو ایک عورت ہے بقیہ کی وارث ہو گئی (طلوع اسلام جون ۱۹۵۲ ص ۳۲)

جواب۔ اس حدیث میں عصبہ بنفسہ کا حکم مذکور ہے کیونکہ حقیقی عصبہ صرف یہی ہیں "رجل ذکر" کی قید سے عمہ، بنت العم اور بنت الاخ وغیرہ کا اخراج مقصود ہے، عصبہ بالغیر کا استحقاق قرآن مجید سے اور عصبہ مع الغیر کا حدیث "اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة" سے ثابت ہے۔ یہ حدیث آیت کلالہ کے خلاف

نہیں ہے۔ کیونکہ اخت کے صاحب فرض ہونے کے لئے میت کا کلالہ ہونا شرط ہے اور صورت مسئولہ میں بنت کی موجودگی میں اخت کو صاحب فرض قرار نہیں دیا گیا۔

دسواں اعتراض: یتیم پوتے کے محجوب کرنے میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ محجوب پوتے پوتیوں کے دلوں میں محرومی کی وجہ سے رنجش پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہر شخص فرشتہ تو نہیں ہے کہ مادی جذبات سے بالاتر ہو۔ انسان کی فطرت اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ میرے ہی بزرگوں کی کمائی سے جن کا خون میری رگوں میں گردش کر رہا ہے میرے چچا زاد بھائی تو عیش و عشرت کریں اور میں بلا کسی قصور کے اس سے بالکل محروم ہوں تو اس کو صبر نہیں آتا۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ جب باقی بیٹوں کو جو باپ کے خدمت گزار ہیں اور اس کی ملکیت کے اضافہ میں دن رات محنت اور کوشش کرتے ہیں یہ یقین ہو جائے گا کہ اگر اتفاقاً وہ اپنے باپ سے پہلے مر گئے تو ان کی اولاد محجوب ہو جائے گی تو وہ باپ کی خدمت اور اس کے کاروبار سے پہلو تہی کرنے لگیں گے اور اپنی کمائی اور کوشش سے اپنی جداگانہ ملکیت پیدا کرنے کی فکر میں پڑ جائیں گے الخ۔ تیسری خرابی ایک مثال سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک دولت مند کے دو بیٹے ہیں۔ جن میں سے ایک بیٹے کے چار بیٹے اور ایک کا صرف ایک ہی بیٹا ہے۔ اب اگر چار بیٹوں کا باپ خود اپنے باپ کی زندگی ہی میں مر جائے تو اس کے بیٹے محجوب الارث کے قانون کی رو سے سمجھ لیں گے کہ جو کچھ خاندانی ملکیت ہے وہ دادا کے مرنے پر چچا کو اور پھر اس سے منتقل ہو کر چچا زاد بھائی کو مل جائے گی۔ ہم چاروں بھائی تو ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو گئے۔ اس لئے ان میں سے اگر کوئی محرومی کے خیال سے غیظ و غضب میں آکر اپنے بھائیوں کی خاطر یا ان کے مشورہ سے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر دادا کی زندگی ہی میں چچا کو کسی حیلہ سے مار ڈالے تو بالکل قرین قیاس ہے الخ۔

(طلوع اسلام جون سنہ ۵۴ء ص ۴۲)

جواب: حقیقت تو یہ ہے کہ اہواء و اغراض نفس پرستی کے نشہ میں ہر محمود چیز معیوب اور ہر معیوب چیز محمود نظر آنے لگتی ہے۔ چنانچہ مسلم صاحب نے نشہ اجتہاد میں اگر پوتے کو محجوب کرنے کی خرابیاں تو گنوا دیں۔ مگر اس کے برعکس محجوب نہ کرنے میں بعینہ یہی خرابیاں بلکہ ان سے بھی زیادہ مفاسد ہونے کے باوجود چشم پوشی کر لی ہے۔ غور کیجئے کہ بھتیجے کو چچا کا مد مقابل اور رقیب بنا دینے سے چچا کے دل میں کیا حسد پیدا ہوگا؟ خصوصاً جب چچا کے متعدد لڑکے ہوں۔ فرض کیجئے کہ یتیم پوتا ایک ہے اور چچا کے پانچ لڑکے ہیں تو کل مال میں سے ½ صرف پوتا لے جائے گا اور چچا کے لڑکے فی الحال محروم ہیں اور ان کے والد کے مرنے پر بھی یقین نہیں کہ وہ ان کے لئے کچھ ملکیت چھوڑ جائے گا۔ پھر اگر ملا بھی تو وہ دادا کی ملکیت سے نہیں بلکہ ان کے والد کی ملکیت سے ملے گا اور وہ بھی کم۔ اس تفصیل کے تسلیم ہونے سے پہنچ گئی کہ کیا یہ چیز چچا اور چچا زاد بھائیوں سے عداوت اور

خاندانی بربادی کا باعث نہیں، اور جب چچا کو یقین ہو جائے گا کہ یتیم پوتے کو میرے لڑکوں سے پانچ گنا زائد حصہ ملیگا، بلکہ خود میرا رقیب بن جائے گا حالانکہ میرے لڑکے دادا کی وراثت سے بالکل محروم ہیں تو کیا اس صورت میں چچا اپنے باپ کے کاروبار اور اس کی خدمت سے پہلو تہی کر کے اپنی جداگانہ ملکیت پیدا کرنے کی فکر میں نہ پڑ جائے گا؟ اور اگر چچا بھتیجے کو اپنا ہم درجہ اور مساوی شریک دیکھ کر اور اپنے لڑکوں سے مقدم فی الاستحقاق سمجھ کر غیظ میں آ کر اسے قتل کر ڈالے، یا چچا کے لڑکے اس عذر میں کہ ہم تو دادا کی میراث سے محروم ہیں اور یہ ہمارے باپ کا شریک ہو رہا ہے، پھر اگر کسی وقت میں ہماری طرف یہ ملکیت منتقل ہوگی تب بھی اس کا حصہ ہم سے پانچ گنا زیادہ ہے یہ عیش وعشرت میں زندگی گزاریگا اور ہم تنگدستی میں، یتیم پوتے کو قتل کر ڈالیں تو کیا یہ از قیاس نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ خاندان میں اتفاق اور محبت تب ہی باقی رہ سکتی ہے کہ یتیم پوتے کو چچا کے لڑکوں کا درجہ دیا جائے، جیسے وہ دادا کے وارث نہیں اسی طرح یتیم پوتا بھی وارث نہ ہو، اس صورت میں چچا اور اس کے لڑکوں کے دل میں عداوت کا کوئی باعث نہ ہوگا بلکہ یتیم ہونے کی وجہ سے فطری شفقت موجزن ہوگی اور جس طرح چچا کے لڑکے اس لئے اس کے فرمانبردار رہتے ہیں کہ وہ خود کسی چیز کے مالک ہی نہیں اپنے باپ کے متعلق ہیں اسی طرح یتیم پوتا بھی اپنے چچا کا محتاج رہیگا۔ اس کے برعکس اگر اسے چچا کا ہم درجہ بنا دیا جائے تو یہ چچا کی اطاعت نہ کریگا بلکہ اس کا مد مقابل اور ہر معاملہ میں اس کا رقیب ہوگا جس سے خاندانی بربادی ظاہر ہے۔

یہاں طوالت کے اندیشہ سے صرف ان امور کا جواب دیا گیا ہے جو موجب شبہ ہو سکتے تھے جو چیزیں وہم محض اور بیّن البطلان ہیں ان کے جواب کی ضرورت نہیں۔ منکرین حدیث نے وراثت سے متعلق نظام اسلامی کے پورے ڈھانچہ کو پاش پاش کر دیا ہے، لیکن ان پر لازم ہے کہ اصول وراثت کا کوئی جدید ڈھانچہ تیار کر کے پیش کریں۔ جس یتیم پوتے کا مسئلہ جس پر محدثین، ائمہ، علماء، صوفیاء، فقہاء، حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ، شیعہ، غیر مقلد، اہل بدعت وغیرہم ساری امت کا اجماع ہے اس کا انکار کرنے سے منکرین حدیث کا مقصد قرآن کی حقانیت کو مشکوک کرنا ہے جبکہ پوتے چودہ سو سال تک کوئی ایک فرد بھی یہ مسئلہ نہ سمجھ سکا بلکہ ساری امت گمراہی میں مبتلا رہی تو ان اسلاف کے ہاتھوں ہم تک پہنچے ہوئے قرآن ورسالت کے نظام پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

میں آخر میں منکرین حدیث سے پھر وہی سوال کرتا ہوں جو روزنامہ زمیندار بابت ۱۸ جنوری سنہ ۳۸ء میں پیش کر کے پر زور الفاظ میں اس کے جواب کا مطالبہ کر چکا ہوں، مگر آج تک منکرین حدیث کے منہ پر مہر سکوت لگی ہوئی ہے۔

ابوعم العتیق ۔۔ ۲۱

خبار ’’منیار‘‘ اسلام (دسمبر ۱۹۷۰ء) کی اشاعت میں منکرین حدیث نے یہ اعتراض کیا تھا کہ قرآن میں اصول وراثت کو بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ قریب کے رشتہ دار کو بعید کے رشتہ دار سے پہلے حصہ ملے گا۔ لیکن علماء اپنے اصول وراثت کی رعایت کی خاطر اس کا مفہوم یہ قرار دیتے ہیں کہ قریب کا رشتہ دار بعید کے رشتہ دار کو محروم کر دیتا ہے اسے حجب حرمان کہتے ہیں۔

اس کا جواب جو میری طرف سے ’’المنیر‘‘ کی اشاعت میں دیا گیا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ذوی الفروض کی طرح عصبات میں بھی قریب کو زیادہ اور بعید کو کم حصہ دینے کے اصول پر عمل کیا جائے تو اس کمی بیشی کا معیار کیا ہوگا؟ اور اگر بیٹے اور پوتے کو مساوی حصہ دینا چاہتے ہیں تو یہ آپ ہی کے بیان کردہ قرآنی قانون قریب کو بعید سے پہلے ورثہ ملنے کے خلاف ہے۔ کیونکہ پہلے ورثہ ملنے کا یہ مفہوم تو نہیں ہو سکتا کہ قریب کو صبح کے وقت حصہ دیا جائے اور بعید کو شام کے وقت۔ اور یہ بھی آپ تسلیم نہیں کرتے کہ قریب کی وجہ سے بعید محروم ہے۔ تو پہلے ورثہ ملنے کا آپ کے ہاں صرف یہی مفہوم ہو سکتا ہے کہ قریب کو زیادہ اور بعید کو کم حصہ ملے تو اس کمی بیشی کا معیار کیا ہے؟ میں نے اس وقت بھی اس کے جواب کا پرزور مطالبہ کیا تھا اور اب پھر چیلنج کرتا ہوں کہ خود مضمون نگار یا اس کا کوئی ہم خیال میدان میں آئے۔ ’’ادعوا شهداءكم من دون الله ان كنتم صادقين‘‘ منکرین حدیث میں اگر کچھ سکت باقی ہے تو صرف اس ایک سوال کا جواب دیں۔ غیرت کا تو تقاضا ہے کہ اس گلوگیر اعتراض سے جان بچانے کی کوشش کریں ورنہ خود ’’المنیر‘‘ [illegible] پیش کر کے اس کے منہ توڑ جواب کی تاب نہ لا کر زاویۂ خمول میں جا گرنا بہت بڑی ذلت اور انتہائی بزدلی ہے۔

فی الحال اسی قدر مضمون پر اکتفاء کرتا ہوں جو اہل عقل کے لئے کافی و وافی ہے۔ ؎

اب تو جاتے ہیں میکدہ سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا!

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

رشید احمد
۱۵ شعبان سنہ ۱۳۹۲ھ

وجعلناها رجوما للشياطين

الرجوم الشهابية
على
الفرقة الذكرية والاباضية

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذکری فرقہ

سوال: بلوچستان اور خاص طور سے ضلع مکران میں ایک مہدوی فرقہ بنام "ذکری" مشہور و معروف ہے، یہ دراصل مہدویوں کی ایک شاخ ہے جو عرصہ تین چار سو سال سے ہے، ان کے سلسلے میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات درکار ہیں۔

① ان سے رشتہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے بعض جہلاء ان سے رشتے لیتے اور دیتے بھی ہیں۔

② اگر نکاح کرلیا ہو تو اب مسئلہ معلوم ہونے کے بعد کیا کرے؟

③ بصورتِ افتراق اس نکاح سے جو بچے پیدا ہوئے ہیں وہ کس کے ہیں؟

④ کیا یہ لوگ اہل کتاب شمار کیے جا سکتے ہیں؟ جبکہ یہ قرآن کو مانتے اور پڑھتے بھی ہیں اور منزل من اللہ سمجھتے ہیں۔

⑤ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کیسا ہے؟ جبکہ ذبح کے وقت کلمہ اور بسم اللہ پڑھتے ہیں۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سوالات کا جواب دینے سے قبل مناسب ہے کہ ذکری مذہب پر ایک سرسری نگاہ ڈال لی جائے۔

آپ کو یہ سن کر شاید تعجب ہوگا کہ "ذکری مذہب" ایک ایسا مذہب ہے جس کا کوئی ضابطۂ حیات نہیں ہے بلکہ وقتی طور پر اس کے پیشوا جن کو ملائی کہا جاتا ہے وہ جو بھی حکم دے دیں وہی ان کا دین ہے، اگر مذہب پر اگر کوئی کتاب اصولی طور پر ان کے مذہب کے بانی یا اور کسی پیشوا نے لکھی بھی ہے، تو اول تو وہ قلمی ہے اور ایک دو نسخوں سے زائد نہیں، مزید یہ کہ بہائیوں کی کتاب اقدس کی طرح وہ وقت سازگار ہونے تک برسرِ عام نہیں لائی جاتی، بلکہ وہ ایک دو نسخے ابا عن جد ان کے مذہبی پیشواؤں کے پاس منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔

تاہم ان کے مذہبی عقائد جس حد تک ہمیں معلوم ہو سکے ان میں سے چند اصولی چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد مذکورہ سوالات کے جوابات تحریر کیے جائیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مہدوی فرقہ

ذکریوں کے عقائد ذکر کرنے سے قبل یہ بتا دینا ضروری ہے کہ "ذکری مذہب" حقیقت میں فرقہ مہدویہ

التحریر للنہایۃ ــــــ ۲

کی ایک شاخ ہے، مہدوی فرقہ میراں سید محمد جونپوری کی طرف منسوب ہے، مختلف جگہوں میں اس کے مختلف نام ہیں، کہیں یہ لوگ "مہدوی" کہلاتے ہیں، کہیں "دائرہ والے" کہیں "مصدق" کہیں "ذکری" کہیں "ذاتی" اور کہیں "طالُ" کا نام رکھتے ہیں۔ (مہدوی تحریک ص۹)

مہدی جونپوری

میراں سید محمد جونپوری ۱۴ جمادی الاولیٰ بروز پیر ۸۴۷ھ مطابق ۱۴۴۳ء جونپور (یو پی) ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ (مہدوی تحریک ص۲۳) والد کا نام سید عبداللہ ہے بارہویں پشت میں امام موسیٰ کاظم تک سلسلہ نسب جا پہنچتا ہے، والدہ کا نام آمنہ خاتون اور عرف آغا ملک ہے (مہدوی تحریک ص۲۳)

مہدوی عوام سید محمد جونپوری کو "میراں ساں جی" اور مکران وقلات وایران کے ذکری "نورپاک" کے لقب سے ان کا تذکرہ کرتے ہیں، جمادی الاولیٰ ۸۸۷ھ میں جونپور کو چھوڑ کر مختلف علاقوں میں گشت کرتے رہے، یہاں تک کہ ۹۰۰ھ میں احمد آباد پہنچے اور ۹۰۱ھ میں حج کے لئے چلے گئے، وہاں مکہ معظمہ میں قیام رہا اور "رکن" اور "مقام ابراہیم" کے درمیان کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ میری ذات وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور انبیاء سابقین نے جس کی آمد کی خبر دی تھی اور یہ کہا کہ مہدی آخر الزمان میری ذات ہے (تحریک مہدویت ص۳۳)

شیخ محمد اکرم نے "رود کوثر" میں اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے کہ:۔

"۹۰۱ھ میں انہوں نے حج کیا اور مکہ معظمہ میں ہی مہدویت کا دعویٰ کیا۔"

اس کے بعد واپس ہندوستان آئے، سب سے پہلے احمد آباد (گجرات) میں داخل ہوئے، چنانچہ ۹۰۶ھ میں وہ موجودہ پاکستان کے علاقہ ٹھٹھہ میں آئے اور یہاں تقریباً چھ ماہ قیام کیا۔ ٹھٹھہ میں ان کی جائے قیام آج تک زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔

ٹھٹھہ سے چل کر بلوچستان کے غیر آباد اور دشوار گزار راستوں سے ہو کر آپ اپنی کثیر جماعت کو ساتھ لے کر قندھار پہنچے، قندھار سے فراہ (جو اس زمانے میں ایران میں داخل تھا، اب افغانستان میں شامل ہے) آئے، اور فراہ میں ۱۹ ذیقعدہ ۹۱۰ھ میں بروز دوشنبہ انتقال کر گئے۔

(مہدوی تحریک مختصراً ص۳۳)

مہدی ہونے کا دعویٰ اور سلاطین کو دعوت نامہ

ذیل میں ہم ان کا ایک دعوت نامہ نقل کرتے ہیں جو انہوں نے مختلف امراء و سلاطین کو لکھا ہے۔
یہ خط شمس الدین مسلفال نے اپنی کتاب "مہدوی تحریک" میں "قول المحمود" کے حوالے سے نقل کیا ہے
یہ خط مقام برلی گجرات سے [illegible] میں مختلف امراء و سلاطین اور خوانین کے نام جاری کیا گیا۔

"اے لوگو! اس امر کو سمجھ لو کہ میں محمد بن عبد اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم نام ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے ولایت محمدیہ کا خاتم اور اپنے نبی کی بزرگ امت پر خلیفہ بنایا ہے۔ میں وہی شخص ہوں جس کے آخری زمانے میں مبعوث ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور میں ہی ہوں جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ میں وہی ہوں جس کا سابقہ پیغمبروں کے صحیفوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ میں وہی ہوں جس کی اگلے اور پچھلے گروہوں نے توصیف کی ہے۔ میں وہی ہوں جس کو روحانی خلافت دی گئی ہے۔ میں اللہ کی طرف بصیرت پر مخلوق کو اللہ کے حکم سے بلاتا ہوں۔ میں اس دعویٰ کے وقت نشے کی حالت میں نہیں ہوں، بلکہ باہوش ہوں۔ جوش میں لائے جانے اور بیدار رکھے جانے کا محتاج نہیں ہوں۔ اللہ کی طرف سے مجھے پاک رزق ملتا ہے اور مجھے سوائے اللہ کے کسی شے کی احتیاج نہیں۔ میں ملک و حکومت کا طالب نہیں ہوں اور نہ مجھے ریاست و سلطنت قائم کرنے کی خواہش ہے۔ میں امارت، ملک اور ریاست کو نجس خیال کرتا ہوں۔ دنیا کی محبت سے بچھڑانا میرا کام ہے۔

میری اس دعوت کا باعث یہی ہے کہ میں اللہ کی جانب سے اس دعوت پر مامور ہوں تاکید اور تہدید سے میں اپنی دعوت تم تک پہنچاتا ہوں۔ اللہ نے مجھے مفترض الطاعۃ بنایا ہے (یعنی میری اطاعت فرض ہے)۔ میں تمام انس و جن کی طرف اپنی اس دعوت کو پہنچا رہا ہوں، اس مضمون سے کہ میں ولایت محمدیہ کا خاتم ہوں، میں اللہ کا خلیفہ ہوں۔ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے روگردانی کی گویا اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے روگردانی کی۔ اے لوگو! مجھ پر ایمان لاؤ تاکہ تم کو چھٹکارا نصیب ہو۔ میری بات سنو اور میری پیروی کرنے میں جلدی کرو تاکہ تم

الحجۃ البالغۃ ــــ ۴

علامہ عبدالحی بن فخرالدین حسنی اپنی مشہور کتاب نزہۃ الخواطر کے ص ۲۲۸ میں لکھتے ہیں :-

الشیخ الکبیر محمد بن یوسف الحسینی الجونپوری المهدی المشهور بالمهدی ولد سنة سبع وأربعين وثمان مائة بمدينة جونپور (نزهة الخواطر ص۲۲۸ ج ۴) اسی کتاب میں آگے چل کر اس کی مزید نقاب کشائی کرتے ہیں ، " قال أبو رجاء الشاهجهانپوري في الهدية المهدوية ان الجونپوري اخترع اصحابه من ذلك العهد اي من نسبته الى المهدي الموعود ، ولفق بعض الناس اسم أبيه بعبد الله واسم امه بآمنة وأشاعوا في الناس وصنف كتابا في أصول هذا المذهب ۔ (نزهة الخواطر ص۲۲۹ ج۴ ، طبع دائرة المعارف حیدرآباد دکن)

ملا عبدالقادر بدایونی کی فارسی تاریخ "منتخب التواریخ" کے مترجم محمود احمد فاروقی نے حاشیہ میں لکھا ہے

" سید محمد جونپور کے رہنے والے تھے ، ان کے والد کا نام یوسف تھا ، ایک بزرگ شیخ دانیال کے مرید و خلیفہ ہوئے ۔"
(ترجمہ منتخب التواریخ ص[illegible])

بہرحال سید محمد جونپوری کے والد کا نام سید خان یا سید خان یوسف خان ہو لیکن اتنی بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ والد کا نام عبداللہ مہدویت کے شوق سے بعد میں رکھا گیا ہے ، اسی طرح والدہ کا اصل نام آغا ملک تھا جسے مہدویت نے آمنہ سے بدل دیا اور آغا ملک کو موافق نام تجویز کر دیا ، اس سے قارئین حضرات بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سید محمد جونپوری نے جس طرح والدین کے نام بعد میں نقل تجویز کرائے ہیں یہ دعوائے مہدیت بھی نقل ہے جسے بالتواتر مسنونی مہدی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ۔

ذکری مذہب

یہاں تک یہ بات ثابت ہوگئی کہ سید محمد جونپوری نے مہدی آخرالزمان ہونے کا دعویٰ کیا ہے ۔
اب ہم مذہب ذکری سے متعلق کچھ تفصیل عرض کریں گے ۔

یہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ سید محمد جونپوری مہدی آخرالزمان ہیں ، نیز اس کو رسول بھی مانتے ہیں چنانچہ ان کا کلمہ اہل اسلام کے کلمہ کے برعکس ہے " لا الٰہ الا اللہ نور پاک محمد مہدی مراد اللہ "
(بلوچستان گزیٹیر جلد ۸ از ہیوز بلر ۱۹۰۶ کراچی ص۱۱۱)

نیز یہ کبھی اپنا کلمہ یہ بھی پڑھتے ہیں " لا الٰہ الا اللہ نور پاک محمد مہدی رسول اللہ " (ملت بیضاء ص[illegible])

یہ لوگ اپنے پیغمبر کو عام طور پر محمد مہدی اٹکی کہتے ہیں ، ان کا خیال ہے کہ ان کا پیغمبر محمد مہدی اٹک (پنجاب) سے مکران آیا تھا ، وہ ایک نور تھا جو ظاہر ہو کر ان کے بزرگوں کو دین کا راستہ بتا کر روپوش ہو گیا ۔ ان کا خیال ہے کہ اس واقعہ کو چار پانچ سو برس گزر چکے ہیں ، اور ان کے تفصیلی حالات (مہدی نامہ) میں لکھے ہیں مگر وہ یہ کتاب کسی کو نہیں دکھاتے ، یہ کتاب فارسی زبان میں ہے ۔ (ماخوذ از ملت بیضاء ص[illegible])

دوم آنکہ داعیان در ادای نماز پنجگانہ بزید انکار و اعراض آمدہ اند و می گویند نماز بر پیشامہ ربان میخوانیم در پنج وقت علی التعیین یعنی فجر و ظہر و عصر و مغرب و عشاء شوقی ندارند و خداوند تعالیٰ حکم عدم قرب نماز دادہ است بمقتضای آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ (ترجمہ) اے مومنان نزدیک مشوید نماز را (عمدۃ الوسائل از مولانا محمد موسیٰ صاحب ص۱۲)

(مکران تاریخ کے آئینہ میں ص۲۰) وغیرہ

(۳) روزۂ رمضان کے منکر ہیں

سوم آنکہ مذہب والا داعیان در بلد صیام رمضان المبارک روزہ نمی دارند و در تمام ماہ رحمن و شہر سبحان بشوق و ذوق در خوردن و چریدن مشغول شدند از فرضیت صیام منکر شدند و می گویند خداوند تعالیٰ گفتہ است بخورید و بنوشید خطاب بما داعیان کردہ است۔ قال اللہ تعالیٰ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا آمدہ کہ خدا گفتہ بخورید و بنوشید۔ ہر آن حکم کہ خداوند بجا آوردہ در ماہ رمضان خوردن و نوشیدن (تحفۃ الوسائل ص۳)

نیز ذکریوں کی اپنی کتاب "ماہی ذکری بھوں" میں لکھا ہے کہ "رمضان کے بجائے دوسرے دنوں میں تین ماہ آٹھ دن روزوں کے قائل ہیں، وہ اس طرح کہ ہر دو شنبہ، ایام بیض اور ذی الحجہ کے آٹھ دن یہ کل تین ماہ آٹھ دن ہو گئے۔" (ماہی ذکری بھوں ص۶ او ص۲۸، ۲۹، ۳۰ ق ۱)

(۴) حج بیت اللہ کے منکر ہیں

یہ لوگ ذکری اور داعی حج بیت اللہ کے منکر ہیں اور خانہ کعبہ کو قبلہ تصور نہیں کرتے۔ حج بیت اللہ کے بجائے کوہ مراد میں جا کر حج کرتے ہیں، جو تربت (ضلع مکران) کے قریب ایک میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ ہے۔

(ماخوذ از مہدوی تحریک ص۸)

مولانا محمد موسیٰ صاحب دشتی لکھتے ہیں:۔

"چہارم آنکہ منکر بیت اللہ خانہ کعبہ شریف بقصد زیارت ہستند (الیٰ قولہ) و کوہ مراد را کہ ذکران گذشتہ بود و قبلہ خود مقرر کردہ اند (الیٰ قولہ) برای زیارت و طواف کوہ مراد فراہم و جمع می شوند۔" (عمدۃ الوسائل ص۱۳)

یہ لوگ ماہ رمضان اور نہم و دہم ذی الحجہ کو زیارت کے بہانے حج کرتے ہیں۔

(مہدوی تحریک ص۸، سپاسنامہ آل پاکستان مسلم ذکری انجمن ص۴۹)

(۵) کعبۃ اللہ کے قبلہ ہونے کے قائل نہیں

مولانا محمد موسیٰ عمدۃ الوسائل میں لکھتے ہیں:۔

"ایضاً پنجم آنکہ از توجہ بطرف کعبہ معروف تحاشی

ندانند، مے گویند علمائے ما کہ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ پس ہر جا کہ رو آرید پس آنجا خدائے تعالیٰ ہست، لہٰذا توجہ بکعبہ قبلہ ضرورت ندارد (عمدۃ الوسائل ص۲۰)

دین یا مذہب

عام لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے دین مذہب کی عجیب تقسیم کرکے لکھتے ہیں:

ہم مسلمانوں کا دین ایک اسلام ہے، لیکن مذہب الگ الگ ہیں جیسا حنفی، حنبلی، مالکی، شافعی، جعفری، ہشت امامی، ذکری اور اہل حدیث وغیرہ وغیرہ۔ ہمارا اور ان سب کا دین اسلام ہے اور جو اسلام سے خارج ہے وہ کافر ہے (میں ذکری ہوں ص ۱۵)

یہ عجیب نعرہ اسلام ہے کہ اہل اسلام سے الگ، نماز، روزہ، حج جیسے اصول اسلام کے منکر ہیں پھر بھی مسلمان ہیں۔

عبادات کا ذکری تخیل

کتاب "میں ذکری ہوں" کا مصنف عبادات کے بارے میں اپنا نظریہ یوں لکھتا ہے:

"میری عبادت یہ ہے، ذکر خداوندی پانچ وقت، رکوع اور سجدہ تین وقت اور روزہ ہم سب مذہبوں سے زیادہ رکھتے ہیں، یعنی سال میں تین ماہ آٹھ دن اور زکوٰۃ جابجا ہر ایک اور عشر یعنی دسواں حصہ ہر آبادی بہ پیداواری پر اور یہ ہم فرض جانتے ہیں"

(میں ذکری ہوں ص)

ان کے علاوہ: ذکری غسل بعد جماع و احتلام کے قائل نہیں (عہد ص) میت کے لئے نماز جنازہ کے قائل نہیں، صرف دعا کرتے ہیں جو ذکر خانہ میں ہوتی ہے (میں ذکری ہوں ص ۱۵)

ان کے علاوہ اور بھی کئی خرافات ہیں، جن کا تحریر میں لانا مناسب نہیں۔

چوگان یا مذہبی رقص

اس سے قبل کہ ہم استفتاء میں مندرجہ سوالات کا جواب دیں، ذکری مذہب کے ایک مذہبی رقص کا تذکرہ کرتے ہیں:

چوگان: یہ ایک قسم کا سماجی رقص ہے جسے مذہبی رنگ دے دیا گیا ہے، یہ چوگان چاندنی راتوں اور مقدس راتوں میں بالعموم کھلے میدانوں میں ہوتا ہے۔ جوان، بچے اور بوڑھے سب اس میں بڑے انہماک سے حصہ لیتے ہیں۔ چوگان میں شریک ہونے والے ایک دائرے میں کھڑے ہوجاتے ہیں اور وسط میں کوئی خوش گلو مرد یا عورت جو چوگان کے قدموں اور حرکتوں سے کما حقہ واقف ہوتا یا ہوتی ہو کھڑے ہو کر صفت مہدی اور حمد خدا کے اشعار پڑھنا شروع کرتے ہیں اور تمام شرکاء جنہیں جوانی کہا جاتا ہے شاعر کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ پر حرکت میں آجاتے ہیں اور شعر کا آخری مصرعہ بیک زبان دہراتے ہیں۔ چوگان میں کسی قسم کا آلہ موسیقی استعمال نہیں کیا جاتا۔

چوگان کے بول تین طرح کے ہوتے ہیں، دو چالی، سہ چالی اور چار چالی۔ مثلاً "صاحب زماں مہدیا نازنین مہدیا۔ اللہ یک، مہدی برحق۔ یاراں مہدیا جلوہ شیث۔ مہدی مٹی دل مراد" وغیرہ

(مہدوی تحریک ص [illegible])

اس چوگان (سماجی رقص) میں یہ لوگ دائرے کی شکل میں کھڑے ہوتے ہیں، جب چوگان کے بول بولے جاتے ہیں تو رقص کی طرح وہ اوپر نیچے ہوجاتے ہیں اور آگے پیچھے اس طرح سے ہٹتے جاتے ہیں کہ دائرہ اپنے حال پر باقی رہتا ہے۔ ذکری مذہب میں یہ رقص بہت بڑا ثواب ہے۔ اس میں شامل ہونے والوں کے ثواب کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں، اس کے تماشائی بھی بہت بڑا ثواب کماتے ہیں۔

ایک ملازم نے بتایا کہ انہوں نے دو مدعیٔ مہدی آخر الزمان دیکھے ہیں .... ذکریوں کی طرح انہوں نے بھی اپنے ماننے والوں کی اصلاح کے لئے اسی سے ملتا جلتا ایک مذہبی رقص اختیار کیا ہوا ہے جس میں حسب ضرورت عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ مذکورہ بالا دو مہدیوں میں سے ایک کا تعلق [illegible] بات کو چھپاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خود ناچنے اور لوگوں کو نچانے کا جو شوق ہوا تو اپنی ہوس اور خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لئے مہدویت کا جال استعمال کیا۔

دل کو بہلانے کے لئے یہ جال اچھا ہے ہم نے

یہ لوگ سید محمد جونپوری کے ایک جملہ سے اپنے ذکریہ مذہبی رقص پر استدلال کرتے ہیں، اگرچہ سید محمد جونپوری کا اصطلاحی دائرہ کسی اور ڈھنگ کا تھا، وہ قول یہ ہے:

"میرے دائرے کا کتا بھی ضائع نہیں ہوگا" (مہدوی تحریک ص [illegible])

ذکری کافر ہیں

ذکری چونکہ محمد مہدی کو رسول مانتے ہیں، اس کے نام کا کلمہ بھی پڑھتے ہیں، وہ اصول اسلام ضمانی

روزہ، حج وغیرہ کے منکر ہیں ان لوگوں کے کافر ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں۔

آمدم برسر مطلب

اس تفصیل کے بعد اب مختصراً مطلوبہ سوالات کے جوابات ملاحظہ ہوں۔

(۱) ذکریوں سے نکاح جائز نہیں ہے، قال فی الدر (و) حرم نکاح (الوثنیة) قال فی الشامیة تحت (قوله الوثنیة) ویدخل فی عبدة الاوثان عبدة الشمس (الی قوله) وفی شرح الوجیز وکل مذهب یکفر به معتقده اه قلت وشمل ذلك الدروز والنصيرية والتيامنة فلا تحل مناكحتهم ولا توكل ذبيحتهم لانهم ليس لهم كتاب سماوي (الشامية ص ۲۱۲ ج ۲)

(۲) چونکہ نکاح شرعاً ہوا ہی نہیں اس لئے علیحدگی اختیار کر لی جائے اور اتنی مدت جو بلا نکاح میاں بیوی کی صورت میں گزاری اس سے توبہ کرے۔

(۳) جو بچے پیدا ہوئے ہیں وہ ولد الزنا ہیں ان کا نسب ثابت نہیں، چونکہ ان کا باپ نہیں اس لئے ماں کی کفالت میں رہیں گے، باپ کے ساتھ ان کی وراثت کا کوئی تعلق نہیں۔

(۴) اہل کتاب وہ ہیں جو کسی سچے رسول کی طرف منسوب ہوں اور ذکری مذہب والے محمد مہدی کو رسول مانتے ہیں جو ان کے کلمہ لا الٰہ الا اللہ نور پاک محمد مہدی رسول اللہ سے صاف ظاہر ہے، حالانکہ سید محمد جونپوری نبی نہیں اس لئے یہ لوگ اہل کتاب نہیں۔

(۵) ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال نہیں ہے عبارت سوال ۱ کے جواب میں ملاحظہ ہو، ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے صرف کلمہ اور اللہ اکبر کہنا کافی نہیں بلکہ اس کے لئے مسلمان یا اہل کتاب ہونا لازم ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ ربیع الآخر [illegible]

اباضی فرقہ

سوال۔ سلطنت عمان میں اکثر و بیشتر اباضی فرقہ (جو کہ خوارج کے فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے) کے لوگ رہتے ہیں اور اہل السنت والجماعت کے لوگ بھی کثیر تعداد میں وہاں پر زندگی گزارتے ہیں بلکہ اتفاقی طور پر یہ اکثر لوگ سنی ہوتے ہیں۔ اب وہاں پر تو کئی مسجدیں ہیں اباضی مستقل پیش امام ہیں اور وہی نماز پڑھاتے ہیں

النجوم الشهابية ـــــ ۱۱

کیا ان کے پیچھے اہل السنت والجماعت کی نماز ہو جاتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مستفتی نے جو اباضی فرقہ ہے، ان کے صحیح عقائد کیا ہیں؟ اس کی ہمیں تحقیق نہیں ہے ان کے متعلق صحیح فیصلہ جب ہو سکے گا جب کہ ان کے عقائد ذکر کئے جائیں۔ البتہ عبداللہ بن اباض کی جانب منسوب جو فرقہ اباضیہ ہے اور جو خوارج ہی کی شاخ ہے، ان کے عقائد کتابوں میں ملتے ہیں، اگر یہ فرقہ بعینہ وہی ہے یا ان کے عقائد ان کے مطابق ہیں تو ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، اس لئے ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔

سلف کی کتابوں میں ان کے متعلق مندرجہ ذیل عقائد ملتے ہیں:

قال العلامة الشیخ محمد کامل بن مصطفی بن محمود الطرابلسی الحنفی سئلت عن اهل جبل طرابلس الغرب الذین لا یتمذهبون بمذهب من المذاهب الاربعة ما مذهبهم ومن هو امامهم؟ فالجواب انهم یتمذهبون بمذهب عبد الله بن اباض وهم اباضیة وهم من جملة الخوارج وقد قسم فی المواقف الخوارج الی سبع فرق احدها الاباضیة، قال انهم قالوا مخالفونا من اهل القبلة کفار غیر مشرکین تجوز مناکحتهم وغنیمة اموالهم من سلاحهم وکراعهم حلال عند الحرب دون غیره ودارهم دار اسلام الا معسکر سلطانهم وقالوا لا تقبل شهادة مخالفیهم ومرتکب الکبیرة موحد غیر مؤمن بناء علی ان الاعمال داخلة فی الایمان والاستطاعة قبل الفعل وفعل العبد مخلوق لله تعالی ومرتکب الکبیرة کافر کفر نعمة لا ملة وتوقفوا فی تکفیر اولاد الکفار وتعذیبهم وتوقفوا فی النفاق اهو شرک ام لا وفی جواز بعثة رسول بلا دلیل ومعجزة وتکلیف اتباعه فیما یوحی الیه ای ترددوا فی ان ذلک جائز ام لا وکفروا علیا واکثر اصحابه اھ ملخصا مما فی المواقف
والله تعالی اعلم (فتاوی کاملیہ ص ۳ طبع قندھار افغانستان)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ ذی الحجة

ازالۃ الرّیب
عن
مسئلۃ علم الغیب
مسئلہ علم غیب پر مفصل تحقیق
حکم عقیدہ علم غیب کلی

ازالۃ الریب

اشاریہ

مسئلہ علم غیب پر مفصل تحقیق

سوال : آیۂ کریمہ فی خمس لا یعلمھن الا اللّٰہ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پانچ چیزوں کا علم مختص باللہ تعالیٰ ہے ۔ حالانکہ ان میں سے بہت سے امور کا علم غیر اللہ کو ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے پس علم مختص باللہ تعالیٰ کی تفصیل کیا ہے ، مدلل تحریر فرمائیں ۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

آیۂ کریمہ فی خمس لا یعلمھن الا اللّٰہ پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں ۔

اوّل یہ کہ ان پانچ چیزوں کے اختصاص کی کیا وجہ ؟ حالانکہ تمام انبیاء علیہم السلام اور جمیع مخلوقات کا علم متناہی ہے اور باری تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے اور متناہی کو غیر متناہی سے نکالنے کے بعد غیر متناہی ہوگا ۔ پھر ان پانچ کو مختص کیوں کیا ؟ ان پانچ کے علاوہ بھی بہت سے علوم ہیں جن کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں ۔

دوم یہ کہ ان کا اختصاص بظاہر مشاہدہ کے خلاف ہے ۔ ایک نہیں ہزاروں واقعات ہیں کہ بعض کو ان چیزوں کا علم ہوگیا ، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی لڑکی کا اسم قبل از ولادت مقرر فرمایا تھا ، شاہ عبد اللہ صاحب تعویذ دیکر یہ بھی خبر دیدیا کرتے تھے کہ تمہارے ہاں لڑکا ہوگا یا لڑکی ہوگی حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی قدس سرہ نے اپنی موت کی خبر پہلے ہی دیدی تھی ۔

اوّل سوال کا جواب یہ ہے کہ کتاب النقول للسیوطی میں ہے کہ آپ سے ان پانچ چیزوں کا سوال ہوا تھا اس لئے جواب میں ان کا ذکر آیا ۔

دوسرے سوال کا جواب چند مقدمات پر مبنی ہے ۔

(۱) کسی علم کے اصول حاصل کئے بغیر کسی کو اس کا عالم نہیں کہا جا سکتا ۔ اگر کسی کو ہزاروں نسخوں یا ہزاروں جزئیات فقہیہ کا علم ہو جائے تو وہ طبیب یا فقیہ نہیں کہلا سکتا جب تک کہ ان جزئیات کے اصول سے واقف نہ ہو ۔ پس معلوم ہوا کہ حقیقۃً علم ، علم اصول ہے ۔

(۲) علم کلیات جزئیات کے لئے مفتاح ہے

(۳) غیب عبارت ہے ان امور غیبیہ سے جن کا ادراک حواس اور دلائل عقلیہ دریافتیات سے نہ ہو سکے ۔ پس معلوم ہونا چاہیئے کہ علم غیب کے کچھ کلیات و جزئیات اور اصول و فروع ہیں ۔ دنیا میں ایک ذرہ کی حرکت بھی بغیر اصول و ضوابط کے نہیں ہوتی ۔ اگر کسی کو ہزار عورتوں کے حمل

کا علم ہو جائے تو یہ جزئیات ہیں، اگر ایسے ولی سے دریافت کیا جائے تو وہ کشف ہی کا حوالہ دیگا۔ ایسے ہی منجم بھی ستاروں کی تاثیرات وغیرہ علامات ظنیہ سے معلوم کرتا ہے اور یقینی ضوابط سے وہ بھی خالی ہاتھ ہے، کوئی طبیب یا ڈاکٹر اسکا دعویٰ کرتا ہو تو وہ آلات کے ذریعہ مشاہدہ یا دلائل ظنیہ پر مبنی ہوگا۔ معلوم ہوا کہ مغیبات کا بلا واسطہ علم اور اسکے اصول و کلیات فقط باری تعالیٰ ہی ہیں۔

یاد رہے کہ مغیبات دو قسم کے ہیں، تشریعی اور تکوینی۔ تشریعی جیسے وحی، تمام انبیاء علیہم السلام کو تشریعیات میں سے کچھ کلیات بقدر ضرورت تلقین کئے جاتے ہیں، اور تکوینیات میں کلیات نہیں بتلائے جاتے۔ انہی کلیات کو مفاتح سے تعبیر فرمایا ہے، خزانہ سے وہی کچھ نکال سکیگا جس کے پاس مفاتح ہونگی ایس ظاہر ہوا کہ علم کلیات مفاتح جزئیات ہے چنانچہ ارشاد ہے، وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو ویعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقۃ الا یعلمہا ولا حبۃ فی ظلمت الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتب مبین، خلاصہ یہ کہ کلیات تکوینیہ کا علم اور اسی طرح جملہ فروع کا اس طرح علمی احاطہ کہ کچھ بھی خارج نہ رہے، یہ باری تعالیٰ کے غیر کو نہیں حاصل ہو سکتے۔ لہٰذا اگر کسی ایک جزئی کے علم کی بھی غیر سے نفی ثابت ہو جائے تو احاطہ کی نفی ثابت ہو جائیگی چونکہ اہل بدعت ایجاب کلی کے قائل ہیں لہٰذا ہزاروں جزئیات کے علم کا ثبوت بھی ان کے لئے مفید نہیں، اور اہل سنت رفع ایجاب کلی کے قائل ہیں اس لئے ایک جزئیہ منفیہ بھی ہمارے لئے دلیل ہوگا اس لئے ہم بعض ایسے دلائل[1] پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ بعض ایسے امور بھی ہیں کہ ان کا علم حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیا گیا۔

دلیل اول: آیات ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ علم قیامت خاصۂ باری تعالیٰ ہے۔

(۱) ان الساعۃ اٰتیۃ اکاد اخفیہا لتجزی کل نفس بما تسعیٰ، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کی تفسیر یوں منقول ہے۔ اکاد اخفیہا من نفسی فکیف اظہرکم علیہا، عن حذف الاخفاء

(۲) یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰہا قل انما علمہا عند ربی لا یجلیہا لوقتہا الا ھو ثقلت فی السمٰوٰت والارض لا تاتیکم الا بغتۃ، یسئلونک کانک حفی عنہا قل انما علمہا عند اللّٰہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون

(۳) یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰہا فیم انت من ذکرٰہا الی ربک منتہٰہا

(۴) وعندہ علم الساعۃ والیہ ترجعون

(۵) الیہ یرد علم الساعۃ

---

[1] بوارق الغیب میں اس مسئلہ پر چالیس آیات اور ایک سو پچاس احادیث پیش کی ہیں ۱۲ منہ

ازالۃ الریب ـــــــ ۱۴

(۶) قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل له ربی امدا

(۷) قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا الله وما یشعرون ایان یبعثون

(نزلت فی سؤال المشرکین عن الساعة)

(۸) واجل مسمی عنده ثم انتم تمترون

(۹) وان ادری اقریب ام بعید ما توعدون

(۱۰) ویقولون متی هو قل عسی ان یکون قریبا

(۱۱) قل انما علمها عند الله وما یدریک لعل الساعة تکون قریبا

(۱۲) ویقولون متی هذا الوعد ان کنتم صدقین ۔ قل انما العلم عند الله

(۱۳) ویقولون متی هذا الوعد ان کنتم صدقین قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا الا ما شاء الله

(۱۴) ان الله عنده علم الساعة وینزل الغیث

قیامت سے متعلق قرآن کریم میں جس قدر آیات ہیں ان سے واضح ہے کہ وقت قیامت کا علم خاصۂ باری تعالیٰ ہے کہیں "اکاد اخفیها" فرمایا اور کہیں "انما" یا نفی و استثناء یا تقدیم ما حقہ التاخیر سے اس کے علم کا حصر باری تعالیٰ کی ذات میں کیا گیا ہے اور کہیں بغتة، ان ادری اور ما یشعرون فرما کر غیر سے علم کی نفی کی گئی ہے اور کہیں علم قیامت کو علی سبیل المدح ذکر فرمایا ہے اور آخری آیت میں پانچ اشیاء کے علم کا مختص باللہ ہونا مذکور ہے۔ نیز قرآن کریم میں تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم شعر نہیں دیا گیا۔

(دلیل دوم) قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء الله ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء تقریر استدلال سے قبل دو مقدمے سمجھ لینا ضروری ہے۔

(۱) اس آیت میں خیر و سوء سے مراد دنیوی خیر و سوء ہے کیونکہ آخرت میں ہر طرح کی خیر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور کسی قسم کا سوء آپ کو مس نہ کرے گا۔ معالم التنزیل وغیرہ میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق کفار کی جو گفتگو نقل کی گئی ہے وہ بھی دنیوی خیر و سوء کے متعلق ہے۔ لہٰذا جن لوگوں نے اخروی خیر و سوء مراد لی ہے ان پر محققین مفسرین نے رد کیا ہے۔

(۲) جلب نفع و دفع ضرر کے لئے علم ذاتی ہونا ضروری نہیں، عطائی بھی کافی ہے، نیز شان نزول میں سوال صرف علم عطائی سے تھا نہ کہ ذاتی سے (کما لا یخفی علی المتأمل)

اس تمہید کے بعد استدلال کی تقریر یوں ہے کہ آیت مذکورہ میں دلیل کے دو مقدمے ہیں

مقدمۂ اولیٰ ولو کنت اعلم الغیب الآیۃ۔ اس میں رفع تالی کو رفع مقدم کے لئے مستلزم
قرار دیا گیا ہے اور مقدمۂ ثانیہ اس سے قبل لا املک لنفسی الآیۃ ہے اس میں رفع تالی کا بیان ہے
تالی کے ہر دو جز وقت وفات تک مرتفع ہیں آخر وقت تک آپ کے عام حالات کے علاوہ خود مرض
وفات رفع تالی پر شاہد ہے بالخصوص آپ کا بار بار غسل فرما کر مسجد میں جانے کی کوشش کرنا
اور ہر دفعہ میں بیہوش ہو جانا۔ اگر آپ کو اس وقت یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ ارادہ پورا نہ ہو سکے گا
اور حسب میں غشیوں کا غشی طاری ہو جانے گی تو یقیناً یہ ارادہ نہ فرماتے، بہرکیف یہ حقیقت
ناقابل انکار ہے کہ آخر زمانۂ حیات تک عدم استکثار خیر اور مس سوء میں آپ کا وہی حال تھا
جو پہلے سے تھا۔ پس معلوم ہوا کہ اس وقت تک بھی آپ کو ایسے غیوب کا علم نہیں دیا گیا جو استکثار
خیر و اجتناب عن مس السوء میں عادۃً مؤثر ہوتے ہیں۔

دلیل سوم: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہم انی اعوذ بک من علم لا ینفع و من
قلب لا یخشع (مشکوۃ)۔ کیا کسی کو جرأت ہے کہ اس دعا کے عدم استجابہ کا تصور کرے، دعا
کے جز ثانی کا مقبول ہونا اظہر من الشمس ہے بلکہ اس کا انکار کفر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ فبما
رحمۃ من اللہ لنت لہم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک۔ پس جزء اول
کا مستجاب ہونا بھی متیقن ہے، نصوص بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ کیونکہ جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے لئے لا ینفع ہے وہ لا ینبغی لہ بھی ہے اور ایسے علم کی نفی قرآن میں ہے۔ فرمایا، وما علمناہ الشعر
وما ینبغی لہ۔ جن روایات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مضمون شعر کے وزن پر منقول ہے
وہ رجز ہے۔ وقال الاخفش ان الرجز لیس بشعر (فیض الباری ص ۲۳ ج ۲) بتقدیر تسلیم وہ کلام
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جوش میں بلا قصد جاری ہوئے اور شعر کی تعریف
میں قصد کی شرط ہے (کما صرح بہ علماء العروض) ورنہ بعض آیات قرآنیہ مثلاً لن تنالوا البر
حتی تنفقوا، اور ثم اقررتم وانتم تشہدون، ثم انتم ہؤلاء تقتلون کا شعر ہونا
لازم آئے گا حالانکہ قرآن اس سے بری ہے وما ہو بقول شاعر، اور بقصد شعر کچھ کہنا ثابت
ہو جائے تو پھر وہ شعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا نہیں بلکہ غیر سے نقل کیا ہے اور اگر اپنا ہی تسلیم
کر لیا جائے تو آپ اسے شعری وزن پر ادا نہ کر سکے بلکہ وزن ٹوٹ گیا، جیسا کہ صاحب مدارک
و دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ انا النبی لا کذب، انا ابن عبد المطلب کے رجز میں آپ نے کذب
کی باء کو مفتوح اور مطلب کو مجرور پڑھا تھا جس کی وجہ سے اس میں شعر کا وزن ہی باقی نہیں رہا

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے ج ۱ ص ۵۵۵ باب الہجرۃ میں تحت قولہ علیہ السلام اللہم ان
الاجر اجر الآخرۃ الخ ابن شہاب زہری سے نقل کیا ہے۔ ولم یبلغنا فی الاحادیث ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم تمثل ببیت شعر تام غیر ہذا البیت۔ بہرکیف اس درجہ سے نص قرآنی کے
خلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم شعر ثابت کرنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا
شعر کہا ہے خطرناک ضلالت ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں مشائخ حنفیہ سے ایسے شخص کی تکفیر نقل
کی ہے جو یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر کہا ہے (فتاویٰ خانیہ کتاب الردۃ)

حاصل یہ کہ یہ قطعی چیز ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی کمالات سے نوازنے کے باوجود
شعر کا علم عطا نہیں فرمایا تھا، اور اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر آپ شاعر ہوتے تو دشمن کہہ سکتے تھے
کہ جناب یہ تو پہلے ہی سے کامیاب شاعر ہے۔ اگر اس نے اپنے شاعرانہ کمال سے قرآن جیسی فصیح
و بلیغ کتاب بنالی تو کیا عجب ہے۔ پس حق تعالیٰ نے اس قسم کے شکوک کا دروازہ بند کرنے کے
لئے اور آپ کی نبوت پر سب سے بڑی دلیل یعنی قرآن پر سے شکوک و شبہات کے بادل چھانٹنے
کے لئے آپ کو علم شعر سے قطعاً محفوظ رکھا اور اس کی طرف سے طبیعت میں تنافر پیدا کر دیا کہ آپ
کبھی کسی دوسرے کا شعر بھی ٹھیک وزن پر نہیں پڑھ سکتے تھے، اور یہ بالکل اسی طرح ہے جس
طرح حق تعالیٰ نے آپ کو امی رکھا۔ اگر آپ لکھے پڑھے ہوتے تو تاریک باطن دشمنوں کو یہ کہنے کی
گنجائش ہوتی کہ جناب انہوں نے یہ علمی مضامین کسی کتاب سے نقل کئے ہیں۔ قرآن میں ہے۔ وما
کنت تتلوا من قبلہ من کتٰب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون

علم غیب سے متعلق صحابہ کا عقیدہ:

(صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ) ابن سعد و ابن ابی حاتم اور مرزبانی نے حسن بصری
سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی یوں پڑھا کرتے تھے کفی بالاسلام والشیب
للمرء ناھیا۔ حالانکہ موزوں مصرع یوں ہے کفی الشیب والاسلام للمرء ناھیا مگر حضور صلی اللہ
علیہ وسلم ہمیشہ یونہی الٹ پلٹ کر کے پڑھتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا اشہد انک
رسول اللہ وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ (در منثور و ابن کثیر) اس میں دلالت واضحہ ہے
کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم شعر نہیں دیا گیا تھا جو کہ ما کان
وما یکون میں داخل ہے۔

(حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ) مسلم شریف ج ۱ ص ۲۸۰ باب الی تحفیظ

امرأته لا یکون طلاقا) میں مذکور ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات سے ایلاء کرکے ایک بالا خانہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عمر تحقیق حال کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کمرہ کے دروازے پر آپ کے غلام حضرت رباح کو پایا۔ حضرت عمر نے ان سے فرمایا کہ میرے لئے اذن حاصل کریں۔ دو تین دفعہ اذن طلب کرنے پر جب جواب نہ ملا تو حضرت عمر نے باآواز بلند عرض کیا کہ حضور کا شاید یہ ظن ہے کہ میں اپنی لڑکی حفصہ کی سفارش کے لئے آیا ہوں یہ صاف بتلاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کو عالم الغیب نہ سمجھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ:

قال لم یعم علی نبیکم الا الخمس من سرائر الغیب (درمنثور ج ۵ ص [illegible]) نیز حضرت علی سے طبرانی اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے سورۃ مومن کی آیت منھم من قصصنا علیک ومنھم من لم نقصص علیک کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: بعث اللہ عبدا حبشیا نبیا فھو ممن لم یقصص علی محمد (درمنثور، کنز العمال ج ۲ ص [illegible]) اسی طرح سورۂ نساء رکوع ۲۳ کی ایک آیت کے تحت حضرت علی کا یہ قول بروایت ابن ابی حاتم منقول ہے (درمنثور ج ۲ ص [illegible])

واضح رہے کہ حضرت علی سے پہلی روایت میں حصر حقیقی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ امور خمسہ کو نکال دینے کے بعد بھی باقی علوم غیر متناہی ہیں جن کا حصول کسی مخلوق کے لئے محال عقلی و شرعی ہے۔ حضرت علی کی روایت ثانیہ بھی اس پر قرینہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کے نزدیک علوم خمسہ کے علاوہ بھی بعض دیگر علوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہیں کئے گئے، پس اس قسم کے الفاظ جہاں کہیں کسی صحابی سے منقول ہیں ان کا یہی مطلب ہے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا عقیدہ:

واذ اسر النبی الخ (سورۃ تحریم) ان آیات کا شان نزول صحیح بخاری وغیرہ میں یوں منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش کے پاس جایا کرتے تو وہ شہد پیش کرتیں جو آپ کو مرغوب تھا، آپ یہ شہد نوش فرماتے تھے، بمقتضائے نسوانیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دوسری ازواج کو اس پر غیر معمولی رشک آیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو وہ یوں کہے کہ آپ نے مغافیر کھائی ہے (یہ ایک کریہ الرائحہ گوند ہے) چنانچہ انہوں نے ایسا کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تو شہد پیا ہے تو کہنے لگیں کہ شاید شہد کی مکھی نے مغافیر چوسی ہوگی، آپ نے قسم کھائی کہ میں اب سے شہد نہیں پیوں گا اور

ازالۃ الریب ——— ۸

اس خیال سے کہ زینب کی دلشکنی نہ ہو اس کے اخفاء کی تاکید فرمائی مگر اس بی بی نے دوسری سے کہدیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع دی گئی، آپ نے ظاہر کرنے والی بی بی سے دریافت کیا تو اس نے تعجب سے پوچھا من انبأک ھذا، تو آپ نے فرمایا نبأنی العلیم الخبیر، یہ آپس میں مشورہ کرنے والی ازواج عائشہ اور حفصہ تھیں اور بعض روایات میں ہے کہ شہد پلانے والی اور عائشہ، سودہ، و صفیہ مشورہ کرنے والی ہیں بعض روایات میں شان نزول کا اور طرح بھی قصہ آیا ہے۔ ممکن ہے کہ کئی واقعات ہوں اور سب کے بعد یہ آیات نازل ہوئی ہوں بہرصورت ہمارا مقصد اس قدر ہے کہ ان ازواج مطہرات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خفیہ تدبیر کرنا اور پھر دریافت کرنے پر من انبأک ھذا کہنا، اس پر بین دلیل ہے کہ ازواج مطہرات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ما کان وما یکون کا علیم و خبیر ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتی تھیں، سورۂ نمل کی آیۂ کریمہ قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ کی تفسیر میں ابن کثیر روایت ابن ابی حاتم حضرت عائشہ سے نقل فرماتے ہیں۔ قالت من زعم انہ یعلم ما یکون فی غد فقد اعظم علی اللہ الفریۃ لان اللہ تعالیٰ یقول لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ (ابن کثیر ج ۳ ص ۳۷۱) اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ من حدثک انہ یعلم ما فی غد فقد کذب ثم قرأت وما تدری نفس ماذا تکسب غدا (بخاری ج ۲ ص ۷۲۰)

درمنثور میں ہے، قیل لعائشۃ رضی اللہ عنہا ھل کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتمثل بشیئ من الشعر قالت کان ابغض الحدیث الیہ غیر انہ کان یتمثل ببیت اخی بنی قیس یجعل اولہ اٰخرہ و اٰخرہ اولہ ویقول ویاتیک من لم تزود بالاخبار فقال ابوبکر لیس ھکذا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی واللہ ما انا بشاعر وما ینبغی لی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا عقیدہ:

تفسیر مدارک التنزیل میں ان اللہ عندہ علم الساعۃ کے تحت مذکور ہے، رأی المنصور فی منامہ صورۃ ملک الموت وسألہ عن مدۃ عمرہ فاشار الیہ باصابعہ الخمس فعبرہا بخمس سنوات وبخمسۃ اشہر وبخمسۃ ایام وقال ابوحنیفۃ ھو اشارۃ الی ھذہ الاٰیۃ فان ھذہ العلوم الخمسۃ لا یعلمہا الا اللہ (مدارک التنزیل ج ۳ ص ۲۹۴)

امام مالک رحمہ اللہ کا عقیدہ: الم یاتکم نبأ الذین من قبلکم قوم نوح وعاد وثمود الآیۃ

ازالۃ الریب ——— ۹

اس کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ امام مالک کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرے حتی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں بھی انکا یہی مسلک ہے۔ کیونکہ درمیانی آباء واجداد کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۱۳)
اور خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، انہ کان فی انتسابہ لا یجاوز عن معد
ابن عدنان (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۱۳ و معالم ج ۲ ص ۱۹۱)

فقہاء کرام کا عقیدہ :

البحر الرائق و قاضی خان وغیرہ کتب فقہ کی کتاب النکاح میں تصریح ہے کہ جو شخص بوقت نکاح یہ کہے کہ ہمارا شاہد اللہ اور رسول ہے اسکا نکاح نہیں ہوگا اور قائل بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب سمجھنے کے کافر ہو جائے گا۔

چند نکات نفیسہ :

جمیع اشیاء کا علم خواہ از قسم غیب ہوں یا شہادت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور ایسا علم محیط خدا تعالیٰ کے لئے ضروری اور صرف اسی کے لئے کمال ہے۔ بندوں کے لئے ایسا علم نہ ضروری ہے اور نہ ان کے لئے کمال ہے بلکہ ہر بندہ کے لئے انہی چیزوں کا علم موجب کمال ہے جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے اس لئے کہ اصطلاح شریعت میں علم کے معنی یہی ہیں۔ لغت میں تو ہر چیز کے جاننے کو علم کہتے ہیں مگر اصطلاح شریعت میں صرف ان اشیاء کے جاننے کا نام علم ہے جنکا جاننا وسیلۂ تقرب الٰہی اور ذریعہ تقرب ایزدی ہو۔ کیا ریل گاڑی کے بنانے اور اسے چلانے، ٹیلیگراف وغیرہ کے مسائل جاننے کو علم کہا جائیگا؟ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں کو علماء نہیں کہا جاتا۔ علماء کا خطاب صرف علم دین کے حاملین کے ساتھ مخصوص ہے۔ حدیث "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ" میں بھی علم کے اصطلاحی معنی یعنی ضروریات دین کا معلوم کرنا مراد ہے۔ دراصل بندوں کے لئے حقیقی کمال رضائے مولیٰ جل وعلیٰ کی تحصیل ہے اور جتنے کمالات ہیں وہ سب اسی اصل کمال کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ لہٰذا بندہ کے لئے علم بھی وہی کمال ہے جو رضائے الٰہی کا سبب بنے۔ رضاخانیوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمندر کے قطروں اور درختوں کے پتوں کا علم ہے اور ہر وقت ہر شخص کی حرکات و سکنات سے واقف ہیں، گویا کہ مثل خدائے تعالیٰ کے ہر جگہ پر حاضر و ناظر ہیں۔ یہ چیز آپ کے لئے باعث کمال نہیں بلکہ آپ کی ذات مقدس سے اس کی نفی کرنا ہی آپ کی شان کے لائق ہے۔ آپکا قلب مبارک علوم ربانیہ اور معارف الٰہیہ کا خزینہ ہے نہ کہ بادشاہوں کی صورتوں اور حرکات و سکنات کا آئینہ

(۲) علمت علم الاوّلین والاٰخرین کا یہی مطلب ہے کہ اوّلین و آخرین کو تقربِ الٰہی و رضائے مولیٰ کے وسائل کی تعلیم جس قدر دی گئی تھی سب کا علم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا گیا ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اصطلاحِ شریعت میں جسے علم کہتے ہیں یعنی مقرباتِ بارگاہِ الٰہی کا علم۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ہمسر و مساوی نہیں۔ نہ کوئی ملکِ مقرب آپ کا مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔

(۳) کسی چیز کا عالم کسی کو کہنا دو صورتوں میں منحصر ہے:

اوّل یہ کہ اس علم کے جمیع مسائل کو جانتا ہو۔

دوم یہ کہ مسائل کی مقدارِ کثیر کو جانتا ہو۔ مثلاً فقہ کا عالم اسے کہیں گے جو فقہ کے تمام مسائل یا مقدارِ کثیر کو جانتا ہو۔ کسی کو وضو یا نماز کے دس بیس مسائل معلوم ہو گئے تو اسے عالمِ فقہ نہیں کہہ سکتے علیٰ ہٰذا القیاس۔ عالمِ طب ایسے شخص کو کہیں گے جو طب کے تمام مسائل یا مقدارِ کثیر کا علم رکھتا ہو صرف اس قدر جان لینے سے کہ زنجبیل حار ہے اور کافور بارد، سقمونیا مسہل ہے، تعفنِ اخلاط سے بخار ہو جاتا ہے، عالمِ طب نہیں ہو سکتا۔

اس تمہید کے بعد غور کیجئے کہ عالم الغیب یا غیب دان کسے کہہ سکتے ہیں۔ اس میں بھی دو صورتیں ہیں۔ یعنی تمام غیوب کو جانتا ہو یا ان میں سے کثیر مقدار کا عالم ہو، غیب کے تمام امور کا علم تو حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ تخصیص آیاتِ قرآنیہ سے اس صراحت کے ساتھ ثابت ہے کہ اس کے خلاف عقیدہ رکھنے کو فقہائے کرام نے کفر قرار دیا ہے۔ اہلِ بدعت بھی تمام غیوب کے کُل نہیں کہہ سکتی۔ اب رہا مقدارِ کثیر کا جاننا تو اس کے متعلق یہ خیال کرنا ہے کہ کثرت باعتبارِ کُل کے ہوتی ہے کیونکہ کثرت و قلت اضافی امر ہے۔ مثلاً کُل کی تعداد ایک سو ہے تو ساٹھ ستر کو کثیر کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اگر کُل کی تعداد ایک ہزار ہے تو ساٹھ ستر کو کثیر نہیں کہہ سکتے۔ پس ضروری ہوا کہ غیوب کی کُل مقدار معلوم ہو اور پھر یہ معلوم ہو کہ اس میں سے کتنی مقدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ان دونوں امور کے معلوم ہونے کے بعد دیکھا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر امورِ غیبیہ کا علم دیا گیا وہ کُل غیوب کے لحاظ سے کثیر ہیں یا نہیں۔ حالانکہ یہ دونوں امر مجہول ہیں، کون جانتا ہے کہ کُل غیوب کتنے ہیں۔ اور کون جانتا ہے کہ کتنے امور کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔ دینے والا جانے۔ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب یا غیب دان یعنی غیب کا جاننے والا کسی مفہوم میں بھی نہیں کہہ سکتے۔ نہ کُل کے لحاظ سے نہ مقدارِ کثیر کے لحاظ سے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے

قرآن مجید میں عالم الغیب کا لفظ صرف اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے، انبیاء علیہم السلام کے لئے اظہار و اطلاع کا لفظ فرمایا، کما قال عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول الآیۃ وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء۔ دیکھئے ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے لئے غیب پر اظہار اور اطلاع فرمایا ہے۔ عالم الغیب کا لفظ ان پر اطلاق نہیں فرمایا، بلکہ یہ اپنے لئے خاص رکھا۔

(۳) قرآن مجید میں جہاں بھی غیب کا لفظ آیا ہے ان سب مواضع کو سیاق وسباق سے ملا کر دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ آیات قرآنیہ میں غیب کا اطلاق صرف دو چیزوں پر ہوا ہے۔ ایک وحی، دوسرا وقت قیامت، انبیاء علیہم السلام کو جس غیب پر اطلاع دینے کی بابت فرمایا ہے وہ وحی الٰہی ہے۔ میرا یہ مقصد نہیں کہ غیب کا لفظ از روئے لغت ان دو چیزوں کے ساتھ خاص ہے لغت میں تو تمام اشیاء غائبہ کو عام ہے۔ مگر اصطلاح قرآن میں صرف وحی اور وقت قیامت کے ساتھ مخصوص ہے۔

اہل بدعت کے دلائل کی حقیقت :

(۱) اہل بدعت اس مسئلہ میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ اپنے مخالفین کو کافر یا سنت سے خارج سمجھتے ہیں، ایسا مسئلہ جب اس قدر اہم ہے اور عقائد میں سے ہے تو انہیں چاہیئے کہ اس کے متعلق کوئی ایسی دلیل پیش کریں جو قطعی الدلالۃ اور یقینی الثبوت ہو، ایسی دلیل وہ ہرگز نہیں پیش کر سکتے نہ ہی کتب عقائد میں سے اپنی کوئی تائید حاصل کر سکتے ہیں۔

(۲) توسیع مجال کی خاطر اہل بدعت فقہ حنفی کو چھوڑ کر قرآن وحدیث سے استدلال کرتے ہیں اور ارفاقاً ان کے لئے ہم بھی یہ طرز قبول کر لیتے ہیں۔ ورنہ مقلد کے لئے صرف قول امام ہی حجت ہوتا ہے۔ عبارات فقہیہ چونکہ ناقابل تاویل ہیں۔ اس لئے اہل بدعت اس طرف آتے ہوئے گھبراتے ہیں، پس ان پر لازم ہے کہ یا تو فقہ حنفی کو فیصل تسلیم کریں ورنہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کا دعویٰ چھوڑ دیں اور غیر مقلد ہونے کا عام اعلان کر دیں۔

(۳) یہ لوگ نزول قرآن کے اختتام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو محیط بجمیع ما کان وما یکون مانتے ہیں لہٰذا ان پر ضروری ہے کہ اثبات دعویٰ کے لئے قرآن کی سب سے آخری آیت پیش کریں ورنہ دعویٰ و دلیل میں انطباق نہ رہے گا۔

(۴) قرآن کریم میں جہاں کہیں غیر اللہ کو علم غیب کا اعطاء معلوم ہوتا ہے وہاں ایجاب

جزئی ہے اور جہاں نفی ہے وہاں رفع ایجاب کلی ہے۔ اس تقریر پر قرآنی آیات میں تطبیق ہو جاتی ہے ذاتی وعطائی کی تطبیق ہر جگہ جاری نہیں ہو سکتی۔

(۵) "کل" اور "ما" اپنے عموم پر قطعی نہیں، جو دلائل اہل بدعت پیش کرتے ہیں ان میں جہاں کہیں کل کا لفظ وارد ہوا ہے وہاں استغراق حقیقی نہیں اور نہ ہی یہ ہو سکتا ہے، اس لئے کہ غیر متناہی علوم کا حصول مخلوق کے لئے محال عقلی و شرعی ہے۔ لہذا کل سے مراد امور کثیرہ ہیں۔ کل بول کر کثیر مراد لینا عام شائع وذائع ہے۔ قال اللہ تعالیٰ یجبی الیہ ثمرات کل شیء (سورۃ قصص) ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ میں دنیا کے تمام ثمرات نہیں آتے کہ کوئی بھی خارج نہ رہے، اسی طرح بلقیس کے متعلق ارشاد ہے واوتیت من کل شیء، اور ذوالقرنین کے متعلق فرمایا وآتیناہ من کل شیء سببا، حالانکہ موجودہ زمانہ کی ایجادات ان کے پاس نہ تھیں، ایسے ہی "وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق" میں استغراق نہیں، امام ترمذی نے لفظ کل کے اس اطلاق کے متعلق امام الحدیث والفقہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ جائز فی کلام العرب اذا صام اکثر الشھر صام کلہ الخ (ترمذی)

خود مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی اس اطلاق کا اقرار کیا ہے۔ چنانچہ اپنے فتاوی میں ایک جگہ پر فرماتے ہیں "کبھی کل سے مراد اکثر ہوتی ہے" (فتاوی رضویہ ج۱ صفحہ [illegible])

اسی طرح "من" و "ما" کے متعلق صاحب منار و متن نور الانوار فرماتے ہیں من وما یحتملان العموم والخصوص قرآن کریم میں بھی خصوص کے لئے مستعمل ہے چنانچہ یہود کے متعلق ارشاد ہے وعلمتم ما لم تعلموا (انعام ۹۱) ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون (بقرہ ۱۵۱)

اہل بدعت عموماً اس قسم کے الفاظ سے استدلال کرتے ہیں جو کہ مراد میں قطعی نہیں، اسی طرح جو حدیث پیش کریں گے وہ علاوہ ظنی الثبوت ہونے کے ظنی الدلالۃ ہوگی لہذا نصوص قرآنیہ کے مقابلہ میں معتبر نہ ہوگی۔

(۶) اہل بدعت کی مستدل آیات میں جہاں "ما" واقع ہے اگر اسے عام لیا جائے تو خود ان کے دعوی اور دلیل میں انطباق نہیں رہتا کیونکہ ان کا دعوی خاص پیدائش عالم سے لیکر قیامت تک کے مغیبات کے علم کا ہے جمیع مغیبات کا دعوی نہیں کرتے ([illegible]) اور اگر "ما" کو خاص کرتے ہیں تو خاص کے بہت سے افراد ہیں، متعین مراد اس سے کیسے ثابت ہوئی؟

علم غیب کی نفی سے متعلق اہل بدعت کے پیشواؤں کی عبارات

(۱) فاضل بریلوی "الدولۃ المکیۃ" کی نظر ثالث میں فرماتے ہیں: العلم الذاتی والمطلق المحیط التفصیلی مختص باللہ تعالیٰ۔

(۲) اسی کتاب مذکور کی نظر خامس میں لکھا ہے: لا نقول بمساواۃ علم اللہ تعالیٰ ولا بحصولہ بالاستقلال ولا نثبت بعطاء اللہ الا البعض۔

(۳) نعیم الدین مرادآبادی "الکلمۃ العلیا" میں فرماتے ہیں: جمیع اشیاء جملہ کائنات یعنی تمام حاضرہ وغائبہ کا علم عطا فرمایا، بدء الخلق یعنی ابتداء آفرینش سے دخول جنت و دوزخ تک سب مثل کف دست ظاہر کر دکھایا۔

(۴) عبارات بالا سے واضح رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہ ہم جمیع غیوب غیر متناہیہ کا علم ثابت کرتے ہیں نہ جملہ معلومات الٰہیہ کا۔

پس اہل بدعت پر لازم ہے کہ اپنے اس مخصوص دعویٰ پر کوئی ایسی دلیل پیش کریں جو اس سے منطبق ہو، ورنہ خرط القتاد۔ فقط واللہ الحمد اولاً وآخراً۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوہاب۔

رشید احمد

۲۷ر شعبان المبارک سنہ [illegible]

حکم عقیدۂ علم غیب کلی:

سوال: ماہنامہ الصدیق ملتان کا تجارتی نمبر نظر سے گزرا، اس میں قائل علم غیب کلی کو کافر کہنے میں احتیاط اولیٰ کے عنوان سے فتویٰ پر نظر پڑی، مستفتی نے مدرسہ امینیہ دہلی کا جو جواب نقل کیا ہے اور اسی کے قریب دارالعلوم دیوبند کا جواب بتایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اہل بدعت علم غیب عطائی کی تاویل کرتے ہیں اور مؤول کافر نہیں۔ اور مولانا عبداللہ صاحب مفتی خیر المدارس کی طرف سے اس استفتاء کے جواب کا خلاصہ یہ ہے جو شرح فقہ اکبر سے نقل کیا ہے کہ جب تک کسی قول میں کوئی بعید سے بعید تاویل ایسی ہو سکے جو موجب کفر نہیں اس وقت تک ایسے قائل کو کافر نہ کہنا چاہئے۔ اگرچہ قول کا ظاہر موجب کفر ہو۔ اس تحقیق سے متعلق آپ اپنی رائے سامی سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

احتیاط اولیٰ فی التکفیر کی وہی وجہ صحیح ہے جو مدرسہ امینیہ دہلی اور دارالعلوم دیوبند کے جواب میں مذکور ہے مفتی عبداللہ صاحب کی بیان فرمودہ توجیہ میں یہ اشکال ہے کہ شرح فقہ اکبر میں مذکور قاعدہ کے لئے

ضروری ہے کہ قائل خود اس احتمال بعید کا انکار نہ کرے۔ اگر قائل خود ظاہر پر یقین کی تصریح کرتا ہو
اور اسی پر مصر ہو کسی دوسرے احتمال پر محمول کرنے سے روکتا ہو تو اس کے قول کو خلاف ظاہر احتمال
بعید پر محمول کرنا کیسے صحیح ہوگا؟ خود ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر ص ۲۳ پر تحریر کر دیا ہے۔ ستنبیہ
ان کان نیۃ القائل الوجہ الذی یمنع التکفیر فہو مسلم وان کان نیتہ الوجہ الذی یوجب
التکفیر لاتنفعہ فتوی المفتی۔ قول علم غیب عطائی میں کوئی محمل بعید ایسا نہیں کہ قائل علم
غیب اس محمل کا بھی قائل ہو یا کم از کم اس سے ساکت ہو اور انکار نہ کرتا ہو اسکے کلام کا کوئی
ایسا محمل نہیں ہو سکتا جس کے یہ خود قائل ہوں اور اس کی بنا پر تکفیر سے احتراز کیا جا سکے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ صفر سنہ ۷۶ھ

سوال متعلق بالا

سوال: بندہ نے عقیدہ علم غیب کلی کے متعلق ایک استفتاء پوچھا تھا اس کے جواب میں کچھ شبہ
باقی ہے۔ امید ہے کہ حل فرما کر مطمئن فرمائیں گے۔ حضور نے احتیاط فی التکفیر کی بنا پر "موول کافر
نہیں" کو قرار دینے کی تصدیق فرمائی ہے۔ اس پر شبہ یہ ہے کہ نص قطعی کے معانی بھی اگر تواتر سے
قطعی طور پر ثابت ہوں تو اس معنی کا انکار کرنا اور کوئی دوسری تاویل کرنا کفر ہے "لان انکار ما ثبت
من الدین ضرورۃ" لہٰذا "موول کافر نہیں" کا قاعدہ مخصوص ہوا ایسی نصوص کے ساتھ کہ ان کے
الفاظ تو قطعی ہیں مگر معانی قطعی نہیں۔ سو ان کا انکار کرکے کوئی دوسری تاویل کرنا واقعی موجب
کفر نہیں۔ قادیانی خاتم النبیین کے لفظ کے منکر نہیں بلکہ معنے کے منکر ہیں یعنی تاویل کرتے ہیں۔ مگر
اس کے باوجود کافر ہیں۔ کیونکہ خاتم النبیین کے وہ معنی جن کا انہوں نے انکار کیا ہے قطعی ہیں۔ پس
اب صورت زیر بحث میں یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا نصوص نافیہ علم غیب کلی کا عموم ملائکہ کو شامل
ہونا قطعی نہیں؟ اگر ان نصوص کا عموم تواتر سے ثابت نہ ہو اور معنے عام قطعی نہ ہوں تو ایسے موول
کو کافر کہنا صحیح نہ ہوگا۔ غرضیکہ علم غیب کلی عطائی کا غیر اللہ سے منفی ہونا قطعی اور ثابت بالتواتر ہے
یا نہیں؟ بینوا بیانا شافیا توجروا اجرا وافیا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

وہ قطعیات کہ جن کے ثبوت اور دلالت دونوں میں ظنی نہ ہو، الفاظ بھی ثابت بالتواتر ہوں اور
دلالت علی المعنی المراد بھی قطعی ہو ان کا انکار کفر ہوتا ہے لیکن کبھی یہ قطعیات ضروریات دین سے

نہیں ہوتے اور کبھی ہوتے ہیں۔ ضروریات دین سے مراد یہ ہے کہ وہ مسئلہ ایسا ہو کہ ہر وہ شخص جسے کچھ بھی دین سے تعلق ہو اس کو من الدین سمجھتا ہو یعنی وہ اسلام کے جلی بدیہیات مسائل سے ہو کوجود اللہ تعالیٰ ووحدتہ وقیام الساعۃ وحشر الاجساد وحدوث العالم والجزاء فی الدار الآخرۃ والجنۃ والنار الی غیر ذلک۔ حضرت شاہ صاحب اکفار الملحدین میں تحریر فرماتے ہیں والمراد من الضروریات علی ما اشتہر فی الکتب ما علم کونہ من دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالضرورۃ بان تواتر عنہ واستفاض وعلمتہ العامۃ کالوحدانیۃ والنبوۃ وختمہا بخاتم الانبیاء وانقطاعہا بعدہ (ثم قال بعد اسطر) وکالبعث والجزاء ووجوب الصلوۃ والزکوۃ وحرمۃ الخمر ونحوہا (وقال فی الحاشیۃ) ای استفاض عنہ حتی وصل الی دائرۃ العوام الخ۔ اب ان ضروریات کا انکار کرنے والا خواہ متمسک بالکتاب والسنۃ کیوں نہ ہو اور خواہ ان قطعیات ثابتہ بالتواتر میں تاویل کیوں نہ کرے اسلام سے خارج ہوگا کمسئلۃ ختم النبوۃ۔

اور عقیدہ ثابتہ بالتواتر المدلول علیہا قطعاً جب وہ ضروریات دین سے نہ بنا ہو بلکہ خواص کے دائرہ میں ہو جیسا کہ نفی علم الغیب عن غیر اللہ یا تخلیقیۃ اللہ تعالیٰ کل شیء حتی الافعال الاختیاریۃ للعباد وقدم القرآن اس کا انکار اگر عن تاویل (ولو ضعیف ناشئا من غیر دلیل یعتد بہ) اور ان کا تمسک بھی کتاب سنت سے ہو تو ہم کہیں گے کہ اگرچہ یہ انکار کفر ہے اور یہ عقیدہ کفریہ ہے لیکن اس کا معتقد بوجہ اس تاویل ضعیف وتمسک بالدلیل الشرعی من الکتاب والسنۃ خارج از اسلام نہ ہوگا۔ خلق کل شیء، خالق کل شیء، خلقکم وما تعملون جیسی نصوص قطعیہ کی موجودگی میں معتزلہ انسان کو خالق افعال اختیاریہ مانتے ہیں لیکن شرح عقائد نسفی میں علامہ تفتازانی نے ان کے عدم کفر کو جمہور کا قول بتلایا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ علماء ماوراء النہر نے ان کی تضلیل میں مبالغہ کیا ہے حتی قالوا ان المجوس اسعد حالاً منہم حیث لم یثبتوا الا شریکاً واحداً، اور یہ لا تعد ولا تحصی خالق مانتے ہیں۔ بہرکیف بعض علماء اس زمانے میں بھی تیز اور سخت اقدام کے قائل تھے لیکن جمہور نے احتیاط سے کام لیا اور اب بھی وہی معاملہ ہے۔ البتہ بشریت انبیاء علیہم السلام اور غیر اللہ کا متصرف فی الامور نہ ہونا میرے نزدیک ضروریات دین سے ہے جس کا انکار (ولو عن تاویل) کفر ہے۔ فقط واللہ الہادی الی سبیل الرشاد

۳ ربیع الاول ۷۶ھ

ازالۃ الریب۔

میں سمجھا تھا جسے خضر رہ دین متین زاہد
نقاب اُلٹا تو دزد رہزن و ابلیس لعین نکلا

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا
یعنی
دیندار انجمن

بندہ نے اس موضوع سے متعلق منتشر مضامین کا مجموعہ ترتیب تحریر کے لئے ایک
ایسے اہل قلم کے سپرد کر دیا جن پر تطویل تحریر، تکثیر اشعار اور عبارت آرائی کا غلبہ ہے،
جب انھوں نے رسالہ تحریر کر کے پیش کیا تو میں نے اس میں سے صفحات کے صفحات کم کر
دئے اس کے باوجود عبارت کی تطویل اور اشعار کی تکثیر کے علاوہ اس کا طرز نگارش بھی بندہ
کے اسلوب تحریر سے بہت مختلف ہے، امید ہے کہ جو حضرات بندہ کی تحریر سے مانوس ہیں
وہ اس خلاف طبع تحریر سے اخذ مطلب کی زحمت گوارا فرمائیں گے۔

رشید احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ۔

کسی مذہب، ملت یا مستحکم قانون کو دو طرح کے خطرات کا سامنا ہوتا ہے، جب مخالفین کسی نظریہ کو ناکام بنانا چاہتے ہیں تو وہ دو طرح سے ہزاروں بلکہ لاکھوں حربے استعمال کریں مگر سب کا حاصل اندرونی سازش اور بیرونی یلغار ہے اور بس۔ کوئی مذہب یا نظریہ یا کسی بھی ملک کا ایسا وجود آیا ہے نہ آئیگا کہ اس کے خلاف کوئی سازش میں لگا ہوا نہ ہو، اور عادۃ اللہ بھی یہی ہے کہ اسی تقابل کے میدان میں کھرے کھوٹے کا پتہ چلتا ہے ۔

عام طور پر کسی نظریہ کو فنا کرنے کیلئے ابتداءً خارجی وسائل بروئے کار لائے جاتے ہیں اور جب ان سے ناامیدی ہو جاتی ہے، تو اندرونی طور پر ایسے لوگ تیار کئے جاتے ہیں جو اس تحریک کو ناکام بنا دیں۔ امتحان و آزمائش کی ان سخت گھڑیوں میں بعض ثابت قدم رہتے ہیں اور بعض اس آزمائش سے مجبور ہو جاتے ہیں ۔

اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام دین فطرت ہے، فطرت انسانی کی صحیح ترجمانی اگر کہیں پائی جاتی ہے تو وہ صرف اسلام ہے، نظریۂ اسلام اور دیگر مختلف نظریات میں جہاں دوسرے فرق ہیں وہاں یہ فرق نہایت واضح ہے کہ وہ تمام انسانی نظریات جو غیر اسلامی ہیں وہ ایک خاص طبقہ اور مکتبِ فکر کے جذبات کے ترجمان ہوتے ہیں اس لئے وہ خالص جذبات پر مبنی ہونے کی بنا پر اول تو مصالح بشریہ سے بالکل خالی ہوتے ہیں اور اگر ان میں کچھ مصلحت ہو بھی تو وہ مخصوص طبقہ اور مخصوص زمانے تک محدود ہوتے ہیں۔ بخلاف اسلام کے کہ وہ چونکہ خالق کائنات کا اپنی مخلوقات کیلئے بنایا ہوا ضابطہ ہے جو علیم وخبیر ہونے کی وجہ سے بندوں کے حالات مابعد وماقبل سے بخوبی واقف

ہے، اس لئے اس ضابطۂ حیات میں جہاں جذبات انسانی کی رعایت رکھی گئی ہے وہاں اس کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ وہ انسان کی طبیعت سلیمہ اور فطرت صحیحہ کی مکمل ترجمانی کرے ارشاد ربانی ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

ویسے تو ہر فرد بشر جب نئی راہ پکڑنے کی سعی کرتا ہے تو وہ اسی کو اپنی معراج و کامیابی کی نجات کا واحد ذریعہ قرار دیتا ہے۔ ارشاد ہے۔

اَلَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ○

لیکن جب واقعات و حقائق پر نظر ڈالی جاتی ہے تو لوٹ کر بات پھر وہیں آکر رک جاتی ہے جہاں سے ہم چلے تھے کہ

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○

لیکن ظاہر ہے کہ ایسا عالمگیر مذہب اور ہمہ گیر فطرت کے مطابق یہ سچا ضابطۂ حیات دشمنوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اس لئے ہر دور میں جب اسلام کا سورج چمکا تو شپرہ چشموں کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔ اور دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ اس کو ختم کرنے کی کس قدر ناکام کوششیں کی گئیں مگر وہ قدم قدم پر اسلام کی ترقی کا موجب بنتی رہیں۔

آخر کار جب ان دشمنان اسلام نے دیکھ لیا کہ کسی طرح سے ان کا داؤ نہیں چل رہا ہے تو انہوں نے دشمنی کا دوسرا روپ اختیار کر لیا، جو بڑی تو اسے وہ طریقہ کہیں جسے رئیس المنافقین عبد اللہ ابن ابی نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں شروع کیا تھا، یا یوں کہئے کہ وہ تخم زہر قاتل بویا جس کی آبیاری مسیلمہ کذاب اور اس کے ہمنواؤں سجاح اور طلیحہ اسدی نے کی تھی، بہر حال یہ سب ایک ہی شجرۂ خبیثہ کے برگ و بار ہیں الکفر ملۃ واحدۃ کا قانون اٹل ہے، نام اور کام کے رنگ ڈھنگ کا فرق ہے اور بس ؎

عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے دلوں پر یکساں
ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

اور شاعر نے بھی اسی حالت کے مطابق کیا خوب کہا ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

[illegible] ـــــ ۲

مگر یاد رہے کہ یہ تمام حربے اندرونی ہوں یا بیرونی جس طرح اب تک ان کے لئے غیر مفید رہے ہیں اسی طرح آئندہ بھی ان کا ہر حربہ بے نقاب ہو کر انہی کے لئے ذلت و رسوائی کا موجب بنتا رہے گا۔ مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی اہمیت کو کم کرنے بلکہ انہیں بے دینی کی راہ پر لگانے کیلئے جہاں دیگر ذرائع کام میں لائے گئے انہی میں ایک فتنہ دعوائے نبوت کا بھی ہے۔ نبی بننے کو ایسا آسان کر دیا گیا کہ جب چاہیں نبی بن جائیں۔

یوں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد کتنے لوگوں نے نبی، رسول، مسیح موعود، یوسف موعود ہونے کا دعوی کیا، بلکہ بروز محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور عین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے تک کے دعوے بھی ہوتے۔ لیکن مردم خیزی کا جو شرف ہندو پاک اور خصوصاً صوبۂ پنجاب کو نصیب ہوا ہے وہ دنیا کے کسی اور خطے کو خواب میں بھی نصیب نہ ہوگا، اس خطۂ مقدسہ میں غلام احمد قادیانی لعنۃ اللہ علیہ وعلی من عذا حذوہ نے جو کشت نبوت بوئی ہے، اور جس کے پودے پروان چڑھ رہے ہیں، یہ شرف کسی اور دشمن اسلام کو کم ہی نصیب ہوگا۔

این چہ شوریست کہ در دور قمری بینم

عجیب بات ہے کہ استاذ و پیر (غلام احمد قادیانی) تو درجۂ نبوت سے نہ بڑھ سکے اور مرید (صدیق دیندار چن بسویشور) نبوت سے ترقی کرکے مظہر خدا بن بیٹھے خدا کے کو ناحق نہ رے ورنہ ...... اکبر الٰہ آبادی مرحوم تو انہیں سے نالاں ہو کر کہہ گئے ہے

صورت فانی سے آخر کیوں نہ پہچانے گئے
مجھ کو حیرت ہے کہ بت کیوں نہ خدا مانے گئے

واللہ! یہ اور ان کے پجاری خوب جانتے ہیں کہ خدا جس نے ساری کائنات کو بشمول ان کے پیدا فرمایا ہے وہ کوئی اور ذات ہے، صدیق دیندار چن بسویشور نہ خود خدا ہے، نہ اس کا مظہر اور نہ کوئی نیک بندہ بلکہ یہ سب گورکھ دھندا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے سامنے بھی ایسا کوئی بے وقوف ہوگا، ارشاد ہے ہے

واعظا ہم بھی سمجھتے ہیں خدا ہے کوئی اور
دل لگی کے لئے ایک بت بھی لگا رکھا ہے

مگر ان بیچاروں کا قصور نہیں، ان کو ان کے دادا انگریز نے یہی سبق سکھایا ہے کہ قسمت آزمائی کرتے رہو، ہو سکتا ہے قرعہ اندازی میں مرزا صاحب کی مصاحبت کی بدولت خدا بننے کیلئے

بیٹے کی صورت میں ظاہر ہوا ـــ ۱۲

نام نکل آئے، ورنہ پیغمبروں میں تو شمار ہو ہی جائیں گے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لئے کہ

عبد الشمس ہے جب ہر نبی کے اندر نمبر
کیا تعجب ہے جو نکلا پیغمبر نسبہ

مرزا غلام احمد قادیانی کے مریدوں میں نبی تو بہت سے ہیں، بلکہ جیسے کچھ ہیں جو اپنے گرو سے بھی پانچ انگل آگے نکل گئے ہیں، جنہیں یہ سعادت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہے جو یکایک یوسف موعود بھی ہو، نبی بھی ہو، عین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہو، اور مظہر خدا بھی، مگر صدیق دیندار چن بسویشور میں یہ تمام صفات متضادہ موجود ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے مرزائیش

ذیل میں ہم اسی مرد مجاہد صدیق دیندار چن بسویشور لعنۃ اللہ سے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں، اور یہ اس سلسلہ کی آخری کڑی نہیں ہے بلکہ فتنۂ مرزائیت کے بعد حکومت اور عوام کو اس کی طرف توجہ دینے کی ایک سبیل ہے۔ سب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صدیق دیندار کا مختصرا تعارف کرا دیا جائے۔

صدیق دیندار چن بسویشور

انسانی تاریخ میں وہ دن کتنا منحوس تھا جس میں صدیق دیندار نے جنم لیا، جس نے اپنے خود ساختہ دین کو دینداری کا لیبل لگا کر کفر و ارتداد کی ظلمت پھیلا دی، سادہ لوح ہندوؤں کو مذہب کی توسیع، شوق جہاد اور اتفاق پسندی کے سبز باغ دکھا کر ضلالت میں گرا دیا، بلکہ بہت سے سادہ لوح مسلمان اس کے دام تزویر میں پورے طور پر پھنس گئے، ان کو بھی شیطان نے یہ فریب دے رکھا ہے کہ یہ خدمت اسلام کرنے والے مجاہدین کی ایک فکری جماعت ہے، حالانکہ کفر و ارتداد کی عمیق کھائی میں یہ خود تو غرق ہو چکے، اگر تمہاری یہی روش رہی تو خدانخواستہ ایک نہ ایک دن یہ تم کو بھی لے جائیں گے۔

خود تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

اس بدبخت کا نام صدیق ہے، دیندار لقب ہے۔ عام طور پر اپنے نام کے ساتھ چن بسویشور لکھا کرتا تھا، حیدرآباد دکن اس کی جائے رہائش تھی۔ ۴ رمضان بروز پیر ۱۳۰۴ھ میں دکن میں اپنا منحوس قدم رکھا۔ عام طور پر اپنا نام اور لقب اس طرح لکھا کرتا تھا: "صدیق دیندار چن بسویشور" آصف نگر حیدرآباد میں اس کی خانقاہ کا نام "خانقاہ سرور عالم" یا "بیت گرو" تھی۔

ہے کہ کہیں عوام کسی دوسرے نام سے ان کے دھوکہ میں نہ آجائیں۔ پورے ہند و پاک میں ان کے مبلغین پھیلے ہوئے ہیں، ہندوستان میں یہ تحریک "حزب اللہ دیندار انجمن" کہلاتی ہے، اس کی ایک شاخ کراچی میں بھی ہے۔ کراچی ہی میں سعید بن وحید بی۔ اے (علیگ) کی امامت میں "جمعیت مجاہدین فی سبیل اللہ دیندار انجمن" کے نام سے یہ لوگ کام کر رہے ہیں۔ یہ انجمن آجکل فقراء مبلغین اسلام دیندار انجمن اور زیادہ تر صرف "دیندار انجمن" کے نام سے کام کر رہی ہے، جس کا سربراہ سعید بن وحید ہے۔ اس انجمن کا مرکزی دفتر کورنگی کراچی میں ہے، تیسری تحریک "مرکزی دیندار انجمن" کے نام سے ہے جس کے مبلغین پنجاب اور پشاور وغیرہ میں ظاہر اور پوشیدہ طریقوں سے کام کر رہے ہیں، عوام کو دھوکہ دینے کے لئے ان کے مبلغین کے دو خاص پیشے ہیں، بعض امام قوم بن کر مساجد میں امامت کرتے ہیں اور بعض پیری بن کر اپنے حلقۂ ارادت میں زہر پھیلا رہے ہیں، ان کی وضع قطع مخصوص ہے اس لئے اسے بھی لکھا جاتا ہے، تاکہ ناواقف مسلمان ان کو وضع قطع سے پہچان کر ان کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔

وضع قطع

انجمن دیندار کے لوگ ہرے رنگ کے عمامے باندھتے ہیں جس کے نیچے عموماً سادہ ٹوپی ہوتی ہے، رنگے ہوئے گیروے کرتے پہنتے ہیں، سر پر لمبی لٹیں، لمبی ڈاڑھی، بال پراگندہ، فقیرانہ بھیس میں نظر آتے ہیں۔

زاہد صدیقی صاحب سابق مبلغ دیندار انجمن، جو اب تائب ہو گئے ہیں، فاران کراچی فروری ۱۹۵۶ء میں لکھتے ہیں:

"راقم الحروف نے چار سال کا عرصہ جمعیت حزب اللہ دیندار انجمن کو ایک تبلیغی ادارہ تصور کرتے ہوئے زندگی وقف کر کے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں، اس کے بعد سے مندرجہ بالا واقعہ تک میں ایک سرگرم مبلغ کی حیثیت سے مغربی پاکستان میں دورہ کرتا رہا اور ہزارہا افراد کو مجلس میں اس جماعت کا تعارف کرایا، لیکن یہ کہنے پر فخر محسوس کرتا ہوں کہ میں نے عوام الناس کو سمجھا ہے وہ خاص طور پر ایمان لانے والے منکرین ختم نبوت ہیں، صوفیانہ حلیہ، دیندارانہ وضع قطع، زرد لباس کے اتحاد کے علاوہ خوش فہمی کا شکار ہیں آپ دیکھ کر بھی یہ تصور نہیں کر سکتے کہ اس وضع قطع کے لوگ بھی دینداری کی آڑ لیکر بے دینی اور مشرکانہ عقائد کی درپردہ تبلیغ کرتے ہونگے۔"

بعض کی صورت یہ ہے ۔۔۔۔ ۔

اقتباسات

یہاں تک اس انجمن کا اجمالی تعارف کرایا گیا ہے۔ اب انجمن کے بانی صدیق دیندار چن بسویشور کی تصانیف سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں، ان سے ان کے معتقدات و عزائم اور کئی دیگر خرافات آپ کو معلوم ہو جائیں گی، اور پھر اندازہ لگائیں کہ یہ لوگ (دیندار انجمن والے) حقیقت میں کیا ہیں اور کس روپ میں دکھائی دیتے ہیں، ان عقائد و عزائم کے حاملین عوام میں جہاد و اتحاد کے نام سے تبلیغ کر کے عوام کو اپنے جال میں پھنسا رہے ہیں ؎

لباس خضر میں یہاں سینکڑوں رہزن بھی پھرتے ہیں
اگر دنیا میں رہنا ہے تو پھر پہچان پیدا کر

لیجئے اقتباسات ملاحظہ فرمائیں

چن بسویشور اور مرزا غلام احمد قادیانی

دیندار انجمن کے بانی صدیق دیندار چن بسویشور فرماتے ہیں:

"نبیوں کے اسرار مجھ پر کھلنے کے دو اسباب ہیں، پہلا سبب یہ کہ فقیر ۱۹۱۰ء میں فتنۂ دجال سے کما حقہ واقف ہو کر جستجو کے پیچھے تھا، ۱۹۱۱ء میں مسیح (مرزا غلام احمد) کو پایا، اور نہایت مخلصانہ طور پر اٹھائیس سال کی عمر میں ترک دنیا کر کے مریدوں علم کے لئے قادیان پہنچا اور مرزا صاحب کے تحریر کردہ دس ہزار صفحات سے جن میں ہر مسئلۂ نبوت کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، پورا پورا واقف ہو گیا۔ اس طرح اسرار نبوت کے کھلنے کا اس فقیر پر یہ پہلا سبب ہے۔" (مہر نبوت ص۳)

اس اقتباس سے تین باتیں معلوم ہوئیں، چن بسویشور کا قادیان جانا، مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود ماننا، اور اس کی تصانیف سے استفادہ کرنا اور اسرار نبوت کا کھلنا۔ قارئین حضرات پہلے اقتباسات کو ذہن نشین کرتے جائیں اور یہ بات نہ بھولیں کہ یہیں سے دیندار صاحب پر اسرار نبوت کھلے۔

* جن کی عبارات میں اردو زبان اور زبان شعر حتی کہ آیات قرآنیہ پر جو ظلم ہوا ہے وہ سہو کاتب نہیں بلکہ مصنف کا عکس ہے، بجنسہ ان کی عبارت میں پیش کیا ہے۔

لکھنے شروع ہوگئے، اس وقت انھیں ۵۰ برس کی عمر ہے۔ آج ترک دنیا کرکے مرزا کی کتابوں سے کفر و بدعت کی خوشہ چینی میں مصروف ہیں، کل پتہ چلے گا کہ اسرار نبوت کھلے ہیں یا جہنم کے انگاروں سے دامن بھر لیا ہے۔

آج جو کفر سے مصروف ہیں سرگوشی میں
ہوش آئے گا انہیں موت کی بیہوشی میں (اکبر الٰہ آبادی)

غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے اسرار نبوت فاش کرنے چلے تھے وہاں تو افلاس و نقصان کے غول بیابانی کمیں گاہ میں شکار کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں، کہیں زقوم کے کانٹوں میں بھی پھول ملا کرتے ہیں؟ اب تو جہنم رسید ہونے کے بعد مہاشہ جی صاحب اپنے دل ہی دل میں یہ کہتے ہوں گے کاش میں وہاں نہ جاتا، مگر اب تو [illegible] کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آنے کا ؎

مدتوں بیٹھا ترے ہنگامۂ عشرت میں میں — روشنی کی جستجو کرتا رہا ظلمت میں میں
آہ وہ یوسف نہ ہاتھ آیا ترے بازار میں — مدتوں ڈھونڈا کیا نظارۂ گل خار میں

دیارِ قادیان سے ناامید ہوئے، تبھی تو قادیانیوں بالخصوص میاں محمود سے روٹھے اور اپنی مستقل نبوت اور مامور و موعود ہونے کے ڈھنڈورا پیٹنے اور زبان حال سے یہ کہتے ہوئے دیارِ قادیان سے لوٹے کہ ؎

چشم حیراں ڈھونڈتی اب اور نظارے کو ہے
آرزو ساحل کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے
چھوڑ کر مانند بو تیرا چمن جاتا ہوں میں
رخصت اے بزم جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں

یعنی نبی بننے کا راستہ ڈھونڈ رہا ہوں جو آپ کے پاس نہ ملا ؎

اے مرے خضر ختم کب ہوتی ہے مری طلب
اس کو چلا ہوں ڈھونڈنے جو کہیں ملا نہیں

یوسف موعود

صدیق دیندار چن بسویشور نے چونکہ قادیان میں رہ کر غلام احمد قادیانی کے علمی خزانے سے کافی استفادہ کیا تھا جس کی وجہ سے اسرار نبوت آپ پر منکشف ہو گئے تھے، اس لئے اب دعوائے نبوت کرنے میں کیا دیر تھی، بس [illegible] دعویٰ کر دیا میں یوسف موعود ہوں، [illegible] ہوں، بلکہ [illegible] بھی ہوں۔

اور اپنے دعویٰ کی وضاحت کے لئے ایک کتاب "خادم خاتم النبیین" کے نام سے نکالی جس میں آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کے الہام و پیشگوئیوں سے اپنے دعویٰ کو مبرہن کیا ہے، آپ بھی چند اقتباسات سن کر قوت دلیل کا اندازہ کرلیں۔

"اب وقت آگیا ہے جس کی طرف حضرت صاحب (مرزا غلام احمد قادیانی) نے اشارہ کیا تھا کہ جب تک کوئی روح القدس سے تائید پاکر کھڑا نہ ہو تم سب مل کر کام کرو اور اس کے بعد اس کی اتباع کرنا، اسی میں نجات ہے، اس کام کے لئے اپنی جماعت میں دن رات دعا کرتے رہنے کے لئے کہا تھا ؎

جب بنو تیار اے احمد یو تم سب مل کر
منتظر جس کے تھے آج وہ موعود آیا۔

"گذشتہ تین سال میں میاں صاحب کے نام میں نے متعدد خطوط بھیجے اور بار بار لکھا کہ دکن کے اولیاء اللہ (ہندو سادھو وغیرہ) کی کتب پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ آپ شخص شمال میں دریا سنت (اولو العزم محمود آثانی) پیدا ہوگا، وہ شخص (غلام احمد قادیانی) کی گادی پر بیٹھے گا۔"

اس کے بعد اور بھی تفصیل ذکر کرکے بشیر الدین محمود کو ہندوؤں کی کتابوں سے موعود ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے متعلق لکھا ہے کہ:

"اس کی اصلاح صدیقی و منشرقین اصولیٹور کریگا" (خادم خاتم النبیین ص۱، زیر عنوان جگ برشتہ)

لیجئے یوسف موعود کا دعویٰ ذرا اور وضاحت سے فرماتے ہیں

"حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی بشارت میں جتنی صفتیں یوسف موعود کی آئی ہیں وہ مکمل کمال درجہ پر مجھ پر صادق آتی ہیں۔" (خادم خاتم النبیین ص۳)

اس کے بعد اسی کتاب میں ص۳ سے ص۱ تک رات کے دو بجے ایک حسین نوجوان لڑکی کا ان کے بستر میں آکر لیٹ جانے کا واقعہ ذکر کیا ہے، اور آخر میں حضرت یوسف علیہ السلام پر اپنی فضیلت کی چھ وجوہ ذکر کی ہیں

یوسف موعود کے دنیا میں آکر لوگوں کی اصلاح کرنے کی روایت ہندوؤں کی کتابوں یا مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامات سے کوئی پیش کرے تو کرے، قرآن، حدیث و کتب شرعیہ میں تو اس کا نام و نشان

ہندو سادھو یعنی کرو و فریب، وشمان مردود ہے اور یہ لوگ بھی ۱۲ منہ

بحر دلائل الجمرا ———

جکا تھا اب لوگوں کو دھوکہ دینا تو بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ ایسی صورت میں دعوائے مہدویت ورجعت عنوان لینے میں کیا چیز مانع تھی؟ چنانچہ سادہ لوح مسلمان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ بشارت سن کر اپنا تن من دھن قربان کر کے اللہ مہدی مان کر بیعت کر لی۔ سنیئے چن بسویشور کی اپنی زبان:

"بستی میں ایک عورت میرا وعظ سن رہی تھی، روحانیت کا اثر ہوا کہ جدھر دیکھے چن بسویشور نظر آتا ہے اور ہر ایک آواز چن بسویشور ہے، اگر مرغ بانگ دے تو چن بسویشور کہتا ہے، اور بچہ بھی روتا ہے تو چن بسویشور ہی کہتا ہے، بیگار چلا جاتا ہے تو چن بسویشور آواز آرہی ہے۔ کئی دن بیمار رہا، اس معاملہ میں وہ عورت گھبرا گئی، اپنے خاوند کو لے کر میرے پاس آئی میں نے بیعت لیکر دعا دی، اب تک وہ اچھی ہے، بہت سے لوگ ہیں جو جدھر جنگلوں سے پکارنے لگے کہ آپ مہدی ہیں، بعض نے مہدی مان کر بیعت کر لی۔"

(خادم خاتم النبیین صلى اللہ علیہ وسلم)

ایسے ہی اسی کتاب میں اپنی روحانیت کا ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ لڑکی لڑکی بن سنور کر رات میں مجھ سے آکر لپٹ گئی۔"

یہ ہیں مہدی آخر الزماں کی روحانیت کے کرشمے ع

دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

آپ کا کوئی قصور نہیں اصل یہ ہے کہ اسلام کو چھوڑے ہوئے کافی زمانہ گزر گیا ہے، اب یاد نہیں رہا کہ مہدی کیا ہوتے ہیں بس یہ کچھ خلل ہے بیچارہ یہی سمجھا کہ مہدی آخر الزماں بھی کوئی اسی قسم کا فقیر ہوگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؎

گھر کو چھوڑے ہوئے مدت ہوئی صیاد مجھے
کس چمن میں تھا نشیمن یہ نہیں یاد مجھے

تعجب ان دیوانوں پر نہیں ہوتا، اس لئے کہ جوش آکر سب بیچارا ر جوش پر کر لیتا ہے، جب عقل ہی خود رخصت ہو گئی تو پھر کسی کا کیا رونا۔ مگر تعجب ان مسلمان بھائیوں پر ضرور ہوتا ہے جو ایسی خرافات بکنے والوں کے سامنے ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور انہیں اپنا رہبر تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں مگر مشکل سا لقطۃ لاقطۃ کے قانون پر اس کے بغیر عمل ہی نا ممکن تھا ؎

گردش چرخ بدل دیتی ہے دنیا کو طریق
ہو ہی جاتے ہیں سب اس شعبدۂ نیرنگ کیا نہ
جیلانی مرحوم ہی بھیلہ ——— ۱۲

گلِ تازہ شگفت

• اگر میں احمدیوں کا مامور موعود نہیں تو دوسرا کوئی بتلائے کہ جو عین وقت یعنی ۱۹۲۲ء میں آیا۔ اگر میاں (محمود) صاحب کے مامور ہونے کا انتظار ہے تو وہ بالبداہۃ غلط ہے پہلے تو اس بنا پر غلط ہے کہ مامور کبھی ایک زبردست جماعت کا خلیفہ نہیں ہوا کرتا کیونکہ مامور کے ساتھ ہونے والوں کو ایمان بالغیب اور امتحانات میں سے گزرنا پڑتا ہے اور سوائے اس کے حضرت (مرزا صاحب) نے یوسف موعود کے لئے نطفہ اور مضغہ لکھا ہے اور لکھا ہے کہ وہ معمولی انسان ہوگا تمہاری نظریں دھوکہ کھا جائیں گی۔ یہی سنت اللہ ہے...... ایسی صورت میں نہ خواجہ کمال الدین صاحب کھڑے ہوسکتے ہیں اور نہ مولانا محمد علی صاحب اور نہ میاں (محمود) صاحب یہ کل مشہور انسان ہیں، اگر یہ لوگ اس کام کے لئے مامور ہوجائیں تو خدا کی سنت میں فرق آتا ہے، اسی وجہ سے اللہ جل شانہ نے اپنی سنت کے مطابق جماعت احمدیہ کے ابتلاء کے زمانہ میں مجھ ہی کا انتخاب کیا۔ دیر آمد درست آمد کا مصداق ہوگیا۔ اس کا تفصیل وار ذکر آئندہ آئے گا۔

ہر الفاظ پیشگوئی کا تقریر چسپاں ہوتا ہے، پہلا تو یہ نشان کہ وہ نطفہ علقہ کی طرح ہے، اس کو دیکھ کر لوگوں کی نظریں دھوکہ کھائیں گی وہ اس طرح کہ میری پیدائش کے وقت ہی میرا یہ حال ہے کہ میں حد درجہ کا کمزور پیدا ہوا تھا۔ رونے کی آواز تک نہیں نکلتی تھی والدہ نے یہ کہا کہ یہ بچہ یا جیتا ہے؟ کوڑے پر پھینک دو۔ (کاش کر دیا ہوتا بات مان لی جاتی۔ رشید احمد) والدہ نے کہا ابھی جان ہے ذرا ٹھہرو..... انصار الله جماعت احمدیہ سے کام لینا چاہتا ہے، ان میں مخلص لوگ کثرت سے ہیں...... اللہ اس جماعت کو چھوڑنا نہیں چاہتا پھر دوبارہ فضل ہوا ہے، حضرت (مرزا) صاحب نے لکھا ہے کہ جب تک کوئی روح حق پاک ٹھہرا نہ ہو سب مل کر کام کرو اس روح حق والے کی طرف ہوجاؤ، اور وہ مصداق رنگ میں ہے نطفہ اور علقہ کی طرح ہے حقیقت نظر آئے گا دھوکہ نہ کھانا۔ غرض اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے وہ خدا کے وعدے پورے ہو رہے ہیں۔

(خادم خاتم النبیین ص۲۵)

بیعت کی صورت میں بلایا ——— ۱۴

ٹھیک فرمایا آنجناب نے واقعی آپ احمدیوں (قادیانیوں) کے ماموں معلوم ہیں، جو شک کرے
کافر ہوگا۔ اشہد انک من القادیانیین ومتنبئیھم لعنۃ اللہ علیک وعلی شیخک غلام احمد
وعلی من حذا حذوکما الی یوم التناد واخذکم اللہ اخذ عزیز مقتدر۔

بڑا افسوس ہوا آپ کے خلیفہ وحید بن سعید کی قلمی کتاب "ختم نبوت کا زرّیں مفہوم" دیکھ کر
اس نے صرف لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے آپ کو اور آپ کی جماعت کو قادیانی جماعت سے الگ بلکہ
بیزار ظاہر کیا ہے۔ بیشک آپ قادیانی نہ ہونے کے الزام سے بری ہیں، بلکہ آپ پکے قادیانی ہیں۔

جن بسویشور کی طرح مجذوب کو میرا مشورہ ہے کہ اس ناخلف خلیفہ کو جو کوٹھی نمبر ۲ میں رہتے ہیں
جلدی ریٹائر کر دیں ورنہ یہ تمہارے مذہب ہی کو مٹا دینے کو تیار بیٹھے ہیں۔ ع

ان غلام دلوں سے عنصرِ بنیاد نہ رکھ تعمیر کر

جن بسویشور نے اپنے مامور وقت ہونے کے دعویٰ کے سلسلہ میں ہندوؤں کی کتابوں سے
بھی بعض پیش گوئیاں درج کی ہیں:

"شیو خود دنیا کی ایک سو ایک ذاتوں کو ایک کرنے لگے گا..... دس اوتار کے رنگ
میں خود گھوڑے پر سوار ہو کر ملک ملک پھرے گا...... بسویشور کو انسان سمجھ کر انکار کر کے اس سے بات
مت کرو...... دائم قائم رہنے والا پرماتما خود اترا ہے، معجزے دکھائے گا...... ایشور کے روپ
والا..... دنیا میں ایشور آیا ہے کوئی دیر نہ ہوگی..... دنیا کا ایشور جن بسویشور دنیا کے کھیل اور
فریب ناش کرے گا۔ شنکر جن پر اترے گا۔" (دعوۃ الی اللہ ص ۱۵۱)

دیکھ لیا جن بسویشور دائم قائم رہنے والا ہے یعنی ھو الحی القیوم ہے، بہت خوب
یہ عجیب الحی القیوم ہے کہ مدت ہوئی جسم پوسیدہ ہوگئے۔

شیو کو تو ہم پہلے سے جانتے ہیں کہ وہ غلام احمد قادیانی ہے، ایشور کی حضرت نے تشریح کر دی کہ
وہ جن بسویشور ہے، مگر یہ شنکر اور پرماتما سمجھ میں نہیں آیا، کیا بلا ہیں، ویسے حسن ظن تو یہی رکھتے ہیں
کہ وہ اعجابی ہیں۔ اور دس اوتار جن کے رنگ میں ایشور صاحب کا ظہور ہوگا اور وہ ملک ملک پھریگا،
اس کی تشریح ابھی رہنے دیتے ہیں۔ اس کا عقدہ کوئی اور دوست ان شاء اللہ کھولے گا۔

اچھا بھئی بسویشور جن کا بیان ذکر ہے کہ وہ آپ کو انسان سمجھ بیٹھے، اس نے تو واقعی بہت
بڑے جرم کا ارتکاب کیا، ننگِ انسانیت کو انسان سمجھنا یہ تو واقعی ان کی ناسمجھی ہے، مگر
ہمیں پتہ چلا کہ یہ مرد مجاہد بسویشور ہے کون؟

[illegible] —— ۱۵

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت

نبوت اور مامور ہونے کی تائید میں اگر غلام احمد قادیانی کے الہامات اور ہندو سادھوؤں کی پیش گوئیوں پر اکتفا کرتا تو تعجب نہ ہوتا کیونکہ وہ سب اسی زمرے میں شامل ہیں، مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اپنی تائید کی جو تہمت لگائی جس میں جھوٹ اور دیدہ دلیری کی حد کردی ہے لکھتے ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تاریخ پیدائش میری بتائی ہے وہ حالات بتائے گئے وہی ادیبا وگن (سادھوؤں) نے بتلائے ہیں۔ اور انہوں نے جو تاریخ پیدائش اور حالات بتائے ہیں وہی حضرت مرزا کی کتب میں نظر آتے ہیں۔" (خادم خاتم النبیین)

جھوٹ، سفید جھوٹ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہاں فرمایا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنی بڑی تہمت ہے کہ اس پر جو بڑی سے بڑی سزا تجویز کی جائے وہ اس جرم کی نسبت کم ہے۔ ؎

ستم خدا کہ عابد و زاہد کسے نگفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

غلطی سے ان کو بادہ فروش کہا، ورنہ ہیں بادہ نوش۔

مثیل موسیٰ علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

مسیح موعود نے بھی میری نسبت فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ ایک موسیٰ ہے، میں اس کو ظاہر کروں گا۔ (دعوۃ الی اللہ)

سچ فرماتے ہیں، میں بھی تائید کرتا ہوں کہ آپ مثیل موسیٰ بلکہ عین موسیٰ ہیں، لیکن یہ تو بتائیے کونسا موسیٰ؟ وہی موسیٰ جس کے بارے میں ارشاد ہے ع

فموسی الذی رباہ جبریل کافر

آپ کا کوئی قصور نہیں، مرزا کا الہام سمجھنے میں کچھ غلطی ہوگئی ہے اور یہ اجتہادی غلطی ہے آپ کے شیخ الشیخ حضرت مرزا علیہ ما علیہ کو بھی ایسی ہی اجتہادی غلطی ہوئی تھی، شیطان نے دل میں دم ڈالا تو وہ سمجھے کہ یہ وحی نازل ہو رہی ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش

حد یہ کردی کہ رہی سہی بات جب بڑھی تو اپنے لئے مختلف نام تجویز فرمائے، اور ہونا بھی چاہئے، اس لئے کہ صرف چن بسویشور، یوسف موعود، مثیل علی، مصلح موعود، مامور وقت، شنکر اور پرماتما وغیرہ کے دعووں سے کہاں اس کو تسلی ہوتی، چنانچہ اپنے الہامی ناموں کا اعلان کر دیا:

"لہٰذا آج پچیس سال سے مجھے مکالمۂ الہیہ جاری ہے اور بیسیوں الہامی نام یہ ہیں:

"اے پہلوان، پیرا، محمد، امام الغیب، صدیق، کلیم اللہ، سپہ سالار، محبوب تو محمد بلاشبہ ہے، مہدی آخر الزمان، دمن چی، دیندار، محی الدین، صادق جنگ، مرد حق، اے تاج الاولیاء، فاتح ہندوستان، نور محمد، محمود صدیق بحر اللہ، اے نبی کے فرزند، سکندر اعظم، عبد القادر، عبد اللہ، موسیٰ، سلیمان، مولانا، نگہبان، اے عیسیٰ، اے پہلوان، عادل، میراں صاحب، اے میرے آسمان کے تارے، بلی بلی نالہ کے لعل، لڈو میاں، میرے صابر، چراغ دین، سلطان فخر الدولہ، کرونا قیوم، یا منصور، اور بھی کئی نام ہیں، ان ناموں کے علاوہ مجھے بار بار یوسف پکارا گیا اور کھلے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے کہا یوسف ہے یا صدیق اور کہا تو ہی چن بسویشور۔" (دعوۃ الی اللہ ص ۲۵)

ایک ہی شجر کے برگ و بار

خلیفہ قادیان کے بارے میں لکھا ہے:

"اے خلیفہ جماعت احمدیہ میں آپ کو ایک نبی ماننے سے جانتا ہوں کہ آپ مستحق نبوت ہیں۔"

(خادم خاتم النبیین ص ۲)

اسی صفحہ پر مزید تقدیس بیان کرتا ہے:

"بھلا اس وقت کیا حال ہوگا جب دیندار اولو العزم نبی تشریف لائیں گے، میں میاں محمود احمد صاحب کو ان کی بے شمار خوبیوں کی بنا پر خلیفہ جماعت احمدیہ مانتا ہوں، گو لاہوری جماعت مخالف ہی کیوں نہ ہو۔"

حقیقت یہ ہے کہ مسیلمی دیندار کی جماعت ہو یا قادیانی یا لاہوری سب ایک ہی درخت کے پھول، سونے پھل ہیں ——۔

برگ و بار میں، بانی جماعت شوور اور اس کی کتابوں سے جہاں قادیانیت کی تقویت پہنچتی تھی وہاں انہی کے ذریعہ لاہوریت کا بیوپار بھی رہا، چنانچہ محمد علی لاہوری کے بارے میں لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ نے ایک خط میں مجھے اطلاع دی ہے کہ آپ ہماری جماعت کا ممبر ہونا فرض ہے۔“ (حوالہ بالا)

ایک ایسا ہی خط قادیان سے آیا ہے، اسے بھی ذیل میں درج کرتے ہیں:

”مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عرض یہ ہے کہ مجلس مشاورت کے بعد آئندہ سال سے پروگرام بنایا ورکن کی طرف وفد بھیجنے کی کوشش کی جائیگی۔۔۔۔ بہر حال آپ کام کرتے رہئے، اللہ تعالیٰ کے وعدے اپنے وقت پر پورے ہو جائیں گے، مزید برآں یہ عرض ہے کہ جو حال آپ نے اس علاقہ کی طرف توجہ ہو سکی۔۔۔۔ کام کی رپورٹ براہ کرم بھیجا کریں اور مشکلات اور نتائج سے آگاہ کرتے رہیں۔ والتسلیم

دستخط عبدالرحیم نیر
نائب ناظر دعوۃ وتبلیغ
قادیان“

مہر قادیان

(منقول از کتاب خادم خاتم النبیین ﷺ)

جس کتاب کے یہ حوالے دئے جارہے ہیں وہ خود بانی انجمن جان شوور کی تصنیف ہے، ان اقتباسات بالخصوص مذکورہ خطوط سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دیندار انجمن باقاعدہ ایک شاخ کی حیثیت سے اپنے مرکز قادیان میں کام کی رپورٹ اور نتائج بھیجا کرتی تھی، اس لئے جماعت کے بعض افراد کا یہ کہنا کہ ہمارا قادیانیوں سے نظریاتی کچھ تعلق ہے اور نہ کسی اور قسم کا، بدیہی البطلان ہے۔

دیندار انجمن والوں کا امتحان

عوام کو دھوکہ دینے کے لئے دیندار انجمن کے مبلغین یہ کہا کرتے ہیں کہ ہمارا قادیانیوں اور ان کے عقائد سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور ہماری انجمن کے بانی جان شوور کے وہ عقائد نہ تھے جو مرزا غلام احمد قادیانی کے تھے، اور یہ کہ وہ نبوت کے مدعی نہ تھے وغیرہ، یہ سب فریب اور شعبدہ سازی ہے، جہاں تک ان کے مرزائیت کی دونوں جماعتوں قادیانی اور لاہوری سے تعلقات کا معاملہ ہے اس سے متعلق ہم پچھلے

خود بانی جماعت کی کتابوں سے ثابت کرچکے ہیں کہ ان کی جماعت قادیانی جماعت کی ایک شاخ کی حیثیت رکھتی ہے، قادیانیوں کے ساتھ چن بسویشور کا اتفاق اور غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود وغیرہ ماننے کی تصریحات بھی پیچھے ذکر کی جاچکی ہیں اور خود بانی کے دعوائے نبوت سے متعلق بھی بعض عبارتیں پیچھے آچکی ہیں، وہ بعض آئندہ آرہی ہیں، یہ ایسے حقائق ہیں کہ ان کا انکار کسی طرح نہیں کیا جاسکتا۔ اگر واقعۃً ان مبلغین حضرات کو ان عقائد سے کوئی تعلق نہیں ہے تو یہ خوشی کا مقام ہے، مگر صرف اتنا کہہ دینا کافی نہیں، بلکہ جن لوگوں نے بشمول چن بسویشور نبوت کا دعویٰ کیا ہے ان سب کو علی الاعلان تقریراً و تحریراً کافر کہیں اور ان کی کتابوں کو میدان میں رکھ کر جلائیں اور ان کی جماعت سے اپنی براءت کا اظہار کریں۔ اگر اس کے لئے تیار نہیں بلکہ بانی انجمن کے نام لیواؤں میں اپنے کو شمار کرتے ہیں، ان کی تحریک کو آگے بڑھانے میں مصروف عمل رہتے ہیں، ان کی کتابوں کو چھاپنے اور ان کی اشاعت کرتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ صرف زبان سے یہ کہہ دینا معتبر نہیں کہ ہمارا ان کے عقائد سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ جس طرح بانی جماعت چن بسویشور اپنے عقائد کفریہ کی بناء پر دائرۂ اسلام سے خارج شمار کیا جاتا ہے یہی حکم ان کا بھی ہوگا۔

قارئین حضرات اس کا تجربہ کرلیں جب بھی بھیڑ کی صورت میں کسی بھیڑئیے کو دیکھیں یعنی لمبی ٹوپی اور سبز پگڑی والے کسی خوبصورت منافق سے ملاقات ہو تو وہ فوراً اس کے ملعون چہرہ ہی پر اس کے دل کی ظلمت نمایاں ہوگی، مزید تجربہ کے لئے اس سے غلام احمد قادیانی اور ختم نبوت سے متعلق دریافت کریں تو وہ مرزا قادیانی سے سخت بیزاری اور ختم نبوت پر ایمان کی تقریر کریگا، مگر آپ اس سے ملعون قادیانی اور چن بسویشور کی تکفیر کے اعلان کا مطالبہ کریں تو وہ ہرگز اس پر تیار نہ ہوگا۔

آج سے تقریباً بیس برس قبل غالباً ۱۳۸۲ھ میں مجھے دارالعلوم کورنگی میں اطلاع ملی کہ لانڈھی یا جیس ٹیکری کی مسجد میں رشید الرحمن کا ایک منافق امام ہے، میں نے دارالعلوم سے ایک طالب علم کو چن بسویشور کی کتابوں کے حوالے دے کر جمعہ کے روز اس مسجد میں بھیجا انہوں نے بوقت تقریر عوام کے سامنے اس مردود امام کے نفاق کا پردہ چاک کیا لوگوں نے اس ملعون کو انتہائی ذلت کے ساتھ مسجد سے نکالا، وہ بھاگا ہوا میرے پاس پہنچا اور مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اس کا دیندار انجمن اور قادیانیوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور وہ پکا مسلمان ہے بالآخر یہاں تک کہا کہ چلئے اگر میں پہلے مسلمان نہیں تھا تو اب آپ کے سامنے اسلام قبول کرتا ہوں اور مرزا قادیانی اور چن بسویشور کو کافر کہتا ہوں آپ میری امامت اسی مسجد میں بحال کرادیں، میں نے کہا کہ آپ جمعہ کے روز اسی مسجد میں یہ اعلان کریں

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ـــــــ ۱۱

"میں پہلے دیندار مذہب پر تھا اب دل و جان سے اسلام قبول کیا ہے میں غلام احمد قادیانی اور صدیق دیندار چن بسویشور دونوں کو جھوٹا کذاب اور مرتد سمجھتا ہوں اور ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔"

نیز یہی اعلان اخبار جنگ اور انجام میں بھی شائع کریں۔ اس کے بعد آپ کو مسلمان قرار دیا جائیگا باقی رہا امامت کا مسئلہ تو آج ہی کوئی اسلام قبول کرے اور فوراً اسے امامت کا منصب بھی دیدیا جائے یہ نہ عقلاً قابل تسلیم ہے نہ شرعاً۔ ایک سال تک آپ کے حالات کا جائزہ لیا جائے گا اور دیندار انجمن سے قطع تعلقات کا اطمینان ہونے کے بعد آپ کو امام بنایا جا سکتا ہے۔

اس منافق نے جب دیکھا کہ یہاں اس کا کوئی داؤ نہیں چلتا تو راہ فرار اختیار کی کسی دوسری مسجد میں جا کر امامت کی صورت میں عوام کے ایمان پر غارتگری شروع کر دی ہوگی۔

راہزن، ڈاکو، لٹیرے، خود غرض حق ناشناس
بھیڑیے پہنے ہوئے پھرتے ہیں بھیڑوں کا لباس

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانی

اپنی کتاب مہر نبوت میں لکھتا ہے:

"الحمد للہ اعلان نبوت منجانب احمد بن عیسیٰ مسیح موعود کی شہرت کا باعث بنا اور یہ شہرت قیامت کے قائم ہونے کی ایک عظیم الشان حجت تھی، یہی ایمان بقیامت "بعثت ثانی" کے ثبوت میں بینات بن کر ہمالیہ کے پہاڑ کی طرح سر بلند اور مستحکم کھڑا ہے" (مہر نبوت ص۴۸)

اس عبارت سے تشفی نہ ہو تو مزید تشریح سنیئے:

"جب "بعثت ثانی" میں ان کے باپ حضرت محمد مصطفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ان کو چھوڑ کر احمد عیسیٰ نے ولد اللہ کی حقیقت کو قائم رکھنا چاہا جو ان کو فتنوں میں مبتلا کر دیا" (مہر نبوت ص۲۱)

میرے خیال میں قارئین حضرت نہیں سمجھے ہوں گے، یہ دفع دخل مقدر ہے، مطلب یہ کہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ کوئی برحق ہے تو یہ احمدی (قادیانی) مجھے کیوں نہیں مانتے؟ جواب یہ دیا ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اکثر عیسائیوں نے نہیں مانا، اسی طرح مسیح موعود کے بعد جب دوبارہ حضور کی بعثت ثانی بشکل چن بسویشور ہوئی تو ان احمدیوں نے بھی

عبارت سابقہ کی طرح فرمانا، اگلی عبارت اس کی مزید وضاحت کر رہی ہے ملاحظہ ہو

"دوسرے الفاظ میں اس ولی کے وجود میں بپائے قیامت حضور منبع انوار خود تشریف لائے
ہیں، اس حقیقت کی وجہ سے یہ بروزِ محمد کہلاتا ہے، اسی وجود کی تناظر میں یہ سچ
ظاہر ہوتا ہے جو "اِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ" کی حقیقت منکشف کرنے کے لئے ہیچ
کی طرح پچھلے کچھ برس کر عقائد کی طوفان مچاتا ہے، قیامت کا علم دینے کے لئے
اس کی بدنامی مقدر ہوتی ہے۔" (مہر نبوت ص۲۷)

قارئین حضرات اس عبارت میں آخری فقرہ "بدنامی مقدر ہوتی ہے" کو دوبارہ ملاحظہ فرمائیں کیا آپ کو یہ گوارا ہے کہ خدانخواستہ آپ کی بدنامی مقدر ہو یقیناً نہیں، تو کیا جو غلام احمد یا کوئی نبی ہوگا اللہ کو یہ گوارا ہو سکتا ہے کہ اس کی بدنامی ہی مقدر ہو، ظاہر ہے کہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس "رسوا سربازار" کو امتحان و آزمائش اور بدنامی میں امتیاز نہیں، لیکن اچھا ہوا اپنے ہی قلم سے تقسیم مناسب کر دی، جو اللہ تعالیٰ کا مقرب اور نبی ہوتا ہے، بعض موقعوں پر اللہ تعالیٰ اسے آزمائش میں ڈالتے ہیں ؎

آزمائش ہے نشان بندگان محترم
جانچ ہوتی ہے انہی کی جن پہ ہوتا ہے کرم

اور جو نبی نہیں بلکہ متنبی (جھوٹی نبوت کے دعویدار) ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے لئے بدنامی مقدر ہوتی ہے۔ چنانچہ یسوع خود کو اپنی حقیقت کا علم تو تھا ہی اس لئے حقیقت ظاہر کر دی کہ وہ ایسا بروزِ محمد ہے کہ بدنامی اس کے لئے مقدر ہے سوّد اللہ وجہہ یوم القیٰمۃ۔

بروزِ محمد کی تشریح

پچھلی عبارت میں بروزِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تشریح اگرچہ آچکی ہے کہ اس ولی کے وجود میں حضور منبع انوار خود آئے ہیں، لیکن اس کی مزید تشریح اشعار میں بھی کر دی ہے، اسے بھی ملاحظہ فرمائیں:

بروزِ محمد ہے نبیوں کا حاکم

ہے مظہر خدا کا فسر ان کا ہے عالم ہے ثانی محشر حوض کوثر کا قاسم

(مہر نبوت ص۲۲)

سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے یسوع کو تو بھی حشر نہیں فرمایا سید کونین آدم تو
بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ——!!

فرمایا ہے لیکن خاتم الانبیاء نہیں فرمایا، اس لئے یہاں بروز محمد کی جو تشریح کی ہے وہ ایسا بروز ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی قدر و منزلت میں بڑھا ہوا ہے بلکہ ثانی محمد یا الگ مختص تو صفات تعداد عددی ہیں، اس لئے بلا مبالغہ بروز محمد کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خدا جو صفات محمدیہ کے ساتھ بشکل ہندو جی بسویشور آیا ہے، وہ یہ بندۂ ناچیز ہے ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

مذہب جی بسویشور کا میں اس کے اندر کوئی استثناء نہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک مسلمان کا درجہ نبی کے برابر ہے، اور جو جامع الانبیاء ہوں ظاہر ہے کہ کم از کم خدا تو ہوگا ہی، مسلمان اور نبی کا درجہ برابر ہونے کے بارے میں خود جی بسویشور کے الفاظ سن لیجئے: ؎

نہیں کوئی مسلم ہے نبیوں سے کچھ کم

(مہر نبوت ص۱)

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایک نبی ہونے کا دعوی نہیں کیا ورنہ تمام مسلمانوں کے برابر ہوتا۔

العجب ثم العجب

بسویشور کے دربار میں نبیوں کا اجتماع

؎ ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو

حد ہوگئی ہوس جاہ کی، مامور وقت سے لے کر مہدی آخر زماں اور یوسف موعود و دیگر خیالی مراتب تک پہنچنے کے بعد اب بھی ہوس پوری نہیں ہوئی تو کہنے لگا کہ تمام انبیاء میرے دربار میں حاضری دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

"بروز محمد سے مطلب بعثت ثانی ہے آخرین منہم کے ایک اور آتا ہے...
یہی وقت اجتماع انبیاء کا ہوگا، جب کل انبیاء جمع رہیں گے ان پر حاکم ایک امتی فنا فی الرسول ہوگا جو بروز محمد کہلائے گا" (مہر نبوت ص۲۲)

جب خود بروز محمد ہوگئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانی بشکل جی بسویشور ہوگئی، بیت المقدس کی بجائے حسینا باد دکن میں انبیاء کرام جمع ہوگئے، حاکم بسویشور صاحب مقرر ہوگئے اب آسمان سے نزول قرآن کے خیالی تصور میں کیا دیر لگتی، اس سے ارشاد ہے:

"علم قرآن جب جمیع عوام میں اولیاء کی بعثت کے زمانہ میں بتدریج ایک ہزار سال کے اندر آسمان پر چڑھ جائے تو دوبارہ وہ ذات بابرکت تشریف لائیں گے ان پر ہی علم قرآن نازل ہوگا۔" (مہر نبوت ص۹)

عجیب، وہ قرآن جس کا نزول سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ و مدینہ میں ہوتا تھا آج چودہ سو سال بعد اب آپ اس کا نزول حیدرآباد دکن میں ہو رہا ہے۔ ع

واہ رے قرآن فطری تری

بھائیوں کی کتاب اقدس دنیا میں عمل کے لئے آئی تھی، فضا سازگار نہ ہونے کی وجہ سے بھاگ کر چھپ گئی، فضا سازگار ہوگی تو پھر نزول کرے گی، اس دشمن خدا کے نزدیک قرآن بھی ایک ہزار سال تک بھاگ کر آسمان پر چھپا رہا، اب جب بسویشور کی موجودگی میں حیدرآباد کی فضا سازگار ہوئی تو وہ اتر آیا۔ ع

وائے ناکامی متاع عقل ہی غارت گئی

اے دشمن خدا! ہوش کے ناخن لے، کہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب بھاگا کرتی ہے، کتاب اللہ تو اس لئے آئی ہے کہ بے عمل کے زمانے میں لوگ اس سے عمل سیکھیں۔

دریدہ دہنی کی انتہا کر دی

پہلے مسیلمہ کذاب کی یہ تعلّی سن کر داد دیں:

"یہ فقیر ثانی الرسول اپنے اندر سے حضور منبع انوار کی قدسی طاقت کو ظاہر کر رہا ہے، جس کی وجہ سے میرے سامنے نہیں بلکہ حضور منبع انوار کے سامنے کل انبیاء زانوئے ادب طے کئے بیٹھے ہیں۔" (مہر نبوت ص۹۵)

دیکھا آپ نے تو شدم تو من شدی کا عجیب و غریب مظاہرہ کہ کل انبیاء میرے سامنے زانوئے ادب طے کرکے بیٹھے ہیں، مگر میں چونکہ بروز محمد ہوں اس لئے درحقیقت حضور کے سامنے انبیاء ادب سے بیٹھے ہیں، یہ عجیب منطق چلا ہے، نبوت بھی اپنی ایجاد اور منطق بھی۔

یہ مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج نہیں تو اور کیا ہے، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی ایسی توہین کہ وہ ایک ہندو کذاب کے سامنے زانوئے ادب طے کئے بیٹھے رہیں۔ — اس انجمن کی کوئی تصنیف اس قسم کی لغویات سے خالی نہیں، ضرور ان حرکات شنیعہ کے پس پردہ کوئی خفیہ ہاتھ

کام کر رہا ہے، مگر ؎

سنبھل کے رکھنا قدم دشتِ خار میں مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

جنت نہیں بے کار خانہ

تصورِ آخرت، جہنم کا خوف، جنت کی طلب یہ ایسی چیزیں ہیں جو مسلمانوں کو عمل کی طرف رغبت دیتی ہیں اس لئے اس دشمنِ خدا کے دل میں یہ شرارت پیدا ہوئی کہ پہلے اس تصور ہی کا خون کر دیا جائے تاکہ آگے مختلف دعاوی کرکے اپنی ہوس پرستی کی جائے اور تصورِ آخرت دل سے مٹ جانے کے بعد مسلمان بندۂ نفس بنکر اس کی ہوسناکیوں کو برداشت کرلیں، ارشاد ہے:

"جب دنیا میں گناہوں کا زور ہوتا ہے تو جنتی ارواح کو غیرت ہوتی ہے، اللہ کے اذن سے بصورتِ اولیاء اللہ کام کرتی ہیں، ورنہ یہ خیال کیا جائے کہ جنتی لوگ ہمیشہ جنت میں پڑے رہتے ہیں، اس سے تو جنت ایک بیکار خانہ ہوا، بیکاری انسان کی بیکاری کا باعث ہوا کرتی ہے۔ بیکار انسان جنتی نہیں کہلا سکتا۔"

(مخزن المومنین صلا)

برادرانِ اسلام! اس طرزِ فکر کو سمجھئے مرنے کے بعد انسانِ کامل کہاں جاتے ہیں؟ دوبارہ لوٹ کر گناہوں کی دنیا میں آجاتے ہیں؟ لوٹنے سے قبل کہاں تھے؟ بیکار خانہ جنت میں، چن بسویشور کے عقیدے کے مطابق اب ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانی ہوئی لیکن اس ساڑھے تیرہ سو سال میں حضور کہاں رہے؟ کیا نعوذ باللہ بیکار خانہ میں رہے؟ اگر نہیں تو بتایئے اس درمیانی وقفہ میں کہاں رہے؟

مسلمانو! ہوش میں آؤ، کچھ سمجھے یہ کیا کہا جا رہا ہے؟ چن بسویشور کہتا ہے، تصورِ آخرت غلط ہے، جنت بیکار خانہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیکار خانہ میں رہ نہیں سکتے، اس لئے آپ اسی دنیا میں بلباسِ دیگر تشریف لاسکتے ہیں، جب تمہارا نبی اس بیکار خانہ میں رہنے کو پسند نہیں کرتا تو تم جنت کی فکر میں لگ کر کیا حماقت کر رہے ہو؟

یہ جو سب اسلام کی جڑیں کاٹنے میں کس قدر بے باک ہیں، اور ستم بالائے ستم یہ کہ مسلمانوں سے چندہ لے کر کے اسلام کے خلاف یہ سازشیں ہو رہی ہیں، یہ حالت دیکھ کر دل و دماغ بے قابو ہوئے جاتے

ہیں، کاش کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننے والے مسلمانوں کے ملک میں کم از کم حکومت نبوت اور خدائی کے مدعیوں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی توہین کرنے والوں اور ان کے متبعین کو سرِ بازار موت کی عبرتناک سزا دے کر اپنے ایمان کا ثبوت دیتی اور عوام حکومت سے ایسا پر زور مطالبہ کرتے مگر ان مردودوں کے وجود نامسعود سے پاکستان کو پاک کئے بغیر انہیں سکون نہ آتا، مگر ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

راز کھل گیا

اسلام پر مرمٹنے والو! خوب سمجھ لو چن لبوشیوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت نہیں کہ آپ کا بروز اور فنا فی الرسول کہلا رہا ہے بلکہ یہ سازش انگریز نے سوچ سمجھ کر تیار کی ہے، جب انہوں نے یہ دیکھا کہ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر سے عشق کے درجہ تک محبت ہے اور اس کو کم کرنے کی اور کوئی صورت نظر نہ آئی تو ان کی نظر انتخاب اس پر پڑی کہ لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ حضور کا بعینہٖ مع اپنی تمام صفات کے کسی دوسرے انسان میں حلول ہو جاتا ہے، اور پھر چند بداخلاق غنڈوں کو اس دعویٰ پر تیار کر دیا۔ تاکہ مسلمان یہ دیکھ لیں کہ ہمارا نبی جس پر ہم مرمٹنے کو تیار ہیں وہ ان اخلاق و عادات کا مالک ہے۔

لیکن اس بدنما سازش کو یہ نہیں معلوم کہ جو منافق ہیں وہ اس کا ساتھ دیتے ہیں اور اسلام کو ان کی ضرورت نہیں بلکہ بہتر ہوا کہ ان کے ذریعہ کھوٹے کھرے الگ ہو گئے اور جو مسلمان ہیں ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ عالیہ و اخلاقِ حمیدہ کا ایک رب العزت نے اپنی آسمانی کتاب قرآن مجید میں دیدیا ہے

وکان خُلقہ القرآن (حدیث) آپ کے اخلاق قرآن کے مطابق تھے۔

یہ سبق مسلمانوں کو اس قدر یاد ہو چکا ہے کہ بھلانے سے نہیں بھولتے، تمہاری اس سازش کا صرف یہ نتیجہ نکلا ہے کہ جو منافق بشکل مسلمان اسلام کے دعویدار بنے تھے وہ الگ ہو گئے فللّٰہ الحمد علیٰ ذالک۔

مجھ اوتار

چن لبوشیوں کے متعلق حقیقت حال خود ان کی زبانی معلوم ہو گئی کہ وہ اپنے کو مسلمانوں کا پیغمبر نہیں ہندوؤں کا اوتار کہتا ہے، مہر نبوت کی عبارت ملاحظہ ہو:

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا —— ۲۵

"ہے کوئی دنیا میں نبی ایسا جس کے دربار میں انبیاء جمع ہوں: آدم سے لیکر عیسیٰ تک کل انبیاء ...... اور مجدد اوتار سے لیکر گوتم بدھ اوتار تک کل انبیاء جمع ہوں۔" (مہر نبوت ص۱۱)

پھر وہ ایسا نبی کون ہے، اس کی خود تشریح فرماتے ہیں:

"یہ فقیر فنا فی الرسول اپنے اندر سے حضور منبع نوار کی قدسی طاقت کو ظاہر کر رہا ہے، جس کی وجہ سے میرے سامنے نہیں بلکہ حضور منبع نوار کے سامنے کل انبیاء زانوئے ادب طے کیے بیٹھے ہیں" (مہر نبوت ص۱۲)

دیکھیے کئی عبارتوں میں یہ دکھایا جا چکا ہے کہ انہوں نے ہندو سادھوؤں کو اولیاء اللہ کہا ہے، پہلے تو اس پر تعجب ہوتا تھا کہ ہندوؤں کو اولیاء اللہ کیسے کہا، مگر جو خود کو ہندوؤں کا اوتار کہے ظاہر ہے وہ ہندوؤں کو اولیاء اللہ ہی کہے گا، ایسی تحریریں دیکھ کر بے ساختہ ان کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے، مسلمانوں میں دعوت و تبلیغ کرتے ہیں اور اپنے کو ہندوؤں کا اوتار ثابت کرتے ہیں مگر سوائے اس کے ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ ؎

مجھ پہ فقط آسماں ہی نہیں	یہاں پر مجاہد نظارے بہت
فلک پر ہی ضو دار تارے نہیں	زمیں پر بھی ضو دار تارے بہت

نہیں کوئی مُسلِب نبیوں سے کچھ کم

دل پر انتہائی جبر کر کے لکھ رہا ہوں ورنہ دست قلم ایسی عبارتیں نقل کرنے کو تیار ہے، نہ ضمیر اس کی اجازت دیتا ہے کہ ایسی بکواس کو نقل کیا جائے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں ایسی توہین آمیز عبارتیں دیکھ کر جذبات قابو سے باہر ہو جاتے ہیں، جگر پاش پاش ہوا جاتا ہے، خدا کی قسم مسلمانوں کو ان کے مکائد سے بچانے کی خاطر یہ عبارتیں ان کے سامنے رکھ رہا ہوں ورنہ ان خرافات کا نقل کرنا تو درکنار میں ان کو دیکھنا بھی گناہ کبیرہ سمجھتا ہوں۔

جن لیسو بشوب نے اپنے صاحبزادے مرید کی بھی آخرت تباہ کر ڈالی، ان کو سبز باغ دکھا کر ان کا ضمیر مردہ بنا دیا، یہ کیسے ممکن تھا کہ پیر صاحب تو "محمد ثانی" بن بیٹھیں اور مرید پیچھے رہ جائیں، اس نے اپنے مریدوں کو انبیاء کا معزز لقب دے کر انہیں الو بنا دیا، قارئین حضرات کو یاد ہوگا کہ غلام احمد قادیانی نے اپنے چیلوں کو صحابی کا لقب دیا تھا لیکن یہاں تو "این خانہ ہمہ آفتاب است" والا معاملہ ہے۔

ارشاد ہے :-

بعد از محمد فقانی الرسولم
ہمہ انبیاء را فخر باقی ہستم

جہاں اپنے مریدین کو خوش کرنے کے لئے انہیں نبی کا خطاب دیا، وہاں عامۃ المسلمین کی دلجوئی کے لئے عام قانون بنا دیا ہے کہ ؎

نہیں کوئی مسلم ہے نبیوں سے کچھ کم

چلے گئے ہاتھوں، چن بسویشور کی اپنی عبارت ملاحظہ فرمالیں :

"جو مسلمان پیدا ہوتا ہے یا مسلمان ہوتا ہے وہ پہلے ہی قدم میں کسی نہ کسی نبی کا مثیل بننے کی بالقوۃ طاقت رکھتا ہے اور دوسرا تصرف حضرت منبع انوار کا مسلمانوں میں یہ چل رہا ہے کہ کسی مسلمان کو خیال تک نہیں ہوتا کہ وہ اپنے کسی بچہ کا نام کسی نبی کی غلامی پر رکھے۔ جیسے عام طور پر غلام محمد، غلام احمد، غلام علی، غلام دستگیر نام رکھتے ہیں، اس طرح غلام ابراہیم، غلام موسیٰ، غلام عیسیٰ رکھنے کا کسی مسلمان کو خیال نہیں ہوتا کیونکہ ؎

نہیں کوئی مسلم ہے نبیوں سے کچھ کم" (مہر نبوت ص۔)

اس خانہ زبانی کو دیکھ کر ان کی عقل پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے، یہ اس قابل بھی نہیں کہ اس کا رد کرنے کے لئے کاغذ ضائع کیا جائے۔ لیکن اس کی آڑ لے کر دیندار انجمن کے موجودہ نگران اعلیٰ سعید بن وحید نے کشمیر میں سیرت النبی کے جلسہ میں کہا تھا کہ :

"جہاں سے نبوت ختم ہوتی ہے وہاں سے تو مومن کے کمال کا آغاز ہوتا ہے اور کوئی مومن اگر نبوت کا دعوی کرتا ہے تو وہ اپنے مرتبہ سے نیچی بات کا دعوی کرتا ہے۔"

دریدہ دہنی کی انتہا ہوگئی کہ مومن نبی سے بڑے درجے کا ہوتا ہے، نبی اگر مومن سے کم درجہ کا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ انبیاء علیہم السلام مومن نہیں اور جب انبیاء کے لئے مومن ہونا ضروری نہیں تو وہ کافر ہی ہوں گے جیسا کہ چن بسویشور صاحب، محبوب مطلق بھائی ہے، نبوت ایسی سستی کر دی کہ ایمان کی شرط بھی اڑا دی، اگر نبوت بے ایمانی اور بے غیرتی کا نام ہے تو وہ تمہیں ہی مبارک ہو۔

رقیب سر ٹیکنے دیں تو عشق ہو تسلیم
یہی ہے عشق تو ہے ترک عاشقی اولیٰ (اکبر)

حقیقت کچھ اور ہے، انہیں خود بھی پتہ نہیں کہ یہ کیا ہوتے ہیں، دراصل غلام احمد قادیانی کی بدولت مسیح موعود، مہدی آخر الزماں اور نبوت کے دعوے کو کھلی چھٹی ملی، چنانچہ بیسیوں جھوٹے نبی اسی زمانے میں پیدا ہوئے، آپ کو بھی شوق ہوا کہ چلو ہم بھی انہی کے ساتھ ؎

نہیں معلوم منزل ہے کدھر کس سمت جاتے ہیں
مگر ہے قافلے میں شور ہم بھی غل مچاتے ہیں (اکبر)

چن بسویشور نے اپنی تصانیف میں بار بار غلام مسلم کو مقام نبوت سے اعلیٰ و افضل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اپنی تصنیف "مہر نبوت" کے شروع میں رقمطراز ہیں ؎

نبوت کے اسرار بے انتہا ہیں — بفضل خدا اس کے دریچے یہ وا ہیں
کہوں راز داری کے اسباب کیا ہیں — ہیں ان کی جگہ ہوں وہ میری جگہ ہیں
کہ جتنی تک جس قدر انبیاء ہیں — وہ رفقاء رکھے رسول خدا ہیں!
فنا فی الرسول خدا جو ہوا ہے — وہ لاریب حق میں فنا ہو گیا ہے
کہ نبیوں سے درجہ اس کا بڑا ہے — ہیں رفقاء تیں یہ عجب ماجرا ہے

نیز اسی کتاب کے شروع میں یہ بھی ہے ؎ شعر

ہے فائق ہمارا ولی ہر نبی پر

انتہا کر دی چن بسویشور کے شاگرد مولوی غازی ابو الکلام عبد الغنی نے، پہلے تو صرف اپنے رفقاء کی انبیاء پر فضیلت ثابت کی، مگر عبد الغنی سود اللہ وجہہ نے تو یہاں تک کہہ ڈالا کہ چن بسویشور کا مبعوث ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں آنا، دوسرے انبیاء کے لئے باعث معراج ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔
لکھتے ہیں ؎

محمد کی امت میں پھر ان کا آنا
نبیوں کا گویا ہے معراج پانا (شمس الضحیٰ ص ۱۰)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چن بسویشور "مہر نبوت" کے لکھتے وقت یہ قسم کھا کر بیٹھا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین جس قدر ہو سکے اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے گا۔ لکھتا ہے ؎

بجز کی صورت میں بھریا ۔۔۔ ۲۸

”ان کا ایک وجود کئی کئی انبیاء کو اپنے اندر رکھتا تھا، اسی وسیلہ سے انبیاء، اقوام عالم جن پر حضرت سلام نفذ ”رحمۃ اللہ“ اور ”رضی اللہ“ کے حقدار ہوئے“

(مہر نبوت ص۲۳)

ستم بالائے ستم

توہین نبوت کا جو کردار جن لسو بیشور نے ادا کیا ہے، اس کو نوک قلم پر لاتے ہوئے ہاتھ کانپنے لگتے ہیں، لیکن ان کے مرید ابو الکلام عبد الغنی نے توہین نبوت کا جو بیڑا اٹھایا ہے یہ جس شخص کے دل میں ذرا بھی ایمان ہو وہ اس بدبخت کا سر کچلنے کے لئے بے قرار ہو جاتا ہے۔ کیا لرزتے تھے دل نازک قدم مجبور لغزش تھے،

اے کاش کہ میرے مسلمان بھائیوں کو ان کی خرافات کا پہلے سے علم ہوتا تاکہ مجھے ”نقل کفر“ کی ضرورت پیش نہ آتی اور خدا شاہد ہے کہ ”نقل کفر کفر نباشد“ کو سامنے رکھکر یہ قدم اٹھا رہا ہوں۔ صاحب الغنی مذکور کی عبارت ملاحظہ ہو:

”جماعت دینداران کو خطابات منجانب اللہ ملے ہیں، دو سو سے زیادہ مرد میدان، اکثروں نے نبیوں کے منازل طے کئے ہیں وہ متعدد انبیاء کے ناموں سے پکارے گئے، وہ دربار یوم جمعہ (خانقاہ سرور عالم آصف نگر دکن) میں جمع ہیں، صرف رام اور کرشن اوتار ہی ایک درجن سے زیادہ ہیں“

(شمس الغنی ص۹۱)

غور فرمائیے! کیا یہ چیلا اپنے گرو سے سبقت نہیں لے گیا؟ واقعی لائق انعام ہے جنہوں میں جماعت کے درجنوں افراد کو ہندوؤں کا رام اور کرشن اوتار بنا دیا، کئی حضرات کو آن واحد میں نبی بنا دیا، اور جو مستقل نبوت ہیں ان کو خطابات منجانب اللہ تقسیم کر ڈالے، یہاں تو قادیانیت بھی شرما رہی ہے، وہاں تو چہل برس کے بعد نبوت ملا کرتی تھی، مگر یہاں تو منازل نبوت بہت جلدی طے ہو جاتے ہیں۔۔۔ ادھر تو یہ ظالم عوام کالانعام کو اپنا ساماں طرب بنا کر رقص کرا رہے ہیں، ادھر مجنونانہ بڑھیں خرافات بکی جا رہی ہیں اور وہ لوگ جن کو نبوت کا سرٹیفکیٹ ملنے والا ہے انتظار میں بیٹھے بندروں کی طرح ان بدبختوں کی گود میں رقص میں مصروف ہیں

صحابہ کی گروہ بندی

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جو اعزاز حاصل ہے اب چن بسویشور
بھی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے والے لوگوں کا بھی وہی مرتبہ بتا رہے ہیں۔ ان کے نزدیک صحابہ کے دو
دور ہو چکے ہیں، اس کوشش کی گروہ بندی کو ذکر کرکے دو قرنوں سے متعلق لکھتا ہے:

"اب تک یہ وعدہ دو دفعہ پورا ہو چکا،

(۱) زمانہ قرن اولیٰ (۲) زمانہ قرن اخریٰ"

(مہر نبوت ص۳۲)

یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ بسویشور صاحب تو صحابی بن جائیں اور باشور صاحب خاموش منہ تکتے رہیں
اس لئے گروہ کی لے میں لے ملا کر عبدالغنی باشور فرماتے ہیں ؎

عیاں قرن اول میں تھی ان کی عظمت
عیاں قرن آخری میں ہے ان کی عظمت (شمس الضحیٰ ص)

شمس الضحیٰ

اس کتاب کا مصنف ابو الکلام عبدالغنی ہے جس کی کتاب کے متعدد حوالے پیچھے گزر چکے
ہیں، اس کتاب پر دیندار انجمن کے بانی چن بسویشور کی تقریظ ہے، اس تقریظ کی وجہ
سے کتاب کی اہمیت اور بڑھ گئی، چن بسویشور اپنی تقریظ میں لکھتا ہے:

"مصنف کتاب ہذا مولوی قاری ابو الکلام عبدالغنی صاحب مصنف
میثاق الانبیاء نے مضامین تبلیغ کو مسدس کی صورت میں منضبط کیا
ہے، وہ کتاب میری نظر سے گزری، انتہائی معقولیت سے کام لیا ہے
ہماری انجمن کے جذبات کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، درحقیقت وہ
جذبات کیا ہیں قرآن کریم عمل میں ہے یہ کتاب ہر قسم کی ہدایت کا باعث ہوگی
شفاعت کا باعث ہوگی پڑھنے والوں کو صراط مستقیم پر لائے گی۔" فقط

دستخط دیندار چن بسویشور

المرقوم ۱۵ رجب ۱۳۶۵ھ

مجلد کی صورت میں ہدیہ ـــــ ۳۰

بقول صاحب تقریظ یہ کتاب مسلمانوں کی ہدایت اور صراط مستقیم پر لانے کی غرض سے تصنیف کی گئی ہے، وہ صراط مستقیم کیا ہے؟ اس کتاب کی مذکورہ عبارات اور جمن لیسو بشیرد کی تصانیف کی خرافات کو سامنے رکھ کر قارئین حضرات خود فیصلہ فرمائیں جن کا خلاصہ یہ ہے: توہین انبیاء علیہم السلام، جمن لیسو بشیر کو یوسف موعود، مثیل موسیٰ، مصلح موعود، مامور وقت، امام الناس، مالک قیامت، بروز محمد، اور اللہ کو شکل میں لیسو بشیر بیان لینا، نعوذ باللہ من ذلک

لتُنذر قوماً لدّا

کہتے ہیں شیطان کی آنت بہت لمبی ہوتی ہے، ان کی لغویات کا یہی عالم ہے کہ بیان کرنے والا تھک جاتا ہے مگر ان لغویات کا عشر عشیر بھی نہیں کہہ پاتا لیکن لِتُنْذِرَ قَوْمًا لُدًّا کی جو تفسیر کی ہے وہ تو دریائے معرفت ہے، خاص کر اس پر جو عبارت پیش کر کے اس آیت کی وضاحت کی ہے وہ تو بے نظیر ہے، جلدی سے سن لیجئے ایسی بے بہا نعمت اور کہیں سے نہیں ملنے کی:

"وہ اس خانقاہ میں کیسے آسکتے ہیں جن کے سینے میں قرآن پڑھنے کا جذبہ نہ ہو مبارک ہیں وہ جنہوں نے آسان زبان میں یعنی صدیق کی زبان سے قرآن کریم کے رموز سیکھے۔ صدیق کی زبان در صل محمد کی زبان ہے کہ جس سے ہم پر یہ قرآن نازل ہوا، قرآن کریم نے محمد کی زبان سے پڑھنے کی قید لگائی ہے، اِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ اور آگے ہے لِتُنْذِرَ قَوْمًا لُدًّا، یعنی آپ آخر زمانے میں قرآن آسان کرنے کے لئے تشریف لائیں گے۔" (شمس الضحیٰ ص۱۲)

مصنف کو اختلاط کا مرض ہے، صدیق کی زبان سے جو کتاب تم پر آسان کی گئی وہ قرآن نہیں، ہندوؤں کی وید ہے، جسے تو نادانی سے قرآن سمجھا ہے، ارے جس نے قرآن دیکھا ہو، وہی بیان کرے، اپنے گرو سے پڑھ کر تو آئے وید اور تفسیر کرنے چلے قرآن کی ہے

صورت لیلیٰ نہ دیکھی پڑھ لیا دیوان قیس   شاعری ان کو نہیں آئی زبان داں ہو گئے

تبلیغ و ہجرت حرام

کتاب شمس الغنی کے دیباچہ میں غازی صاحب الغنی کہتے ہیں:

"اب ہم صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا ماضی ہوگا اور جنازوں کی بنا پر گذر گیا، مستقبل بھی موجود ہے، اور وہ بھی گذر جائے گا۔ آئندہ اس قسم کی تبلیغ، ہجرت اور غزوات تیرہ سو سال تک نہیں ہوں گے" (دیباچہ شمس الغنی)

جہاد کی حرمت کا حکم تو ان کے گرو غلام احمد قادیانی پہلے سے دے چکے تھے اب چیلے نے اگر تبلیغ اور ہجرت پر بھی پابندی لگا دی ہے مگر "برعکس نہند نام زنگی کافور" کے مطابق غازی صاحب نے ہی حضرت بجا فرماتے ہیں، جس تبلیغ کے لئے دیندار صاحب تشریف لائے ہیں کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اگر تبلیغ شروع کردے؛ یہ میراث تو انہی کو آبائی جدی ملی ہوئی ہے اس پر دوسروں کی دست اندازی جائز نہیں۔

گھن چکر

مسلمانو! کلیجہ تھام کر گھن چکر کے معنی سمجھ لو، اور پھر دیکھو کہ چن بسویشور صاحب کس کو گھن چکر بتا کر خود طوفانی دورے پر جاتے ہیں۔

"حضور (چن بسویشور) نے فرمایا میرا کام ختم ہو گیا۔ میں ایک طوفانی دورے پر جانے والا ہوں میں ہمیشہ آزاد ہوں گا۔ اللہ بڑا گھن چکر ہے۔ وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا، اگر وہ کسی کی سمجھ میں آگیا تو وہ خدا ہی نہیں" (شمس الضحیٰ ص۔)

برادران اسلام! یہ باتیں عالم خواب میں نہیں کہی جا رہی ہیں، کسی مجذوب کی بڑ نہیں ہیں یہاں ہر بات سوچ سمجھ کر تصنیف کے لئے فارغ ہو کر مصنف قلم سنبھالے اپنے گرو کی باتیں تبرک سمجھ کر لکھ رہا ہے، کسی نے آج تک کسی بدمعاش، شرابی اور چور کو نشے میں بھی ایسی باتیں بکتے نہیں دیکھا ہوگا اس پر طرہ یہ کہ دیندار انجمن والے ان بھول بھلیوں پر خوشی سے جھومے جاتے ہیں۔ اور بقول خود پکے مسلمان بلکہ مجتہد بھی ہیں، جن کو مسلمانوں پر یہ امتیاز ہے کہ دیندار کہلاتے ہیں۔

سوچ لو!

اے مسیحی فریب خوردہ بھائیو! اب بھی ہوش سے کام لو، ہمارا تمہارا دین ایک، خدا ایک

نبی ایک، قرآن بھی ایک، آؤ کلمۂ شہادت پڑھ کر دوبارہ انہی کی آغوش رحمت میں آرام کرو، ان کو پائندہ کے گھن چکر میں آکر اپنا دین و ایمان، مال و آبرو برباد نہ کرو، یہ بات سمجھ میں نہ آئے تو کسی سے پوچھ لو، خود بھی ذرا عقل سے کام لو، یہ عقل ایسے ہی مواقع پر کام میں لانے کے لئے دی گئی ہے۔ صبح کا بھولا شام کو گھر واپس لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے ؎

ظالم ابھی ہے فرصت توبہ دیر نہ کر

وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

تفسیری موشگافیاں

صاحب شمس الضحیٰ سورۂ بلد کی تفسیر میں لکھتا ہے:

○ اس کے علاوہ اس سورت میں ایک متقیوں کی جماعت کا بھی ذکر ہے، جو اسلام کے لئے مصائب جھیلنے والی ہے اور اپنے عمل سے صبر اور رحمت کا ثبوت پیش کرتی ہے، انہی کو اصحاب میمنہ یعنی محافظین اسلام کے نام سے یاد کیا گیا، ان کی مخالفت میں آنے والی قوت کو اصحاب مشئمہ یعنی بدبخت گروہ بتایا گیا۔ ان کی انتہا یہ ہے کہ وہ ایک ایسی آگ میں دھکیل دیئے جائیں گے جس کو نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ کہا گیا ہے یعنی اس آگ سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا تمام دروازے بند کر دیئے جائیں گے

سب سے پہلے اللہ پاک نے لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ کہہ کر امن دینے والے بلد امین کی قسم کھائی ہے اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ کہہ کر حضور کے ایک دوسرے بلد میں نزول کرنے کی بشارت دی گئی ہے جو اَنْتَ حِلٌّ سے ظاہر ہے وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ میں بلد امین کو باپ قرار دے کر بعثت ثانی میں دوسرے بلدہ کو اس کا بیٹا قرار دیا گیا جو روئے زمین میں حیدرآباد ہی بلدہ کے نام سے مشہور ہے، اس لئے بلدہ کا بیٹا ہے، جس میں بعثت ثانی کے لئے حضور سرور عالم نے بھی اس آنے والے موعود کو خلیفۃ اللہ المہدی اور مثیل عیسیٰ ابن مریم کہا ہے۔ بلکہ وہ وجود حضرت مولانا سید محمد صدیق دیندار چن بسویشور کا ہے، جنہوں نے جمادی ۵۶

بعثت محمدی —— ۳۰

عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

سورۂ ہود کی تفسیر میں قاسم رضوی کی نسل کو انتہائی ذلت آمیز الفاظ میں ذکر کرتے ہوئے دریدہ دہن مصنف شقی نے لکھا ہے:

"اولیاء اللہ کی مخالفت میں دو ہی قسم کے لوگ کھڑے ہوتے ہیں ایک وہ جن کی نسل صحیح نہ ہو یا پھر وہ جو نسل کا تو اچھا ہے لیکن گنہگار ہے۔ سید قاسم رضوی نے بحیثیت صدر اتحاد المسلمین ہمارے متعلق صدر ناظم کوتوالی کو حکم دیا ہے کہ دیندار چور اور ڈاکو ہیں، گداگری کرتے پھرتے ہیں، اب کمیونسٹوں کے حملے کے موقع پر لوٹ مار شروع کردی ہے، یہ عیسائی ہیں نہ مسلمان نہ پارسی، یہ سب بے دین ہیں، ان کو بہادر یار جنگ مرحوم ختم کرنا چاہتے تھے، افسوس وہ ختم نہ کر سکے اب ان کو قسم کرتا ہوں وہ بے دین ہیں حکم دیتا ہوں کہ ان کو ختم کر ڈالو۔ جہاں پاؤ پکڑ لو سخت سے سخت سزا دو، یہ دو سو کے قریب ہیں، یہ ختم ہوگئے تو دوسرے نہیں۔" (شمس الضحی ص ۱۲)

نیز آپ پر ایک شعر قاسم رضوی کے بارے میں نازل ہوا ہے ؎

کٹی بزم میں خود ہی عمر غموم تیری
گئی حیف بیکار ہر ایک یوم تیری (حوالہ بالا)

مصنف نے جس مقصد کے تحت یہ عبارت نقل کی ہے جس میں بہادر یار جنگ کا ان دینداروں کے بارے میں نظریہ اور قاسم رضوی کا ان کو ختم کر دینے کا ذکر کیا ہے، وہ تو مصنف ہی بہتر جانتا ہے، مگر اس عبارت سے ہمیں بہت بڑا فائدہ ہوا اور وہ یہ کہ اس متنبی سے متعلق ان ایسے حضرات کی رائے معلوم ہو گئی جو ان کو قریب سے دیکھے ہوئے ہیں ان کے دعووں اور دیگر نجی اور اخلاقی سب کیفیات پر واقف ہونے کے بعد انہوں نے یہ رائے قائم کی ہے۔

نزول قرآن

قارئین حضرات کو یاد ہوگا کہ چن بسویشور صاحب پر نزول قرآن تو بحث ثانی میں ہو گیا تھا لیکن اس

دعویٰ میں ایک کسر باقی تھی کہ نزول والی ترتیب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک نہ ترتیب جمع قرآن بھی ہوا لیکن نزول ثانی میں اس کا ذکر ہی نہیں اس لئے حضرت بہولیشور کے چیلے نے یہ کسر بھی پوری کردی، ملاحظہ فرمائیں

"إن علینا جمعه وقرآنه یعنی قرآن کا جمع ہونا اور اس کا پڑھنا ایک خاص وقت پر ہوتا ہے اور وہ وقت معین ہے۔ یہ عمل حضور سرورِ عالم کے ظہور پر ہوا یا پھر حضرت مولانا صدیق دیندار قدس سرہ العزیز کے وجود نے اس عمل کو پورا کیا۔" (شمس الضحیٰ ص)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے صدیق کے ظہور تک قرآن پاک کا یہ جمع اور جمع وترتیب باقی رہی یا ختم ہوگئی؟ اگر اس عرصہ میں وہی منزل قرآن مرتب موجود رہا تو نہ صدیق پر نزول کی ضرورت رہی اور نہ صدیق دیندار کے جمع وترتیب کی حاجت۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن ختم ہوگیا العیاذ باللہ، تو فرمائیے کہ اس تیرہ سو برس میں مسلمانانِ عالم جس قرآن کو قرآن مانتے آئے وہ کیا تھا؟ اس عرصے میں جب قرآن ہی نہیں تھا تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو تھا وہ قرآن کے علاوہ تھا، اس کی تشریح دیندار انجمن والوں سے مطلوب ہے۔

دُشٹ ط

اب حضرت والا سچ بولنے لگے ہیں، فرماتے ہیں:

"ہم ہی تقریباً تمام ہندوستان کے اوتار ہیں۔ ہم سے ہندوستان کو امن ہوگا۔ دشمنوں کے ضمیر یا مت ہو؟" (دیباچہ شمس الضحیٰ)

خیر کوئی بات نہیں دشمنوں کا ضمیر لعین ہی سہی مگر آنجناب نے بات بڑے پتے کی بتادی، ایک اوتار کی لغویات کا تحمل بھی مشکل ہوتا ہے۔ جب آپ کے پیر جی یا تو آپ ہی ہندوستان کے تمام اوتار جمع ہیں تو ایسی صورت میں نہ جانے ان خرافات ولغویات کا کتنا بڑا انبار لگا ہوگا اور بلا شبہ یہاں ایسا ہی ہے، آپ نے چند اقتباسات اس رسالہ میں بھی ملاحظہ فرمالئے ہوں گے،

قارئین حضرات! یہ نہ بھولئے کہ "اوتار" کی اصطلاح مسلمانوں میں نہیں ہے، یہ ہندو سادھوؤں کی اصطلاح ہے، ہندوؤں کا خدا کہئے یا موعود مذہبی رہنما، بہرحال اسلام کا دامن ان اوتاروں سے پاک ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مصنف بچارے کا میلان ہندوؤں کی طرف زیادہ ہے، جس کی وجہ شاید یہی ہوسکتی ہے کہ ان کی نبوت اور دیگر دعاوی کے دلائل انہی کی کتب سے ماخوذ ہیں، ایسی صورت میں اگر ان کی رجوع کی خاطر ان کی طرف کچھ جھکاؤ

نہ رہے تو یہ نمک حرامی ہوگی، ہمیں کوئی اعتراض نہیں شوق سے ہندوؤں کا حق نمک ادا کریں، مگر اسلام کا لیبل لگا کر نہیں۔

مقام محمود پر ڈاکہ زنی

چمن بسویشور کے چیلے عبدالغنی نے اپنی کتاب شمس الضحیٰ میں ایک شعر لکھا ہے ؎

زمانے میں قرآن مشہود ہے اب

کہ ذات محمد محمود ہے اب

حاشیہ میں اس شعر کی طویل تشریح کی ہے، ایسی تاویل کی ہے کہ بلا تشبیہ لفظ تاویل بلکہ لفظ شرم کو بھی شرم آتی ہے، لکھتا ہے :

" چونکہ سارے اولیاء حضور کی مدح میں گم تھے لیکن کسی ولی کو مقام محمود حاصل نہیں ہوا، اس لئے کہ وہ دور آنے کو تھا، جیسے کہ اس آیت سے روشن ہے عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا آیت کے اس تیسرے حصہ میں حضور کی ذات کو مقام محمود پر لانے کی بشارت دی گئی ہے، یہ دور آخری ہے جو محمود ہے، حضور نے اسی مقام محمود والی بعثت کے لئے مسلمانوں کو بعد اذان دعا سکھائی جس کی تعمیل میں ہر مسلمان وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کے الفاظ دہراتا ہے، اور ہر نماز کے قعدہ میں شہادت کی انگلی بھی بعثت ثانی کی شہادت میں اٹھائی جاتی ہے جس کا انتظار مسلمانوں میں ہے وہی بعثت مقام محمود والی بعثت ہے جس سے ظاہر ہے کہ محمد رسول اللہ پھر تیرہ سو سال کے بعد ایک امتی کی قبا پہن کر جلوہ گر ہوں گے۔ اسی لئے قعدہ میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کہا جاتا ہے کہ جس سے حضور سے مخاطبت ہوتی ہے اَیُّھَا النَّبِیُّ کی مخاطبت غائب کی نہیں ہے بلکہ آنکھوں سے دیکھنے کی حجت پیش کرتی ہے..........

بہرصورت یہ بعثت ثانی کس رنگ میں ہوگی بعثت ثانی میں وہ اپنا نام کیا پائے گی، اس کے لئے خود اللہ پاک نے قرآن میں حضور سے دعا کرنے کیلئے کہا ہے وہ یہ ہے قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ ...."

سلطانا نصیرا "حضور کے سارے کمالات روحانی کا اگر کوئی وجود عینی ہو سکتا ہے تو وہ وجود صدیق اکبر کا ہے ، بعثت اول میں بھی صدیق تھے بعثت ثانی میں بھی صدیق ہی ہیں ...... پس اب ظاہر ہوا کہ حضور شاہد و مشہود بھی ہیں اور روز قیامت میں محمود ہیں اور اس طرح جب آپ کا اعادہ ہوتا ہے تو موعود بھی ہیں .... حقیقت یہ ہے کہ یہ آخری بعثت ہے جس کو والبعث بعد الموت بھی کہا گیا ہے حضور کے سوا کوئی دوسرا وجود اس امت کی اصلاح کے لئے کھڑا نہ ہوگا یعنی اسی امت میں ہی ایک کامل انسان بروز محمدی کی شکل میں مبعوث ہوگا " (اقتباسات از کتاب شمس الضحیٰ ص۲۱)

اعادہ سے متعلق اشعار بھی سن لیجئے ، فرماتے ہیں : ؎

یہ خود موعود کر آئے مولود ہو کر
شہادت میں خود اپنی مشہود ہو کر (شمس الضحیٰ ص۲)

نیز ارشاد ہے ؎

شہ دیں کے قرآں سے مشہود آئے — قیامت کی بعثت میں محمود آئے
اعادہ میں اپنے وہ موعود آئے — غرض دور آخر کے مقصود آئے
(شمس الضحیٰ ص۵)

مسلمان کے کسی بچے سے پوچھئے وہ یہی کہے گا کہ ہم حق پرست لیڈر کی بعثت کے لئے دعا نہیں کرتے ، پھر یہ کہنے کی تمہیں جرأت کیسے ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری بعثت کے لئے بعد اذان دعا سکھائی جس کی تعمیل میں ہر مسلمان "وابعثه مقاما محمودا" کے الفاظ دہراتا ہے۔ حق پرست لیڈر کو شیطان نے دھوکہ دیا ہے کہ مسلمان تیری بعثت کے لئے دعا کر رہے ہیں۔

پھر غضب کر دیا بدبخت نے یہ کہہ کر کہ "ادھر نماز کے قعود میں شہادت کی انگلی اسی بعثت ثانی کی شہادت میں اٹھائی جاتی ہے " العیاذ باللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مرتد کی شکل میں آنے کی شہادت کوئی مسلمان دے سکتا ہے؟

خدا غارت کرے ، کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تیرہ سو سال کے بعد کسی کی شکل میں ظاہر

ہونے کا مسلمانوں میں اشتہار ہے، مسلمان تو بیچارے خواب میں بھی ایسا گمان نہیں کر سکتے، بلکہ دیندار انجمن والے جو بلا اتفاق کافر اور منافق ہیں وہ بھی اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ضمیر سے پوچھیں کہ کیا واقعی تیس برس کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانی کا انتظار تھا، یقیناً دل سے یہی صدا نکلے گی کہ نہیں یہ تو اس جماعت میں شامل ہونے کے بعد سے تمہارے ذہنوں میں بٹھایا ہوا جھوٹ کا پلندا ہے،

بعثت ثانی پر دلیل قاطع جو مصنف نے پیش کی ہے وہ یہ کہ تشہد میں أَيُّهَا النَّبِيُّ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطبت ہے اور یہ مخاطبت کسی غائب کی طرف نہیں ہے، آنکھوں سے دیکھنے کی حجت پیش کرتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملے لکھتے وقت ہمارے مصنف کی عقل کا جنازہ اٹھ چکا تھا، جھوٹی نبوت کے نشے سے دماغ مخلوج ہو چکا تھا تبھی تو ذہن مبارک ایسی بھول بھلیوں کا شکار ہے ___ حضور! فرمائیے کہ بعثت اولیٰ اور بعثت ثانی کے درمیان جو تیرہ سو سال آپ بھی مانتے ہیں، ان میں کیا مسلمان نماز کے تشہد میں أَيُّهَا النَّبِيُّ نہیں کہتے تھے؟ اب فرمائیے کہ اس زمانے میں مخاطبت نے آنکھوں سے دیکھنے کی کیا حجت پیش کی اور اب جبکہ بسویشور کے جنم سب ہو کر فانی دورے پر جانے کے بعد تمہاری آنکھوں کے سامنے مخاطب کہاں موجود ہے؟ اور جس زمانے میں یہ خدا کے غضب کا مظہر جن بسویشور اپنی نام نہاد بعثت سمیت نگر حیدرآباد دکن میں موجود تھا اس وقت باقی دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے أَيُّهَا النَّبِيُّ نے کون سی حجت پیش کی، یہ سب سوچ کر اس سے استدلال کرتے، ایسے ابوالکلام کو دور کہا جاتا ہے اس کے لئے

اب اگر کچھ شرم ہے تو ڈوب کر مر جائیں وہ
افترا پردازی و بہتان سے باز آئیں وہ

مجھے بار بار یہ خیال آتا ہے کہ یہ سادہ دل بندے ایسے وسیع جال میں کس طرح پھنس گئے کہ اگر ذرا سی پھونک ماریں تو ان کے جال کے پرخچے اڑ جائیں۔

مسلمانو! ذرا سوچو تو دل میں
پھنسے ہو کس طرح تم جال میں

یہ میرے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنا بڑا بہتان ہے کہ آپ کی دعا رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ میں صدق سے مراد صدیق دیندار جن بسویشور ہے، خدارا کم از کم اپنی ہی جان پر رحم کرتے، بہتان طرازی کی ایسی مثال ابھی تک کہیں نظر نہیں آئی، دیندار انجمن کا بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ___

کوئی بھی فرد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس روایت کو ثابت کر کے دکھا دے ورنہ آپ ڈریں اور دل سے توبہ کریں؛ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن حبیب خدا کے سامنے مجرم کی حیثیت سے کھڑا کر دیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنا کر جہنم کے انگاروں پر جھلسنے کے لئے بھیج دیے جائیں۔

من کذب علی متعمدًا فلیتبوأ مقعدہ من النار — جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

ہلاکت قیصر و کسریٰ

قیصر و کسریٰ کی ہلاکت سے متعلق لکھتا ہے:

"قرن اول میں ہلاکت کسریٰ والی پیشگوئی حضرت عمر سے پوری ہوئی اور ہلاکت قیصر والی پیشگوئی ساڑھے تیرہ سو سال بعد حضرت صدیق کے ذریعے پوری ہوئی۔ وہ اس طرح کہ قوم انگریز جو قیصر ہند کہلاتی تھی، آپ کی محبت سے وہ اپنے مشرقی جزائر کھو بیٹھی، آج نہیں تو کل آنے والی نسلیں ضرور اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکیں گی جیسے کہ یوم الجمع میں تمام انبیاء کا اجتماع حضور کے دربار میں ہوا تھا وہی اعادہ پسر سام کی صورت میں بوقت یوم الجمع وارث انبیاء کی جماعت کے ساتھ لوٹ آیا۔"

(شمس الضحیٰ ص ۳۲)

معاف کیجئے، ابو الکلام صاحب! آپ کی نظر تاریخ سے ناواقف ہے، قیصر ہند اور ہے قیصر روم اور، یہ قیصر ہند آپ کی اصطلاح ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں، وہ قیصر تو آپ کے ظہور سے جہنم رسید ہونے سے برسوں پہلے جہنم رسید ہو چکا ہے، ذرا کسی سے تاریخ کا الف ب ت پڑھ لیں تو اچھا ہے تاکہ شیطان کے الہامات صحیح سمجھ سکیں۔

سخت ناانصافی

دیندار انجمن کے مفتری کذاب دعبد الغنی کو چاہئے تھا کہ وہ کچھ جھوٹ اور فریب کی باتیں باقی چھوڑ جاتا کہ اس کے بعد جو دوسرے مدعی نبوت آئیں ان کے کام آئیں ورنہ وہ بڑے پریشان ہوں گے ایسی ناانصافی ٹھیک نہیں۔

[illegible] —— م

تصورِ قیامت

قیامت سے متعلق بھی ان دینداروں کی رائے سن لیجئے:

"قیامت صغریٰ مسیح محمدی (مرزا غلام احمد) کا ظہور ہے جسے نفخ اول کہا گیا ہے، نفخ ثانی قیامت کبریٰ کو مختص ہے۔ جو حضور کی ذات کو مختص کرتی ہے، اسی کو نشأۃ اخریٰ کہا گیا ہے وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى دوسری بعثت لازمی قرار دی گئی جس طرح اول میں ہوا آخر میں ہوگا۔" (شمس الضحیٰ ص۱۱)

قیامت، حشر و نشر اور جزا و سزا کی اہمیت کو مسلمانوں کے دلوں سے مٹانے کے لئے اس قسم کی بکواس بکے جا رہے ہیں تاکہ مسلمان یہ سمجھیں کہ جس قیامت سے ہم ڈرتے ہیں جس کے خوف سے کتنی معصیات سے ہم بچے رہتے ہیں وہ قیامت یہ ہے جس میں سے ہم گزر رہے ہیں، اسی میں جنت ہے نہ دوزخ۔

رحمۃ للعالمین

سارے خطابات پیر صاحب نے خود اپنے آپ کو دیدیے تھے لیکن وہ خود کو رحمۃ للعالمین کہلانے سے بھول گیا، اس لئے مرید نے یہ کسر بھی پوری کردی فرماتے ہیں:

"پہلی دفعہ آپ مخلوق پر رحم فرما کر رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے اور مخلوق کو ہلاکت سے بچایا، اب دوبارہ آپ ہی تشریف لائے ہیں۔" (شمس الضحیٰ ص۔۔)

آپ مخلوق کے لئے رحمت کیا لائے، ہاں کفر و ضلالت، الحاد و زندقہ اور بے دینی کا بڑھتے ہوئے سیلاب لاکر مخلوق خدا کو گمراہ بنانے کا شیطانی کردار ادا کر دیا یہ کشت نامراد ہوکر چلے گئے۔

شفاعت اور قیامت کا مالک

ستم ظریفی کی انتہا کردی کہ شفاعت کے ٹھیکہ دار بن گئے اور اس پر طرہ یہ کہ یوم الدین یعنی ہمارا حق بسو لشکر قیامت کے مالک بھی بن گئے، لکھتا ہے:

بجلی کا سیت ہیرا۔ ۔ ۔ ۴۱

"قرآن کریم اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ قاضی کی حیثیت سے آئے گا اور سزا و جزا کے فیصلے سنائے گا۔ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ بروز حشر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کی شفاعت فرمائیں گے، یہ بعثت ثانی کی طرف اشارہ ہے۔ اسلام میں ختم نبوت کا مسئلہ مسلّم ہے اس لئے کوئی شخص حضور کے بعد دعویٰ نبوت نہیں کر سکتا۔ اس لئے امت کی شفاعت آپ ہی کریں گے، وہ بولباس دیگر ہوگی یعنی بعثت بروزی ہوگی۔ کہلائے گی وہ قیامت کے نشان مسیح موعود کے بعد ہوگی۔ آپ قیامت کے مالک بن کر آئیں گے۔ وہ وجود حضرت مولانا صدیق دیندار چن بسویشور کا ہے۔ (شمس الضحیٰ ص۲۰)

شفاعت کا مسئلہ تو الگ ہے، یہاں تو یہ فرمایا جا رہا ہے کہ آپ قیامت کے مالک بن کر آئیں گے۔ اس میں تو کسی مسلمان کو شک نہیں کہ قیامت کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں۔ اب اگر چن بسویشور قیامت کا مالک ہے، تو معلوم ہوا کہ وہ خود خدا ہے اور اس کا چیلا عبدالغنی مصنف شمس الضحیٰ اس کو خدا ہونے کا سرٹیفکیٹ دے رہا ہے، یہ منطق لفظی قابل غور ہے کہ اسلام میں ختم نبوت کا مسئلہ مسلّم ہے، عجیب امر ہے کہ ختم نبوت مسلّم ہے، اس لئے اب بروزی نبی کی حیثیت سے ابھار کرو یا خدا بن کر آیا کرو۔

فلاح کی راہ

چن بسویشور اپنے اندر لوگوں کے فنا ہونے کو شرط لازم قرار دیتے ہوئے کہتا ہے:

"بعد حمد و نعت کے میں تمام بنی نوع انسان خصوصاً مسلمانوں کو جن کی گردن پر تبلیغ کا جوا ہے، وہ کسی صورت سے نکل نہیں سکتا؛ اس کتاب (دعوۃ الی اللہ) کے ذریعہ مطلع کرتا ہوں کہ کوئی گروہ اور کوئی فرد واحد موجودہ زمانے میں اللہ تک پہنچ نہیں سکتا جب تک وہ مجھ میں فنا نہ ہو، یہ میرے منہ کی بات نہیں ہے۔ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ لاکھ لاکھ درود اس ذات احدیت مآب پر، ۱۳۰ سال پیشتر آپ نے اس فقیر کی رویا میں تشریف لا کر اس فقیر کو یہ مرتبہ عطا فرمایا تھا والوں

پہلی صورت یہ ہوئی ۔۔۔ ۱۴

مقدر ہے، اس لئے جس طرح دنیا میں وہ سزا یافتہ ہیں، اسی طرح آخرت میں بھی وہ سزا یافتہ رہیں گے۔

جن بسویشور اللہ کا مظہر تو ہیں لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ ان کے گرو غلام احمد قادیانی اس وصف میں ان سے آگے ہیں چنانچہ وہ اپنے خلیفہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان کی شان میں لکھتا ہے:

"فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاول والآخر مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء"

(تبلیغ رسالت ص ۱۰ ج ۱)

جن بسویشور صاحب اللہ اپنے پیر و مرشد کی نقل اتار رہے ہیں، مگر یہ بات کہاں سے لائے کہ

العیاذ باللہ

"حدیث رؤیت اللہ میں لکھا ہے کہ اللہ محشر کے دن ایک اجنبی کی صورت میں آئیگا، اس سے مراد یہ کہ اللہ غیر مسلم کے نام و لباس سے آئیگا یعنی جن بسویشور کے نام سے آئیگا، مسلمان "نعوذ باللہ منک" کہیں گے، موافق میرے دعویٰ جن بسویشور پر مسلمانوں نے بدعقیدہ اور گمراہ سمجھ کر "نعوذ باللہ منک" کہا، پندرہ سال کے بعد اب ان کے امام اور احمدیوں کے مولود نبوت کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہوں، اس سے خوش ہیں، اب ضرور "انت ربنا" کہیں گے۔" (دعوۃ الی اللہ ص ۱۳)

اس عبارت میں دو جگہ خود جن بسویشور نے اپنے غیر مسلم ہونے کا اعتراف کیا ہے، ایک یہ کہ انہوں نے مخالفین کو تقابل کی صورت میں مسلمان ذکر کیا ہے، دوسرے یہ کہ اللہ غیر مسلم کی شکل میں آئے گا یعنی جن بسویشور کے نام سے آئے گا۔ اس میں اپنے غیر مسلم ہونے کی صراحت کر دی۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ آپ قادیانیوں کے یوسف موعود ہیں یہ مسئلہ قادیانی صاحبان ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ ان کا یوسف موعود کون ہے۔

خدا بصورت جن بسویشور (علیہ ما علیہ)

یہ جملے آپ کو کتنے ہی ناگوار گزریں، مگر پڑھ لیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ روز قیامت قاضی حشر کی مغفرت سے محروم رہ جائیں، ابوالکلام عبد الغنی اپنے پیر جی جن بسویشور کا ایک خواب نقل

فرماتے ہیں:

"میں نے خواب میں دیکھا حشر برپا ہے، اللہ تعالیٰ قاضی کی حیثیت سے آیا ہے، ایک بلند تخت پر بیٹھا ہے، جزا وسزا کے فیصلے دے رہا ہے، میں نے دیکھا کہ وہ میری صورت میں ہے۔" (شمس الضحیٰ [illegible])

ناپاک عزائم

زاہد صدیقی صاحب جو پہلے اس انجمن کے ایک سرگرم مبلغ تھے، بعد میں ان کی حقیقت منکشف ہونے پر تائب ہو گئے، لکھتے ہیں:

"اے عظمت انبیاء اور ختم نبوت کے ذمہ دارو! سنو!! اگر تم نے اب بھی نہ سنا اور نہ مانا اور مخالفت کی تو خدا گواہ ہے جو کچھ میں لکھ رہا ہوں اس میں اپنی طرف سے ایک لفظ کا بھی اضافہ نہیں، میں حلفیہ کہتا ہوں کہ مخالفین کے بارے میں اس جماعت کے عزائم انتہائی خطرناک اور ناپاک ہیں، کیونکہ صدیق دین دار انجن بسویشور کی وصیت ہے "مخالفت کرنے والے مولویوں کو چوراہے پر پکڑ کر گولی مار دینا، مخالفت دب جائے گی۔"

(المیزان کراچی۔ فروری [illegible])

خدا کا دیدار آصف نگر حیدر آباد دکن میں

یہ دشمن خدا خدائی کا دعویٰ کر کے لوگوں کو اپنے دیدار کے لئے بلا رہا ہے، چنانچہ صراط الذین انعمت علیہم کے متعلق لکھتا ہے:

"صراط الذین انعمت علیہم کی دعا یہاں سنی جاتی ہے، جن لوگوں نے نبیوں کو نہیں دیکھا ہے وہ آ کے یہاں دیکھئے، ہدایت کا آرام دہ [illegible] یہاں ہے، بہشت یہاں ہے، مقربان یہاں ہیں، گلشن اولیاء یہی ہے، یہاں سب سے بڑی نعمت خدا کا دیدار ہے۔ اے طالبان حق! آؤ، اے عاشقِ رسول! آؤ، اے محبانِ علی آؤ، بڑے انتظار کے بعد یہ روحانی دربار کھلا ہے، اپنے وقت مقررہ پر کھلا ہے، نشانات دیکھ کر برکات دور آخر لے

[illegible] —— ص ۵

نعقاب ہوجاؤ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ!

صدیق دیندار۔ (دعوۃ الی الکریم ۳۲)

یوسف موعود جواب خدا بنے ہیں اور اپنے دیدار کو دیدار خداوندی قرار دیکر لوگوں کو بلا رہے ہیں، ان کے حسن کا یہ عالم تھا کہ دیکھکر جنگی کو جرتے کہنے کی اصطلاح پڑ جائے۔

اللہ چن بسویشور کے روپ میں

چن بسویشور صاحب نے جب خدائی کا دعوی کرکے رسول بھیجنے اور قیامت برپا کرنے کا کاروبار شروع کیا تو خیال آیا کہ انسان کتنا بے وقوف سہی مگر ایسے بدیہی البطلان دعوی کو کس طرح قبول کر سکتا ہے؟ اس لئے چن بسویشور من کل الوجوہ اللہ نہ بنے بلکہ اپنے اندر خدائی صفات کے ضمن میں خدا ہونے کا دعوی کیا اللہ جل شانہ کی ذات سے متعلق تمام انبیاء علیہم السلام نے جس عقیدہ کی تبلیغ فرمائی ہے کہ وہ ازل سے ہیں اور ابد تک رہیں گے اس سے متعلق عوام کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں۔ ذات باری تعالی کی جو تشریح کی ہے ملاحظہ فرمائیں:

> لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا ظاہر کرتا ہے کہ ایک وقت انسان کا ایسا بھی گزرا ہے کہ جس کا بیان انسانی طاقت سے باہر ہے یعنی ذات واجب الوجود احدیت کے مقام پر تھا جب اس ذات مذکور نے اپنی ذات واجب الوجود سے مل کر شہادت میں آنے کا ارادہ کیا عقل کل میں آکر ٹھہری، عقل کل سے عالم ارواح کا روپ لیا۔ پھر وہی ذات عالم امثال میں آئی، پھر عالم اجسام یا شہادت کا جامہ پہنا رحمۃ للعالمین کی صورت اختیار کی۔ (معراج المؤمنین ص۳۲)

یہ فلسفہ یونان کی نکمی آمیزشیاں ہیں جن کا اسلام کے ساتھ جوڑ ملانے کی کوشش کی جا رہی ہے، گویا اللہ تعالی جس طرح قدیم ہیں، عقل کل بھی ایسی ہی قدیم ہے، اور اللہ تعالی عالم شہادت یعنی چن بسویشور کی صورت میں عقل کل کے محتاج ہوئے

آخرین کا سردار

مرزا غلام احمد قادیانی کو آخری خلیفہ مانتے ہوئے لکھتا ہے:

پھر کا صورت میں پھر آیا ۔۔ ۴۶

"اسلام کے آخری خلیفہ نے آخری فرقہ بنایا، اس طرح دین قیم کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے..... چونکہ پہلی پیشگوئی کا مصداق ہوتا ہے لہٰذا وہ آخرین کا سردار (یعنی یسوع مسیح) اجلہ فرقہ اسلام کی تصدیق کرنے والا ہو ضروری ہے۔ جس کو اولین کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری فرقہ کے سردار مسیح ناصری کی تصدیق کرنے پر آپ کی قوم نے آپ پر تالیاں بجائی تھیں، اور کہا تھا کہ یہ عیسائی ہوگیا ہے۔ اسی طرح آخرین کے سردار کے لئے بھی یہ ضروری تھا کہ وہ آخری فرقہ کے سردار مسیح موعود کی تصدیق کرنے پر اس کی قوم تالیاں بجائے اور کہے کہ یہ احمدی (قادیانی) ہوگیا ہے۔" (دعوۃ الی اللہ ملت)

استدلال کا یہ بہترین گر شاید کسی اور کو معلوم نہیں ہوگا کہ خود روایات بنا کر کسی کی طرف منسوب کریں، پھر وجہ نسبت کی تعیین کریں۔ اپنے خود ساختہ علم کلام سے خود ساختہ واقعات کی روشنی میں اپنے دعاوی پر استدلال کریں بس وہی بات ہے کہ ؎

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ

اس پر طرہ یہ کہ اس پر واہ واہ بھی خود کریں۔ آخر میں یہ نہ بھولے گا کہ آخرین کے سردار اور آخری فرقہ کے سردار مسیح ناصری میں جو جدت کا نکتہ نکالا ہے وہ قابل داد ہے عجیب نکتہ نکالا ہے۔

قادیانیوں سے قدیم تعلقات

آج کل کے دیندار انجمن والے اپنی ناک بچانے کے لئے یہ کہا کرتے ہیں کہ ہمارا قادیانیوں سے کوئی تعلق نہیں، یہ بات قابل التفات تو اس لئے نہیں کہ بانی انجمن نے بار بار غلام احمد قادیانی کا ادب و احترام سے ذکر کیا ہے بلکہ اپنے اساتذہ و شیوخ میں شمار کیا ہے۔ حتی کہ اس ملعون کو مسیح موعود ماننے کا بھی اعتراف کرلیا ہے، ان ناقابل تردید حقائق کے ہوتے ہوئے مریدان کے آپس کے تعلقات کے لئے دلائل کی کوئی ضرورت نہیں، تاہم اس مقصد کے لئے ان کی ذیل کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیے:

"غرض میں یہ کہ یوسف موعود (یعنی یسوع مسیح) اس وقت موجود تھا جس وقت جماعت قادیان اور جماعت لاہور کی مخالفت کا بازار گرم تھا جس نے بیچ کی صورت میں چھیڑ دیا۔" ۴۰

یعنی ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۲ء تک یعنی تقریباً آٹھ سال حضرت مسیح
ابن مریم (مرزا صاحب قادیانی) کی محبت میں کام کیا۔ تقریباً تمام اضلاع
پنجاب کی احمدی جماعتوں کا دورہ کیا۔ اس زمانہ میں کسی کو خبر نہیں
تھی کہ اس قدر جوش صدیق میں کیوں ہے۔ اس راز کا علم خود صدیق
کو بھی نہیں تھا۔ جب صدیق کی چالیس سال کی عمر ہوئی یعنی ۱۹۲۲ء
میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے بشارت دی کہ اے یوسف!
تو ہی جن بسویشور ہے۔ پھر الہام ہوا "یوسف سے بنا صدیق"
غرض بار بار یوسف اور صدیق کا نام الہامات میں آنے لگا۔

(دعوۃ الی الخیر صفحہ [illegible])

سوچ لیں خود سادہ لوح مسلمان جن کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے یہ کہا جا رہا ہے کہ دیندار انجمن کا قادیانیوں اور ان کے عقائد سے کوئی تعلق نہیں، کیا آپ کی نظر میں کسی کی محبت میں کام کرنے کے معنی مخالفت کے ہو سکتے ہیں؟ فتأملوا

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں شیطانوں کے باہم بہت قریبی مراسم اور تعلقات پائے جاتے ہیں، خاکسار صدیق دیندار تو اپنے ہر دعوی میں غلام احمد قادیانی کے مسیح موعود وغیرہ ہونے کی تصدیق بھی ملا دیتا ہے، پھر بے تعلقی کہاں رہی؟ ؎

ربط ہے ربطِ حسن و عشق کیا کیجے بیان
بام سے زینہ ہے وہ، وہ زینہ سے بام ہے

قادیانی اختلافات

قادیانی اور لاہوری دو جماعتوں کے اختلافات کے بارے میں اپنے کو فیصل مقرر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"جیسے عیسائیوں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ آسمانی حکم سے ہوا
احمدیوں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ بھی آسمانی حکم یوسف موعود
(بن بسویشور) سے ہی ہوگا۔ جس کی آمد کو قرآن کریم اور احادیث اور بشارات
مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) اور بشارات اولیاء نے ذکر
پیش کی صورت میں ظاہر ہے ۔۔۔ ۴۸

(ہندو سادھو) اور یوسف موعود کے الہامات میں اللہ کا آنا کہا گیا ہے ، وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ (دعوۃ الی اللہ ص۱۳)

کیا اصلاح کی وجس چیز پر آپس کی لڑائی ہو رہی تھی اسی پر تو وقیعہ جالبہ کیا آسمانی فیصلہ یہی ہو کہ غلام احمد قادیانی کی نبوت کے بارے میں آپس میں جھگڑا ہو رہا ہے اس لئے تم خود جاکر نبی بن جاؤ ان کا اختلاف ختم ہو جائے گا ، نیز اپنی سوشیور کو جہنم رسید ہوئے بھی عرصہ ہو گیا مگر قادیانیوں اور لاہوریوں کا آپس کا اختلاف تو اب تک باقی ہے پھر کیا فیصلہ کیا حضرت والا نے ؟ صرف اتنا کرم کیا کہ ان کی خباثت میں مزید خباثت ملا کر فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَى رِجْسِهِمْ کے مصداق بن گئے ۔

خود گرو کو تو جہنم رسید ہوئے عرصہ گذر گیا ہے لیکن ان کے متبعین اور روینڈ انجمن کے سربراہ عبد الرزاق ابھی زندہ ہیں ان سب کو ہم یہ چیلنج دیتے ہیں کہ کسی ایک قرآنی آیت میں یوسف موعود کے آنے کی خبر دکھا دیں ورنہ صاف کہدو کہ گرو نے جھوٹ بولا ہے ، یہی معاملہ احادیث کا بھی ہے ۔

نیز یاد رہے کہ اس میں جہاں اولیاء دکن کی بشارات کا مصداق ہونیکا دعویٰ کیا ہے ان اولیاء سے خود ان کی مراد دکن کے ہندو سادھو ہیں ، اس سے یہ عقدہ بھی حل ہو گیا کہ ان کے نزدیک ہندو لوگ پکے دیندار ہیں بلکہ اولیاء اللہ میں ان کا شمار ہے۔
"یوسف موعود کے الہامات میں اللہ کا آنا کہا گیا ہے" اس کا مطلب وہی ہے جو ابھی پیچھے ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک غیر مسلم لیعنی اپنی سوشیور کی شکل میں آ جائے گے ۔

خلیفۂ قادیان کی اصلاح

خلیفۂ قادیان میاں محمود کے عقائد کی اصلاح کے بارے میں رقمطراز ہیں :

"اولیاء دکن (ہندو سادھوؤں) نے آج سے تقریباً آٹھ سو سال پیشتر فیصلہ کیا ہے کہ خلیفۂ قادیان کے عقائد غلط رہیں گے ، اسطرح کہ میاں محمود احمد صاحب کو "دیو لیعنت" کہا گیا ہے اور "دیو لیعنت" کے متعلق لکھا ہے کہ وہ غلط عقائد پھیلاتا رہے گا ۔ ان کے عقائد کی اصلاح کے لئے اپنی سوشیور آئیگا ۔ (دعوۃ الی اللہ ص۱۵)

عقائد کی یہ اصلاح کی ان کے گرو غلام احمد کو آخری فرقہ کا سردار کہا اور اپنے آپ کو آخر زمان کا سردار اور کوئی اصلاح سمجھ میں نہیں آتی ۔ اس لئے کہ چن بسویشور تو خود اپنی اصلاح کے لئے خلیفہ قادیان میاں محمود سے بیعت ہوا تھا، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے ہاں مرید پیر کی اصلاح کرتا ہو نہ کہ پیر مرید کی ۔

لنگایت

یک نہ شد دو شد، پہلے تو صرف احمدیوں کے موعود تھے، اب لنگایت کے بھی موعود ہونے کا نیا دعویٰ زور شور سے جاری ہے لکھتا ہے :

"اس وقت میں اپنے موعود کی جماعتوں یعنی "لنگایت" اور "احمدیوں" میں پوری طاقت سے چیف ہو رہا ہوں، دونوں کو ایک بشارت کی بنا پر ہے اور اس میں کامیابی دکھائی گئی ہے۔ اس میں یہ حقیقت نظر آتی ہے کہ "لنگایت" ہندوؤں میں اور "احمدی" مسلمانوں میں یہ دونوں ہر حیثیت سے زبردست جماعتیں ہیں، ان کی توجہ بڑے زوروں سے خصوصی ہندوستان کے مختلف مذہبوں کی طرف ہونی چاہیے۔ (دعوۃ الی اللہ ص ۲)

بہت خوب ! آپ لنگایتوں کے اوتار ہیں، یہ راز اب منکشف ہو کر کھل گیا کہ آپ ہندوؤں میں سے ہی اچھا ہے۔ مسلمان جس مغالطہ میں تھے جناب نے اسے رفع کر دیا ۔

مسیح گر اور اس کی خانقاہ

حضرات قارئین ! پچھلے دلائل سیل کو خوب ذہن نشین کرتے ہوئے آگے پڑھیں، اب سے کچھ مزید انکشافات ہونے والے ہیں۔ آجکل کے حافظے کمزور پڑ گئے ہیں اس لئے مختصراً پچھلا سبق دہرا کر چلتے ہیں۔ صدیق دیندار چن بسویشور پہلے عام انسان تھا پھر قادیانی متنبی کے پاس چلا گیا، پھر خلیفۂ قادیان سے بیعت ہوا، پھر مہدی آخر الزمان، پھر یوسف موعود، پھر کئی انبیاء کے مثیل، بروز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یہ تمام مدارج بآسانی طے کرنے کے بعد مظہر خدا، مالک حشر، امین، حاکم، قاضی حشر جیسی خدائی صفات کا مالک ہو گیا۔ حتی کہ یہ شیخ چلی خود خدا بن گیا۔

اچھا جناب عالی ! یہ سب عہدے مبارک ہوں، مگر کیا کسی ہوس کے بندے اور حب جاہ کے بھوکے کا پیٹ صرف ان دعاوی اور ان کے بار بار کے دعووں سے بھر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، چن بسویشور خدا تو بن ہی گیا تھا اب رسولوں کے بھیجنے میں کیا دیر تھی، اور ویسے بھی یہ خدا کی ذمہ داری ہے۔ چن بسویشور،

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ـــــ ۵۰

خدا بخش کے بقول وجود رسولوں کے بھیجنے کا بند و بست نہ کرے تو مخلوق کے گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہے اس لئے رسول بنانے کے لئے ایک "ٹریننگ کورس" شروع کر دیا۔ اس کا مرکز جہاں سے مکمل رسول بننے کا سرٹیفکیٹ عطا ہوتا ہے، اس کا نام مسلمان نبی بننے والوں کے لئے "خانقاہ سرور عالم" اور ہندو نبی بننے والوں کے لئے "جگت گرو آشرم" رکھا، دینداروں کے بیک وقت پیغمبر و خدا نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ اب کسی اور کو یہ اختیار نہیں کہ پیغمبر اور رسول بھیجنے کی جسارت کرے۔

سنئے! چن بسویشور کی عبارت ملاحظہ کیجئے:

"حسب بشارت گمنام مقام سے امیدوں میں ایک ایسی طاقت (چن بسویشور) کو کھڑا کیا گیا جو مسیح گر ہے (یعنی مسیح بنانے والا) اور وہ وجود رسولوں کو مبعوث کرنے والا ہے اس کی خانقاہ میں وہ انبیاء پیدا ہوتے ہیں، مریم بن کر آ بیٹھتے ہیں، مسیح بن کر نکلتے ہیں، چوتھے آسمان سے ساتویں آسمان تک سیر کرائی جاتی ہے، کوئی نوح علیہ السلام، کوئی ابراہیم علیہ السلام ہے، کوئی یحییٰ اور کوئی نارد ہے۔ کوئی موسیٰ علیہ السلام اور کوئی جامع جمیع کمالات کا خطاب پایا ہوا ہے، کوئی ہری یا اور کوئی بسویشور اور کوئی ڈرسیحوں ہے، چونکہ ابتداء میں یہ روحانیت تھی، آخر میں بھی وہی روحانیت ہے تاکہ مماثلت پوری ہو۔ کیا دُنیا میں کوئی ایسا شخص ہے کہ جس کی خانقاہ کا یہ حال ہو (نعوذ باللہ خدا دوسروں کو اس سے محفوظ رکھے) کیا کوئی روحانیت کے دعویدار گدی نشین کو "مسیح گر" ہونے کا دعویٰ ہے؟ کیا ان کی خانقاہوں میں مثیل انبیاء پیدا ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے ہر گدی اور خانقاہ کا رُخ زمین کی طرف ہے۔" (دعوۃ ان عشرہ ص۲)

نبی ساز یونیورسٹی

محترم قارئین! "مسیح گر" کی ترکیب پر غور فرمائیں۔ زرگر کے معنی ہیں سنار، آہنگر کے معنی ہیں لوہے کا کاروبار کرنے والا، اور مسیح گر کے معنی ہیں مسیح بنانے والا، یہ نیا عہدہ مبارک ہو۔ لیکن یہ عجیب لطیفہ ہے کہ یہ مسیح گر خدا کے رسول ابھی تک دُنیا میں زندہ ہیں اور خود خدا صاحب جہنم رسید ہو گئے، چونکہ ان کے سرکار انگریز کو کچھ ایسے خداؤں کی ضرورت بھی تھی جو رسول اور نبی کا کورس پڑھانے کے قابل ہوں تاکہ خود بیچارے انگریز کو بھی زحمت نہ اٹھانا پڑے، ایک عدد جامع جمیع کمالات پروفیسر مل گیا تو اتنی بڑی "نبی ساز یونیورسٹی" کو چلانے کے لئے ایسے کئی پروفیسروں کی ضرورت تھی، دوسری بڑی مصیبت آ گئی کہ وہ ایک نبی ساز پروفیسر بھی جلد ہی مر گیا۔ اکبر الہ آبادی مرحوم کا یہ شعر انگریز کی اس "ہندی نبی ساز یونیورسٹی" پر پورا صادق آرہا ہے:

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ـــــــ الخ

دفتر تدبیر تو کھولا گیا ہے ہند میں
فیصلہ قسمت کا ہے آخر مگر لندن میں ہے

اس عبارت میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس انجمن کے انبیاء کو چوتھے آسمان سے لیکر ساتویں آسمان تک کی سیر کرائی جاتی ہے۔ پہلے تین آسمانوں کی سیر کیوں نہیں کرائی جاتی؟ شاید اس میں کوئی مصلحت ہوتی یا پھر ان میں کوئی سیر کی جگہ ہی نہیں۔

بطورِ مثال مساوات

اس یونیورسٹی سے جو انبیاء تیار کیے جاتے ہیں ان کی چند مثالیں بھی ذکر کی ہیں اور نبی الفضائیندی کا بھی خوب مظاہرہ کیا ہے، یہ نبی ساز یونیورسٹی جس میں ایک وقت ہندو اور مسلم انبیاء تیار کیے جاتے ہیں اس میں بننے والے انبیاء کی مثال میں چار مسلمان انبیاء کے نام ذکر کیے ہیں اور چار ہندوؤں کے نام پیش کیے ہیں اور ایک مشترک یعنی جامع جمیع کمالات یعنی مسلمان، عیسائی، یہودی، بت پرست وغیرہ، آج سے تینوں انبیاء میں مساوات کر کے ہندو مسلم اتحاد کی داد حاصل کی ہے۔ یاد رہے کہ اس یونیورسٹی میں مہدی اور مامور سے لیکر ریفارمر تک کے عہدے کے انبیاء اور رجال کو تر ہوتے تھے، صرف ایک عہدہ ہوتی ریفارمر ہے جس کی تیاری یہاں نہیں ہوتی کیونکہ یہ منصب خود حضرت رسالہ کا ہے اور مذکورہ بالا عبارت میں اس دعویٰ پر مہر احمد قادیان لگا دی گئی ہے۔ الاحسان شئی لضرورۃ جس کا فیصلہ ہر دو دست مندان یونیورسٹی سے تعلیم کے لئے رکھے ہوئے ماہرین امور شیطنت کر لیا کریں گے

۳۱۸ قلب انبیاء

دیندار انجمن کے بانی کی مجموعہ چار بیانیوں میں ایک ۳۱۸ کا چکر بھی ہے اسے غور سے پڑھئے۔

"مذہبوں میں بشارت ہے کہ ہر دور نسل انسانی مسلم میں تین سو اٹھارہ قلب انبیاء معین کیے رہتے ہیں، قرن اول میں ان کا مجموعہ تھا نبی اعوج کے زمانہ میں بوجہ فرقہ بازی قلوب منتشر تھے، قرن آخری چونکہ حشر کا زمانہ ہے، اس وجہ سے وہ تمام قلوب انبیاء باستثنیٰ آخری امیین کی صورت میں خاتم الرسل سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم حیدر آباد دکن میں جمع ہوئے ہیں، کیونکہ ان کے سرور مسعودی زچن بسویشر کی پیدائش کا مقام اسی ریاست میں ہے، یہ شہر جامع جمیع کمالات ہے اور جلالی جمالی کا کافی سامان یہیں ہے"

ارمغان ... ص۲۴

مُردوں کو زندہ کرنے والے

اپنی شانِ مسیحائی کے بارے میں لکھتا ہے:

"آخر میں کے سردار صدیق دیندار کی صحبت سے کئی مثیل انبیاء بنے اور بن رہے ہیں، خانقاہ میں جو زندگی وقف کر کے بیٹھتا ہے وہ مریم بن جاتا ہے، جب وہ میدان میں نکلتا ہے تو مسیح بن جاتا ہے، اسی طرح مُردوں کو زندہ کرنے والے ہماری خانقاہ سے نکل رہے ہیں، گونگے بول رہے ہیں، جن کو اللہ نے بھیجا، نوح اور موسیٰ پکار اٹھے وہ بھی بیعت کردہ ہیں۔ اور قاسم صاحب ان کی مماثلت نوح کی ہے وہ بھی میری بیعت میں ہیں الخ"

(دعوۃ الی اللہ ص۹۱)

دیندار کی صحبت سے کئی مثیل انبیاء بنے اور کئی بن رہے ہیں، نبی گری کی یہ صنعت بڑی اچھی ہے کسی مشن کالج کے چانسلر صاحب سے ملاقات ہوئی، انھوں نے بتایا کہ ہمارا کالج ماشاء اللہ بڑا اچھا چل رہا ہے یہاں کئی لوگ اچھے اچھے ڈاکٹر بنے اور کئی ڈاکٹر بن رہے ہیں، کیا خیال ہے؟ دونوں باتوں میں اچھا جوڑ ہے، ہم نے جو "نبی سازی کی یونیورسٹی" لکھا تھا اس کا اب یقین آ رہا ہوگا یعنی نبی بننا ایک کھیل تماشا ہے، یا بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ دنیا میں جس طرح صنعت و حرفت ایک پیشہ ہے جو آدمی ایک فن پر محنت کرتا ہے، اس کی ڈگریاں حاصل کر لیتا ہے اس کو اپنی لائن کا کوئی نہ کوئی منصب مل جایا کرتا ہے جس سے وہ اپنا کسبِ معاش کرتا ہے، ایسے ہی نبی اور رسول کو سمجھئے کہ وہ کسبِ معاش یا گزر اوقات کے طریقے ہیں، قادیان کے تمام انبیاء نے نہ صرف اس مقصد کے تحت اپنی نبوت کو استعمال کیا بلکہ اپنے اقوال و افعال سے لوگوں کو یہ سمجھایا کہ نبوت بھی اسی قسم کا کاروبار ہے۔

"اسی طرح مُردوں کو زندہ کرنے والے ہماری خانقاہ سے نکل رہے ہیں"

اس عبارت کو غور سے دیکھئے اور پھر دیندار انجمن والوں سے پوچھئے کہ اے مُردوں کو زندہ کرنے والو! ذرا اپنے نبی اور خدا کو تو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے آؤ تاکہ تمہاری اصلاح کر دیں اور اُمت کی بھی اصلاح ہوگی۔

بزمِ مشاورت

چن بسویشور نے ایک اہم راز کا انکشاف کیا ہے، لکھتا ہے:

"یہ (اہل اللہ) اہم معاملات میں قرآن و حدیث میں غور کرنے کے بعد خدا و نکرم کے

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ـــ ۱۳ ۵

دربار میں مشورہ کرتے ہیں" (سوانح المؤمنین ص۳۳)

یہ اصطلاح نہ جانے کہاں سے گھڑی گئی ہے۔ ہمارے ہاں اہل اللہ اور اولیاء اللہ ہند و سادھوؤں کو کہا جاتا ہے اور بالفرض مسلمان اولیاء اللہ ہی مراد ہوں تو قرآن وحدیث میں کہاں آیا ہے کہ اہل اللہ یا اللہ کے دربار میں جا کر مجلس شوریٰ منعقد کرتے ہیں۔ ہاں البتہ اگر اللہ کے دربار سے چن بسویشور کا دربار مراد ہے جہاں سے نبی اور رسول بنا کر بھیجے جاتے ہیں تو ٹھیک ہے مگر یہ اہل اللہ بڑے خطرناک ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان اہل اللہ سے اپنی حفاظت میں رکھیں، درحقیقت یہ ابلیس کی بزم مشاورت ہے اور یہ اولیاء رحمٰن کی صورت میں اولیاء الشیطان ہیں۔

علوم شرع میں صفر

چن بسویشور مامور وقت کے عہدہ سے پہلے تو عربی زبان ہی سے نابلد ہو گئے اور علوم دینیہ سے تو شاید مس بھی نہیں ہوا، اس لئے اس شبہ کا ازالہ فرماتے ہوئے لکھتا ہے:

"معلوم ہوتا ہے کہ مامور وقت یعنی فنا فی الرسول ظاہری علوم میں مشہور و معروف نہیں ہوتا" (سوانح المؤمنین ص۳۳)

مامور وقت کون؟

اوپر کی عبارت میں مامور وقت کا ذکر تھا، مگر اس کی تشریح نہیں کی کہ وہ کون صاحب ہیں، اگلی عبارت میں اس کا کچھ اتا پتا بھی دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

"تیغ نے کاندھی جی اور محمد علی مرحوم سے کہا تھا کہ تم سب میری اطاعت کرو، انشاء اللہ دس سال کے اندر سوراج دلاتا ہوں" (سوانح المؤمنین ص۳۳)

اُمتی بنانے کے لئے ماشاء اللہ نظر انتخاب بڑی اونچی شخصیتوں پر پڑی ہے، اچھا ہی ہوا کہ آپ کی تجویز کو ان لوگوں نے نہیں مانا، فرما رہے ہیں کہ تم میری اطاعت کرو، جیسے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول میں اطاعت خدا و رسول کا حکم ہے۔

پردہ میں رہنے دو

مامور وقت کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

معلوم ہوتا ہے کہ مامور وقت یعنی فنا فی الرسول انسان ظاہری علوم میں مشہور نہیں ہوتا اور بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ــــ ہوہ

وہ سرکاری ملازمتوں اور عہدوں پر مامور نہیں ہوتا وہ خدا کا مقرر کردہ انسان ہوتا ہے دربار سرکار میں اس کی عزت نہیں ہوتی، وہ ایک پردہ میں رہتا ہے تاکہ اللہ کے کام کے لوگ ہی اس کے قریب آسکیں۔" (معراج المومنین صفحہ ۲۶)

اپنا مبلغ علم جو کچھ چاہیں بیان کریں مگر یہ جھوٹ مت بولیں کہ اللہ کے مامور لوگ پردہ میں بیٹھتے ہیں نہیں، پردہ نشین عورت ہوا کرتی ہے، خدا کے پیغمبر میدان میں آتے ہیں، جہاں اعلاءِ کلمۃ الحق اور آپ جیسے جھوٹے مدعی نبوت کی سرکوبی کی ضرورت ہو وہیں پہنچ جاتے ہیں، البتہ نبی ساز یونیورسٹی آصف نگر سے جو نبی اور مومن بن کر نکلتے ہیں وہ ضرور پردہ نشین ہوتے ہیں، اس لئے کہ بقول آپ کے "وہ مریم بن کر آ بیٹھتے ہیں۔" (دعوۃ الی الفکر صفحہ ۳۳)

یہ ایک ایسا انداز فکر اور اعتقاد ہے جو ذہنوں کو ابہام اور الجھن بلکہ خطرناک نزاکتوں کی طرف لے جاتا ہے۔

سہیلی بوجھ پہیلی

چن بسویشور کی طرف سے ایک گورکھ دھندا پیش خدمت ہے، اس پہیلی کو حل کریں، فرماتے ہیں:

"یہ لوگ زندہ ہیں، یہ جسم کثیف بھی نہیں، لطیف بھی نہیں، ارادہ و تعقل بھی نہیں، اطمینان بھی نہیں، یہ کل ایک دوسرے کے ماتحت ہیں، یہ کسی کے ماتحت نہیں، یہ کل ضائع ہونے والے ہیں، یہ فنا سے خالی ہیں، خدا کو غائب کرکے مظہر خدا بنے ہیں۔" (معراج المومنین صفحہ ۲۳)

چیستان —— مہملات —— واہیات

چن بسویشور کی جس کتاب سے یہ حوالے دیئے گئے ہیں اس کا نام ہے "معراج المومنین" اس کتاب کا پیش لفظ ایک اور دیوانے مولوی ابو محمد دستگیر نے لکھا ہے، اس میں کئی عبارتیں ایسی ہیں کہ ہمیں یقین ہے کہ نہ وہ خود سمجھے ہیں کہ ان سے ان کا مقصد کیا ہے، نہ ان کے گرو کو ان کے مطالب معلوم ہیں، عام انسان تو کیا خاک سمجھیں گے ایک دو ایسی عبارتیں آپ کے سمجھنے کے لئے لکھتا ہوں۔

"جس طرح جہاد مردوں پر فرض ہے اسی طرح قرآن کریم ذات وحدۃ الوجود رحمۃ للعالمین پر فرض ہے۔"

آگے ارشاد ہے:

"اسی حقیقت کے اظہار میں اللہ تعالیٰ جب کبھی روح کے نزول کا ذکر کرتا ہے تو وحدت کا اظہار کرتا ہے بشر کی صورت میں بھیڑیا —— ۵۵

اور جب روح کے اظہار کا۔ وہ نہیں فرماتے کیا "کثرت" کا اظہار کرتا ہے؟ اس چیستاں کا حل مطلوب ہے۔ آگے فرماتے ہیں:

"ایسے زمانے میں حضور منبع انوار صلی اللہ علیہ وسلم کا رہنا ضروری ہے تاکہ زندہ دربار گرم کریں۔ اس دربار مبارک کی شان بھی فرضیت قرآنی سے ظاہر ہے۔"

فرضیت قرآنی، وحدت، کثرت کی یہ اصطلاحات ہماری سمجھ سے بالا ہیں کیونکہ یہ شیطانی القاء ہیں جن سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللّٰهم إنا نعوذ بك منه ونلجأ إليك

تین کو چار کرنے والا نبی

(۱) "میں بھائیوں کے لحاظ سے بھی چوتھا ہوں، اور بیٹوں کے لحاظ سے بھی چوتھا، چھوٹوں میں بھی چوتھا ہوں، اور بڑوں میں بھی چوتھا ہوں"

(۲) "میری پیدائش کی گھڑی چوتھی ہے، دن چوتھا ہے، تاریخ چوتھی ہے، صدی بعد ہزار کے چوتھی ہے، سال چوتھا ہے یعنی ۴ رمضان پیر کا دن ۱۲۹۸ھ میں پیدا ہوا۔"

(مذہب و مسائل ختم النبیین صفحہ ۴۰)

یہ دونوں دلیلیں واقعی بڑی اہمیت رکھتی ہیں، نبوت پر استدلال کے لئے اس سے کوئی نا کافی پہلو نہیں ہے۔

قادیانی نشان

اپنی نبوت پر استدلال میں یوں لکھتا ہے:

"۱۹۲۷ء جولائی کے ماہ میں قادیان گیا ہوا تھا، وہاں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بطور نشان بے موسم بارش بھیجی وہ اس طرح کہ ایک رات کے اندر اطراف قادیان کے تالاب بھر گئے، نہریں اور نالے بند ہو گئے اور کم سے کم پانی راستے پر زانو برابر ٹھہرا تھا، لوگوں کی زبانی سنا گیا کہ شاید ہی کسی زمانے میں ایک رات میں اتنی بارش ہوئی ہو، اس بارش میں مزید نشان یہ ہوا کہ قادیان کا مشہور کتب خانہ جس میں ہزارہا روپے کی نایاب کتب ہیں، ایک حصہ دیوار مع چھت گر گیا اور رات کا وقت تھا، بارش زور کی تھی، کوئی شخص خبر نہ لے سکا، کوئی صبح تک تمام الماریاں کیچڑ میں لدی ہوئی تمام کتابیں بری طرح بھیگی ہوئی، صبح یہ نظارہ اپنی زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ جو کتب خانہ قادیان کیچڑ کی صورت میں بھیجا ۔۔۔۔ ۵۷

کی علمیت کے فخر کا باعث تھا، چرن بسویشور کے تصرفات نے اس علم پر پانی پھیر دیا۔ لطف یہ کہ وہ کل کتب دوپہر کے وقت جب دھوپ میں کھول کر ڈالدی گئیں تو وہیں ڈالی گئیں جہاں فقیر نے تکیہ لگایا تھا، فقیر بیٹھا ہوا یہ نظارہ دیکھ رہا تھا اور خدائے قدیر کے احسان کا مزہ اٹھا رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ کتب خانہ زبان سے پکار کر کہہ رہا ہے اے صدیق! قادیان والوں نے ہمارے الفاظ کے غلط معنی کرکے دنیا میں دھوم مچائی ہے ہم آپ کے پاس فریاد لائے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار لهم البشری فی الحیوة الدنیا وفی الاخرة۔ (خادم خاتم النبیین ص…)

ایک سے ایک بات کو دیکھئے، آپ کو اندازہ ہوگیا کہ اس سے اپنی نبوت پر استدلال کرنے والا کس قدر پانی میں ہے، ہر دلیل سے چرن بسویشور کی ایک نئی بے وقوفی کا علم ہوجاتا ہے:

چرن بسویشور قادیان کے کتب خانہ کے بھیگنے سے جس خوش فہمی میں مبتلا ہوئے ہیں یہ انکا قصور فہم ہے قادیانی کتابوں کا بھیگنا، اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ جناب چرن بسویشور وہاں رونق افروز ہوں، بے معنی نہیں ہے، لیکن وہ اس کا مطلب غلط سمجھے ہیں، درحقیقت مطلب یہ تھا کہ:

"اے چرن بسویشور! جن کتابوں کو تم اپنا مرکز و ماخذ خیال کرتے ہوئے آئے ہو، جن کے حوالے رات دن اپنی تقاریر اور کتابوں میں لکھتے ہو، جن سے نبی نبوت چرن بسویشور یوسف موعود و مامور وقت ہونے پر استدلال کرتے ہو وغیرہ وغیرہ، آج ان سب کتب و دلائل پر پانی پھر گیا، یہ سب دلائل و کتب ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہیں، کیا بے وقوف بنے ہوئے ہو کہ ان سے استدلال کر رہے ہو۔ یہی ان کتابوں کی آواز جو زبان حال سے نکل رہی تھی، فاعتبروا یا اولی الابصار لهم الخزی فی الدنیا وعذاب النار فی الآخرة۔"

چرن بسویشور اور خلیفۂ قادیان

قادیانیت کے ساتھ عشق کی ابتداء یوں ہوتی ہے:

"مختصر حال یہ ہے کہ یوں تو فقیر سنہ ۱۹۰۸ء میں قادیان گیا تھا، اس وقت اس سلسلہ کی طرف توجہ نہ ہوئی۔" (خادم خاتم النبیین ص…)

بچے ہوں! اس وقت نبوت کے راز سربستہ نہیں کھلے ہونگے۔ یہ ارشاد ہے:

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ـــــ ۵۵

بتا دیا ہے کہ یہ چین بسویشور ہے اور یہ ویر بسنت، چین بسویشور کے حالات سے آپ کو ایک حد تک علم ہوا ہے، صرف اب ویر بسنت کے نشانات بطور حجت دوبارہ پیش کر کے چیلنج دیتا ہوں کہ اگر نشانات والا ویر بسنت میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کے سوا دوسرا کوئی ہے تو ثابت کر لے تو ایسی صورت میں ہر شرط منظور۔

ویر بسنت (اولو العزم محمود) والی ایک علیحدہ کتاب تیار ہے اس میں تفصیل وار بیان ہے۔ ان نشانات کے علاوہ اور بھی بہت سے نشان ہیں۔ مگر اب میں جماعت قادیان اور تمام عالم سے سوال کرتا ہوں کہ ادھر قدیم کتب اولیاء میں یہ پیشگوئیاں موجود اور ادھر موعود انسان (یعنی میاں محمود خلیفہ قادیان) موجود ہے۔ پھر آپ کو شک میں ڈالنے والی وہ کونسی چیز ہے۔ ان پیشگوئیوں کے ساتھ ہی لکھا ہے یہ ویر بسنت مسلمانوں کو قرآن کریم کے الفاظ کے غلط معنی کر کے بتائے گا، اور ایشور اوتار جس کو روح حقانی کہتے ہیں ان کی پرستش کرے گا۔" (نظام خاتم النبیین ص ۱)

مزید لکھتا ہے:

"اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ایسا شخص عقائد میں غلطی پر ہوگا، اس کی اصلاح صدق وپیدا ر چین بسویشور سے ہوگی اور صاف لکھا ہے کہ ویر بسنت (اولو العزم محمود) قرآن کے الفاظ کے غلط معنی بیان کریگا۔ اور لکھا ہے کہ چین بسویشور کے عقائد درست ہونگے اور چین بسویشور کے ذریعہ سے ویر بسنت کے عقائد کی اصلاح ہوگی (نظام خاتم النبیین)

ہم خود بسویشور کی عبارتوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ سے ان کی مراد ہندو سادھو ہیں اور اب یہ حضرت انہی کی کتب قدیمہ کے حوالے سے اپنی اور میاں محمود کی علامات پیش فرما رہے ہیں ان میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

چار مشہور وید یعنی رگوید، سام وید، یجروید، اتھروید، دش گیتا اور مہا پوران، جدید ہندو کی جدید کتب میں ہندو ازم، ستیارتھ پرکاش سوامی انند، بیدار تھ پرکاش وغیرہ ایسی کتابیں ہیں جن سے بسویشور کو اپنی نبوت کے لئے مزید نشانیاں مل سکتی تھیں۔ اگر یہ کتابیں ان کو مل جاتیں تو نہ جانے ان کی خباثتیں کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتیں۔

منجملہ اور باتوں کے یہاں یہ بات بھی لکھی ہے کہ چین بسویشور کے ذریعہ میاں محمود کے غلط عقائد کی اصلاح ہوگی، دوسری باتیں کہاں تک سچی نکلیں ہمیں بحال ان سے بحث نہیں لیکن قارئین

رت بلکہ خود دینداران جماعت کے افراد یا ماننے والوں نے بتایا کہ میاں محمود کے جو عقائد اس وقت تھے کیا ان کی اصلاح ہو گئی یا ویسے کے ویسے رہے بلکہ ان کے عقائد میں روز بروز مزید خباثتیں شامل ہوتی گئیں یہاں تک کہ جہنم رسید ہو گئے۔

میاں محمود کی مزید تقدیس

میاں محمود کی مزید تقدیس بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”مغیرہ (چنن بسویشور) جو ثابت ہے کہ وہ (میاں محمود) بہ حیثیت خلیفہ قادیان ایک مرد متقی اور بڑی بشارتیں دینے والا ہے۔ ان سے ہمارا جھگڑا صرف مذہبی چند فروعات میں ہے جن کی غلطی سے اصولی ہو جانیکا اندیشہ ہے۔ اسی وجہ سے میں نے مخالفت کی۔ اب مخالفت نہیں ہے کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے کہ وہ قریب میں ہمارے عقیدے کے ساتھ ہو جائیں گے جن کے آثار گزشتہ چند ماہ سے ظاہر ہو رہے ہیں۔“

(خادم خاتم النبیین دیباچہ صفحہ مرقوم جون [١٩٣٤ء])

مندرجہ بالا عبارت میں میاں محمود سے متعلق لکھا ہے کہ:

”ان سے ہمارا جھگڑا صرف مذہبی چند فروعات میں ہے۔“

یاد رہے کہ یہ کتاب ”خادم خاتم النبیین“ چنن بسویشور نے [١٩٣٤ء] میں لکھی ہے اور اس کی تصریح انہوں نے خود اپنی سب سے پہلی کتاب ”دعوۃ اہل الفقر“ کے صفحہ [٣٣] میں کی ہے اور دعوۃ الی القرآن کے دعوائے ماموریت یوسف موعود کے ابتدائی زمانہ یعنی [١٩٢٥ء] میں لکھی گئی ہے، یہاں تو یہ لکھتے ہیں کہ میاں محمود سے ہمارا اختلاف چند فروعات میں ہے لیکن اس سے قبل دعوۃ الی القرآن صفحہ [٤٥] میں لکھا ہے کہ میاں محمود کے عقائد غلط ہو گئے، نیز اسی کتاب خادم خاتم النبیین کے صفحہ <u>٢٥، ١١، ١١</u> اور صفحہ [٢١] میں صراحۃً یہ لکھا ہے کہ ان کے عقائد بری خراب ہو گئے، وہ غلط عقائد پھیلائے گا، لوگوں کو گمراہ کریگا، قرآن کے الفاظ کے غلط معنی بیان کریگا وغیرہ۔ سچ ہے دروغ گو را حافظہ نباشد، اور یہ تضاد بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے ورنہ جہاں پر عجائب تضادات ہے بہت

نیز دیندار انجمن والوں کے پیغمبر نے مذکورہ بالا عبارت میں یہ بھی لکھا ہے کہ ”مجھے اللہ تعالیٰ نے علم بجبر کی صورت میں بھیجا ـــــ ٦٠

دیا ہے کہ وہ (قادیانی) قریب میں ہمارے عقائد کے ساتھ ہو جائیں گے جس کے آثار گزشتہ چند ماہ سے ظاہر ہو رہے ہیں۔"

اس سے دیندار انجمن میں غلطی سے پھنسے ہوئے سادہ لوح حضرات خوب سمجھ لیں کہ ان کے موجودہ پیشوا اپنے کو بظاہر قادیانیوں سے الگ ظاہر کر کے ان کو کس طرح دھوکہ دے رہے ہیں۔

۷۵۲۴ جھوٹ

اپنی کتاب خادم خاتم النبیین کا ذکر کرتے ہوئے کذب بیانی کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔

"اس کے بعد ۱۳۴۴ھ میں میں نے ایک کتاب "خادم خاتم النبیین" لکھی جو اس کتاب کا مقدمہ تھا جس کا ذکر اس کتاب کے صفحہ ۴، صفحہ ۵ پر ہے۔ اس زمانے سے اب تک ۷۵۲۴ الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کلام کیا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث سے میرے اس دعوے کا تاریخی، قدرتی اور شہادتی ثبوت ملا، یہ کتاب "دعوۃ الی اللہ" صنف اخیار کے مطابق ثانی مبعوث و منصور کے زمانے میں لکھی جا رہی ہے۔" (دعوۃ الی اللہ ص۲۲)

جھوٹ کا ریکارڈ توڑ دیا

۷۵۲۴ جھوٹ بول کر خاموش نہیں ہوئے بلکہ مزید یہ ستم کیا کہ یہ تمام جھوٹ قرآن و احادیث میں تاریخی، قدرتی اور شہادتی طور پر ثابت ہیں، ان سب کو تلاش کرنے کی آپ کو کہاں فرصت ہے اور مزید جھوٹ بھی بولنے ہیں مگر کچھ فرصت نکال کر ان میں ایک جھوٹ قرآن یا حدیث سے دکھا دیں تو کرم ہوگا ۔

جھوٹ کا بازار تھوڑے روز ہے
بعد اس کے حسرت دل سوز ہے

چنن بسویشور کو ماننے والے دجالوں کی مختصر فہرست

اس سلسلہ میں اپنی کتاب دعوۃ الی اللہ ص۵۸، ص۵۹ میں کئی قادیانی دجالوں کے نام ذکر کئے ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کیا یا بیعت ہو کر ان پر ہے، ایک مختصر فہرست چند مشہور عالم دجالوں کے نام مع ان کی اپنی عبارت یہیں ملاحظہ ہو۔

"اہل بصیرت کے لئے میرا دعویٰ سورج کی طرح روشن ہے۔ مسیحا ارواح کو جب میری خبر پہنچی تو بھیڑ کی صورت میں بھیجا ــــ ۲۱

پہنچ جاتی ہے تو تسلیم فرما تے ہیں۔ آمنا وصدقنا کہتے ہیں جیسا ارشاد مسیح موعود (مرزا
غلام احمد قادیانی) سلسلۂ احمدیہ کے بڑی عمر پانے والوں میں سے جن لوگوں نے میری
تصدیق کی ہے ان میں سے مشہور اور ذی اثر اشخاص کے چند نام ذیل میں دیئے جاتے ہیں
(۱) زبدۃ الحکماء مرزا خدا بخش صاحب مصنف عسل مصفّٰی نے میری تصدیق کی۔ (حوالہ مذکورہ)
(۲) سلسلۂ احمدیہ کے دوسرے مشہور ذی اثر ایثار میں مشہور انسان ڈاکٹر امین حسین شاہ صاحب
جنرل سکریٹری جماعت احمدیہ لاہور۔ شاہ صاحب نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کا
دعویٰ مصلح موعود کا ہے۔ میں نے کہا، ہاں! کہا میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، اگر آپ
چاہیں تو میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہوں۔ میں آپ کے اصول وعقائد کو
اُمت مرحومہ کے لئے باعث برکت سمجھتا ہوں۔ میں نے مولوی محمد علی صاحب (امیر قادیانی
جماعت لاہور) کو بھی آپ کی نسبت میرے ہم عقیدہ پایا۔ (دعوۃ الی الحق ص۳)
اس پر کوئی تبصرہ کرے تو کیا کرے، بس اتنا کہہ دیتے ہیں کہ ؏ عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

یہ فتنہ پھر اُٹھایا جا رہا ہے

ناظرین! آپ یہ نہ سمجھیں کہ دیندار انجمن کے بانی چنی بسویشور اور دیگر بڑے افراد جہنم رسید ہوگئے، تو اب فتنہ ختم ہو چکا ہے۔ بلکہ یہ فتنہ اسی زور وشور سے پھر سر اُٹھا رہا ہے جس طرح بانی انجمن نے شروع کیا تھا، بلکہ یہ فتنہ شروع میں تو کفر وارتداد کی کھلی دعوت کے ساتھ پھیلایا جا رہا تھا جس سے عام مسلمانوں کو بھی اکثر وبیشتر اس کی حالت معلوم ہو جاتی تھی مگر اب تو یہ کفر وارتداد کے ساتھ ساتھ نفاق، دھوکہ، فریب اور نہایت خفیہ طرز میں پھیلایا جا رہا ہے انتہا یہ ہے کہ عوام الناس کے سامنے یہ نہیں ظاہر کیا جاتا کہ ہم ان عقائد کے حامل ہیں۔ چنی بسویشور کے پیرو ہیں بلکہ کہا یہ جاتا ہے کہ ہم پکے دیندار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی ہیں۔ مسلمانوں کی بُری حالت دیکھ کر ہم ان کی اصلاح کو نکلے ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ سادہ مسلمانوں سے دین کے نام پر چندہ لیکر انسانیت سوز کتابوں کی نشر واشاعت میں لگاتے ہیں۔

شوگر کوٹیڈ ٹیبلیٹس

صورت زاہد سے اسکو خضر بھی سمجھا تھا مگر ☆ جب اُٹھا پردہ تو ابلیس لعین آیا نظر

دیندار انجمن والے عام طور پر مسلمانوں میں اتحاد، تبلیغ جہاد، اسکولوں اور کالجوں کی اصلاح وغیرہ سے

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ۔۔۔ ۹۲

متعلق تبلیغ کرتے ہیں اور یہ تأثر دیتے ہیں کہ ہم مبلغین اسلام ہیں ، ہمارے تبلیغی مشن کے یہ ابتدائی نقوش ہیں ، اس طرح جاہل عوام خصوصاً نوجوان جنہیں دین کا صحیح علم نہیں ہے جلدی سے ان کے دھوکے میں آجاتے ہیں انہوں نے نشر و اشاعت کا منظم کام شروع کر دیا ہے ، عام طور پر کتابیں اس انداز سے لکھکر چھاپتے ہیں کہ عوام ان سے بُرا تأثر نہ لیں ، چنانچہ کوئی کتاب لکھتے ہیں تو اِدھر اُدھر کی عام سی باتیں لکھتے لکھتے بیچ میں ایک آدھ جگہ اپنے بانی انجمن کی کوئی بات درج کر دیتے ہیں یا ان کی جانب اشارہ کر جاتے ہیں ، جس کا اثر یہ ہوگا کہ عوام اور نوجوان طبقہ ان رہنماؤں سے اس انداز سے متعارف ہوگا کہ ان کا ذہن رہنماؤں کے ساتھ ان کو حسن ظن پیدا ہوگا پھر رفتہ رفتہ جماعت میں داخل ہو گئے اور پھر ان کے ساتھ مل کر ایمان سوزی کے ساتھ جب غیرت سوزی کے بھی عادی ہو جاتے ہیں تب ان کو اصل کتابیں جو مقصد دینی بالترتیب پڑھنے کیلئے دی جاتی ہیں اور خبیث ترین لٹریچر جو اصل بانی انجمن کا ہے سب سے آخر میں دیا جاتا ہے ، چنانچہ بعض لوگ جو دیندار انجمن کے فریب اور بے دینی سے مطلع ہو کر ان سے علیحدہ ہوئے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم نے ان کی انجمن میں بحیثیت مبلغ کام کیا ہے لیکن تین چار سال تک ان کی اصل کتابیں ہم کو نہ دی گئیں ، اس کے بعد جب ہم پر پورا اعتماد ہو گیا کہ یہ ہر طرح سے ہماری بے غیرتی برداشت کر سکیں گے تب انجمن کے بانی کی کتابیں ہم کو دی گئیں جن کی خباثتوں کو دیکھ کر ہم ان سے متنفر ہوئے اور ان سے برأت اور توبہ کا اعلان کیا ۔

نشر و اشاعت میں دیندار انجمن کی مکاریوں کی ایک مثال

سید بن دیندار جن کا ذکر اس کتاب میں پچھلے متعدد دفعہ آیا ہے ، اس ضمن میں بھی پیش پیش رہے ہیں میں دیندار انجمن کے نگران کی حیثیت سے یہ خباثتیں تصنیف و تالیف کی صورت میں پھیلا رہا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں اس نے کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے کئی راقم الحروف کی نظر سے گزری ہیں ، مثال کے طور پر اس کی کتاب "ملی مسائل کا قرآنی حل" کو لیجئے ، اس میں اس نے بڑے ہی دردانگیز اور دلیرانہ لہجہ میں نظریہ پاکستان وغیرہ سے بحث کی اور ملکی خامیوں کی طرف توجہ دلائی ہے ۔ یہ کتاب ۴۲ صفحات پر مشتمل ہے ، کتاب کے ۸۰ صفحات لکھنے کے بعد اب مقصد کی طرف لطیف اشارات شروع کر دیئے ہیں اور بڑی مکاری سے مقصود اصلی چن بسویشور کی طرف آیا ہے ۔ چونکہ دیندار انجمن والے چن بسویشور کو نبی ماننے کے ساتھ ساتھ "مامور وقت" بھی کہتے ہیں ، اس لئے "تدبیر امر" اور "تعیین شخصیت" کے دو مختصر عنوان قائم کرکے ان میں چند مثالیں دی ہیں ، اس کے بعد مقصد کی طرف یوں لطیف اشارہ کیا ہے "غرض قرآن پاک

میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جو منجانب اللہ "مامور" اور "متعین شخصیت" کا پتہ دیتی ہیں۔
(دینی مسائل کا قرآنی حل صـ۲)

اس کے بعد "ماورائے عقل" کا عنوان قائم کرکے یہ ظاہر کیا ہے کہ لوگ اگرچہ ایسی شخصیتوں کو پاگل کہا کریں مگر یہ اللہ والے ہیں، پھر آگے چل کر انتہائی چالاکی سے اس مامور شخصیت کا نام اس انداز سے ذکر کیا ہے کہ لوگ یہ محسوس کریں کہ مصنف اس کا یقینی فیصلہ سنا رہا ہے چنانچہ "بشریٰ للمؤمنین" کا عنوان لکھ کر یہ عبارت لکھی ہے۔

ہندوستان تمام مسلمان ہونے والا ہے" الہام بانی دیندار انجمن" (دینی مسائل کا قرآنی حل صـ۱۲)
بانیٔ انجمن کا یہ الہام انہوں نے جلی اور خط کشیدہ اس طرح سے لکھا ہے کہ اگلی عبارت کے لئے عنوان کا بھی کام دے، مامور شخصیت کا یہ الہام "بشریٰ للمؤمنین" ہے۔
چن بسویشور جس نے نبوت اور خدائی تک کے دعوے کئے ہیں اس کا نام کتاب "دینی مسائل کا قرآنی حل" میں اس طرح اعزاز و اکرام اور تعظیم کے ساتھ ذکر کیا ہے "بانی دیندار انجمن حضرت مولانا صدیق دیندار چن بسویشور قدس اللہ سرہ العزیز" (دینی مسائل کا قرآنی حل بذیل صـ۳)
دنیا کے اس بدترین کافر کا نام اس اعزاز کے ساتھ لیا جا رہا ہے جس نے یوسف موعود، مہدی آخر الزمان، نبی، بروز محمد بلکہ خدائی تک کے دعوے کئے، اس کے باوجود دیندار انجمن والے عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ مسلمان ہیں۔

مسلمان تو ختم نبوت کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا خواہ وہ نبی مستقل ہو یا ظلی و بروزی، لیکن سعید بن وحید نے ختم نبوت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"کیونکہ اعلان ختم نبوت کا منشا ہی یہ ہے کہ اسلام اور صرف اسلام ہی دنیا کا واحد دین ہو۔"
(دینی مسائل کا قرآنی حل صـ۱۲)

اس عبارت سے عوام الناس کو آسانی سے دھوکہ دیا جا سکتا ہے کہ بات تو بڑی اچھی لکھی ہے مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ختم نبوت کی تشریح جو بالکل واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا، اس کو چھوڑ کر اس تشریح کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ وجہ یہ ہے کہ اس تشریح کی

رو سے اگر کوئی مستقل نبوت کا دعویٰ نہ کرے بلکہ ظلی نبی یا بروزی نبی ہونیکا دعویٰ کرے اور یہ کہے کہ اسکا مذہب اسلام ہی ہے تو وہ چونکہ اسلام کو دنیا کا واحد دین مان رہا ہے اس لئے اسکا عقیدۂ ختم نبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حکومت سے اپیل

ہم سطور بالا میں دیئے گئے حوالہ جات کی طرف اپنی عوامی حکومت کو توجہ دلاتے ہوئے تمام مسلمانوں کی طرف سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن بسویشور مدعیٔ نبوت ہے نیز یوسف موعود اور مأمور وقت اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مثیل ہونے اور اس سے بھی بڑھ کر اپنے اندر حلول خدا کا مدعی ہے اس لئے جن بسویشور کافر و مرتد ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اسکو نبی یا بزرگ بلکہ مسلمان سمجھنے والے بھی کافر ہیں، دیندار انجمن والے جو اپنے کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کو اپنا دینی پیشوا مانتے ہیں وہ بھی مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

جس طرح حکومت پاکستان نے قادیانیوں کو کافر و مرتد قرار دیکر غیر مسلم اقلیت قرار دیا ہے اور یہ موجودہ حکومت کا اتنا عظیم کارنامہ ہے کہ وجود پاکستان سے آج تک حکومت پاکستان میں اتنا اہم کارنامہ انجام نہیں پایا، اسی طرح دیندار انجمن والوں کو بھی کافر و مرتد قرار دیکر ان کے غیر مسلم اقلیت ہونیکا اعلان کرے۔

دراصل یہ قادیانیوں ہی کی ایک شاخ ہے جس کو ہم پیچھے بار بار ثابت کر چکے ہیں مگر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد یہ چالاکی سے اپنے کو قادیانیوں سے الگ ظاہر کر رہے ہیں تاکہ جو حکم قادیانیوں پر ہوا ہے یہ اس سے خارج رہیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ حکومت اس معاملے پر غور کریگی اور ناموس خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے کا یہ دوسرا اعزاز حاصل کرے گی۔

عوام سے اپیل

جیسا کہ ہم بار ہا بتا چکے ہیں کہ دیندار انجمن والے اور ان کا پیشوا کافر و مرتد ہیں اور یہ اسلام کے لئے زہر قاتل ہیں اس لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس مبارک کی حفاظت کی خاطر اس معاملہ میں ہر ممکن کوشش سے گریز نہ کریں، اس مسئلہ کو جتنا ہو سکے عام کریں، عوام کا کوئی مجمع بلکہ کوئی گھرانہ ایسا نہ چھوڑیں جہاں یہ آواز نہ پہنچے، اس سلسلے میں ہر قسم کا تعاون کریں، اس کے منتظر نہ رہیں کہ آپ سے کوئی اس کی اپیل کرے، ان کے خلاف پمفلٹ اور رسالے وغیرہ چھپوا کر تقسیم کریں

تاکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قیامت کے روز شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ کہ
"تمہارے سامنے میری نبوت بلکہ اللہ تعالیٰ کا مذاق اڑایا
جا رہا تھا اس وقت تم کیوں خاموش رہے ـــــ"

زبردست شہادت

زاہد صدیقی صاحب سابق مبلغ دیندار انجمن کی کتاب "ہندو اوتار" کے آخر میں ایک زبردست شہادت نظر سے گزری جو درج ذیل ہے۔

"۱۸ مارچ ۱۹۵۱ء کی صبح کو مجھے ایک اخبار ملا "بے نقاب" اور "یک نہ شد دو شد"۔ پڑھ کر حیدرآباد دکن کے سابق پولیس افسر نے "انجمن دینداران کا مسلک" کے عنوان کے تحت چند نہایت اہم رازوں کا انکشاف کیا ہے۔

صاحب موصوف کے مراسلہ کے مندرجہ ذیل اشارے نہایت اہم اور قابل غور ہیں۔

(۱) صدیق دیندار چن بسویشور صدر اس کے ایک سابق شیعہ خاندان کے فرد، میسور کے متوطن حیدرآباد کی ریاستی پولیس میں ملازم ہوئے، ہیڈ کانسٹیبل ہونے کے بعد کسی جرم کی پاداش میں برطرف کر دیئے گئے۔ دوران ملازمت ان کا قیام گلبرگہ شریف (دکن) میں رہا، اسکے بعد گزر اوقات کی خاطر پیری مریدی شروع کی اور محلہ آصف نگر حیدرآباد (دکن) میں سکونت پذیر ہوئے۔ وہاں مت ہندو فرقہ کے اوتار کا ڈھونگ رچایا، جگوت گیتا، رامائن اور مہابھارت کو الہامی کتابیں ثابت کرنے پر سارا زور صرف کیا۔ مذاہب عالم کانفرنس کے رنگ میں ہر سال اپنے مکان پر جلسے کیا کرتے، جہاں قادیانی عقائد کا پرچار ہوتا اور ہر مذہبی مسئلہ کو غلط انداز میں پیش کیا جاتا۔

(۲) صدیق دیندار چن بسویشور صاحب نے کچھ دن بعد اپنے آپ کو "خاتم النبیین" کہنا شروع کر دیا اور میں نے یہ بھی سنا کہ وہ اپنی پیٹھ پر کوئی نشان بنا کر اسے مہر نبوت کہتے ہیں، ان کے فرقے سے تعلق نہ رکھنے والے صحیح العقیدہ مسلمانوں کو انہوں نے قادیان کے ارباب نبوت کی اتباع میں کافر گردانا، ان میں تفرقے ڈالنے کی خطرناک سازشیں کیں، اپنے مریدین کے ذریعہ ان کو لوٹا۔

افزائش نسل اور لونڈیوں کے جواز کے تحت ہر گروہ مخالف کی عورتوں
اور لڑکیوں کی عصمت دری کی، نام نہاد دینداری اور فقیرانہ
لباس کی آڑ میں عیش پرستی کو جاری رکھا۔

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ـــــ ۹۲

مخالفین کے ساتھ اس قسم کی انسانیت سوز وخلاف تہذیب حرکات کا نام غزوات اور جہاد فی سبیل اللہ رکھا گیا۔

(۳) تقسیم ہند اور آزادی ریاست حیدرآباد کے بعد ان کی تباہ کاریاں وسیاہ کاریاں لا محدود ہو کر رہ گئیں۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ وہ ڈاکہ زنی ہے جس میں مہدی جن لیڈر کے مریدوں نے نواح حیدرآباد محلہ بیگم پیٹھ میں ایک ساہوکار کے گھر دن دہاڑے لوٹ مار مچائی اور ایک تجوری جس میں پانچ لاکھ کی نقدی زیورات وجواہرات تھے لیکر رفوچکر ہو گئے۔

جب ان کی دیدہ دلیری حد سے تجاوز کر گئی تو انہوں نے ریاست کے مختلف علاقوں میں لوٹ مار شروع کر دی اس سے اس قدر دھوکہ ہوتا کہ غیر مسلم ان کو رضا کاران اتحاد المسلمین سمجھ کر اخبارات میں اسٹیٹ مسلم لیگ کے خلاف زہر افشانی کرتے۔

(۴) قاسم رضوی صاحب کے دور سے قبل ہی حکومت وقت نے ان کو نظر بند کر رکھا تھا کیونکہ ان کی فتنہ سامانی سب پر روز روشن کی طرح عیاں تھی؛ ان کی زبان بندی کے احکامات مدتوں سے جاری تھے، سقوط حیدرآباد کے بعد ان کے مریدین روپوش ہو گئے انہوں نے بابا تک چھوڑ دیا اور آخر کار بھاگ بھاگ کر پاکستان آ رہے ہیں۔

ایک ریاست کو تباہ کر کے اب انہوں نے دوسری

سلطنت کو تاکا ہے

اللہ تعالیٰ سب کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

پولیس افسر کے خط کے اقتباسات نقل کرنے کے بعد ابو صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

صاحب موصوف کے مراسلہ کا آخری جملہ ارباب حکومت کے لئے زبردست آگاہی و انتباہ ہے۔ میں بھی عرض کروں گا کہ

حیدرآباد دکن کے ذمہ دار مہاجرین سے دیندار انجمن اور اس کی ہلاکت آفرینیوں کا ریکارڈ حکومت ضرور طلب کرے، ایسا نہ ہو کہ ہماری حکومت خارجی فتنوں کے سلجھنے میں لگی ہو اور یہ اندرونی ملک شورش برپا کر دیں۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

○

بعیر کی صورت میں بجلی ۔۔۔ ۲۷

دیندار انجمن والوں سے ہمدردانہ گزارش

ہمیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ اس انجمن میں جہاں بعض بدبخت جان کر اسلام کی جڑیں کاٹنے کے لئے کوشش کر رہے ہیں، وہاں کچھ ایسے سادہ دل بندے بھی ہیں جو محض اسلام کے نام پر ان کی چرب بیانی سے متاثر ہو کر خدمتِ دین کے لئے اس انجمن میں داخل ہو گئے ہیں۔

ان سطور میں ہم اپنے ان بھائیوں کو ہمدردانہ نصیحت کرتے ہیں کہ غدارانِ ملت کے مقاصد، دجل و فریب کو سمجھیں اور ان کے دھوکے میں نہ آئیں۔ یہ اپنی عاقبت برباد کر چکے ہیں تمہاری بھی عاقبت برباد کرنے کی فکر میں ہیں۔

میرے بھٹکے ہوئے دوستو!

کیا اسلام کا وہ طریقہ آپ کے لئے ناکافی ہے جسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پیشتر پیش فرمایا تھا، جس کو صحابۂ کرام، محدثین اور ائمۂ عظام نے بحفاظت ہم تک پہنچایا؟ اس کو چھوڑ کر آپ چن بسویشور اور دیندار انجمن کی گود میں کیوں پناہ لے رہے ہیں۔ خدارا اپنی جانوں پر رحم کھائیں، اب بھی وقت ہے اسلام کی رحمت میں اب بھی آپ کو سایہ مل سکتا ہے اپنی گزری ہوئی خوش فہمیوں سے توبہ کر کے اسلام کے حلقے کو مضبوط پکڑ لو اور اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی ارتداد کے اس جال سے نکالنے کی کوشش کرو۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

رشید احمد

۲۲ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ یوم الخمیس

فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله
سنان القنا
على
محل الربا

ربا سے متعلق متجددین کے نظریات کی تردید

سوال: جنوری ۱۹۶۰ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے "کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ تجارتی سود شرعاً حرام نہیں بلکہ اس کا لین دین ضروری ہے۔ علماء کرام کا فرض ہے کہ اُمت کو اس اباحیت کے فتنہ سے بچائیں، لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ سود کی تعریف، اس کی اقسام اور ان کے شرعی احکام پر بالتفصیل مدلل روشنی ڈالیں اور رسالہ مذکورہ میں دلائل جواز کا تشفی بخش جواب تحریر فرما کر اس دورِ ظلمت میں اُمت کی رہبری فرمائیں۔ والاجر عند اللہ الکریم۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ربا کی تعریف

ربا کے لغوی معنی مطلقاً زیادتی کے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں مال کی ہر ایسی زیادتی ربا کہلاتی ہے جو مبادلۃ المال بالمال میں بدون عوض مشروط ٹھیرائی گئی ہو۔

ربا کی اقسام:

ربا کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ربا الفضل (۲) ربا النسیئہ، ربا الفضل بیع بالجنس میں زیادتی کو کہتے ہیں، اس کی حرمت ثابت بالحدیث ہونے کی وجہ سے اسے ربا الحدیث بھی کہا جاتا ہے۔ ربا النسیئہ "الزیادۃ المشروطۃ علی القرض" کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ قرآن کریم میں اسی قسم کے ربا کی حرمت منصوص ہے اس لئے اسے ربا القرآن بھی کہا جاتا ہے۔ متجددین کی بحث چونکہ صرف اسی ربا النسیئہ سے متعلق ہے لہٰذا یہاں صرف اسی کی تفصیل پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

متجددین کے نظریات:

ربا النسیئہ سے متعلق متجددین کے دو گروہوں کے دو مختلف نظریات ہیں (۱) صرف وقتی اور شخصی ضروریات کے لئے سودی قرض کا لین دین حرام ہے اور کسی نفع بخش تجارت کے لئے سودی قرض کا معاملہ حرام نہیں، قسم اول کو صرفی سود اور قسم دوم کو تجارتی سود سے موسوم کرتے ہیں۔

(۲) سود مرکب یعنی سود در سود حرام ہے اور سود مفرد جو راس المال سے دو چند ہو حلال ہے

فریق اول کی دلیل:

فریق اول کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں محض صرفی سود مروج

تھا تجارتی سود کا رواج ہی نہ تھا لہٰذا حرمت کی نصوص میں تجارتی سود کو شامل نہیں۔ دور تجارتی سود کو صرفی سود پر قیاس کرکے اس پر حرمت کا حکم لگانا بھی صحیح نہیں، اسلئے کہ حرمت ربا کی علت ظلم ہے جو تجارتی سود میں موجود نہیں، تجارتی سود میں تو ظلم کی بجائے احسان ہے کہ مقروض اس کے ذریعہ سے تجارتی منافع حاصل کر رہا ہے۔

جواب

دلیل مذکور کا تجزیہ کرنے سے اس کے چار اجزاء سامنے آتے ہیں:

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تجارتی سود کا رواج نہ تھا۔ (۲) جو معاملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مروّج نہ ہو وہ نصوص حرمت میں داخل نہیں ہوتا۔

(۳) حرمت ربا کی علت ظلم ہے (۴) یہ علت تجارتی سود میں نہیں پائی جاتی۔

یہ چاروں مقدمات گویا دلیل کے عناصر اربعہ ہیں ان میں سے ایک مقدمہ بھی مخدوش ہو جائے تو دلیل باطل ہو جائے گی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان چاروں مقدمات میں سے ہر مقدمہ باطل ہے،

ابطال مقدمہ اولیٰ

یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تجارتی سود رائج نہ تھا، دلائل ذیل سے اس دعویٰ کا بطلان واضح ہو جاتا ہے۔

(۱) یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا کے تحت کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ قبیلہ بنو مغیرہ قبیلہ ثقیف سے سودی قرض لیا کرتا تھا (لباب النقول صفحہ ۴۳، روح المعانی صفحہ ۵۲ جلد ۳)

(۲) یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوا کے شان نزول میں مجاہد سے نقل کیا ہے کہ قبیلہ ثقیف بنو نضیر سے قرض لیا کرتا تھا جب قرض کی واپسی کا وقت آتا تو ثقیف بنو نضیر سے کہتا کہ ہمیں اور مہلت دو ہم اس پر تمہیں مزید سود دیں گے (لباب النقول صفحہ ۵۴)

ظاہر ہے کہ ان قبائل کے درمیان یہ معاملہ صرفی سود نہ تھا بلکہ وسیع پیمانے پر تجارتی سود تھا، یہ قبائل تجارتی کمپنیوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ قبیلے کے افراد سرمایہ جمع کرکے اس سے اجتماعی تجارت کرتے تھے چنانچہ ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قافلۂ تجارت سے متعلق زرقانی شرح المواہب اور تفسیر مظہری میں ہے لم یبق قرشی ولا قرشیۃ لہ مثقال فصاعدا الا بعث بہ فی العیر

(۳) صحیح بخاری کا باب برکۃ الغازی فی مالہ میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ مذکور ہے کہ لوگ آپ کے پاس امانت رکھنے کے لئے بھاری رقم لاتے مگر آپ فرماتے کہ امانت کی بجائے مجھے

قرض دیدو پھر اس رقم کو آپ تجارت میں لگاتے جس سے ایک طرف خود فائدہ حاصل کرتے
اور دوسری جانب مالک کا یہ فائدہ ملحوظ تھا کہ اس کی رقم محفوظ ہو جائے کیونکہ امانت کی
صورت میں ضائع ہو جانے کا خطرہ تھا۔ قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ وکان غرضہ بذلک انہ
کان یخشی علی المال ان یضیع فیظن بہ التقصیر فی حفظہ فرأی ان یجعلہ مضمونا فیکون
اوثق لصاحب المال وابقی لمروءتہ زاد ابن بطال ولیطیب لہ ربح ذلک المال (فتح الباری ص۲۳۱ ج۶)

(۴) موطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب القراض میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
صاحبزادے عبد اللہ و عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک لشکر میں عراق کی طرف تشریف لے گئے، واپسی
پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائے جو اس وقت امیر بصرہ تھے، حضرت
ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں تمہارے نفع کی ایک صورت آتی ہے وہ یہ کہ بیت المال
کی رقم قرض لے لو، اس سے بغرض تجارت کچھ مال خرید کر لے جاؤ، مدینہ منورہ پہونچ کر اسے فروخت کر کے
اس کی منفعت خود رکھ لینا اور اصل رقم بیت المال میں داخل کر دینا، اس معاملے سے حضرت ابوموسیٰ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصل مقصد صاحبزادوں کو تجارتی منفعت پہونچانا تھا، اس کے ساتھ بیت المال
کے مال کی حفاظت کا فائدہ از خود ہو گیا، اس لئے یہ سفتجہ کی مد میں داخل نہیں۔

(۵) سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ولید نے اپنی موت کے وقت اپنے بیٹوں کو
وصیت کی تھی کہ بنی ثقیف پر جو میری سود کی رقم ہے اسے بھی ضرور وصول کرنا۔
اس میں ایک قبیلہ پر قرض کا قصہ ہے جو کسی شخص اور وقتی ضرورت کے لئے نہیں ہو سکتا
یہ قرض یقیناً تجارتی غرض سے تھا اور اس کی حیثیت بعینہ بینک کے قرضوں کی ہے۔

(۶) علامہ قرطبی "فلہ ما سلف" کے تحت فرماتے ہیں: ھذا حکم من اللہ لمن اسلم من کفار
قریش وثقیف ومن کان یتجر ھنالک (تفسیر قرطبی ص۳۶۳ ج۳)

(۷) علامہ طبری نے ۲۳ھ کے واقعات میں لکھا ہے ان ھند ابنۃ عتبۃ قامت الی عمر
ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاستقرضتہ من بیت المال اربعۃ آلاف تتجر فیھا وتضمنھا فاقرضھا
فخرجت الی بلاد کلب فاشترت وباعت

(۸) امام بغوی رحمہ اللہ نے عکرمہ و عطاء سے روایت کیا ہے کہ حضرت عباس اور حضرت
عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک تاجر پر سودی رقم تھی جو حرمت ربا نازل ہونے پر چھوڑ دی گئی۔
کتب تفسیر و حدیث میں تجارتی قرضوں اور ان پر سود کی ادائیگی کی مثالیں موجود ہیں۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نزولِ قرآن سے قبل عرب میں تجارتی سود کا یقیناً رواج تھا۔ عرب قبل از اسلام کی معاشی بنیاد تجارت کی گرم بازاری اور تجارتی قرضوں کے لین دین پر تھی، اس دَور کے تجارتی مراکز مکہ اور طائف میں سودی ادارے موجود تھے، اسلام سے قبل عرب کے معاشی اور تجارتی تعلقات جن ممالک اور جن اقوام کے ساتھ تھے مثلاً بابل، یونان، روم، شام اور بازنطینی حکومت وغیرہ ان میں تجارتی سودی قرضوں کا رواج تھا اور ایسے ادارے موجود تھے۔ اس لئے یہ دعویٰ غلط ہے کہ عرب زمانہ نزولِ قرآن میں تجارتی سود سے ناواقف تھے، تاریخی حقائق کو سامنے رکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب تجارتی سود سے صرف واقف ہی نہ تھے بلکہ تجارتی قرضے اور ان پر سود ان کے نظمِ معیشت کا بنیادی پتھر تھا، اس پر تاریخی شواہد کے لئے مولانا فضل الرحمٰن صاحب لیکچرار علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے مضامین بہت قیمتی ہیں جو ماہنامہ "برہان" کی کئی اقساط میں شائع ہوئے تھے۔ اور ایک مقالہ "اسلامک تھاٹ" علیگڑھ میں چھپا تھا، غرضیکہ عہدِ نزولِ قرآن میں سود کی دونوں قسمیں (صرفی و تجارتی) رائج تھیں اور دونوں کو ربٰو ہی کہا جاتا تھا ان میں کوئی تقسیم و تفریق نہ تھی، سب سے پہلے سترہویں صدی عیسوی میں بینکاری نظام کے وجود کے ساتھ ساتھ دو نئی اصطلاحیں ابھریں اور سود کی دو قسمیں کی گئیں یوژری (صرفی) اور انٹرسٹ (تجارتی) جو مغرب سے مرعوب ذہنیتوں کے نظریۂ حلتِ ربٰو کا سنگِ بنیاد ہے۔

ابطالِ مقدمۂ ثانیہ

یہ دعویٰ بھی باطل لغو اور بدیہی البطلان ہے کہ قرآن نے جس چیز کو حرام بتایا ہے اس کی وہ صورتیں حرام نہیں جو نزولِ قرآن کے وقت مروّج نہ تھیں، جب کسی چیز کی حرمت منصوص ہے تو اس کے کل افراد، سب صورتیں اور سب طریقے حرام ہی ہونگے خواہ وہ زمانہ نزولِ قرآن میں موجود ہوں یا بعد میں پیدا ہوں، مثلاً شراب کی حرمت منصوص ہے تو اس کی ترقی یافتہ صورتیں اور قسمیں جو نزولِ قرآن کے وقت نہ تھیں حلال نہیں ہو سکتیں، اسی طرح قمار کے جدید طریقوں کو حلال نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح تصویر کشی کی ترقی یافتہ صورتوں کو حرمت کی نصوص سے خارج نہیں کیا جا سکتا، اگر صورت اور طریقے کی تبدیلی سے احکام کی تبدیلی کی منطق صحیح تسلیم کر لی جائے تو اس دَورِ ترقی میں شریعت کا کوئی حکم بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ رشوت، شراب، جوا، زنا، چوری، ڈکیتی اور قتل وغیرہ تمام تر جرائم اور محرمات کی صورتیں اور طریقے سب جدید ہیں جو زمانہ نزولِ قرآن میں نہ تھے۔

قرآن کریم میں مطلق ربا کی حرمت منصوص ہے اسمیں شخصی اور تجارتی سود میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ سود کی تعریف اور اس کی حقیقت میں مذکورہ بالا دونوں قسمیں داخل ہیں، لہٰذا حرمت بھی دونوں کو شامل ہوگی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "کل قرض جر منفعۃ فھو ربا" بھی عام ہے، اس روایت کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جامع صغیر میں نقل کیا ہے اور زیلعی نے بھی متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔ علامہ عزیزی رحمہ اللہ تعالیٰ السراج المنیر شرح الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تعدد طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ ہے۔ قرآن و حدیث کی ان نصوص صریحہ کی وجہ سے جمیع امت مسلمہ کا اجماعی فیصلہ ہے کہ "کل قرض جر نفعا فھو ربا"

اوجز المسالک میں ہے، قال الموفق کل قرض شرط فیہ ان یزیدہ فھو حرام بغیر خلاف (اوجز المسالک ص۲۹۴ ج ۵) نص قرآنی کو صرفی سود کے ساتھ خاص کرنا اور تجارتی سود کو اس سے خارج کردینا قرآن کی کھلی تحریف ہے، صرفی سود اور تجارتی سود میں صرف نیت و قصد کا فرق ہے اگر ذاتی و شخصی مقصد کے لئے قرض لیتا ہے تو یہ صرفی سود ہے اور مقصد استقراض تجارت ہے تو یہ تجارتی سود کہلاتا ہے، دونوں کی حقیقت متحد ہے لہٰذا ایک قسم کو حرام اور دوسری کو حلال قرار دینے کا حاصل یہ نکلے گا کہ سود بذات خود حرام نہیں صرف مستقرض کی نیت سے اسمیں حرمت آجاتی ہے، صرف مقصد استقراض کو ربا کی حقیقت میں اتنا موثر قرار دینا قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس کے خلاف ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے لیاتین علی الناس زمان لا یبقی احد الا اکل الربا فان لم یاکلہ اصابہ من بخارہ ویروی من غبارہ رواہ احمد وابوداود والنسائی وابن ماجۃ (مشکوٰۃ ص۲۴۴) اس پیشگوئی کا مصداق صرف تجارتی سود ہی ہو سکتا ہے، حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس پر اجماع ہے کہ مضاربت میں رب المال کا اپنے لئے منافع کی کچھ مقدار معین کرنا جائز نہیں حالانکہ بعینہٖ یہی تجارتی سود ہے۔

ابطال مقدمۂ ثالثہ

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ صرفی سود کی طرح تجارتی سود بھی نص قرآنی کا براہ راست مدلول ہے اس کی حرمت ثابت بالقیاس نہیں لہٰذا اسمیں علت حرمت کے وجود و عدم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ثانیاً ظلم کو حرمت ربا کی علت قرار دینا غلط ہے، یہ علت اور حکمت میں فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ان میں خلط کا نتیجہ ہے۔

ربان الفتا ———— ؎

علت پر حکم کا مدار ہوتا ہے یعنی حکم کا وجود و عدم علت کے وجود و عدم پر موقوف ہوتا ہے اسلئے علت حکم کی علامت ہوتی ہے اور حکمت اس فائدہ کو کہا جاتا ہے جو امتثالِ حکم پر مرتب ہوتا ہے، اس پر حکم کا مدار نہیں ہوتا، حکم کی علت ایک ہی ہوتی ہے اور حکمتیں متعدد بھی ہوسکتی ہیں، انسان احکام کی علل معلوم کرنیکا مکلف ہے تاکہ علامات سے احکام کا علم حاصل کرسکے، حکمت معلوم کرنے کا مکلف نہیں اور نہ ہی حکمت تک انسان کی رسائی ضروری ہے، اگر بعض احکام کی بعض حکمتیں معلوم بھی ہوگئیں تو ضروری نہیں کہ حکمتوں کا انہی میں انحصار ہو، دوسری کئی حکمتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً حرمت جمع بین الاختین کی علت دو عورتوں کے درمیان ایسا رشتہ ہے کہ انہیں سے جس کو بھی مرد فرض کیا جائے انہیں تناکح حرام ہو، اور اس کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ نکاح میں اختین کو جمع کرنا قطع رحم کا سبب ہے، اور ظاہر ہے کہ حکم کا مدار اس حکمت پر رکھا جائے تو بعض مخصوص حالات میں اگر قطع رحم کا کوئی خدشہ نہ ہو تو جمع بین الاختین حلال ہونا چاہیے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ الا من اعمی اللہ قلبہ، احکام دنیویہ میں اس کی مثال راستوں پر نصب کردہ سبز و سرخ بتیاں ہیں جو ٹریفک کے رکنے یا چلنے کے حکم کی علت ہیں یعنی حکم کی مظہر ہیں اور اسکے لئے علامت کا کام دیتی ہیں اور اس حکم کی حکمت تصادم سے حفاظت ہے۔ پس اگر کہیں تصادم کا قطعاً کوئی اندیشہ نہ ہو تو بھی سرخ بتی روشن ہونے کی حالت میں رکنے کا حکم موجود رہے گا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم شمار ہوگا۔

اگر ظلم کا علتِ حرمت ہونا تسلیم کرلیا جائے تو یہ ربا الفضل کی حلت بلکہ اس کی فرضیت کو مستلزم ہوگا اسلئے کہ مبادلۃ الجنس بالجنس کا معاملہ کسی خاص صفت مرغوبہ کی وجہ ہی سے کیا جاتا ہے۔ پس جید اور ردی میں وزنًا مساوات کی شرط لگانا ظلم ہوگا، اور دفع ظلم کے لئے تفاضل فرض ہوگا۔

ابطال مقدمہ رابعہ

یہ کہنا کہ تجارتی سود ظلم سے پاک ہے بالکل غلط ہے اور یہ دعویٰ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔ تجارتی سود میں تو صرفی سود سے بھی ہزاروں درجہ زیادہ ظلم ہے۔ صرفی سود کا ظلم تو صرف چند افراد تک محدود ہوتا ہے مگر تجارتی سود کے موجودہ بینکاری نظام کے ظلم کی چکی میں پوری دنیا اس طرح پس رہی ہے کہ گوشت پوست کے ساتھ ہڈی پسلی بھی پیدا ہو رہی ہے سود خور جو در حقیقت انسان نما بلکہ انسانیت کے درندے ہیں انہوں نے بینکاری نظام کے ذریعہ انسانی

خون نچوڑنے کے ایسے شکنجے نصب کر رکھے ہیں کہ ان میں آنے والی انسانیت کو چیخنے کا بھی موقع نہیں ملتا، سخت حیرت اور تعجب کے ساتھ انسانی نفوس کی بے حسی، ظلمت کی پجاری فطری ذہنیت پر کہ انسانی خون پینے والے چند بھیڑیوں کی فربہی اور رونق کو دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آتا ہے اور ان کے دلوں میں یلیت لنا مثل ما اوتی قارون جیسی امنگیں ابھرنے لگتی ہیں، یہ عقل دانش کے مدعی یہ نہیں سوچتے کہ ان چند بھیڑیوں کی پرورش اور فربہی پر کتنی انسانی روحیں بھینٹ چڑھائی گئی ہیں اور کتنے انسانی ڈھانچے ان کے سامنے سسک رہے ہیں۔ ان خونخوار درندوں کی بدولت یہ دنیا اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود انسانیت کے لئے تنگ ہو چکی ہے۔

ان مہذب درندوں کے اس خونخواری کی تفصیل تو دراصل طویل ہے اس لئے اسے ہم رسالہ کے آخر میں "بینکاری نظام کی تباہ کاریاں" کے عنوان سے لکھیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری دلیل

قرض پر منفعت لینے کی مثال اجارہ کی سی ہے جس طرح اجارہ میں مستاجر چیز کی اجرت لینا جائز ہے اسی طرح جو رقم بطور قرض دی گئی ہے اس کی اجرت بھی جائز ہوگی۔

جواب

(۱) جب ہر قسم کے سود کی حرمت نص سے ثابت ہے تو اس کی حلت کے لئے قیاس آرائیاں کرنے کی نوعیت بالکل ویسی ہی ہے جیسی "انا خیر منه خلقتنی من نار وخلقته من طین" اور "انما البیع مثل الربوا" میں ابلیس اور کفار کی منطق۔

(۲) یہی قیاس صرفی سود میں بھی جاری ہوتا ہے بلکہ اجارہ کے ساتھ صرفی سود کی زیادہ مشابہت ہے اس لئے کہ بالعموم ذاتی اغراض رہائش یا تجارت کے لئے مستاجر کو اجارہ پر لیا جاتا ہے۔

(۳) معاملات میں عرفاً وشرعاً نقود کی تعیین کرنے سے بھی وہ متعین نہیں ہوتے، پس مقروض کے قبضہ کے بعد قرض کی اس متعین رقم سے قرضخواہ کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا تو وہ اس کے منافع کی اجرت لینے کا کیسے مستحق ہو سکتا ہے؟ بالفرض نقود کی تعیین صحیح بھی ہوتی یا قرض کیلی یا موزون کا ہو تو بھی بعد القبض یہ مال قرضخواہ کی ملک سے نکل کر مقروض کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے پس مقروض اس سے جو کچھ منافع حاصل کرتا ہے وہ اس کی اپنی ملک سے ہیں نہ کہ قرضخواہ کی ملک سے۔

(۴) جو چیز کرایہ پر دی جاتی ہے وہ بعینہ برقرار رہتی ہے مستاجر اس سے صرف منافع حاصل کرتا ہے اور اصل چیز بعینہ واپس کر دیتا ہے اس کے برعکس قرض میں بعینہ وہ رقم باقی رکھ کر اس سے

سورۃ البقرۃ

کوئی نفع حاصل کیا جاتا بلکہ اس رقم کو خرچ کر دیا جاتا ہے اور اس کے عوض مقروض اپنی ملک
سے اتنی رقم واپس کرتا ہے لہٰذا قرض کی اجارہ کے ساتھ قطعاً کوئی مشابہت نہیں، بلکہ یہ
ابتداءً تبرع اور انتہاءً بیع سے مشابہ ہے۔

تیسری دلیل

بیع سلم میں خریدار کو اجل کی وجہ سے نفع ہوتا ہے اسی طرح اجل کی وجہ سے ثمن میں زیادتی کو
فقہاء نے جائز رکھا ہے، قرض پر سود کی بھی یہی نوعیت ہے۔

جواب

یہ صحیح ہے کہ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ ہوتا ہے مگر قیمت کا فضل بیع بخلاف الجنس
میں معتبر ہے بیع بالجنس میں اس کا اعتبار جائز نہیں جیسے کہ صفت جودۃ مبادلہ بغیر الجنس میں معتبر ہے
مگر مبادلہ بالجنس میں معتبر نہیں، قرض میں چونکہ مبادلہ بالجنس ہے اس لئے تفاضل حرام ہے۔

چوتھی دلیل

حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرض
لیا اور اس سے زیادہ واپس کیا۔

جواب

(۱) یہ واقعہ تو صرفی سود کا ہے جسے مغرب زدہ ذہنیت بھی حرام کہتی ہے۔

(۲) ربا اس زیادتی کو کہا جاتا ہے جو عقد میں مشروط ہو، اگر عقد میں زیادتی کی شرط نہ
لگائی گئی ہو تو بوقت ادا زیادہ دینا ربا نہیں بلکہ یہ بلاشبہ جائز اور مستحسن ہے کسی روایت سے یہ
ثابت نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زیادہ مال دیا معاملہ کے وقت اس کی شرط لگائی گئی تھی۔

مذکورہ بالا دلائل میں سے دلیل اول کے سوا باقی سب دلائل سود کی دونوں قسموں کو شامل ہیں
مگر یہ لوگ ایک قسم کو حرام کہتے ہیں اور دوسری کو حلال، افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض

فریق ثانی کی دلیل

دوسرا فریق جو مفرد سود کو حلال اور مرکب کو حرام کہتا ہے "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا
الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً" سے یوں استدلال کرتا ہے کہ ربا کے ساتھ اضعافاً مضاعفۃ کی قید ہے
اور قاعدہ ہے کہ مقید پر نفی داخل ہو تو قید کی نفی مقصود ہوتی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ عہد رسالت
کے سود اسی قسم کے تھے، سود مفرد سے نہ قرآن میں ممانعت ہے اور نہ ہی عہد رسالت میں اس کا وجود تھا۔

جواب

(۱) فقہ حنفی کے اصول کے مطابق مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا لہٰذا یہ آیت سود مفرد کے حکم سے ساکت ہے اس کی حرمت پر دوسرے دلائل موجود ہیں، اور جن حضرات کے ہاں مفہوم مخالف معتبر ہے ان کے ہاں بھی یہ شرط ہے کہ اس مفہوم کے خلاف پر کوئی قرینہ نہ ہو، کتب اصول میں مفہوم مخالف کے اعتبار کے لئے چند شرائط مذکور ہیں جن میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ منطوق کا سیاق وورود کوئی خاص واقعہ نہ ہو، الشرط الخامس ان لا یکون المنطوق لبیان حکم حادثة کقوله تعالیٰ (لا تأکلوا الربوا اضعافا مضاعفة) فلا مفہوم للاضعاف (تسہیل الوصول طبع مصر ص ۸۲) معلوم ہوا کہ یہاں بالاجماع مفہوم مخالف مراد نہیں۔

(۲) سود خوروں کی اصطلاح میں اگرچہ مفرد سود اضعافا مضاعفہ نہیں کہلاتا مگر حقیقت یہ ہے کہ جب مفرد سود کی رقم کو پھر سود پر دیگا تو لامحالہ یہ اضعافا مضاعفہ ہی ہو جائے گا بلکہ اگر اصل سرمایہ ہی کو مفرد سود پر چلاتے رہے تو کچھ عرصہ کے بعد اس کا سود اصل رقم سے اضعافا مضاعفہ ہو جائیگا۔

مغالطہ

نئی ملت والے کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت نے ربا کا کوئی واضح مفہوم نہیں متعین کیا، آیت ربا مجمل ہے اس لئے اس کے مفہوم کی تعیین میں رائے کی گنجائش ہے۔

لیکن یہ محض تلبیس اور دھوکہ ہے ہم اوپر تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ عرب بلکہ اس کے گرد و نواح کے ممالک میں بھی عہد نزول قرآن اور اس سے قبل زمانہ جاہلیت میں سودی لین دین رائج تھا اور اس کا مفہوم عام معروف، واضح اور متعین تھا، قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد توراۃ میں بھی سود رائج تھا، جب حرمت ربا کی آیات نازل ہوئیں تو کسی کو بھی اس کے معنی و مفہوم میں کوئی اشتباہ نہیں ہوا اور اس کی تفسیر و توضیح کی قطعاً کوئی ضرورت کسی نے محسوس نہیں کی بلکہ نزول حرمت کے بعد سب نے فوراً بلا تامل رائج اور معروف سود کو چھوڑ دیا، اس وقت تک جو سود متعارف تھا جس سے قرآن نے منع فرمایا وہ سودی قرض (ربا النسیئۃ) کا معاملہ تھا، اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کی بعض صورتوں (ربا الفضل) کو بھی سود میں داخل قرار دیکر ان سے ممانعت فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد سود کی اسی قسم سے متعلق ہے اور اس کی علت کا کھوج لگانے میں ائمہ مجتہدین کے درمیان اجتہادی اختلاف واقع ہوا ہے۔ مندرجہ بالا تفصیل کیلئے ملاحظہ

فرمائیں۔ احکام القرآن للجصاص، تفسیر کبیر للرازی، شرح معانی الآثار للطحاوی، بدایۃ المجتہد لابن رشد، حجۃ اللہ البالغۃ للشاہ ولی اللہ۔

غرضیکہ اجمال حدیث کے ربا اور ربا الفضل میں ہے، قرآن کے ربا اور ربا النسیئۃ میں کوئی اجمال نہیں بلکہ یہ اپنے متعین مفہوم پر قطعی الدلالۃ ہے۔

ابن عربی احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

ان من زعم ان هذه الآية مجملة فلم يفهم مقاطع الشريعة فان الله تعالى ارسل رسوله الى قوم هو منهم بلغتهم وانزل عليهم كتابه تيسيرا منه بلسانه ولسانهم والربا فى اللغة الزيادة والمراد به فى اللغة كل زيادة لا يقابلها عوض۔

بینکاری نظام کی تباہ کاریاں

(۱) بینکاری نظام کے ذریعہ چند سرمایہ دار عوام کے منہ میں سود کے چند ٹکے دیکر قوم کے پورے سرمایہ پر اپنا تسلط قائم کر لیتے ہیں اور اسے زیادہ شرح سود پر دیکر یا تجارت پر لگا کر منافع حاصل کرتے رہتے ہیں یعنی پوری قوم کے سرمایہ کے منافع پوری قوم پر تقسیم ہونے کی بجائے صرف چند اشخاص کے ہاں مرتکز ہو جاتے ہیں، پھر اگر بینک دیوالیہ ہو جائے تو قوم کا سرمایہ غائب، اس ظلم کی کیا انتہا ہے کہ پوری قوم کے سرمایہ کے منافع تو خود لیتے رہیں اور نقصان اپنا بھی قوم پر ڈالدیں، بینک میں روپیہ جمع کرنے والے افراد اگر اپنے سرمایہ سے خود تجارت کرتے تو اسکے منافع خود انکو ملتے، اور ارتکاز دولت سے حفاظت رہتی، پھر اسلامی نظام زکوٰۃ نے ہر مسلمان کو مجبور کر رکھا ہے کہ وہ اپنی دولت کو دفینہ کی شکل میں رکھنے کی بجائے تجارت میں لگائے ورنہ یہ ساری کی ساری دولت چند سالوں میں صدقہ اور زکوٰۃ کی نذر ہو جائے گی۔

(۲) کم سرمایہ والوں کو تجارت کے لئے بینک قرض نہیں دیتا، بڑے سرمایہ دار بینک سے قوم کے سرمایہ سے قرض لیکر تجارت یا صنعت میں لگاتے ہیں اور پوری قوم کے سرمایہ کے منافع چند افراد حاصل کرتے ہیں، پھر اگر کبھی اصل سرمایہ بھی ڈوب گیا اور بینک کا قرض وصول نہ ہو سکا تو وہ نقصان قوم کا ہوا۔

(۳) بڑے سرمایہ دار اپنے ذاتی سرمایہ کے ساتھ بینک سے بھاری قرض کا سرمایہ ملا کر تجارت کا ایسا ماحول پیدا کر دیتے ہیں کہ کم سرمایہ والے کے لئے اس میدان میں قدم رکھنا اس کی موت

کے مترادف ہو جاتا ہے۔

(۴) جب بینک سے قرض لیکر درآمد برآمد کی پوری تجارت اور بھاری صنعتوں پر صرف چند سرمایہ دار قابض ہو جاتے ہیں تو قوم کی رہی سہی پونجی لوٹنے اور ان کا خون چوسنے کے لئے مارکیٹ کے نرخ بڑھا دیئے دیں، ایک طرف قوم کو تجارت و صنعت سے محروم کر کے ان کے ہاتھ کاٹ دیئے جاتے ہیں اور دوسری طرف اشیاء ضرورت کی قیمتیں بڑھا کر ان کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔

(۵) تجارت و صنعت صرف چند سرمایہ دار افراد میں منحصر ہو جانے کی وجہ سے قوم کیلئے ملازمت اور مزدوری کے ذریعہ کسب معاش کے مواقع محدود ہو جاتے ہیں۔

(۶) بعض دفعہ خود سرمایہ دار بھی سود کے عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور دنیا ہی میں اس کا مزا چکھ لیتا ہے۔ مثلاً تجارت یا صنعت میں اتنا بھاری نقصان ہوا کہ اپنے سرمایہ کو منافع کے ساتھ بینک سے لیا ہوا سرمایہ بھی تباہ ہو گیا، اب ذریعہ آمد کچھ نہیں اور بینک کا بھاری قرض سر پہ ہے، غیر سودی تجارت میں اگر ساری رقم بھی ڈوب جائے تو کم از کم قرض کا گراں بار تو نہیں ہوتا، بینکاری کو آجکل معاشی نظام کی ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے مگر اس کی مذکورہ بالا تباہ کاریوں کا مشاہدہ کر کے خود مغربی مفکرین اسے ریڑھ کی ہڈی کا کیڑا قرار دینے لگے ہیں۔

سرمایہ داری کی دوسری ضرب

ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ سودی نظام تجارت میں ہر فائدہ سرمایہ دار کو ملتا ہے اور ہر نقصان قوم کو برداشت کرنا پڑتا ہے مگر تو تھوڑی رقم کے ساتھ برائے نام کچھ رقم سرمایہ دار کی اپنی بھی ہوتی ہے بھلا یہ انسان خور درندہ اپنا اتنا تھوڑا سا نقصان بھی کیسے برداشت کر لے؟ اسے بھی قوم ہی کے نچڑے ہوئے ڈھانچے ہی سے نچوڑنے کی کوشش کرتا ہے اس عمل کے لئے اس نے بیمہ اور سٹہ کے کولھو ایجاد کئے، کوئی قدرتی آفت پڑی تو بیمہ کی مشین چلا دی، اور قیمت گرنے سے نرخ گر جانے کا خطرہ ہوا تو سٹہ کی مشین کا بٹن دبا دیا اور پوری منڈیوں پر قابض ہو کر حسب منشا نرخ بڑھا دیئے یا مال کی درآمد سے قبل ہی فروخت کر کے اپنی آفت کسی پر ڈال دی۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ بیمہ جو درحقیقت قوم کی موت ہے اس کے بارے میں یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ قوم کی معیاری زندگی کا ضامن ہے، حالانکہ بیمہ کمپنیوں کے منافع بڑے سرمایہ دار ہی حاصل کرتے ہیں اگر کوئی قدرتی آفت نہ آئی تو موقع پا کر خود ہی اپنے کارخانے کو آگ لگا کر بیمہ کمپنی سے قوم کا سرمایہ وصول کر لیا، بینک، بیمہ اور سٹہ کے ذریعہ پوری قوم کی دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو گئی۔

اور عدم توازن کا نقشہ یوں نظر آنے لگا ؎

اس طرف بھی آدمی اور اُس طرف بھی آدمی
اس کے ہونٹوں پر چمک ہے اسکے چہرے پر نہیں

اس کے ردِ عمل میں اشتراکیت اُبھری اور اُس نے الاپنا شروع کیا ؎

گیا دورِ سرمایہ داری گیا ٭ تماشہ دکھا کر مداری گیا

سرمایہ داری کا آخری مہلک وار

ہم ان شاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے موقع پر بتائیں گے کہ اشتراکیت بھی سرمایہ داری ہی کی ایک قسم ہے جو معروف سرمایہ داری سے بہت اونچے عیاری ہے، انسان خور بھیڑیوں میں سے ایک مکار بھیڑیا اپنے ہم جنس بھیڑیوں کی فربہی پر بھی رال ٹپکانے لگتا ہے وہ سرمایہ داری کے جنگل سے چھڑانے کا مدعی بن کر مزدوروں اور کسانوں کو اشتراکیت کے سہانے خواب دکھاتا ہے مزدور اسے اپنی قسمت کا مالک سمجھ کر آنکھیں بند کرکے اسکے پیچھے ہو لیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ "تماشہ دکھا کر مداری گیا" نہیں بلکہ مداری انھیں بندر بنا کر نچا رہا ہے اور یہ مداری کی ادا اور ڈگڈگی کی آواز پر مست، اپنے نفع و نقصان سے بے نیاز اور عقل و خرد سے بیگانہ ہو کر رقص کر رہے ہیں، جب اشتراکیت مزدور کے جسم میں پنجے گاڑ لیتی ہے تو اسے ہوش آتا ہے اور اب وہ بیچارگی کے عالم میں چلانے لگتا ہے ؎

کہ از چنگال گرگم در ربودی ٭ چو دیدم عاقبت گرگم تو بودی

کبھی وہ اس خیر خواہ بھیڑیے کے مظالم سے تنگ آکر یہ حسرت ظاہر کرتا ہے ؎

مرا اے کاشکہ مادر نزادے ٭ اگر زادے کسے شیرم ندادے

مگر اب نہ تو اس میں کسی کوشش کی کوئی سکت باقی رہتی ہے اور نہ ہی کوئی حسرت سود مند ہوتی ہے۔

بہار اشتراکیت سے فریب خوردہ بلبل کی فریاد ؎

بلا سے قزاق آکے لوٹیں یہ پاسبانوں کی لوٹ جائے
ستم بھی ہوگا تو دیکھ لیں گے کرم کا بھانڈا تو پھوٹ جائے
اُچک لے شاہیں تو غم نہیں ہے قفس تو کمبخت ٹوٹ جائے
چمن کو لوٹا تو باغباں نے اب آکے گلچیں بھی لوٹ جائے

عوام کالانعام کو تو کیا کہنا، تعجب اور افسوس تو بعض مذہبی رہنماؤں پر ہے کہ وہ بھی اشتراکیت کی بانسری پر جھومنے لگے اور ایسے مست ہوئے کہ انھیں شریعت کا عادلانہ نظام معیشت ناقص نظر آنے لگا اور اس میں اشتراکیت کے پیوند لگانے کی کوشش کرنے لگے اشتراکیت کا عشق انھیں اشتراکی ممالک کے عوام کی زبوں حالی سے عبرت حاصل کرنے کی مہلت نہیں دے رہا۔ ان رہبران قوم کا دماغ کبھی بھی یہ سوچنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوتا کہ دولت میں توازن پیدا کرنے کے لئے سرمایہ داری کے دروازے بند کئے جائیں اور تقسیم دولت کے شرعی اصول رائج کئے جائیں ان کے ہاں ارتکاز دولت کا واحد علاج صرف یہی ہے کہ کارخانے چھین کر مزدوروں کو دیدیئے جائیں اور زمینیں چھین کر کسانوں میں تقسیم کردی جائیں، سوچتے ہیں تو صرف یہی اور بولتے ہیں تو صرف یہی۔

شریعت کا عادلانہ نظام

شریعت کا عادلانہ نظام جو دنیا وآخرت میں فلاح وبہبود کا ضامن ہے یہ ہے کہ ایک طرف سرمایہ داری کے دروازے (بینک، بیمہ، سٹہ، تجارت وصنعت کی پابندیاں، ماہی گیری، شکار اور دوسرے قدرتی وسائل کے ٹھیکے) بند کئے جائیں اور دوسری جانب تقسیم دولت کے لئے زکاۃ، عشر اور تقسیم وراثت کا شرعی نظام جاری کیا جائے، صنعت، تجارت اور دیگر ذرائع کی آزادی سے ہر شخص کو کسب معاش کے مواقع فراہم ہونے کے علاوہ تسابق کی وجہ سے اشیاء ضرورت میں سہولت اور ارزانی ہوگی، اور زکوٰۃ، عشر وتقسیم وراثت کی وجہ سے مرکز دولت قلیل مدت میں قوم میں پھیل جائے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو زندگی کے ہر شعبہ میں باطل کی افراط وتفریط سے محفوظ رکھیں اور صراط مستقیم پر قائم رکھیں، آمین۔

رشید احمد
۲۰ ربیع الآخر سنہ ۸۹ھ

مودودی صاحب اور تخریب اسلام

فقیہ العصر حضرت علامہ مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ العالی

دار الافتاء والارشاد
ناظم آباد ۔ کراچی

مودودی صاحب اور تخریب اسلام

سوالات:۔

① کیا مودودی صاحب اور ان کی جماعت کا شمار اہل سنت میں ہے ؟

② ان کے ساتھ تعاون جائز ہے ؟

③ ان میں رشتے کرنا جائز ہے ؟

④ ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے ؟

عنوانات:۔

جماعت اسلامی

سوال: مودودی صاحب اور ان کی جماعت شفاخانوں اور دوسرے رفاہی کاموں اور منظم تحریک کے ذریعہ عوام میں جاذبیت پیدا کر رہی ہے اور اکثر تعلیم یافتہ لوگ صرف انہی خوبیوں کو دیکھ کر اسے صحیح اسلامی جماعت سمجھتے ہیں اور ان کی طرف مائل ہو جاتے ہیں لہٰذا مفصل بیان فرما کر امت مسلمہ کی رہبری فرمائیں کہ کیا جماعت اسلامی واقعۃً وہی اسلام پیش کرتی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا اور کیا صرف مذکورہ بالا خوبیوں کو حقانیت کی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر یہ جماعت صحیح راستہ پر نہیں تو اس سے متعلق مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) کیا ان کا شمار اہل سنت میں ہے؟ (۲) ان کے ساتھ تعاون جائز ہے؟ (۳) ان میں رشتے کرنا جائز ہے؟ (۴) ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین، آمین

آجکل لوگوں نے حسن نظم، حسن اخلاق، ایثار و ہمدردی، اہتمام اعمال اور جرأت و ہمت کو معیار حق سمجھ لیا ہے چنانچہ جن افراد یا جن جماعتوں میں یہ صفات پائی جائیں لوگ ان کو اہل حق سمجھ کر ان کی طرف مائل ہو جاتے ہیں لہٰذا خوب سمجھ لیں کہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی معیار حق نہیں بن سکتی یہ امر اگرچہ ایسا بدیہی ہے کہ ہر انسان کی عقل اس کا فیصلہ کر سکتی ہے مگر مختصراً عرض کرتا ہوں

معیار حق کی تعیین میں مغالطہ:

اگر حسن نظم کو معیار حق قرار دیا جائے تو برطانیہ اور امریکہ وغیرہ کے لوگ سب سے زیادہ اہل حق ہوں گے اسی طرح عیسائی مشنریاں اور قادیانی جماعت جس حسن نظم سے کام کر رہی ہے کوئی مسلم جماعت ایسی منظم نہیں۔ اسی طرح حسن اخلاق اور ایثار و ہمدردی جس حد تک عیسائی مشنریوں اور قادیانیوں میں ہے کسی مسلم جماعت میں نہیں، عیسائی مشنریاں شفاخانوں اور گھی اور دودھ کے ڈبوں اور مختلف چیزوں کی تقسیم، روپے اور ملازمت کے لالچ میں لوگوں

مودودی صاحب اور تخریب اسلام — ۴

کو عیسائی بنا رہی ہیں اسی لئے اچھوت قومیں عیسائی مذہب اختیار کر چکی ہیں، یہی طریقہ عیسائیوں سے قادیانیوں نے سیکھا، بہت سے قادیانی ڈاکٹروں نے اپنی خدمات وقف کر رکھی ہیں۔ دواخانوں پر بورڈ لگے ہوئے ہیں کہ مریض کے گھر پر جاکر بلا فیس معائنہ کیا جاتا ہے۔ تقسیم کے ایام میں بعض قادیانیوں کو دیکھا کہ منوں کی مقدار میں روزانہ مہاجرین میں تازہ دودھ تقسیم کرتے تھے یہ ایک دو دن کا واقعہ نہیں بلکہ کئی مہینوں تک ان کا یہ معمول دیکھا گیا۔ عیسائی مشنریاں ڈبے کا دودھ تقسیم کرتی ہیں مگر قادیانی اس سے بھی بڑھ کر تازہ دودھ تقسیم کرتے رہے، تو کیا یہ عیسائی اور قادیانی اہل حق ہو سکتے ہیں؟ ۔ نئی عیسائی مشنریوں اور قادیانیوں کے طریقہ تبلیغ کی تقلید بعض مسلم جماعتیں بھی کرنے لگیں یہ لوگ شفا خانوں اور مختلف مواقع پر امدادی فنڈوں اور تعاون کے ذریعہ لوگوں کو متاثر کرنے کی سعی کرتے ہیں، شرعی نظر سے نہ صرف یہ کہ یہ چیز معیار حق نہیں بلکہ سرے سے یہ طریقہ تبلیغ غلط ہے۔ آپ نے کوئی احسان یا طمع دلا کر کسی کو اپنی طرف مائل کر لیا تو ایسے شخص کا کیا اعتبار؟ کل کوئی دوسری جماعت اسے کوئی بڑی طمع دیکر اپنی طرف کھینچ سکتی ہے۔ ایسے ہی اہتمام اعمال بھی معیار حق نہیں۔ خوارج کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی جس کی صداقت کو دنیا نے دیکھا فرمایا کہ یہ لوگ ایسے عابد و زاہد ہونگے کہ تم انکی عبادت کے سامنے اپنی عبادات کو حقیر سمجھنے لگو گے، اور فرمایا کہ یہ لوگ ہر وقت تلاوت قرآن سے رطب اللسان رہیں گے مگر لایجاوز حناجرھم، یعنی قرآن کا اثر انکے قلوب کی طرف تجاوز نہ کریگا۔ یا یہ کہ ان کی تلاوت محل قبول کی طرف بلند نہ ہوگی انکے منہ ہی میں رہے گی۔

جار اللہ زمخشری کو جار اللہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ہمیشہ کے لئے دنیا و ما فیہا سے الگ ہو کر بیت اللہ میں معتکف ہو گئے تھے تو کیا معتزلہ و خوارج کے اہتمام اعمال کی وجہ سے انکو کوئی اہل حق کہہ سکتا ہے؟ یونہی جرأت و ہمت سے متعلق غور فرمایئے کہ کفار ہمیشہ کس جرأت و ہمت کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔ بیویوں، بہنوں اور بیٹیوں کا لونڈیاں بننا گوارا کیا، بچوں کو غلام بنایا اور خود غلامی کا طوق پہنا، سلطنتیں قربان کیں۔ املاک چھوڑیں اور اپنی جانیں دیں کوئی بڑی سے بڑی آفت ان کو ان کے نظریے سے نہ ہٹا سکی، ابو طالب کی جرأت دیکھئے مرتے وقت بھی یوں کہتے ہیں کہ اختیرت النار علی العار میں آبائی دین چھوڑنے کی عار پر نار جہنم کو ترجیح دیتا ہوں، غور کیجئے کہ کتنی بڑی جرأت ہے۔ معلوم ہوا کہ جرأت و ہمت اور استقلال کو معیار حق قرار دینا غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایثار و ہمدردی، خدمت خلق، تحسین

اخلاق، حسنِ نظم اور ہمت و جرأت اہل حق کی صفات ہیں جن کو غیر اہل حق نے اختیار کر لیا جیسے کہ غیر اہل حق کی کئی صفات کو اہل حق اختیار کئے ہوئے ہیں، صفاتِ مذکورہ بلاشبہ صفاتِ محمودہ ہیں اور اہل حق کی صفات ہیں مگر حق کا معیار نہیں کہ جس میں بھی یہ صفات ہوں اسے اہل حق سمجھ لیا جائے۔ بہت سے لوگ اس لئے بھی ایسی جماعتوں کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں کہ ان کے ہاں دین بہت سستا ہے، جبکہ مولوی کا دین مشکل ہے۔ غیر شرعی لباس اور وضع قطع اور تشبہ بالنصاریٰ کے ہوتے ہوئے اور سینما بینی جیسے جرائم میں مبتلا ہوتے ہوئے مولوی کسی کو دیندار نہیں کہہ سکتا۔ مگر بعض جماعتوں نے دین اتنا سہل کر دیا ہے کہ آپ داڑھی کٹاتے ہوں، سر پر انگریزی بال ہوں، انگریزی لباس پہنتے ہوں، پاجامہ ٹخنے سے نیچے رہتا ہو سینما بھی دیکھتے ہوں، یہ سب کچھ کرتے ہوئے بھی آپ دیندار مسلمان بلکہ پوری دنیا کے صالح ترین اور متقی مسلمان بن سکتے ہیں ؎

حج بھی کعبہ کا کیا اور گنگا کا اشنان بھی ۔۔۔ خوش رہے شیطان بھی راضی رہے رحمٰن بھی

جب تک کوئی شخص زکوٰۃ اور چرمِ قربانی و صدقۃ الفطر صحیح مصرف پر نہ لگائے اس وقت تک وہ مولوی کی نظر میں دیندار نہیں، مگر اس جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ آپ جماعت کو زکوٰۃ دیدیں پھر جماعت خواہ اس سے مکانات تعمیر کرے یا ڈاکٹروں کو تنخواہ دے، شفا خانے چلائے یا الیکشن لڑے۔ دیکھئے کتنا آسان دین ہے کہ آپ کی زکوٰۃ بھی ادا ہو گئی اور الیکشن وغیرہ کی ضروریات بھی پوری ہو گئیں۔

کہاں بھٹکے جا رہے ہو؟

صاحبو! ہوش میں آؤ۔ کہاں بھٹکے جا رہے ہو۔ اگر آسانی اور سہولت ہی آپکے ہاں معیارِ حق ہے تو آپ اسلام ہی کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے تاکہ ہر قید سے آزاد ہو جاؤ اور اگر اسلام کا نام باقی رکھتے ہوئے آزاد ہونا ہے تو بریلوی مذہب میں بھی بہت آسانی اور سہولت ہے نہ وہاں نماز روزہ کی پابندی اور نہ محرمات سے بچنے کی قید (اعاذنا اللہ منہ)

معیارِ حق

یہ سمجھئے کہ حقیقت میں معیارِ حق کیا چیز ہے؟ ارشاد ہے۔

مودودی صاحب اور تخریبِ اسلام ۔۔۔۔ ۵

(۱) اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۝ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی تفسیر صراط القرآن یا صراط اللہ یا صراط الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں فرمائی اسلئے کہ لوگ اس کی تعیین میں اختلاف کرتے، لہذا فرماتے ہیں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کہ یہ منعم علیہم جماعت کا راستہ ہے۔ یہ جماعت صراط مستقیم کی تعیین کرے گی بلکہ عربیت کا قاعدہ ہے کہ بدل مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اور مبدل منہ کو صرف اسم اشہر ہونے کی وجہ سے ذکر کر دیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ طلب ہدایت میں اصل مقصود منعم علیہم جماعت کا راستہ ہے صراط مستقیم اسی کا دوسرا نام ہے۔ تو ثابت ہوا کہ کتاب اللہ اپنی تفہیم میں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محتاج ہے اسی طرح کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تفہیم میں رجال اللہ (منعم علیہم جماعت) کی محتاج ہے۔ ہم اس جماعت سے مستغنی ہو کر قرآن و حدیث سمجھنے کے مجاز نہیں غرضیکہ جماعت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا اسوۂ حسنہ صراط مستقیم ہے۔ پھر ان سے بلا واسطہ اس طریق کو سمجھنے والی جماعت تابعین، پھر ان سے نقل کرنے والی جماعت، اسی طرح ایک دوسرے سے قیامت تک بالتتابع صحیح طریق کو حاصل کرنیوالی رجال اللہ کی جماعت کا طریق صراط مستقیم ہوگا، اور اس کے خلاف جملہ طرق ضلالت اور گمراہی کے راستے ہونگے۔ رجال اللہ کی جماعت قرآن و حدیث کی زندہ تصویر اور چلتی پھرتی تفسیر ہوگی۔

(۲) بَلْ ھُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝ (۲۹-۴۹) اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کیلئے قرآن کے صحائف کافی نہیں بلکہ اسکا مطلب اور اس کی تفسیر جو رجال اللہ کے صدور میں ہے وہ واجب القبول ہے۔

(۳) وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَھَنَّمَ ۭ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۝ (۴-۱۱۵)

"یشاقق الرسول" پر "یتبع غیر سبیل المؤمنین" کا عطف تفسیری ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سبیل کی تعیین مؤمنین کی ایک جماعت اپنے قول و عمل سے کرے گی۔ ان کے راستے سے انحراف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے انحراف ہوگا اور موجب جہنم ہوگا۔ (اعاذنا اللہ منہا)

④ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (۳-۱۱۰) اس آیت میں "اخرجت للناس" ذکر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتباع کو واجب اور انکے طریق کو لوگوں کے لئے حجت قرار دیدیا۔

⑤ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (۲-۱۴۳)

اس میں بھی یہ امر صراحۃً ہے کہ منعم علیہم جماعت کا راستہ معیار حق ہے۔

⑥ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ (۲-۱۳)

⑦ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ (۲-۱۳۷) ان دونوں آیتوں میں اس کی تصریح ہے کہ ایمان وہ معتبر ہوگا جو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان جیسا ہو۔ یعنی ایمان صحیح کی کسوٹی اور معیار صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ ہے۔ اس سے ہٹ کر کوئی شخص براہ راست قرآن یا حدیث پر ایمان لانے کا دعویٰ کرے تو یہ ایمان قبول نہ ہوگا۔

احادیث مبارکہ

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت کے بہت سے فرقے ہو جائیں گے۔ ان میں صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا باقی سب جہنمی ہوں گے۔ عرض کیا گیا وہ کونسی جماعت ہوگی؟ فرمایا، "ما انا علیہ واصحابی" بظاہر "ما انا علیہ" فرمادینا کافی تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا کہ آئندہ چل کر کچھ لوگ میرے اصحاب سے مستغنی ہو کر براہ راست تلاش کریں گے بلکہ مجھ سے بھی مستغنی ہو کر صرف قرآن کی تعیین کریں گے اس لئے "ما انا علیہ" کے بعد "و اصحابی" کا اضافہ فرما کر اپنے طریق کی تفسیر فرمادی کہ میرا طریق وہی ہوگا جو کہ میرے اصحاب بیان فرمائیں گے۔ باوجودیکہ "القرآن" یا "ما انزل اللہ" کی بجائے "ما انا علیہ واصحابی" فرمانا اور پھر صرف "ما انا علیہ" کو کافی نہ سمجھنا صریح دلیل ہے کہ ہمیں قرآن و حدیث کو براہ راست سمجھنے کی اجازت نہیں۔

② علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ۔ اس حدیث میں "سنتی" کے بعد "وسنۃ الخلفاء" کو عطف تفسیری لا کر وضاحت فرمادی کہ میری سنت صرف وہ ہوگی جس کی تعیین خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کریں گے۔

(۳) یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین وتاویل الجاھلین (مشکوٰۃ ص۳۶) یعنی امت میں سلف سے خلف علم صحیح کے حامل رہیں گے اور بلا واسطہ ایک دوسرے سے صحیح طریق کی تعلیم پانے والی جماعت ہر زمانے میں موجود رہیگی جو رجال اللہ سے مستغنی ہو کر براہ راست قرآن وحدیث سے استنباط و اجتہاد کے شائقین کی من مانی تاویلات و تحریفات کا قلع قمع کرتی رہے گی۔

(۴) عن حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی ما ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر وزاد الحافظ ابونصر السجزی فانہما حبل اللہ الممدود فمن تمسک بہما فقد تمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لہا (رواہ الترمذی وحسنہ وقال وفی الباب عن ابن مسعود والطبرانی عن ابی الدرداء منہ ، واحمد وابن ماجۃ وصححہ ابن حبان والحاکم) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نے اپنے بعد قرآن وحدیث کے اتباع کی بجائے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتداء کو فرض قرار دیکر ان کے معیار حق ہونے پر مہر ثبت فرمادی فبای حدیث بعدہ یؤمنون ۰

(۵) النجوم امنۃ للسماء واصحابی امنۃ لامتی (رواہ مسلم)

اس میں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتداء کا حکم فرمایا ہے۔

عقل سلیم

○ عقلی لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو یہ امر ظاہر ہے کہ حق کا معیار ایک جماعت ہونی چاہیے جو ہر زمانے میں بلا واسطہ ایک دوسرے سے استفادہ و افادہ کرتی ہوئی آرہی ہو اس لئے کہ افہام وتفہیم میں چند امور کا ہونا ضروری ہے۔

فہم وتفہیم کے لئے ضروری امور

(۱) مخاطب متکلم کا ہم زبان ہو۔ غیر اہل لسان کتنی ہی مہارت کیوں نہ پیدا کرلے مگر اہل لسان جس حد تک کلام کا مفہوم سمجھتا ہے غیر نہیں سمجھ سکتا۔

(۲) متکلم کے لہجہ کو سنتا، چنانچہ استفہام واخبار میں فرق صرف لہجے ہی کے اعتبار سے ہوسکتا ہے الفاظ دونوں کے یکساں ہوتے ہیں۔

۱۲ مودودی صاحب اور تخریب اسلام ـ ۹

(۳) متکلم کے چہرے، اس کی رنگت، ہیئت، آثار، ہاتھوں اور آنکھوں کے اشارات کو دیکھنا، امر استحباز یا تہدید کے لئے ہے، یا کہ طلب مامور بہ کے لئے اور کلام غضب پر مبنی ہے یا حقیقت پر، یہ جملہ امور متکلم کے لہجہ اور اس کی رؤیت پر موقوف ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ غضب میں فرمایا، سلونی ماشئتم لوگوں نے فضول سوالات شروع کر دیئے، کسی نے سوال کیا کہ میرا باپ کون ہے؟ کسی نے پوچھا کہ میری اونٹنی گم ہوگئی وہ کہاں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا تو غضب سے سرخ ہو رہا تھا۔ میں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کیا، اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ، تب جا کر آپ کا غصہ فرد ہوا۔

(۴) کلام کے محل وقوع کا مشاہدہ، حقیقتِ لغویہ، اصطلاحیہ، مجاز یا استعارہ، کنایہ یا توریہ، مفہوم کا عموم وخصوص وغیرہ کلام کے محل ورود ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔

(۵) قربِ ظاہری وباطنی (قربِ باطنی سے مراد ہے تعلق ومحبت، اور خیالات ونظریات میں اتحاد ویکجہتی) چنانچہ ہر شخص اپنے احباب اور ہم مجلس وہم مشرب کی بات بہ نسبت دوسروں کے زیادہ سمجھتا ہے۔

انہی معقول ومسلم اصول کی بنا پر جب کوئی صحابی کسی روایت کو بتاکید بیان کرنا چاہتے ہیں تو فرماتے ہیں، ابصرتہ عینای وسمعتہ اذنای ووعاہ قلبی یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرما رہے تھے اُس وقت میری دونوں آنکھیں آپ کے چہرۂ انور اور اس کے الوان آثار وتغیرات اور چشم وابرو کے اشارات اور ہاتھوں کی تعبیر کو دیکھ رہی تھیں اور کلام کے محل ورود کا مشاہدہ کر رہی تھیں اور میرے دونوں کان آپ کے لہجہ اور آواز کے نشیب وفراز کو سن رہے تھے۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں اپنی آنکھ سے دیکھ رہا تھا اور اپنے کانوں سے سن رہا تھا بلکہ فرماتے ہیں کہ میں خود آنکھیں اور کان بن رہا تھا پھر ایک آنکھ اور کان نہیں بلکہ میں ہمہ تن دونوں آنکھیں اور دونوں کان بن کر متوجہ تھا، اس کے ساتھ ہی چونکہ اہلِ لسان ہونے اور قربِ ظاہری وباطنی کا شرف بھی حاصل تھا ان سب خصوصیات کی بدولت آپ کے ارشادات کو میرے قلب نے خوب سمجھا اور الفاظ ومعانی کو تغیر وتبدل سے خوب محفوظ کر لیا۔

اب غور فرمایئے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب اہلِ لسان بھی تھے براہِ راست

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجہ کو سننے والے بوقت تکلم کیفیات وارشادات کا مشاہدہ کرنے والے،
آیات قرآنیہ کے شانِ نزول اور احادیث کے مواقع ورود کو خوب جاننے والے تھے۔ آنحضور صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرب ظاہری و باطنی کے اعلیٰ مقامات پر تھے کہ اُن کے درجۂ قرب تک کسی کی
رسائی ممکن نہیں۔ مقربین بارگاہِ الٰہی ہونے کی وجہ سے درباری اشارات سمجھنے کی پوری استعداد
رکھتے تھے۔ لہٰذا اس جماعت نے جو کچھ صراطِ مستقیم کی تعیین فرمائی اس سے ہٹ کر صراطِ مستقیم
کی ہدایت کا کوئی امکان نہیں، اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بلا واسطہ استفادہ کرنے
والی جماعت تابعین رحمہم اللہ کی ہے۔ انھوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول و فعل کو بلا واسطہ
سنا اور دیکھا اور مشافہۃً صراطِ مستقیم کی ہدایت حاصل کی۔ اُن کے بعد تبع تابعین نے علیٰ ہذا القیاس
بالمشافہہ تعلیم و تعلم کے ذریعہ صراطِ مستقیم کی حفاظت کرنے والی جماعت چلی آئی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ
قیامت تک رہے گی۔ یہ سلسلہ کبھی بھی کسی زمانے میں بھی منقطع نہیں ہوا۔

اہلِ حق کی جماعت

اسلام میں ایسا وقت آیا ہی نہیں تھا کہ قرآن و حدیث صرف صحائف کی شکل میں رہ جائیں
اور ان کے الفاظ و معانی کی حامل کوئی جماعت نہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ
ایک جماعت قیامت تک حق پر قائم رہے گی اور دین قویم اور صراطِ مستقیم کی حفاظت کرتی رہے گی۔
پس معلوم ہوا کہ معیارِ حق یہ رجال اللہ کی جماعت ہے، جو لوگ ان کے ساتھ وابستہ ہونگے
وہ اہلِ حق ہونگے۔ اور جس فرد یا جماعت نے ان کا دامن چھوڑا وہ خواہ کتنے ہی دعوے اتباع
قرآن و حدیث کے کرتے رہیں اہلِ حق ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اہلِ حق کا لقب اہلِ سنت والجماعت
اسی لئے پڑا کہ یہ لوگ قرآن کو سنت سے اور قرآن و سنت دونوں کو رجال اللہ کی جماعت
سے سمجھتے ہیں۔

کوئی فن بھی بدون استاد کے حاصل نہیں ہو سکتا

دنیا میں کوئی فن بھی کسی ماہر استاد کی تربیت کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا، کوئی
شخص دنیا بھر کی طب قدیم و جدید کی تمام کتابوں کا مطالعہ کر لے مگر جب تک وہ ماہرینِ
فن سے تربیت حاصل نہ کرے اسے علاج کی اجازت نہیں دی جاتی، گھر بیٹھے وکالت کا نصاب

مودودی صاحب اور تخریب اسلام ــــ ۱۰

پڑھ لینے سے کوئی وکیل نہیں بن سکتا، صرف کتابوں کے مطالعہ سے کبھی کوئی انجینئر نہیں بنا، نہ ہی کوئی خوانِ نعمت پڑھ کر باورچی یا حلوائی بن سکا، ہر علم و فن کے لئے ماہر استاد کی ضرورت ہے اسی طرح قرآن و حدیث سمجھنے کے لئے رجال اللہ کی اس جماعت کی کتابوں کا مطالعہ کافی نہیں بلکہ ان سے بالمشافہ باقاعدہ تعلیم حاصل کئے بغیر قرآن و حدیث کا علم حاصل نہیں ہو سکتا، حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ علم حاصل کیا پھر ان سے تابعین نے بالمشافہ تعلیم پائی اور ان سے تبع تابعین نے، اسی طرح بالمشافہ تعلیم و تعلم کا یہ سلسلہ چلا آرہا ہے، کسی ماہر استاد سے بالمشافہ تعلیم پائے بغیر قرآن و حدیث سمجھنے کا دعویٰ بالکل باطل ہے، اگر کتاب سمجھنے کے لئے معلم کی ضرورت نہیں تو اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں کو سمجھانے کے لئے رسولوں کو معلم کیوں بنایا؟ ویسے ہی کتاب نازل کر دی جاتی، لوگ خود ہی اسے سمجھ کر اس پر عمل کرتے رہتے۔

صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ علم کسی سے سیکھے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

وقال النبي صلى الله عليه وسلم من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين وانما العلم بالتعلم (صحيح بخاري باب العلم قبل القول والعمل) قال الحافظ رحمه الله تعالى هو حديث مرفوع ايضا اورده ابن ابي عاصم والطبراني من حديث معاوية ايضا بلفظ يا ايها الناس تعلموا انما العلم بالتعلم والفقه بالتفقه ومن يرد الله به خيرا يفقهه في الدين اسناده حسن لان فيه مبهما اعتضد بمجيئه من وجه آخر وروى البزار نحوه من حديث ابن مسعود موقوفا ورواه ابو نعيم الاصبهاني مرفوعا وفي الباب عن ابي الدرداء وغيره فلا يغتر بقول من جعله من كلام البخاري والمعنى ليس العلم المعتبر الا المأخوذ من الانبياء وورثتهم على سبيل التعلم (فتح الباري ص ۱۶۱ ج ۱)

جماعتِ اسلامی کا دجل و فریب

اب ان لوگوں کو ذرا حق و باطل کی اس کسوٹی پر لائیے جنکے حسنِ نظم وغیرہ سے متاثر ہو کر آپ ان کو اہلِ حق سمجھنے لگے ہیں، یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس جماعت کی تمام تر مساعی سے مقصد ہی ان رجال اللہ کی جماعت سے انحراف اور ان کے متعین کردہ صراطِ مستقیم کی مکمل تخریب اور اسکے بعد اپنے جدید اسلام کی تعمیر ہے اور یہ نہیں انکے اقوال اور طرزِ عمل سے صرف استنباط کی بنا پر نہیں

مودودی صاحب اور تخریبِ اسلام — !

کہہ رہا بلکہ اس پر اُن کی صریح عبارات موجود ہیں کہ ہم مکمل طور پر تخریب کے بعد جدید تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ حوالجات ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئیں گے۔

تخریبی کارروائی

اب تخریبی کارروائی سنیئے، ان کے خیال میں دین کو سمجھنے کے لئے مسلسل چلے آنیوالے رجال اللہ اور ماہرینِ فن سے استفادہ کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں بلکہ قرآن وحدیث کو براہِ راست سمجھنا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں:

"میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کی بجائے ہمیشہ قرآن اور سُنّت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے، اس لئے میں کبھی یہ معلوم کرنے کے لئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کیا کہا" (روئیداد جماعتِ اسلامی حصہ سوم)

غور فرمائیں کہ جس شخص نے کسی دینی ادارے سے علم حاصل نہیں کیا، کسی معروف اُستاد سے کوئی سبق نہیں پڑھا، جس کو دوسرے علوم تو کیا صرف عربی زبان سے بھی پوری واقفیت نہ ہو اور اپنی تصنیف کے عربی ترجمے دوسروں سے کرانے پر مجبور ہو، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ دین کو سمجھنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اُن کے بعد ان سے بلاواسطہ استفادہ کرنے والے بڑے بڑے ائمۂ دین اور جلیل القدر محدثین وفقہاء اور مستند دینی اداروں میں مشہور ماہرینِ فن سے باقاعدہ علم دین حاصل کرنے والے اور خدمتِ دین میں اپنی عمریں صرف کردینے والے علماء کے مقابلے میں کتنی جرأت کے ساتھ اپنی رائے اور قرآن دانی کو ترجیح دے رہا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توہین

ان کا عقیدہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم معیارِ حق نہیں۔ قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے نہ صرف یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ضرورت نہیں بلکہ (معاذ اللہ) اسکا جواز ہی نہیں، ہمنے قرآن وحدیث کو تو براہِ راست اپنے علم وفہم سے سمجھا، اس کے بعد صحابہ

مودودی صاحب اور تخریب اسلام — ۱۲

رضی اللہ عنہم کی سوانح کا مطالعہ کیا تو ان کو قرآن و حدیث کے مطابق پایا، غور فرمائیے کہ قرآن و حدیث کی نصوص مذکورہ بالا اور دلائل عقلیہ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ تم اپنے علم اور نظریات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق کی کسوٹی پر پرکھو، مگر یہ لوگ اس کے بالکل برعکس یوں کہتے ہیں کہ ہم صراط مستقیم کی تعیین تو خود براہ راست قرآن و حدیث سے اپنے علم و فہم کے ذریعہ سے کریں گے۔ پھر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی اور اسلوب کی صحت و سقم کو اپنے نظریہ کی کسوٹی پر پرکھیں گے۔ ہم اپنے نظریہ کا امتحان لیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس کی بجائے ہم صراط مستقیم کی تعیین خود کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتحان لیں گے کہ وہ اس پر سچے یا نہیں (اعاذنا اللہ منہ) فرماتے ہیں:

"رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے، کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو، ہر ایک کو خدا کے بتائے ہوئے اسی معیار کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے۔" (دستور جماعت اسلامی پاکستان ص۱۲)

مزید ارشاد ہے:

"معیار حق تو صرف اللہ کا کلام اور اس کے رسول کی سنت ہے، صحابہ معیار حق نہیں ہیں بلکہ اس معیار پر پورے اترتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسوٹی سونا نہیں ہے لیکن سونے کا سونا ہونا کسوٹی پر کسنے سے ثابت ہوتا ہے۔" (ترجمان القرآن اگست سنہ ۱۹۷۶ء صفحہ ۳۰)

مودودی صاحب نے قرآن و حدیث کو خود بلا واسطہ سمجھ کر جو معیار حق قائم فرمایا ہے، اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پورے اترنے کا اعتراف حکمت عملی (تقیہ) کے تحت کیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ امتحان میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم (معاذ اللہ) مودودی صاحب کے علم و فہم کی کسوٹی اور نظر نقاد کے معیار پر پورے نہ اتر سکے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"بسا اوقات صحابہ (رضی اللہ عنہم) پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا۔"

(تفہیمات طبع چہارم ص۳۱۹)

اس کے بعد چند واقعات لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) ایک دوسرے کو جھوٹا کہا کرتے تھے۔ اس میں لفظ بسا اوقات قابل توجہ ہے یعنی کوئی

مودودی صاحب اور تخریب اسلام ص۳۰

شاذونادر نہیں بلکہ معاذ اللہ اکثر و بیشتر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا
اولاً تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بشری کمزوریاں ثابت کرنے کے لئے ایک غیر معتبر کتاب
کی بے سند روایات پیش کر رہے تھے۔ تعجب ہے کہ بخاری کی صحیح و صریح حدیث کا تو سرے
سے انکار کرتے ہیں اور جن احادیث صحیحہ کو تسلیم بھی کرتے ہیں ان سے متعلق بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں
کہ ان سے زیادہ سے زیادہ گمان صحت حاصل ہو سکتا ہے نہ کہ علم یقین (اس کا حوالہ ان شاء اللہ
عنقریب آئے گا) مگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین اور ان کی بشری کمزوریوں کو اچھالنے
کے لئے قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ اور تمام امت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف بے سند
روایات کا سہارا لے رہے ہیں۔ قرآن کا فیصلہ ہے وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (سورۃ الحدید ۱۰)
دوسری جگہ فرماتے ہیں وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا
يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (۴۸-۲۹)
معلوم ہوا کہ کتب سابقہ میں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب مذکور ہیں۔ تعدیل صحابہ
رضی اللہ عنہم سے متعلق نصوص اس قدر کثرت کے ساتھ ہیں کہ سب کا احصاء مشکل ہے۔ امت
کا اجماعی عقیدہ ہے "الصحابۃ کلہم عدول" مگر ان سب کے مقابلے میں بے سند روایات
لاکر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی کمزوریاں محض تخریبی کاروائی کی غرض سے بیان کی جا رہی ہیں۔
ثانیاً یہ کہ لفظ کذب عربی زبان میں اور احادیث میں کئی معانی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ
جھوٹ کے علاوہ خطا اور کسی کام سے تخلف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ کسی صحابی نے
اگر کہیں کسی دوسرے صحابی کے بارے میں یہ لفظ استعمال کیا ہے تو اس کے معنی خطاء اجتہادی
کے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ جو کام کرنا چاہتے تھے اس پر قدرت نہ پانے کی وجہ سے
متخلف رہے مگر ان کی تخریب مکمل نہیں ہوتی جب تک کذب بمعنی جھوٹ کی نسبت حضرات
صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف نہیں کرتے۔ بندہ کی اس تحریر کے بعد مودودی صاحب
نے کتاب "خلافت و ملوکیت" لکھی ہے جس میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے زہر کو علانیہ اگل دیا ہے۔
اس کتاب کو دیکھنے کے بعد بھی اگر کسی کو مودودی صاحب کے ذہنی بغض صحابہ رضی اللہ عنہم پر یقین
نہیں آتا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ خود اس کے دل میں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے
بغض اور عداوت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے قلوب سے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہم کی عظمت مٹانے اور اس مقدس جماعت سے متعلق دلوں میں شکوک و شبہات اور بغض و

مودودی صاحب اور تخریب اسلام ۔ ۱۲

نفرت پیدا کرنے کا جو کارنامہ تنہا مودودی صاحب نے انجام دیا ہے شیعہ کی پوری جماعت اپنی پوری مدۃ العمر میں اسکا عشر عشیر بھی نہیں کر سکی۔ (نقوش ثانی)

مودودی صاحب سے قبل کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نظر نہیں آتا جو کسی صحابی سے بغض رکھتا ہو۔ مگر آج مودودی صاحب نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو اس مہلک زہر سے مکمل طور پر مسموم کر دیا ہے

انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین

اس سے بھی بڑھ کر ان کی تخریبی کارروائی حضرات انبیاء کرام علیہم سے شروع ہوتی ہے فرماتے ہیں:

"عصمت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لوازم ذات سے نہیں ہے - اور ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں ہو جانے دی ہیں۔ (تفہیمات حصہ دوم ص ۲۴)

کیا نبی کا کوئی حکم یا فیصلہ قابل اعتماد ہو سکتا ہے جبکہ ہر امر دینی کے وقت یہ احتمال موجود ہو کہ شاید اس وقت عصمت اٹھالی گئی ہو حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بعض اجتہادی خطائیں ہوئیں جن پر بعد میں مطلع کر دیا گیا اور خطأ اجتہادی پر بھی ثواب ملتا ہے کوئی گناہ نہیں کہ عصمت کے منافی ہو۔ مودودی صاحب کی عصمت انبیاء علیہم السلام پر دست درازی سے جب مسلمانوں میں ہیجان بپا ہوا تو اپنے دعوی کے اثبات کے لئے اس تاک بزمش نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے گناہوں کی ایک فہرست مرتب کر کے شائع کی، مجھے تو اس میں سے کوئی گستاخی نقل کرنے کی بھی ہمت نہیں، کوئی صاحب بطور نمونہ دیکھنا چاہیں تو تفہیم القرآن میں حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت داؤد، حضرت یونس، حضرت یوسف علیہم السلام کی شان میں اور ترجمان القرآن ج ۲۹ عدد ۴ ص ۵ اور رسائل و مسائل ص ۳۱ ج، طبع دوم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں دریدہ دہنی ملاحظہ فرمالیں، مگر مودودی کی اس عیاری سے ہوشیار رہیں کہ وہ ہر جدید ایڈیشن سے ایسی گستاخی کو چپکے سے اڑا دیتا ہے جو مسلمانوں کے لئے ناقابل تحمل ہو مگر اس سے توبہ کا اعلان نہیں کرتا۔

قرآن غائب

تحریف قرآن سے متعلق شیعہ کی روایات مختلف ہیں، پورے کا پورا قرآن غائب، ۲/۳

مودودی صاحب اور تخریب اسلام ـــــ ۱۵

غائب، تو غائب، شیعہ کے لئے یہ زہر مسلمانوں کے حلق میں اتارنا بہت مشکل تھا مگر دیکھئے مودودی صاحب قرآن ۳/۴ سے زیادہ بلکہ پورا غائب ہونے کے عقیدہ کو کس چابکدستی اور حیل، عیاری و تلبیس کے ذریعہ شوگر کوٹیڈ بنا کر مسلمانوں کی ایک جماعت کو نگلوانے میں کتنی آسانی سے کامیاب ہو گئے ہیں۔ فرماتے ہیں،

"بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ (الٰہ، رب، دین، عبادت) کے وہ اصل معنی جو نزولِ قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے گئے یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لئے خاص ہو گیا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے اصل مدعا کا سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہو گیا...... پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی ہے"

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص ...)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے الفاظ اور مفہوم دونوں کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، ارشاد ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون، دوسری جگہ فرمایا ان علینا جمعہ وقرآنہ فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ ثم ان علینا بیانہ، ان نصوص صریحہ کے خلاف مودودی صاحب کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ روح تو پورے ہی قرآن کی غائب ہے۔

ذرا غور فرمائیں کہ تحریر مذکور پڑھنے والوں پر کیا اثر ہوگا؟ وہ اس سے کیا نتائج اخذ کریں گے؟ اور قرآن واسلام سے متعلق ان کے قلوب میں کیا کیا شکوک وشبہات پیدا ہوں گے؟ کیا اس تحریر کو دیکھنے والا امور ذیل پر غور کرنے کے لئے مجبور نہیں ہوگا؟

(۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت قرآن کا وعدہ غلط اور جھوٹ ہے، نعوذ باللہ من ذلک،

(۲) جب قرآن کی صحیح تعلیم اور حقیقی روح صدیوں سے غائب ہے تو اب چودہ سو سال کے بعد مودودی صاحب کو قرآن کا صحیح علم اور اس کی حقیقی روح کہاں سے مل گئی؟ جب چودہ سو سال تک کے بڑے بڑے مشہور مفسرین، محدثین اور ائمہ دین نے قرآن کو نہیں سمجھا تو آج مودودی صاحب یا کسی اور کی قرآن دانی پر کیسے اعتماد کیا جائے؟ نتیجہ یہ کہ قرآن اور اسلام کی صحیح ترجمانی میں کسی کی رائے بھی قابل اعتماد نہیں، لہٰذا ایسے قرآن اور اسلام ہی کو سلام، نعوذ باللہ من ذلک،

(۳) جب آج تک پوری امت مسلمہ مفہوم قرآن کی حفاظت سے مجرمانہ غفلت میں مبتلا رہی یا

مودودی صاحب اور تخریب اسلام ـــ ۱۰

عمداً مفہوم قرآن کی تحریف میں مصروف رہی تو ایسے مجرم، بددیانت اور دشمنانِ قرآن کے ذریعہ سے پہنچے ہوئے الفاظ قرآن کی صحت کیسے قابلِ اعتماد ہو سکتی ہے؟ پس مفہوم قرآن سے متعلق مودودی صاحب کے عقیدۂ عدم حفاظت پر لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ قرآن کے الفاظ بھی محفوظ نہیں۔

اسی طرح انہی وسائط سے پہنچنے والی احادیث اور پورا اسلام مشکوک اور ناقابلِ اعتماد ٹھہریگا، اللہ تعالیٰ شوقِ اجتہاد کے فتنوں سے امتِ مسلمہ کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

اصول حدیث بکواس ہے

اب حدیث کی تخریب ذرا کلیجہ تھام کر سنئے۔ فرماتے ہیں:

"اصولِ روایت کو تو چھوڑیئے کہ اس دورِ تجدید میں اگلے وقتوں کی بکواس کون سنتا ہے"

(ترجمان القرآن جلد ۱۳ عدد ۳ ص ۱۱)

اور سنیئے:

"آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیثِ رسول جان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے لحاظ سے صحیح قرار دیں لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں۔"

اور آگے فرماتے ہیں:

"دین کا فہم جو ہمیں حاصل ہوا ہے اسکا لحاظ بھی کیا جائے، اور حدیث کی وہ مخصوص روایت جس معاملہ سے متعلق ہے اس معاملہ میں قوی تر ذرائع سے جو سنت سے ثابت ہو ہم کو معلوم ہو اس پر بھی نظر ڈالی جائے، علاوہ بریں اور بھی متعدد پہلو ہیں جن کا لحاظ کئے بغیر ہم کسی حدیث کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دینا درست نہیں سمجھتے۔"		(رسائل و مسائل ص ۹۴ ج ۱)

ذرا جذبۂ تخریب کا اندازہ لگایئے کہ جلیل القدر محدثین اور ائمہ حدیث جنہوں نے حدیث کی تنقیح و تنقید، صحیح و سقیم کی تمیز میں عمریں صرف کیں، جن کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد تھے۔ ہر راوی کی ولادت سے لیکر وفات تک کے مفصل حالات نہ صرف ان کے پاس محفوظ تھے بلکہ زبانی یاد تھے۔ انہوں نے اصولِ روایت اور درایتِ حدیث پر بے شمار ضخیم کتابیں لکھیں اور ایک مستقل فن مدوّن کیا۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے ایک نومولود بچے کو دیکھا اور سالہا سال کے بعد اس کی جوانی یا بڑھاپے کے ایام میں صرف

اُسکے پاؤں دیکھ کر پہچان لیا۔ امام ترمذی آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے اونٹ پر سوار ہو کر تشریف لیجا رہے ہیں، راستہ میں ایک جگہ پر سر جھکا دیا۔ خادم نے سر جھکانے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ یہاں ایک ایسا درخت ہے جس کی شاخیں جھکی ہوئی ہیں اور اونٹ سوار کے سر پر لگتی ہیں، عرض کیا کہ یہاں تو کوئی ایسا درخت نہیں، فرمایا کہ اونٹ یہیں روک دو اور قرب و جوار سے تحقیق کرو۔ اگر کبھی ایسا درخت یہاں نہیں تھا تو ثابت ہوگا کہ میرا حافظہ کمزور ہو گیا ہے لہذا میں آئندہ حدیث بیان کرنا چھوڑ دونگا۔ چنانچہ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعۃً کسی زمانے میں یہاں ایسا درخت تھا تب آگے چلے۔ ان حضرات کے حافظہ کے محیر العقول واقعات کا احصاء متعذر ہے۔ پھر حدیث کی معرفت میں ایک اہم امر یعنی فراست ایمانی و قرب بارگاہِ الٰہی ان میں کس درجہ کا تھا؟ یہ حضرات تدین و تقویٰ کے کیسے تھے انکی عبادت ملائکہ کے لئے باعث رشک تھی۔ ان کی تمام مساعی اور جانفشانیوں کی ایک جنبش قلم سے تخریب کر دی اور انکے مقابلہ میں اپنے نفس کو لا کھڑا کیا۔ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک محدثین کی تصحیح کو قبول کرنا ضروری نہیں، بلکہ اسکول میں پڑھ کر ہم نے جو دین کا فہم حاصل کیا ہے وہ حدیث کی صحت و سقم کا معیار ہوگا۔ اور بھی متعدد پہلو ہیں جن کا اظہار بر وقت کرینگے یعنی جس حدیث کی زد انکے نظریات پر پڑے گی اسے رد کرنے کے لئے فوراً کوئی اصول وضع کر لیا جائے گا۔ اب فرمائیے کہ ان میں اور منکرین حدیث میں کیا فرق رہا؟ منکرین حدیث بھی ہر حدیث کا انکار نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے خود ساختہ اصولوں سے حدیث کو جانچتے ہیں اسکے مطابق ہو تو قبول کرتے ہیں ورنہ نہیں۔ مودودی صاحب کی نظر میں جو محدثین صحیح ہیں ذرا ان کا مقام بھی سن لیں۔

طعن رجال و ہم رجال

فرماتے ہیں:

> احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچتی ہوئی آئی ہیں جن سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمان صحت ہے نہ کہ علم یقین۔
>
> (ترجمان القرآن جلد ۲۶ عدد ۳ صفحہ ۲۶۷)

مطلب یہ کہ اوّل تو حدیث سے کوئی خاص بات ثابت نہیں ہوتی، حد سے حد اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو کچھ گمان صحت ہو سکتا ہے یعنی کچھ خیال ہونے لگتا ہے کہ شاید یہ حدیث صحیح

مودودی صاحب اور تخریب اسلام - ۱۸

ہو وہ بھی جبکہ حدیث سے کچھ ثابت کرنے کی انتہائی کوشش کی جائے۔ الفاظ "حد سے حد" قابلِ توجہ ہیں، اگر کسی بے سند روایت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر نصوصِ صریحہ اور اجماعِ اُمت کے خلاف الزام لگائے گئے ہوں اور ان کی توہین کی گئی ہو تو یہ روایت مفسر اور واجب القبول اور واجب التشہیر ہے۔ ذرا آگے چلئے، صحیح بخاری کی ایک صحیح مرفوع متصل حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یہ محض افسانہ ہے" (رسائل و مسائل ص۳۶ طبع سوم)

حالانکہ اُمت کا اجماعی فیصلہ ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری، امام بخاری کی قوتِ حافظہ، تدین و تقوی اور فنِ حدیث میں مہارت کی تفصیل بیان کرنے کا نہ موقع ہے نہ ضرورت، اس لئے کہ اسے پوری دنیا جانتی ہے کہ آپ نے قبولِ روایت کے لئے بہت سخت شرائط لگائی ہیں۔ راوی کا مروی عنہ سے جب تک لقاء و سماع ان کے ہاں ثابت نہ ہو جائے اُس وقت تک روایت قبول نہیں فرماتے اگرچہ دونوں کا زمانہ ایک ہو اور لقاء و سماع کا امکان بھی ہو امام مسلم جیسے امام بخاری پر اس لئے ناراض ہیں کہ انھوں نے قبولِ روایت میں اتنی شدید قیود کیوں لگائیں؟ پھر قوتِ ضبط و عدالت کے اعلیٰ مقام اور تنقید و تنقیح کے اعلیٰ معیار کے ساتھ یہ معمول تھا کہ ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل فرما کر دو رکعت نماز استخارہ ادا فرماتے تھے۔ بہرکیف یہ تو امام بخاری ہیں مودودی صاحب کی تخریبی تحقیق نے تو حضرات انبیاء علیہم السلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تک کو نہ بخشا

جماعتِ اسلامی کے سوا باقی سب طریقے غلط ہیں

"حنفی، شافعی، دیوبندی، اہلحدیث، بریلوی، شیعہ وغیرہ جہالت کی پیداوار ہیں"

(خطباتِ مودودی ص۱۲۱)

ایک جگہ پوری اُمت کی تخریب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہمارا ایمان ہے کہ اس ایک دعوت اور طریقِ کار کے علاوہ دوسری تمام دعوتیں اور طریقہائے کار سراسر باطل ہیں" (ترجمان القرآن جلد ۲۶ عدد ۳ ص۱۱۲)

یعنی جماعتِ اسلامی کے طریق کے سوا باقی سب طریقہائے کار باطل اور غلط ہیں۔

عہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت سارہ کو بہن کہنا والا قصہ ۱۲ منہ

مودودی صاحب اور تخریب اسلام ۔ ۱۹

جماعت اسلامی کیا چاہتی ہے؟

تخریب ہی تخریب

اپنے طریق کار کی خود وضاحت فرماتے ہیں:

"تخریبی تنقید کے بغیر وہ الفت و شیفتگی دور نہیں کی جا سکتی جو لوگوں کو رائج الوقت تخیلات اور طریقہائے عمل سے طبعی طور پر ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا تخریب کے بغیر یا ناکافی تخریب کے ساتھ ہی تعمیر کا نقشہ پیش کر دینا سراسر نادانی ہے۔"

(ترجمان القرآن جلد ۱۳ عدد ۲ ص ۴)

کیا اتنی واضح اور صریح عبارت کے بعد کسی کو اس میں کوئی شبہ باقی رہ سکتا ہے کہ جماعت اسلامی کیا چاہتی ہے؟ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ان کی تمام تر ساعی و تگ و دو کا مطلب صرف یہ ہے کہ پوری امت کی تخریب کے بعد اپنے جدید اسلام کی نئی تعمیر کریں۔

مذہب مودودی

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"میں نہ مسلک اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت ہی کا پابند ہوں" (رسائل و مسائل جلد ۱ ص ۲۳۴)

اب قابل دریافت یہ امر ہے کہ پھر آپ کیا ہیں؟ تقریباً دوسری تیسری صدی ہجری میں اہل حق میں فروعی اور جزئی مسائل کے حل کرنے میں اختلاف انظار کے نتیجہ میں پانچ مکاتب فکر قائم ہو گئے یعنی مذاہب اربعہ اور اہل حدیث۔ اس زمانے سے لیکر آج تک انہی پانچ طریقوں میں حق کو منحصر سمجھا جاتا رہا۔ مگر اب چودہ سو سال کے بعد یہ جدید حق معرض وجود میں آیا جو ان پانچوں میں کسی کے ساتھ وابستہ نہیں بلکہ ان پانچوں کی تخریب کرتا ہے۔ اپنے سوا تمام تر نظریات اور مسلمانوں کی جملہ جماعتوں کے خیالات اور طریقہائے کار کو باطل بتاتا ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اس جدید اسلام کے اصول فروع، قواعد و ضوابط، آئین اور دستور، کتب و مصنفین، تعلیم و تعلم کے مدارس، مکاتب اور اس اسلام کے حامل و محافظ رجال چودہ سو سال تک کہاں تھے؟ اس سے قبل دنیا میں مکاتب و مدارس، تصانیف اور اصول و ضوابط اور پورا نظام اسلام تو ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو (معاذ اللہ) سراسر غلطی پر تھے، تو ایسے اسلام پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

مودودی صاحب اور تخریب اسلام ص ۲۰

جس کا چودہ سو سال تک کوئی صحیح محافظ پیدا ہی نہیں ہوا اور اسکے اصول و ضوابط، مدارس، مکاتب، تصانیف و علماء وجود ہی میں نہیں آئے۔ اب جدید اسلام کی تدوین کے صرف دو ہی راستے ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ یہ جدید اسلام حقیقت میں تجدید ہے اس قدیم اسلام کی جو چودہ سو سال قبل اس دنیا میں آیا تھا تو اس پر یہ اشکال ہوگا کہ مودودی صاحب کو چودہ سو سال قبل کے اسلام کا علم کیسے ہوا؟ جبکہ اس کو سمجھنے والا کوئی دنیا میں گزرا ہی نہیں، دوسرا راستہ یہ ہو سکتا ہے کہ بالکل ہی جدید اسلام مدون کیا جائے جو پہلے کبھی وجود میں نہ آیا ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں مگر یاد رہے کہ ایسے جدید اسلام کی کتنی عالیشان تعمیرات کو قدیم اسلام کے معمار نے کھنڈروں میں تبدیل کر دیا ہے ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

تقلید گناہ سے بھی بدتر ہے

ایک اور تخریبی فتویٰ سنئیے:

"میرے نزدیک صاحب علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز ہے۔" (رسائل و مسائل جلد ۱ صفحہ ۲۴۴)

اس سے قبل صفحہ ۲۱ پر وضاحت کی ہے کہ اہل حدیث بھی مقلد ہیں، غور فرمائیے کہ پوری امت کے محدثین، ائمہ دین، متکلمین، فقہاء، علماء، صوفیا اور بزرگان دین جنمیں اہل حدیث بھی داخل ہیں یہ سب کے سب گناہ سے بھی شدید تر چیز میں مبتلا رہے ہیں بلکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی کم علم والے حضرات زیادہ علم والوں کی تقلید کیا کرتے تھے تو انکے نزدیک (معاذ اللہ) وہ بھی مسلمان نہیں، گناہ سے شدید تر تو صرف کفر ہی ہو سکتا ہے۔ تعجب ہے کہ یہاں صراحۃً کفر کا فتویٰ لگانے کی جرأت کیوں نہ ہوئی! جبکہ کئی دوسرے مواضع میں اسکی تصریح کر چکے ہیں کہ ان کے سوا دنیا میں کوئی مسلمان نہیں۔

جدید اسلام کی تعمیر

پوری امت مسلمہ کی تخریب کے بعد اب جدید اسلام کی تعمیر ملاحظہ ہو:

"اسلام بغیر جماعت کے نہیں اور جماعت بغیر امیر کے نہیں" (جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع صفحہ ۱۲)

لہٰذا جب تک آپ جماعت اسلامی میں داخل نہیں ہو جاتے مسلمان نہیں ہو سکتے، اسلام بغیر جماعت کے نہیں، اور جماعت بغیر امیر کے نہیں، تیسرا مقدمہ محذوف مستوی ہے جیسے بیرونی

مودودی صاحب اور تخریب اسلام ۔ ۲۱

لوگوں کی بنسبت ارکان دولت زیادہ جانتے ہیں۔ اب آگے امیر کا مقام سنیئے۔

امیر کا مقام

فرماتے ہیں:

"بعض مقامی جماعتوں کے ارکان مقامی امیر کو صدر انجمن سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتے ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ جب انہوں نے اپنے میں سے ایک آدمی کو اہل تر سمجھ کر صاحب امر منتخب کیا ہے تو ان پر واجب ہے کہ معروف میں اس کی اطاعت کریں اور اس کی نافرمانی کو گناہ جانیں۔"

(ترجمان جلد ۲۶ عدد ۳ ص۱۸۵)

جماعت اسلامی کے دستور میں بھی یہ دفعہ موجود ہے کہ "امور شرعیہ میں امیر کی رائے واجب القبول ہے" خیال فرمایئے کہ کسی صحابی یا امام کی تقلید تو گناہ کبیرہ بلکہ کفر ہے اور امیر جماعت اسلامی کی تقلید فرض ہے ان کے دستور میں ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ "سوائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو تنقید سے بالا نہ سمجھے اور کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔" اولاً تو تو ہین کی غرض سے تقلید کو ذہنی غلامی سے تعبیر کر رہے ہیں حالانکہ غلامی اور تقلید میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ثانیاً صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تنقید سے بلند سمجھنا اور ان کی تقلید جائز نہیں مگر امیر جماعت پر تنقید کی اجازت نہیں، اس کی اطاعت ضروری، تقلید فرض اور نافرمانی گناہ ہے اسکا جواب اور جواب الجواب اسی تحریر کے آخر میں ملاحظہ ہو۔

تقلید اور غلامی میں فرق

غلامی میں اطاعت کا تعلق مالک کی ذات کے ساتھ متعلق ہوتا ہے خواہ اس میں کوئی بھی صفت کمال نہ ہو بہر حال اسکا ہر حکم غلام کے لئے واجب العمل ہوتا ہے اس کے برعکس تقلید کمال علم وتفضل کی بنا پر ہوتی ہے۔ نیز غلامی میں امر ونہی کا صدور مالک کی طرف سے سمجھا جاتا ہے بخلاف تقلید کے کہ اس میں حکم کا صدور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اسکا ظہور مجتہدین سے ہوتا ہے یعنی مجتہد خود حکم نہیں دے رہا بلکہ حکم شریعت کا ناقل ہے

حکمت عملی

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو کسی مصلحت کی بنا پر محض اپنی رائے سے حکم خداوندی کے

رہنے کے مجوز نہیں مگر امیر صاحب حکمت عملی کے عنوان سے دین میں مستقل باب کا اضافہ کر کے قرآن و حدیث کے جس حکم کو چاہیں بدل سکتے ہیں۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر سکتے ہیں چنانچہ کسی مقدس شخصیت یا مقدس مکان سے وابستگی کی وجہ سے کسی چیز کو مقدس سمجھنا ان کے ہاں شرک ہے مگر پاکستان میں بننے والے غلاف کعبہ جسے ابھی وابستگی کا شرف حاصل ہی نہیں ہوا تھا اسے حکمت عملی کے تحت جماعت اسلامی کے ذمہ داروں کی نگرانی میں لوگوں نے چومنے لئے حکمت عملی نے شرک جیسے جرم کو بھی جائز بنا دیا۔ اس کی پاداش بھی دنیا ہی میں مل گئی کہ وہ غلاف مطلب کعبہ سے محروم ہی رہا۔ حکومت سعودیہ کو دین کے اس مذاق اور استہزاء کا علم ہوا تو خانہ کعبہ پر یہ غلاف چڑھانے سے روک دیا۔ مودودی صاحب کی ساری کوششوں پر پانی پھر گیا اور فرح و سرور، رنج و غم سے بدل گیا۔ اسی طرح مودودی صاحب انتخابی جدوجہد صفحہ ۳۲ پر فرماتے ہیں:

"صدر مملکت مرد ہونا چاہئیے چونکہ قرآن کہتا ہے الرجال قوامون علی النساء"

اور ترجمان القرآن میں فرماتے ہیں:

"ذرائع احادیث نبوی سیاست و ملکی امور عورت کے دائرہ عمل سے خارج ہے"

(ترجمان القرآن بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۵۲ء)

مودودی صاحب نے عورت کے صدر مملکت نہ ہو سکنے سے متعلق قرآن و حدیث کی خود صراحت نقل کر کے سنہ ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخابات میں فاطمہ جناح کی حمایت کی، اور حکمت عملی کے خانہ ساز قانون کے تحت قرآن و حدیث کے صریح قانون کی مخالفت کی۔

اوپر ہم پوری امت کی تخریب کے عزائم سے متعلق صریح عبارات پیش کر چکے ہیں۔ اب اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

(۵) مودودی صاحب اور ارکان اسلام

پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ عبادات دین میں اصل مقصود ہیں اور حکومت اسلامیہ اس مقصود کی تحصیل کا ذریعہ ہے مگر مودودی صاحب اس اجماعی عقیدہ کے بالکل برعکس اسکے قائل ہیں کہ دین کا اصل مقصد حکومت اسلامی قائم کرنا ہے اور عبادات سب کی سب اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں (خطبات صفحہ ۲۳۶) ایسی

اُن کی تحقیق کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت قائم ہو جانے کے بعد نماز روزہ وغیرہ عبادات کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب مقصد پورا ہو گیا تو ذرائع کی کیا حاجت؟

(۲) مودودی صاحب اور مرکز اسلام

مودودی صاحب کعبۃ اللہ کے خدام کو مجاوروں اور برہمن کے پنڈت سمجھتے ہیں۔

(خطبات مودودی ص۲۳)

(۳) مودودی صاحب اور ڈاڑھی

ڈاڑھی سے متعلق حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ "بڑھاؤ" اور پوری اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ ڈاڑھی ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے مگر مودودی صاحب نے ڈاڑھی کٹوانے کے جواز کا فتویٰ دیکر پوری اُمت کی تخریب کی اس سے بھی بڑھ کر یہ فرمانے کی جرأت کر بیٹھے کہ حدیث میں صرف ڈاڑھی رکھنے کا حکم ہے۔ جتنی بھی رکھ لی جائے حدیث پر عمل ہو جائے گا، یہ دیدہ و دانستہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر کھلا ہوا بہتان ہے کسی حدیث میں بھی یہ نہیں کہ ڈاڑھی رکھو خواہ کتنی ہی ہو، بلکہ احادیث میں "ڈاڑھی بڑھاؤ، چھوڑو، زیادہ کرو" جیسے الفاظ ہیں۔ کتنی جرأت ہے کہ "من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار" جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا اُسکا ٹھکانہ جہنم ہے" کی بھی پرواہ نہ کی۔

(۴) مودودی صاحب اور زکوٰۃ

زکوٰۃ اور صدقات کے بارے میں قرآن مجید کا حکم ہے کہ فقراء و مساکین کو مالک بناؤ اور اس پر پوری اُمت کا اجماع ہے کہ بغیر تملیک فقیر کے زکوٰۃ و صدقات واجبہ ادا نہیں ہونگے مگر مودودی صاحب پوری اُمت کے خلاف فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور چرم قربانی کی رقم ہمارے قبضہ میں آجانا کافی ہے۔ آگے خواہ اس سے ہم شفاخانے چلائیں یا ڈاکٹروں کو تنخواہ دیں یا گاڑیاں خریدیں یا تعمیرات پر صرف کریں یا الیکشن لڑیں۔ مگر واضح رہے کہ اس طرح نہ صدقۂ فطر ادا ہوگا، نہ کسی کی زکوٰۃ ادا ہوگی نہ چرم قربانی کی رقم کا تصدق واجب ادا ہوگا۔

سلہ رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۱۸۵-۱۸۶

مودودی صاحب اور تخریب اسلام - ۲۴

⑤ مودودی صاحب اور جمع بین الاختین

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت قرآن کریم میں مصرح ہے اور اس منصوص قرآنی پر پوری اُمت کا اجماع ہے مگر مودودی صاحب اور انکے معتقدین جو تخریب اُمت کے بہانے تلاش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں ان کو اس مسئلہ میں کوئی بہانہ ہاتھ نہ آیا تو ایک مفروضہ خود گھڑ کر بصورت استفتاء پیش کیا کہ بہاولپور میں دو لڑکیاں جڑواں ہیں ان کے نکاح کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اسکے جواب میں مودودی صاحب قرآن کریم کے صریح حکم اور اجماع اُمت کے خلاف ان دونوں بہنوں کے ایک ہی مرد سے نکاح کے جواز کا فتویٰ صادر فرماتے ہیں (ترجمان القرآن نومبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۲۱) حالانکہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ بہاولپور میں ایسی لڑکیاں نہیں ہیں۔

⑥ مودودی صاحب اور متعہ

متعہ کی حرمت پر قرآن حکیم کی نصوص صریحہ موجود ہیں اور اُمت کا اجماع ہے بلکہ محققین کا نظریہ تو یہ ہے کہ اسلام میں متعہ مروجہ ایک آن کے لئے بھی حلال نہیں ہوا، مکہ میں نازل شدہ صریح آیات کے خلاف مدینہ پہنچ کر اجازت کیسے مل گئی؟ جن احادیث سے عارضی طور پر چند ایام کے لئے جواز مفہوم ہوتا ہے ان سے متعہ مروجہ مراد نہیں بلکہ نکاح بمہر قلیل باضمار نیت فرقت مراد ہے۔ یہ اجازت بھی بعد میں منسوخ ہو گئی۔ بہرکیف حقیقت کچھ بھی ہو اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ متعہ قیامت تک کے لئے حرام کر دیا گیا ہے مگر پوری اُمت اور نصوص قرآنیہ کے خلاف مودودی صاحب نے ترجمان القرآن بابت اگست سنہ ۱۹۵۵ء میں بوقت ضرورت جواز متعہ کا فتویٰ شائع فرما دیا، پھر جب اس پر چاروں طرف سے لے دے شروع ہوئی تو فرماتے ہیں کہ میں نے تو شیعہ کو یہ مشورہ دیا تھا، حالانکہ ہر شخص مودودی صاحب کا پہلا مضمون دیکھ کر یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ انھوں نے یہ مضمون اہل سنت اور شیعہ کے درمیان محاکمہ کے طور پر تحریر کیا ہے۔ راقم الحروف کے علم میں جماعت اسلامی کے ایسے لوگ ہیں جو مودودی صاحب کے بیان بدلنے سے قبل بلا جھجک حرام متعہ کا بعض ائمہ سے جواز ثابت کرنے میں مصروف تھے۔

⑦ مودودی صاحب اور دجال

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے قبل خروج دجال کی پیشگوئی فرمائی ہے اگر

پیشگوئی کے صدق پر پوری اُمت کا اجماع ہے، کسی مسلمان کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے صدق میں شبہ تو کیا وہ اسکا وسوسہ لانے کو بھی کفر سمجھتا ہے مگر مودودی صاحب کی مطلق تخریب میں اندیہ دیدنی ملاحظہ فرمائیں۔

رسائل و مسائل صفحہ ۵۵ تا ۵۷ میں مزاحیہ انداز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کی تکذیب کی ہے، ذرا اس عدوِ اسلام کی قوت استدلال کا بھی اندازہ لگائیں رسائل و مسائل میں فرماتے ہیں کہ ساڑھے تیرہ سو سال گزرنے پر بھی دجال ظاہر نہیں ہوا اس سے اس کی حقیقت واضح ہو گئی۔ سبحان اللہ کیسی دلیل ہے، اگر شیطان نے یہی دلیل انکار قیامت سے متعلق بھی القاء کر دی تو مودودی صاحب فرمائیں گے کہ دیکھا چودہ سو سال گزرنے پر بھی قیامت نہیں آئی، اس سے ثابت ہوا کہ قیامت کا خیال محض افسانہ ہے اور آیت "اقتربت الساعۃ" انہی افسانہ نویسوں کا اختراع ہے۔

⑨ مودودی صاحب اور تقیہ

مودودی صاحب نے تقیہ میں حیرت انگیز کردار ادا کیا کہ لفظ تقیہ میں بھی تقیہ سے کام لیکر اس کے لئے "حکمت عملی" کی جدید اصطلاح وضع کی پھر جواز تقیہ پر استدلال کے لئے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر افترا باندھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی۔ ترجمان القرآن بابت دسمبر سنہ ۱۹۵۶ء میں حکمت عملی (تقیہ) کا ثبوت یوں پیش کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حکمت عملی (تقیہ) کے تحت قرآنی مساوات کے خلاف "الائمۃ من قریش" کا فیصلہ فرمایا۔

غور طلب

مندرجہ ذیل عقائد مذہب شیعہ کا شعار اور مایۂ الامتیاز ہیں:

(۱) تحریف قرآن
(۲) بغض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
(۳) سلف صالحین کو گمراہ قرار دینا اور ان کو ہدف ملامت بنانا
(۴) متعہ
(۵) تقیہ

مودودی صاحب اور تخریب اسلام ۳۹۰

مودودی صاحب ان پانچوں عقائد میں شیعہ سے متفق ہیں۔ مودودی صاحب کی عبارت سے ان کا عقیدۂ تحریف قرآن معنوی صراحۃً اور تحریف لفظی لزوماً ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں، مسئلہ متعہ پر چاروں طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی تو تقیۃً اسے گول کر دیا اور تقیہ میں بھی یوں تقیہ کیا کہ اسکا نام بدلکر حکمت عملی رکھدیا۔ شیعہ مذہب میں تقیہ اسلام کا اتنا ضروری رکن ہے کہ بدون تقیہ اسلام قبول نہیں، اسی لئے مسلمان امام کے پیچھے صف اول میں شیعہ کا نماز پڑھنا ثواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے کے برابر ہے جب اسی قسم کے پکے تقیہ باز شیعہ ۳۱۳ ہو جائیں گے تو امام مہدی غار سے نکلیں گے۔

(حوالجات بندہ کے رسالہ حقیقت شیعہ میں ملاحظہ فرمائیں)

مودودی صاحب کے عقائد بالا کو دیکھکر یہ شبہ ہوتا ہے کہ کہیں آپ بھی ان ۳۱۳ میں سے تو نہیں، بعض قابل اعتماد ذرائع سے انکشاف ہوا ہے کہ مودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" مشہور شیعہ مطہر حلی کی عربی کتاب "منہاج الکرامۃ معرفۃ الامامۃ" کا ترجمہ ہے۔

مودودی صاحب شیعہ رہنماؤں کی نظر میں

(۱) شیعہ ماہنامہ پیام عمل لاہور دسمبر ۱۹۶۲ء میں عنوان "کیا صحابہ معیار حق ہیں" کے تحت دستور جماعت اسلامی کی وہ دفعہ جس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے معیار حق نہ ہونے کا بیان ہے پیش کر کے لکھا ہے:

"یہی تو ہم بھی کہتے ہیں اور یہی ہمارا سب سے بڑا جرم سمجھا جاتا ہے۔" (پیام عمل ص۲۱)

پھر عنوان "صحابہ مرجع نہیں" کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متعلق مودودی صاحب کی ایک عبارت ترجمان القرآن نومبر سنہ ۱۹۶۲ء سے نقل کر کے لکھا ہے:

"پھر شیعہ کیوں قابل گردن زدنی سمجھے جاتے ہیں۔" (پیام عمل)

(۲) تہران میں شیعہ ادارے مودودی صاحب کی کتابوں کے فارسی تراجم چھاپ رہے ہیں۔

(۳) خمینی کا علانیہ کفر، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے انتہائی بغض و عداوت اور انکی شان میں بہت سخت گستاخیاں کسی پر مخفی نہیں، وہ اپنی کفریات کو بذریعہ تقیہ چھپاتا نہیں بلکہ اپنی کتابوں کے ذریعہ دنیا بھر میں شائع کر رہا ہے۔

ایسے زندیق کے ساتھ مودودی صاحب کی دلی محبت، گہری دوستی اور بہت مستحکم روابط و تعلقات

بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، خود ان کے صاحبزادے اور جماعت کے دوسرے رہنما انکی باہم گہری دوستی کو بہت فخر سے بیان کرتے ہیں، اخبار و رسائل مستقل کتابوں کے ذریعہ خوب اچھال چکے ہیں، یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں اور دنیا بھر میں ایسی مسلم و مشہور ہے کہ اس کے اثبات کے لئے شواہد پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں، تاہم عالم دنیا سے بے خبر حضرات کے لئے مودودی صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر احمد فاروق کی شہادت نقل کی جاتی ہے:

"سب سے پہلے مجھے ایران کے سفیر کو فون موصول ہوا تھا، انھوں نے پیشکش کی تھی کہ وہ میت کو لاہور پہنچانے کے تمام انتظامات کرنے کو تیار ہیں، ہم علامہ خمینی، ایرانی سفیر اور ایرانی عوام کے شکرگزار ہیں، علامہ خمینی کے ساتھ مولانا مودودی کے دیرینہ تعلقات تھے، علامہ خمینی نے ۱۹۶۳ء میں مولانا مرحوم کی متعدد کتابوں کا فارسی ترجمہ کرکے انھیں اپنے مدرسہ کے نصاب میں شامل کیا تھا، ۱۹۶۳ء میں انھوں نے حج کے موقع پر مکہ میں مولانا مرحوم سے ملاقات کی، اگر ایرانی طیارہ کا تعاون حاصل کرلیا جاتا تو تہران میں نماز جنازہ ہوتی جس میں علامہ خمینی بھی شرکت کرتے" (روزنامہ جنگ، ۲۸ ستمبر ۱۹۷۹ء)

مزید تفصیل نیز انکشافات کتب ذیل میں دیکھئے:

(۱) الشقیقان، المودودی والخمینی، المجلس العالمی لصیانۃ الاسلام کراتشی الباکستان۔

(۲) دو بھائی، ابوالاعلیٰ مودودی اور امام خمینی، عالمی مجلس تحفظ اسلام کراچی پاکستان۔

(۳) سفرنامہ ایران، سید اسعد گیلانی مکتبہ اردو ڈائجسٹ۔

(۴) انقلاب ایران، سید اسعد گیلانی۔

مودودی صاحب اور اعتزال

اہل سنت کے تمام مسالک اس پر متفق ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی درجہ نہیں۔ ہر انسان یا مسلمان ہوگا یا کافر۔ اہل سنت کے خلاف صرف معتزلہ اسکے قائل ہیں کہ انسان ایمان اور کفر کے درمیان معلق بھی ہو سکتا ہے بعینہ یہی عقیدہ مودودی صاحب کا ہے، چنانچہ آپ نے لاہوری مرزائیوں کو بھی ایمان اور کفر کے درمیان لٹکا رکھا ہے جبکہ تمام اہل سنت کے علاوہ اہل بدعت اور شیعہ تک بھی ان کے کفر پر متفق ہیں۔

———— مودودی صاحب کی تحریر کا عکس آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

مودودی صاحب اور تخریب اسلام۔ ۲۰

مودودی صاحب کی مندرجہ ذیل تحریر پڑھ کر فیصلہ کیجئے
کہ یہ اہلِ سنّت ہیں یا معتزلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فون نمبر ۶۰۰۹۰

جماعت اسلامی پاکستان

۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

حوالہ 227

تاریخ ۱۰-۹-68

محترمی و مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط ملا۔ مرزائیوں کی لاہوری جماعت کفر و اسلام کے درمیان معلق ہے۔ یہ تو ایک متنبی نبوت سے بالکل براءت ہی ظاہر کرتی ہے کہ اس کے افراد کو مسلمان قرار دیا جا سکے۔ نہ اس کی نبوت کا صاف اقرار ہی کرتی ہے کہ اس کی تکفیر کی جا سکے۔

خاکسار
غلام علی
معاون خصوصی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

یہ جواب میری ہدایات کے مطابق ہے

ابوالاعلیٰ

کیا مودودی صاحب مذہب اہل سنت پر ہیں؟

اللہ تعالیٰ سورۂ حشر میں مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذکر خیر کے بعد آئندہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ "وہ اپنے اسلاف کے لئے دعاء مغفرت اور اُن کے ساتھ بغض سے حفاظت کی دُعاء کرتے ہیں" اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے بعد اُن پر طعن نہ کرو، کیونکہ جس نے اُن سے محبت کی میری محبت کی وجہ سے کی، اور جس نے اُن سے بغض رکھا میرے بغض کی وجہ سے رکھا، اور جس نے اُن کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھے ایذاء پہنچائی، اور جس نے مجھے ایذاء پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچائی وہ اس کی گرفت سے بعید نہیں۔" (جمع الفوائد ص ۲۰۹ ج ۲)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ جب تم میرے صحابہ کو بُرا کہنے والوں کو دیکھو تو تم یوں کہو کہ تمہارے بُرے پر اللہ کی لعنت۔ (ترمذی ص ۲۲۵ ج ۲)

تفسیر قرطبی سورۃ الفتح میں یہ حدیث منقول ہے کہ جس نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بُرا کہا اس پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ بروز قیامت نہ ہی اُن کی توبہ قبول فرمائیں گے اور نہ فدیہ اھ۔ ان ارشادات اور اسی مضمون کی اور بہت سی آیات و احادیث کی بناء پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے کہ سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ محبت فرض ہے، اور ان میں سے کسی ایک کو بھی بُرا کہنے والے کا ایمان خطرہ میں ہے، چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

(۱) شرح عقائد نسفی میں اسلام کا ایک عقیدہ یہ بھی لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر بجز خیر کے نہ کرے۔

(۲) علامہ سید جرجانی فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعظیم اور اُن پر اعتراض سے احتراز واجب ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے مقامات میں اُن کی مدح و ثناء فرمائی ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے محبت فرماتے تھے، اور آپ نے بہت سی احادیث میں اُن کی تعریف فرمائی ہے۔ (شرح مواقف مقصد سابع)

(۳) علامہ سفارینی رحمہ اللہ تعالیٰ "الدرۃ المضیئۃ" اور اس کی شرح "لوامع الانوار البہیۃ" میں فرماتے ہیں کہ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ ہر شخص پر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پاک صاف سمجھنا اور اُن پر اعتراض سے بچنا اور اُن کی تعریف کرنا فرض ہے، اور یہ پوری اُمت کا مذہب ہے۔ (شرح عقیدۂ سفارینی ص ۳۳۶ ج ۲)

④ علامہ سفارینی رحمہ اللہ تعالیٰ اسی کتاب کے ایک اور مقام میں فرماتے ہیں: اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت رکھنا اور ان کے آپس میں جو واقعات پیش آئے ان کو لکھنے پڑھنے پڑھانے سننے اور سنانے سے احتراز کرنا اور ان کے محاسن کا ذکر، ان سے رضا مندی کا اظہار، ان سے محبت رکھنا اور ان پر اعتراض سے بچنا فرض ہے۔ (شرح عقیدۂ سفارینی صفحہ ۳۸۹ ج ۲)

⑤ امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اہل سنت کا عقیدہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جرحاً پاک صاف سمجھنا، ان پر اعتراض سے بچنا اور ان کی تعریف کرنا ہے (مسامرہ ص ۳۲)

⑥ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ امام ابوزرعہ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب کسی کو کسی بھی صحابی کی تنقیص کرتے دیکھو تو یقین کرلو کہ یہ زندیق ہے، اس لئے کہ قرآن، حدیث اور پورا دین ہم تک صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واسطے سے پہنچا ہے، پس جو صحابہ پر تنقید کرتا ہے وہ پورے دین کو باطل کرنا چاہتا ہے، لہٰذا اس پر گمراہی اور زندقہ کا حکم لگانا بلکل حق ہے (شرح عقیدۂ سفارینی، ص ۳۸۹ ج ۲)

⑦ امام ابن صلاح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قرآن، حدیث اور اجماع امت سے یہ امر طے شدہ ہے کہ کسی صحابی کی پاکیزگی کے بارے میں سوال کی بھی گنجائش نہیں (علوم الحدیث صفحہ ۲۶۴)

⑧ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اہل سنت کے بنیادی عقائد میں سے اپنے دلوں اور زبانوں کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں صاف رکھنا ہے (شرح عقیدۂ واسطیہ صفحہ ۴۰۳)

⑨ حافظ ابن تیمیہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل فرماتے ہیں: کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کوئی برائی بیان کرے یا کسی ایک پر کسی عیب کا الزام لگائے، جو ایسا کرے اس کو سزا دینا واجب ہے، لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برائی کرتے ہیں، جو شخص صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی برائی کرے اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔ (الصارم المسلول)

⑩ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کے قلب میں کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض ہو وہ حکم الٰہی ذالک مثلہم (الیٰ قولہ) لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ کی زد میں ہے، اور فرمایا کہ ان لوگوں کا اصل مقصد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص تو ہے ہی مگر اس کی جرأت نہ ہوئی تو آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تنقیص کرکے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس کے صحابہ ایسے رہے ہیں وہ خود بھی ایسے ہی ہوں گے۔ (الصارم المسلول)

مودودی صاحب اور تخریب اسلام ص ۴۱

(۱۱) ابراہیم بن میسرہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کو کبھی کسی کو خود مارتے نہیں دیکھا، مگر ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہا تو اس کو انھوں نے خود کوڑے لگائے۔ (الصارم المسلول)

(۱۲) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بغض رکھے یا اُن میں سے کسی ایک کی برائی کرے اس کے لئے عذاب الیم ہے، جو اُن حضرات کو برا کہتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے اُن کو قرآن پر ایمان سے کیا واسطہ؟ (تفسیر ابن کثیر)

(۱۳) امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس نے کسی ایک صحابی کی بھی برائی کی خواہ وہ ابوبکر، عمر، عثمان ہوں یا معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تو اگر وہ یہ کہے کہ یہ حضرات گمراہی یا کفر پر تھے تو اس کو قتل کیا جائے گا، اور اگر اس کے سوا کوئی اور برائی کی تو اس کو بہت سخت سزا دی جائیگی۔ (مکتوبات امام ربانی ص ۱۴۷ دفتر اول)

(۱۴) امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں الیقین کیجئے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی برائی کرنا حرام ہے اور بہت بڑا گناہ ہے، اور ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ سزا دی جائے، اور بعض مالکیہ فرماتے ہیں کہ قتل کیا جائے (نووی علی مسلم ص ۳۱۰ ج ۲)

شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے کسی ایک کی برائی کرنے والے کے لئے احناف بھی قتل کا حکم دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا تصریحات کے بعد کسی بھی انصاف پسند کو اس فیصلہ میں کوئی تردد نہیں رہیگا کہ مودودی صاحب اہل سنت میں سے نہیں، نیز یہ بھی فیصلہ کر سکتا ہے کہ شرعی عدالت میں اُن کی سزا کیا ہے؟

مودودی صاحب سے صرف دو سوال

ہم آخر میں مودودی صاحب سے صرف دو سوالوں کا جواب چاہتے ہیں۔

(۱) آپ کا طریق فکر، اصول روایت اور جدید اسلام کے قواعد و ضوابط اور اس طریق کے حافظ و حامل رجال کا سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کی نشاندہی فرمائیں کہ کون کونسی کتب علما رمدار ہیں اور کونسی فقہ آپ کے خیالات کی ترجمانی کر رہی ہے؟ اگر یہ دعویٰ کریں کہ ہم نے یہ نظریات کتابوں سے لئے ہیں تو یہ اصول مشاہد و مسلم اور

متفق علیہ ہے کہ دنیا کا کوئی فن بھی ماہرین فن کی صحبت اور تربیت کے بغیر صرف مطالعۂ کتب سے حاصل نہیں ہو سکتا تو دین کا فہم اس اصول سے کیوں مستثنیٰ ہے؟ اور اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر اسلام کے قواعد و ضوابط کی تدوین و تشریح جو دہ سو سال تک ہوتی رہی وہ کیسے قابل اعتماد ہو سکتا ہے!

(۲) جب کسی صحابی کی تقلید بھی جائز نہیں بلکہ گناہ شدید تر ہے تو آپ اپنی اطاعت اور تقلید کیوں واجب قرار دے رہے ہیں!

ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ صرف اُمورِ انتظامیہ میں امیر کی اطاعت لازم ہے اس لیے کہ اس کے سوا نظم چل ہی نہیں سکتا تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہی علت تقلید میں بھی موجود ہے اس ہوا پرستی کے دور میں ہر مدعی علم کو اگر اجتہاد کی اجازت دیدی جائے تو سارا دین منہدم ہو جائیگا

اب نمبروار سوالات کے جوابات ملاحظہ ہوں:

(۱) جماعت اسلامی اہل سنت سے خارج ہے اور اپنے مخصوص عقائد کی وجہ سے عام مسلمانوں سے الگ ایک مستقل فرقہ ہے۔

(۲) ان کے ساتھ کسی قسم کا تعاون جائز نہیں۔

(۳) ان میں رشتے کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ نکاح صحیح ہو جائے گا۔

(۴) ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں، اگر کسی مسجد میں اس عقیدہ کا امام ہو تو منتظم حضرات پر اسے علیحدہ کرنے کی کوشش کرنا فرض ہے، اگر مسجد کی منتظمہ امام بدلنے پر تیار نہ ہو تو اہل محلہ پر فرض ہے کہ ایسی منتظمہ کو برطرف کر کے دوسری صحیح العقیدہ منتظمہ منتخب کریں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھیں اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھیں

اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین آمین

۲۸ صفر سنہ ۱۳۸۶ھ

معذرت

میں نے اس مضمون پر نظر ثانی کے وقت چاہا کہ مودودی صاحب کی تصنیف کو کچھ مزید دیکھ لیا جائے، مگر جیسے دیکھنا شروع کیا تو خرافات کے اتنے بڑے انبار نظر آئے کہ ہر ایک میں سے بطور نمونہ بھی کچھ تھوڑا سا حصہ نقل کیا جائے تو اس کے لئے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت پڑے گی، اس لئے آگے دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

مودودی صاحب اور تخریب اسلام – ۲۳

جماعت اسلامی

کے افراد کے لئے لمحۂ فکریہ

(۱) کیا جماعت میں داخل ہونے سے پہلے بھی حضرات صحابۂ کرام بالخصوص حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متعلق آپ کو یہ بدظنی تھی جو اب ہے ____________ ؟

(۲) علماء امت کے بارے میں جو بدگمانی آپ کو اب ہے کیا وہ جماعت میں داخل ہونے سے پہلے بھی تھی ؟

(۳) کیا آپ جماعت اسلامی کے سوا مسلمانوں کے سب مسالک کو پہلے بھی غلط سمجھتے تھے ____________ ؟

اگر سب جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہوگا تو انصاف سے بتائیے کہ کیا جماعت اسلامی عام مسلمانوں سے الگ ایک نیا مستقل مذہب نہیں جس کا پہلے کوئی وجود نہ تھا ؟ اور کیا آپ خود بھی پہلے کو عام مسلمانوں سے الگ نہیں سمجھ رہے — ؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر نئے مذہب کے فتنے سے محفوظ رکھیں اور پہلے قدیم دین پر قائم رکھیں۔ آمین

— رشید احمد

۶ ذی قعدہ سنہ ۹۶ ہجری

نیل الفضیلة
بسؤال الوسیلة

وسیلہ کا ثبوت

سوال: توسل بالانبیاء والاولیاء جائز ہے یا نہیں؟ نیز توسل بالاحیاء والاموات اور توسل بالذوات والاعمال میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ مدلل بیان فرمائیں، ولاجر عند اللہ الکریم۔

الجواب باسم ملہم الصواب

توسل خواہ احیاء سے ہو یا اموات سے، ذوات سے ہو یا اعمال سے، اپنے اعمال سے ہو یا غیر کے اعمال سے، بہرحال اس کی حقیقت اور ان سب صورتوں کا مرجع توسل برحمۃ اللہ تعالیٰ ہے، بایں طور کہ فلاں مقبول بندہ پر جو رحمت ہے اسکے توسل سے دعا کرتا ہوں یا فلاں نیک عمل اپنا یا غیر کا جو محض آپ کی عطا اور رحمت ہے اس سے توسل کرتا ہوں۔ چونکہ توسل بالرحمۃ کے جواز بلکہ اقرب للقبول ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور یہ سب صور مذکورہ کو شامل ہے لہٰذا توسل کی مذکورۃ فی السؤال سب صورتیں جائز ہیں۔

هنالك دعا زكريا ربه میں حضرت زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم علیہا السلام پر رحمت سے توسل اور آپ کی دعا کا قبول ہونا مذکور ہے، اصحاب غار نے اپنے اعمال کے توسل سے دعا کی اور غار سے نجات پائی، اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ یا اللہ! آپ کی جس رحمت نے ہمیں فلاں عمل صالح کی توفیق عطا فرمائی اس رحمت کے توسل سے دعا کرتے ہیں۔ توسل کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد اس کی تفصیلات ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں، معہذا چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل یہود آپ کے توسل سے مشرکین پر فتح و نصرت کی دعائیں کیا کرتے تھے۔ ولما جاءهم كتب من عند الله مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ نزلت في بني قريظة والنضير كانوا يستفتحون على الاوس والخزرج برسول الله صلى الله عليه وسلم قبل مبعثه قاله ابن عباس رضي الله تعالى عنهما وقتادة والمعنى يطلبون من الله تعالى ان ينصرهم به على المشركين كما روى السدي انهم كانوا اذا اشتد الحرب بينهم وبين المشركين اخرجوا التوراة ووضعوا ايديهم على موضع ذكر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وقالوا اللهم انا نسألك بحق نبيك الذي وعدتنا ان تبعثه في آخر الزمان ان تنصرنا

ذیل الفضیلۃ ——— ۲

(۴) وقد کتب شیخنا المذکور رسالۃ مستقلۃ فیھا التفصیل من اراد فلیراجع الیھا وذکر فیھا حدیث البیہقی وابن ابی شیبۃ عن مالک الدار قال اصاب الناس قحط فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ فجاء رجل الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم   استسق اللہ لامتک فانھم قد ھلکوا فاتاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی منامہ فقال ائت عمر فاقرأہ السلام واخبرہ و القصۃ مذکورۃ فی الاستیعاب لابن عبد البر (انجاح الحاجۃ حاشیۃ ابن ماجۃ ص۹۹)

(۵) عن مصعب بن سعد قال رأی سعد ان لہ فضلا علی من دونہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل تنصرون وترزقون الا بضعفائکم رواہ البخاری (مشکوۃ ص۴۴۷) وعند النسائی انما ینصر اللہ ھذہ الامۃ بضعیفھا بدعوتھم وصلاتھم واخلاصھم۔

(۶) عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابغونی فی ضعفائکم فانما ترزقون او تنصرون بضعفائکم رواہ ابو داود (مشکوۃ ص۴۴۷)

(۷) عن امیۃ بن خالد بن عبد اللہ بن اسید رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یستفتح بصعالیک المہاجرین رواہ فی شرح السنۃ (مشکوۃ ص۴۴۷)

جب مواقع رحمت کی صرف مجاورت ہی بدون دعاء و توسل کے جالب رحمت ہے تو دعاء اور توسل بالرحمۃ کیونکر جالب نہ ہوگا؟

(۸) عن انس رضی اللہ تعالی عنہ ان عمر بن الخطاب کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب فقال اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقون۔ رواہ البخاری (مشکوۃ ص۱۳۲)

غیر مقلدین کے امام شوکانی

غیر مقلدین وسیلہ کے منکر ہیں مگر ان کے امام شوکانی نے اس حدیث مذکور پر باب الاستسقاء بذوی الصلاح قائم کیا ہے۔ اور حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ویستفاد من قصۃ العباس استحباب الاستشفاع باھل الخیر والصلاح واھل بیت النبوۃ (نیل الاوطار ص۹ ج ۴) وکذا فی عمدۃ القاری ص۳۳ ج ۷ وفتح الباری ص۴۲۳ ج ۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے فعل سے بعض حضرات نے جواز توسل کی تخصیص باحیاء کا دعوی کیا ہے جو صحیح نہیں، جب توسل ثابت ہوگیا تو احیاء و اموات میں مابہ الفرق کیا ہے؟ اگر کچھ

فرق تسلیم کرلیا جائے تو مسئلہ برعکس ہونا چاہیے کیونکہ زندہ انسان تغیرِ احوال سے مامون نہیں، اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ کسی کی اقتداء کرنا چاہو تو میت کی اقتداء کرو، عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنة الحدیث رواہ رزین (مشکوٰۃ)

پس جب بہ اجماعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم توسل بالحی کا استحباب ثابت ہوا تو توسل بالمیت بطریقِ اولیٰ مستحب ہوگا۔ علاوہ ازیں دلیل اول، ثالث اور رابع توسل بالمیت کے باب میں صریح ہیں۔

باقی رہا یہ اشکال کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیوں توسل کیا؟ سو اس کی چند توجیہات ہوسکتی ہیں۔

(۱) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کے ساتھ آپ کی دعا بھی مقصود تھی۔

(۲) اس پر تنبیہ مقصود تھی کہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صورتیں ہیں، ایک توسل بذاتہ دوسری توسل باہل قرابتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) یہ بتانا مقصود تھا کہ توسل بغیر الانبیاء علیہم السلام من الاولیاء والصلحاء بھی باعثِ برکت و جالبِ رحمت ہے۔

(۴) طبع انسانی اپنے اندر موجود محسوس و مبصر شخص پر زیادہ مطمئن ہوتی ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام بھیجنے اور دعا کی درخواست پہنچانے میں انسانی وسائط کا اہتمام کیا جاتا ہے حالانکہ ملائکہ کا واسطہ انتہائی سریع ہونے کے ساتھ انتہائی قوی بھی ہے نہ ادائے امانت میں غفلت کا خطرہ نہ نسیان کا اندیشہ۔

وفقنا اللہ الکریم لما یحب و یرضی بحق الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم، آمین

منتصف شعبان سنہ ۹۱ ہجری

الحاق

اس مسئلہ میں جانبین اس قدر غلو کا شکار رہے کہ ایک دوسرے کی تکفیر و تجہیل کی، اپنے دلائل کی تحریر اور دوسرے کے دلائل کی تردید میں اوراق کے اوراق سیاہ کر ڈالے ہیں، میں نے جو دلائل لکھے ہیں ان کی تائید و تردید میں بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے جبکہ مختصر سی حقیقت یہ ہے کہ میری تحریر کردہ صورت کے مطابق توسل برحمۃ اللہ بالاتفاق جائز بلکہ مستحب ہے اور مشرکین کی طرح غیر اللہ سے استعانت کی صورت میں توسل بالاتفاق شرک ہے، لہٰذا اس حقیقت کے وضوح کے بعد اختلاف صرف لفظی ہی رہ جائے گا۔ واللہ الهادی الی سبیل الرشاد

۲۴ رجب سنہ ۱۴۲۲ھ

باب ردّ البدعات

دعا بعد نماز جنازہ

سوال: نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے ثابت نہیں، اس لئے فقہاء اسے ناجائز اور مکروہ فرماتے ہیں چنانچہ تیسری صدی ہجری کے فقیہ امام ابوبکر بن حامد فرماتے ہیں۔ ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ (قنیہ ص۵۶ ج۱)

شمس الائمہ حلوانی متوفی سنہ ۴۵۶ھ اور شیخ الاسلام علامہ سغدی متوفی سنہ ۴۶۱ھ بھی فرماتے ہیں۔ لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ (قنیہ ص۵۶ ج۱)

وفی الفتاوی السراجیۃ، اذا فرغ من الصلوٰۃ لا یقوم داعیاً لہ

(فتاوی سراجیہ علی ہامش قاضیخان ج۱ ص۲۳)

ولا یقوم داعیاً لہ (جامع الرموز ج۱ ص۱۲۵)

لا یدعو بعد التسلیم (البحر الرائق ج۲ ص۱۸۳)

ولا یدعو للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۲ ص۳۱۹)

ولا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ دعا مرۃ لان اکثرھا دعاء (بزازیہ ج۴ ص۸۰ ہندیہ ج۱)

کتب مذکورہ کے علاوہ خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۲۵، فتاوی برجندی ج۱ ص۱۸۰، فتاوی برہنہ ص۳۹، مظاہر حق شرح مشکوٰۃ ج۲ ص۵۵، نفع المفتی والسائل ص۱۴۴ وغیرہ میں بھی اس کی ممانعت اور کراہت منقول ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ شوال سنہ ۱۳۹۷ھ

اذان جمعہ کے بعد الصلوٰۃ سنت رسول اللہ پکارنا

سوال: یہاں عام دستور ہے کہ نماز جمعہ میں اذان کے بعد الصلوٰۃ سنت رسول اللہ کا لفظ زور سے پکارا جاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

یہ فعل محض بے بنیاد اور بدعت ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں، جب تثویب للفرض میں اختلاف ہے حالانکہ یہ ائمہ سے ثابت بھی ہے تو تثویب للمیت عدم ثبوت کی وجہ سے یقیناً ناجائز ہوگی۔ روی ان علیا رأی مؤذنا یثوب فی العشاء فقال اخرجوا هذا المبتدع من المسجد وروی عن مجاهد قال دخلت مع ابن عمر مسجدا یصلی فیه الظهر فسمع مؤذنا یثوب فغضب وقال قم حتی نخرج من عند هذا المبتدع الخ (فتح) وابو یوسف خصهم بذلک لزیادة اشتغالهم بامور المسلمین کیلا تفوتهم الجماعة دون هذا القاضی والمفتی (قوله وابو یوسف خصهم) اخر ذکر وجه ابی یوسف لافادة اختیاره لکن ایظهر من کلام قاضی خان وغیره اختیار قول ابی یوسف (قوله للکل) ای کل احد وخصه ابو یوسف بمن یشتغل بمصالح العامة کالقاضی والمفتی والمدرس واختاره قاضی خان وغیره (رد المحتار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ شوال سنہ ۱۳۸۰ھ

اذان علی القبر

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مردہ کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان کہنا (جیسا کہ ہمارے بلاد میں عام مروج ہے) شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

اذان علی القبر کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، اس لئے بدعت ہے۔ قال فی الشامیة (قوله [illegible]) فیما علی ما ذکروه من الولد اشارة الی انه لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبره کما هو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاواه بانه بدعة (رد المحتار) ومن البدع التی شاعت فی الهند الاذان علی القبر [illegible]؛ توضیح شرح تنقیح لمولوی [illegible] میں بھی اذان علی القبر کو "لیس بشیء" لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۰ ہجری

جنازہ کے ساتھ جہراً کلمہ پڑھنا

سوال: یہاں دستور ہے کہ میت کا جنازہ جب لے جاتے ہیں تو ساتھ ساتھ بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہیں، کیا شرع میں اس کی کوئی اصل ہے؟ بینوا توجروا

۲۲

الجواب ومنہ الصدق والصواب

جنازہ کے ساتھ جہراً کلمہ پڑھنا بدعت ہے۔ کما کرہ فیہا رفع صوت بذکر او قراءۃ فتح (الدر المختار) وفی الشامیۃ (قولہ کما کرہ) قیل تحریماً وقیل تنزیہاً کما فی البحر عن الغایۃ وفیہ عنہا وینبغی لمن تبع الجنازۃ ان یطیل الصمت وفیہ عن الظہیریۃ فان اراد ان یذکر اللہ تعالیٰ یذکرہ فی نفسہ لقولہ تعالیٰ انہ لا یحب المعتدین ای الجاہرین بالدعاء وعن ابراہیم انہ کان یکرہ ان یقول الرجل وہو یمشی معہا استغفروا لہ غفر اللہ لکم اھ قلت واذا کان ہذا فی الدعاء والذکر فما ظنک بالغناء الحادث فی ہذا الزمان (رد المحتار باب الجنائز ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۱ھ

دعا میں جہراً درود شریف اور آیت ان اللہ وملئکتہ الخ کو ضروری سمجھنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نماز کے بعد درود شریف بالجہر پڑھنا اور آیت ان اللہ و ملئکتہ الخ کو لازم جاننا اور درود شریف پڑھنے کو ضروری سمجھنا کیسا ہے؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

نماز کے بعد درود شریف یا آیت ان اللہ وملئکتہ الخ کو ضروری سمجھنا گناہ ہے۔ درود شریف پڑھنے میں اگرچہ بلاشبہ بہت بڑا ثواب ہے مگر اسے ضروری سمجھنا ناجائز ہے کسی مباح یا مستحب کام کو ضروری اور واجب قرار دینا گناہ ہے۔ وکل مباح یؤدی الیہ (ای الوجوب) فمکروہ (الدر المختار ج ۱ آخر باب سجود التلاوۃ) وانما اذا سجد بغیر سبب فلیس بقربۃ ولا مکروہ وما یفعل عقیب الصلوۃ مکروہ ہکذا فی الزاہدی (عالمگیریہ ج ۱ آخر باب سجود التلاوۃ) وقال الطیبی فی شرح المشکوۃ تحت حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی لزوم الانصراف عن الیمین بعد الصلوۃ ان من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزماً ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال (مرقاۃ ص ۳۵۳ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۱ ہجری

سوال مثل بالا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دعا ثانیہ جو کہ عام مساجد میں مروج ہے اس کے بارے میں فقہائے احناف کا کیا فتویٰ ہے۔ ایک فتویٰ میں جو اس سلسلہ میں اظہار خیال کیا گیا ہے اس کی عبارت بعینہٖ منسلک استفتاء ہذا ہے، برائے

مہربانی اس کو پڑھ کر معینہ دلائل کے متعلق ارشاد فرمایا جائے کہ وہ صحیح ہیں یا نہیں۔ اور اگر صحیح نہیں ہیں تو کس بنا پر صحیح نہیں ہیں۔ وضاحت سے حکم شریعت اطلاع فرمایا جائے۔ بینوا توجروا

سوال: نمازوں کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے جس کے آخر میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ پھر آیت درود پڑھ کر درود پڑھتے ہیں آیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں۔ اکثر لوگ اسے ناجائز اور بدعت کہہ کر لوگوں کو روکتے ہیں، مفصل تحریر فرمائیے۔

الجواب عہ

نمازیں دو قسم کی ہیں۔ (۱) ایک وہ ہیں جن کے فرض کے بعد سنتیں نہیں جیسے فجر و عصر، مسئلہ یہ ہے کہ فرض سے بعد والی سنتوں کو بہت زیادہ مؤخر کرنا مکروہ ہے۔ فرض کے بعد دعا مانگنے کو بہت مختصر پھر فوراً سنتیں شروع کر دی جائیں۔ فقہ حنفی کی کتاب درمختار میں ہے۔ ویکرہ تاخیر السنۃ الا بقدر اللھم انت السلام الخ فتاوی عالمگیریہ میں ہے وفی الحجۃ الامام اذا فرغ من الظہر والمغرب والعشاء یشرع فی السنۃ ولا یشتغل بادعیۃ طویلۃ کذا فی التاتارخانیہ۔ منیۃ المصلی اور اس کی شرح میں ہے فان کان بعدھا ای بعد مکتوبۃ تطوع یقوم الی التطوع بلا فصل الا مقدار ما یقول اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام پھر سنتیں شروع کر دے۔ ہاں سنتیں ادا کرنے کے بعد دعا طویل مانگے۔ چنانچہ صاحب درمختار طویل دعا و ذکر سے فرض و سنت کے درمیان فرق نہ کرنے کے مسئلہ کے بعد فرماتے ہیں ویستحب ان یستغفر ثلاثا ویقرأ آیۃ الکرسی والمعوذات ویسبح ویحمد ویکبر ثلاثا وثلاثین ویھلل تمام المأۃ ویدعو ویختم بسبحان ربک رب العزۃ عما یصفون۔ یعنی سنتوں کے بعد تین مرتبہ استغفر اللہ العلی العظیم اور آیۃ الکرسی اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس الخ پڑھے پھر ۳۳، ۳۳ بار سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر کہے اور ایک بار لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر کہے پھر دعا مانگے اور دعا کو سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین سے ختم کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ ذکر طویل اور دعا مانگے وہ سنتوں کے بعد ہونا چاہئے۔ فرضوں کے بعد تو دعا ہی نہیں صرف حمد و ثنا الٰہی کے مختصر کلمات ہیں اور وہ بھی فرض و سنت کے درمیان فرق ظاہر کرنے کے لئے ہیں۔ حقیقۃً دعا تو سنتوں کے بعد ہی ہے، تو یہ دعا دعا ثانی ہی نہیں بلکہ

عہ یہ جواب کسی دوسرے صاحب کا ہے، حضرت مفتی صاحب کا جواب آگے آرہا ہے ۱۲ مرتب

یہ ذریعہ دعا ہے جن کے متعلق احادیث میں لکھا ہے کہ نماز کے بعد دعا مانگنی چاہیئے کہ دعا عبادت
کا مغز ہے۔ رواہ الترمذی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الدعاء مخ العبادۃ، لہذا امام اور
مقتدی جو دعا سنتوں کے پڑھنے کے بعد مانگتے ہیں یہ دعا بالکل جائز ہے۔ حدیث سے ثابت ہے
مشکوٰۃ شریف باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں اس قسم کی دعاؤں کا ذکر موجود ہے۔ اب چونکہ یہ
مقام مقام دعا کا ہے۔ جب اپنی دنیا و آخرت اور اپنی جان و مال و اولاد و دفع مصائب وغیرہ
کی دعا مانگتا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی دعا مانگ لینا چاہیئے اور اس کا مختصر
طریقہ یہ ہے کہ اپنے لئے دعا مانگنے کے بعد سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی اور اس کا ثواب حضور کو بخشنے کے
لئے دعا کی اس میں کیا قباحت پیدا ہوگئی جو اس سے انکار کیا جاتا ہے۔ تفسیر روح البیان میں علامہ
اسمٰعیل حقی آیت وصل علیہم ان صلوٰتک سکن لہم الآیۃ کی تفسیر میں فرماتے ہیں والصلوٰۃ علی النبی
صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلوٰۃ وغیرہا دعاء من العبد المصلی لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم
عن ظہر الغیب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز میں و نماز کے علاوہ درود بھیجنا یہ حضور کے لئے غائبانہ
دعا ہے۔ پھر فرماتے ہیں وقد جوز الحنفیۃ قراءۃ الفاتحۃ للروح المطہرۃ علیہا السلام۔ اسی واسطے
حنفیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کو جائز قرار دیا ہے۔

یہ دعا تلاوت سورۃ فاتحہ ہوئی اور اسکے لئے ایصال ثواب کی دعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ
نے فرمایا ہے ان الدعاء موقوف بین السماء والارض لا یصعد منہا شیء حتی تصلی علی
نبیک۔ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ) دعا آسمان و زمین کے درمیان رکی رہتی ہے یہاں تک کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے۔ لہذا درود پڑھا گیا اور مقام درود یاد دلانے کے لئے جس
طرح اردو میں کہتے ہیں کہ درود شریف پڑھیے۔ قرآن کی آیت تلاوت کر دی ان اللہ وملٰئکتہ
یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما اور آخر میں سبحان ربک
رب العزۃ عما یصفون الآیۃ پڑھ کر ختم کر دی گئی جس کے متعلق اور فقہ حنفی سے بتایا گیا کہ دعا اسی
آیت پر ختم کرے۔ یہ ہے وہ طریقہ جو یہاں رائج ہے۔ اس کا ایک ایک جزو احادیث اور فقہ حنفی سے
ثابت ہے اس سے انکار کرنا اور بدعت قرار دینا سخت قسم کی غلطی اور احادیث و فقہ حنفی سے
لاعلمی کی دلیل ہے یہاں تک ان نمازوں کے متعلق بتایا گیا ہے جن کے بعد سنتیں ہیں جن کے بعد
سنتیں نہیں وہاں تو دعا ثانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پہلی ہی دعا ہے۔ اگرچہ اور نمازوں میں
وہ پہلی ہی دعا ہے۔ فرضوں کے بعد ذکر ہی کے الفاظ ہیں۔ واللہ اعلم

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس میں کوئی شک نہیں کہ نوافل کے بعد دعا مانگنا احادیث سے ثابت ہے اور کبھی اتفاقاً کسی نے امام کے ساتھ دعا مانگ لی تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ کلام تو اس میں ہے کہ ساری جماعت امام کے فارغ ہونے تک منتظر بیٹھی رہتی ہے اور اس کا اسقدر التزام کیا جاتا ہے کہ پہلے اُٹھ جانے کو معیوب سمجھا جاتا ہے اور اس پر انکار اور طعن و طنز کیا جاتا ہے۔ اگر امام زیادہ دیر تک نوافل میں مشغول رہا تو بھی کافی دیر تک انتظار کی زحمت اُٹھائی جاتی ہے۔ امام بھی اسقدر التزام کرتا ہے کہ اگر زیادہ دیر تک نوافل اوّابین وغیرہ پڑھنا چاہتا ہے تو پہلے دُعا مانگ کر مقتدیوں کو فارغ کر کے مزید نوافل میں مشغول ہوتا ہے غرضیکہ امام اور مقتدین دونوں کی طرف سے مثل واجب کے اہتمام کیا جاتا ہے۔ پھر دُعا میں بھی مخصوص طریق (جو سوال میں مذکور ہے) کا التزام کیا جاتا ہے۔ امام کے ساتھ بہیئت اجتماعیہ دُعا مانگنا حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں جس کا وجود ہی ثابت نہ ہو اسے وجوب کا درجہ دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ جو امر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرون مشہود لہا بالخیر سے ثابت نہ ہو اسے ثواب تصور کرنا یہ سمجھنے کے مترادف ہے کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے دین کو سمجھا نہیں یا پوری طرح پہنچایا نہیں اسلئے دین ناقص رہا جس کی تکمیل آج ہم کر رہے ہیں۔ حالانکہ ارشاد ہے ۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ یہ لوگ اپنے عمل سے اس آیہ کریمہ کی تکذیب کر رہے ہیں۔ چونکہ اکمال دین اور اتمام نعمت ہو چکا تھا، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من احدث فی امرنا ھذا فھو رد" اور فرمایا "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ" اور فرمایا "کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار"

دو امر ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے مباح بلکہ مندوب امور بھی ناجائز ہو جاتے ہیں۔

(۱) التزام خواہ نفس فعل کا ہو یا کسی خاص زمان یا مکان یا ہیئت وکیفیت کا۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تختصوا لیلۃ الجمعۃ بالقیام ولا یوم الجمعۃ بالصیام و قال فی شرح التنویر کل مباح یؤدی الیہ (ای الوجوب) فمکروہ (الدر المختار آخر باب سجود التلاوۃ) وقال الطیبی فی شرح المشکوٰۃ فی مقام الانصراف عن الیمین بعد الصلوٰۃ ان من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب

سنة الشيطان (مرقاة ص ۳۵۳ ج ۲)

(۲) کوئی مباح یا مندوب فعل ایسی کیفیت سے کیا جائے کہ عبادت مقصودہ پر زیادتی کا موہم ہو مثلاً سجدہ عبادت ہے مگر نماز کے بعد موہم زیادہ ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے

قال فی الهندية وما اذا سجد بغير سبب فليس بقربة ولا مكروه وما يفعل عقيب الصلوة مكروه فكذا في الزاهدی (عالمگیریہ باب سجود التلاوة)

اسی طرح میت کے لئے دعا مانگنا ثواب ہے مگر صلوۃ جنازہ کے بعد مکروہ ہے۔ ولا يدعو للميت بعد صلوة الجنازة لانه يشبه الزيادة في صلوة الجنازة (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح لملا علی القاری)

دعا مبحوث عنہا میں عدم جواز کے دونوں سبب موجود ہیں التزام بھی اور موہم زیادت ہونا بھی۔ اگر یہ دعا ثابت ہوتی اور مندوب بھی ہوتی تب بھی ناجائز ہو جاتی چہ جائیکہ اسکا ثبوت اور وجود ہی نہیں۔

اس کے بعد مجوزین کی تحریر کے متعلق کچھ عرض کر دینا ضروری ہے۔

قولہ: ہاں سنتیں ادا کرنے کے بعد طویل دعا مانگے الخ

اقول: اس سے کس کو انکار ہے؟ آپ کا دعوی تو یہ ہے کہ امام کے ساتھ بہیئت اجتماعیہ دعا مانگنا مسنون ہے اس پر کوئی دلیل لائیے۔ شرح التنویر کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں بھی حالت اجتماع پر کوئی دلیل نہیں بلکہ دلائل ذیل سے ان ادعیہ طویلہ کا بحالت انفراد ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۱) نوافل کے بعد اوراد وادعیہ احادیث سے ثابت ہیں۔ اگر بحالت اجتماعیہ ان کا وجود کبھی بھی ہوا ہوتا تو ضرور منقول ہوتا۔ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، عادات اور حلیہ تک کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے جو فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باب عبادت میں کیا ہو اور پھر پانچ دفعہ روزانہ وقوع ہوتا ہو۔ رأس العبادات اور مجمع عام میں اسکا وقوع ہوتا رہا ہو۔ اس کو کسی شخص نے بھی روایت نہ کیا؟

(۲) نوافل کا گھر میں پڑھنا زیادہ ثواب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اسی پر عمل تھا اس حالت میں ظاہر ہے کہ دعا بعد نوافل انفراداً ہی ہو سکتی ہے۔ قال فی الشامية ان الاحسن من ذلك كله تطوعه في منزله لما في سنن ابي داود باسناد صحيح صلوة

الصلوة فی بيته افضل من صلوته فی مسجدی هذا الا المكتوبة (رد المحتار ج ۱ ص ۴۶۹)
جبکہ گھر میں نوافل پڑھنا مسجد نبوی بلکہ بتصریح فقہاء مسجد حرام میں پڑھنے سے بھی افضل ہے
تو دیگر مساجد سے تو بطریق اولیٰ افضل ہوگا۔

(۳) اگر کوئی اسکا ثبوت ہوتا تو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ضرور اس کی تصریح فرماتے مگر یہ فقہ
کی کسی کتاب میں بھی نہیں ہے۔ ایسے موقع پر فقہاء کا ذکر نہ کرنا عدم ثبوت کی دلیل ہے
جیسے کہ فقہاء کا مفہوم مخالف بالاتفاق حجت ہے

قولہ لہٰذا امام و مقتدی الخ

اقول مطلقاً اس دعا کے جواز میں کلام نہیں۔ بحث ہیئت اجتماعیہ کے جواز میں ہے
جو کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

قولہ اب چونکہ الخ

اقول اس میں کوئی شک نہیں کہ دعا میں سورۃ الحمد اور درود شریف پڑھنا موجب خیر و
برکت ہے مگر اس کا التزام بہیئت مخصوصہ بدعت ہے۔

قولہ اس کا ایک ایک جزء احادیث اور فقہ حنفی سے ثابت ہے۔

اقول مطلق دعا بصورت انفراد کے سوا کوئی چیز بھی کسی حدیث یا کسی جزئیہ فقہیہ سے
ثابت نہیں ہوسکی۔

قولہ اس سے انکار کرنا اور بدعت قرار دینا سخت قسم کی غلطی اور احادیث و فقہ حنفی سے
لاعلمی کی دلیل ہے۔

اقول مجوزین حضرات سے استدعاء ہے کہ کوئی ضعیف سے ضعیف صریح حدیث یا کوئی ارجح
سے مرجوح جزئیہ فقہیہ تحریر فرمائیں جس میں بحالت اجتماعیہ دعا کی صراحت ہو، حدیث و
فقہ کے ذخیرہ سے کوئی ایک صریح جزئیہ پیش فرما کر تبحر علمی کی داد حاصل کریں۔ ودونہ خرط القتاد۔

فقط واللہ الہادی الی سبیل الرشاد

۱۷ ذی قعدۃ الحرام سنہ ۱۳۷۶ھ

تین دفعہ دعا مانگنے کا التزام

سوال: اس علاقہ میں دعا میں تین دفعہ ہاتھ اٹھانے کا التزام کیا جاتا ہے اور استدلال میں
مسلم کتاب الجنائز کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیع میں تین دفعہ ہاتھ

اٹھاکر دعا مانگی۔ اس حدیث کی توجیہ بیان فرماکر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

بقیع والی حدیث کے مندرجہ ذیل جواب دیئے جاسکتے ہیں۔

(۱) واقعہ واحدہ اتفاقیہ سے التزام پر استدلال درست نہیں۔ زیادہ سے زیادہ جواز بلا التزام ثابت ہوگا۔ التزام بہرحال ناجائز ہے۔

(۲) ممکن ہے کہ مختلف قبور پر متعدد دفعہ رفع ایدی ہوا ہو۔

(۳) یہ بھی احتمال ہے کہ ایک دفعہ دعا ختم کرنے کے بعد جدید دعا کا کوئی خاص داعیہ (مثلاً مزید رقت قلب و شان رحمت) پیدا ہوا ہو، اسی طرح دوسری دعا ختم کرنے کے بعد تیسری دفعہ رفع ایدی خاص داعیہ کے تحت ہو۔

(۴) ممکن ہے کہ اسمیں حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو بایں طور کہ پہلے خصوصی شفاعت کے طور پر دعا فرمائی ہو ختم کرنے پر پھر مزید دعا کرنے کا امر الٰہی ہوتا گیا، ان توجیہات کی ضرورت اس لئے ہے کہ اصل میں حدیث کا مفہوم سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے صحابہ تابعین اور ائمہ کے قول و عمل کا ملاحظہ ضروری ہے۔ جو کام عبادت کیطرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزاروں صحابہ کے روبرو کیا ہو۔ پھر دعا کا واقعہ کوئی عمر بھر میں ایک آدھ نہیں بلکہ دن میں کئی مرتبہ کا ہے۔ پس اگر تثلیث کا کوئی ثبوت ہوتا اور صحابہ اسے ثواب سمجھتے تو ضرور اسے نقل کرتے اور خود بھی اس پر عمل کرتے۔ حالانکہ اُمت میں سے کسی نے نہ اسے نقل کیا اور نہ ہی اسکے مطابق عمل کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ ر رجب المرجب سنہ ۵ ھ

نوافل کے بعد اجتماعی دُعا

سوال: دوسری دعا بعد از نوافل مقتدیوں کو امام کے ساتھ ملکر کرنا۔ نور الایضاح کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے ویستحب للامام بعد سلامه ان یتحول الی یساره للتطوع بعد الفرض وان یستقبل بعده الناس (الی قوله) ثم یدعون لانفسهم الخ اسکا کیا جواب ہے؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

نور الایضاح کی عبارت میں صرف دعا بعد الفرض کا ذکر ہے یہ نہیں لکھا کہ امام اور مقتدی ملکر

دعا کریں یعنی سب لوگ دعا کریں مگر امام کے ساتھ مقتدیوں کا تعلق ہو اسکا کوئی ثبوت نہیں۔ مثلاً نماز فجر کے بعد متعدد لوگ بیک وقت تلاوت قرآن میں مشغول ہوتے ہیں بظاہر یہ تلاوت اجتماعی ہوتی ہے مگر درحقیقت ہر شخص اپنے طور پر اپنی تلاوت میں مشغول ہے کسی کا دوسرے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں نہ ابتداءً ایک ساتھ کرنے کا اہتمام ہوتا ہے اور نہ انتہاءً بلکہ ہر شخص اپنی فرصت و ہمت کے مطابق تلاوت کرکے فارغ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح فرض کے بعد والی دعا بھی امام کے ساتھ مل کر کرنا ثابت نہیں اگر اتفاقاً امام کے ساتھ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ التزام کی وجہ سے یہ فعل بدعت ہو جائیگا قاعدہ فقہیہ ہے کہ کسی مباح یا مندوب فعل کا لوگ التزام کرنے لگیں تو وہ ناجائز ہو جاتا ہے فرض اور نوافل میں اتنا فرق ہے کہ نوافل کے بعد امام کے ساتھ ملکر دعا کرنے میں التزام کا جو مظاہرہ اور دیگر قبائح پائے جاتے ہیں وہ فرائض کے بعد کی دعا میں نہیں مثلاً

(۱) فرائض کے بعد سنن و نوافل گھر میں جاکر پڑھنا افضل ہے مگر نوافل کے بعد اجتماعی دعا کے لئے اس فضیلت کو چھوڑ کر امام اور مقتدی مسجد ہی میں نوافل پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۲) نوافل کی تعداد رکعات اور ان میں مقدار تلاوت میں مختلف لوگ ہمت و فرصت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں مگر اجتماعی دعا کا التزام سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتا ہے چنانچہ کوئی پہلے فارغ ہو جائے تو وہ دعا کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے اور اگر امام یا کوئی مقتدی زیادہ نوافل پڑھنا چاہے تو وہ اجتماعی دعا سے فارغ ہونے کے بعد پڑھتا ہے اس لئے نوافل کے بعد کی دعا امام کے ساتھ ملکر کرنا خصوصاً اس کا مع التزام بالاتفاق بدعت ہے حتی کہ اہل بدعت بھی اس کے قائل نہیں، احمد رضا خان صاحب بریلوی کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فرضوں کے بعد امام اور مقتدی جو دعا مانگتے ہیں یہ دعا جائز ہے یا نہیں۔ بعض اطراف میں امام فرض کے سلام کے بعد صرف اللّٰھم انت السلام پڑھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور پھر سنتوں سے فارغ ہو کر سب ملکر دعا مانگتے ہیں۔ مؤخر الذکر فریق والے پہلے فریق پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔

(۱) فرضوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

(۲) فقہاء نے فرض کے بعد اللّٰھم انت السلام الخ سے زیادہ تاخیر کرنے کو مکروہ لکھا ہے

سوال یہ ہے کہ ان دونوں طریق میں سے صحیح طریق کیا ہے؟ اور فقہ وحدیث کے موافق کون؟ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا جائے کہ کیا نوافل وسنن کے بعد جماعت کا دعا مانگنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟

المستفتی خاکسار خلیفہ عبد الغنی کارخانہ دار دیجی محلہ سوداگران دہلی

الجواب فرائض کے بعد دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور فقہ میں اسکا جواز مصرح، فقط فرق یہ ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں انکے بعد دعائے طویل نہ چاہیئے، اللھم انت السلام الخ یا اسکے مثل پر اقتصار مناسب ہے۔ اور اتنی تطویل کہ مقتدیوں پر ثقیل ہو کبھی بھی نہ چاہیئے اور سنن ونوافل سب سے فارغ ہوکر امام کا جماعت کے ساتھ دعا مانگنا کہیں منقول نہیں، اور اسمیں یہ بھی دقت ہے کہ کچھ لوگ صرف سنتیں پڑھیں گے اور کچھ نوافل بھی، اور پڑھنے والے بعض جلد فارغ ہوجائیں گے بعض دیر میں، تو جو پہلے فارغ ہوچکے ان سے بے سبب انتظار کرانا ہوگا لہٰذا یہ طریق لائق ترک ہے۔ ہاں اگر مقتدی سب راضی ہوں اور کسی پر ثقیل نہ ہو تو حرج اسمیں بھی کچھ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

محمد امجد علی اعظمی رضوی ۔۔ ابو المظفر محمد اسمٰعیل

(از فتاویٰ مرغوبہ تالیف حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی)

فتویٰ مذکورہ کے مطابق اہل بدعت کی اکثریت بعد نوافل اجتماعی دعا پر عامل نہیں صرف دیہاتوں وغیرہ میں کچھ بدعتی لوگ اسکا التزام کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ ربیع الآخر سنہ ۱۳۹۶ ہجری

نمازوں کے بعد بلند آواز سے طویل دعا

سوال: محلہ مساجد کا اس طرح دعا کرنا کہ پہلے تو فرائض کے بعد بلند آواز سے الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین پڑھے اسکے بعد اللھم انت السلام الخ پھر قرآنی دعائیں پھر درود شریف تو کیا اس طرح دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دعا کے اس طریقہ میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں:

① اجتماعیت اور اس کا التزام۔

② اہتمام بالامام اور اس کا التزام، جبکہ شرعاً یہ صرف نماز کے ساتھ مختص ہے۔

③ جہر امام اور اس کا التزام، قال اللہ تعالیٰ: ادعوا ربکم تضرعا وخفیة انه لا یحب المعتدین، وقال حکایة عن زکریا علیہ السلام: اذ نادی ربه نداء خفیا۔

④ مسبوقین کی نمازوں میں خلل پیدا ہوتا ہے۔

⑤ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد طویل دعاء مکروہ ہے، قال فی العلائیۃ: ویکرہ تاخیر السنۃ الا بقدر اللہم انت السلام الخ (رد المحتار ص ۳۹۴ ج ۱)

⑥ عوام بلکہ خواص بھی اس طریق مبتدع کو مسنون سمجھتے ہیں۔

⑦ اس کا فرائض سے بھی زیادہ اہتمام و التزام کیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۔ جمادی الاولیٰ [illegible]ھ

میلاد مروّج کی تحقیق

سوال: میلاد شریف جیسا کہ آجکل ہوتا ہے حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا کہ آپ میلاد کی مجلس میں تشریف لاتے ہیں اور یہ سمجھ کر تعظیم کے لئے کھڑے ہو جانا اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اور کیا کرنا چاہئے اور اگر میلاد وغیرہ کرے تو کس طریقے سے کرے۔ خلاصۂ حال فرمائیے۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و حالات پر مسلمانوں کو مطلع کرنا اسلام کا اہم ترین فرض ہے اور ساری تعلیمات اسلامیہ کا خلاصہ یہی ہے اور اسی میں مسلمانوں کی بہبودی اور فلاح مضمر ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بڑے سرور اور فرحت کا باعث ہے اور یہ سرور کسی وقت اور محل کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر مسلمان کے رگ و پے میں سمایا ہوا ہے۔ ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر ابولہب کو پہنچائی تو اس نے خوشی میں ثویبہ کو آزاد کر دیا۔ مرنے کے بعد لوگوں نے ابولہب کو خواب میں دیکھا اور اس سے حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ جب سے مرا ہوں عذاب میں گرفتار ہوں مگر دوشنبہ کی شب کو چونکہ میں نے میلاد نبی کی خوشی کی تھی اس لئے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے جب ابولہب جیسے بدبخت کافر کے لئے میلاد نبی کی خوشی کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہوگئی تو جو کوئی امتی آپ کی ولادت کی خوشی کرے اور حسب وسعت آپ کی محبت میں خرچ کرے تو کیونکر اعلیٰ مراتب

حاصل: کریگا پس اگر ولادت یا معجزات یا غزوات وغیرہ کا ذکر بطرز وعظ و درس بغیر پابندی رسوم کے کرے تو بیشمار برکتوں کا باعث ہوگا مگر اس زمانہ میں محفل میلاد میں مندرجہ ذیل وجوہ باعث عدم جواز ہیں۔

(الف) حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ آپ محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں اور یہ صریح کفر ہے جس کی حرمت قرآن کریم کی نصوص صریحہ اور فقہ کی عبارات سے بھی ثابت ہے۔ ومن قال ان ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر (بزازیہ) ذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا اللہ (شرح فقہ اکبر) یہ مسئلہ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ اگر کسی نے نکاح کرتے وقت کہا کہ میرے گواہ خدا اور رسول ہیں تو یہ شخص کافر ہو جائے گا اس لئے کہ اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب سمجھا۔
(فتاویٰ قاضی خان البحر الرائق وغیرہ)

غرضیکہ ایسا عقیدہ رکھنے والے کی تکفیر سے قرآن، احادیث اور کتب فقہ بھری ہوئی ہیں۔

(ب) محفل میلاد میں شیرینی وغیرہ تقسیم کرنے کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور خود محفل میلاد کو بھی واجب کا درجہ دیا جاتا ہے جب کسی جائز کام کو لوگ ضروری سمجھنے لگیں تو یہ کام مکروہ ہو جاتا ہے
کل مباح یؤدی الیہ (الی الوجوب) فمکروہ (رد المحتار ج ۱)

(ج) معین مہینے اور مقررہ تاریخ پر میلاد کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے حالانکہ جب شریعت نے کوئی خاص مہینہ اور تاریخ معین نہیں کی تو اپنی طرف سے شریعت میں زیادتی کرنا ناجائز ہے صحیح مسلم میں روایت ہے لا تختصوا لیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعۃ بصیام من بین الایام۔

غرضیکہ مذکورہ بالا مفاسد سے احتراز کرتے ہوئے اگر محفل میلاد قائم کی جائے تو موجب خیر و برکت اور کار ثواب ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۱ھ

اسقاط مروج کا حکم

سوال: نماز جنازہ کے بعد ملا قرآن اٹھا کر مروج طریقے سے جو دعائیں وغیرہ پڑھتا ہے جسے سندھ کے عرف میں قرآن بخشنا کہتے ہیں شرعاً کیسا ہے؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ مروجہ طریقہ ناجائز اور بدعت ہے۔ قرآن، حدیث اور فقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی وجود ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا، لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ جو عمل حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہم اسے ثواب سمجھ کر کرنے لگیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو پوری طرح سے نہیں سمجھا۔ ہم حضور سے دین کے مسائل کو زیادہ سمجھ رہے ہیں اور معاذ اللہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم کا بھی غلط ہے۔ غرضیکہ اپنی طرف سے دین میں زیادتی کرنا سخت گناہ ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل بدعۃ ضلالۃ جیسے کہ رکعات فرائض میں اپنی طرف سے زیادتی حرام ہے۔ نیز اس اسقاط کی قبیح رسم سے لوگوں کی جرأت معاصی پر بڑھتی ہے کما لا یخفی۔ قال فی رد المحتار ونص علیہ فی تبیین المحارم فقال لا یجب علی الولی فعل الدور وان اوصی بہ المیت والواجب علی المیت ان یوصی بما یفی علیہ ان لم یضق الثلث عنہ فان اوصی باقل وامر بالدور وترک بقیۃ الثلث للورثۃ او تبرع بہ لغیرہم فقد اثم بترک ما وجب علیہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ محرم الحرام سنہ ۱۳۷۲ھ

مثل سوال بالا

سوال: اسقاط مروجہ کا کیا حکم ہے؟ نور الایضاح میں جائز لکھا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

جائز نہیں۔ قال فی الشامیۃ ونص علیہ فی تبیین المحارم فقال لا یجب علی الولی فعل الدور وان اوصی بہ المیت لانھا وصیۃ بالتبرع والواجب علی المیت ان یوصی بما یفی بما علیہ ان لم یضق الثلث عنہ فان اوصی باقل وامر بالدور وترک بقیۃ الثلث للورثۃ او تبرع بہ لغیرھم فقد اثم بترک ما وجب علیہ اھ وبہ ظہر حال وصایا اھل زماننا فان الواحد منھم یکون فی ذمتہ صلوات کثیرۃ وغیرھا من زکوۃ واضاحی وایمان ویوصی لذلک بدراھم یسیرۃ ویجعل معظم وصیتہ لقراءۃ الختمات والتھالیل التی نص علماؤنا علی عدم صحۃ الوصیۃ بھا الخ (رد المحتار ج ۱، باب قضاء الفوائت)

شامی یا دیگر فقہاء نے جو اجازت دی ہے، اس میں تصریح ہے کہ یہ حیلہ اس وقت جائز ہے جبکہ

ثلث سے فدیہ ادا ہوسکتا ہو اور یہ صورت کبھی اتفاقاً پیش آجاتی ہے اسے مستقل رسم بنا لینے کی اجازت نہیں، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اس حیلہ سے عوام کا عقیدہ فاسد نہ ہو، اس وقت جو اسقاط مروج ہے اس میں اولاً تو تملیک فقراء اس طرح کی جاتی ہے کہ اس سے تملیک متحقق نہیں ہوتی ثانیاً اس سے فساد عقیدہ لازم آتا ہے کہ عوام گناہوں پر دلیر ہو جاتے ہیں اور صوم و صلوٰۃ کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ ثالثاً اس کا ایسا التزام کیا جاتا ہے کہ اسے بھی اعمال تکفین میں سے ایک مستقل عمل سمجھا جاتا ہے۔ التزام کرنے سے مباح بلکہ مندوب کام بھی ناجائز ہو جاتا ہے کما صرح به فی الشامیة وغیرها۔ رابعاً ثلث مال سے فدیہ ادا نہیں کیا جاتا، حالانکہ اتمام ثلث تک فدیہ کی وصیت کرنا اور اس کا ادا کرنا لازمی ہے۔ اتمام ثلث کے بعد بھی فدیہ باقی رہے تو اس حالت میں فقہاء نے حیلہ کی اجازت دی تھی مگر فی زماننا فساد عقیدہ کی وجہ سے یہ بھی جائز نہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ صفر سنہ ۱۳۷۴ھ

اکٹھے ہو کر جہراً ذکر کرنا اور وجد میں آنا

سوال: آجکل عام پیروں میں مروج ہے کہ لوگوں کو جمع کرکے باآواز بلند ذکر کراتے ہیں اور بہت سے لوگ وجد میں آکر خوب اچھلتے کودتے ہیں۔ کیا یہ فعل شرعاً جائز ہے اور کیا اس کا کوئی ثبوت ہے؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں۔ جہراً ذکر کرنا جیسا کہ فی زماننا مروج ہے یہ مکروہ ہے لما فی شرح التنویر وهل یکره رفع الصوت بالذکر والدعاء قیل نعم وقال فی الشامیة (قوله قیل نعم) یشعر بضعفه مع انه مشی علیه فی متن الملتقی فقال وعن النبی صلی الله علیه وسلم انه کره رفع الصوت عند قراءة القرآن والجنازة والزحف والتذکیر فما ظنك به عند الغناء الذی یسمونه وجداً ومحبة فانه مکروه لا اصل له فی الدین اھ وایضاً فیها قبیل فصل فی اللبس وما یفعله متصوفة زماننا حرام لا یجوز القصد والجلوس الیه اھ (شامیه کتاب الحظر والاباحة ج ۵) بریقہ محمودیہ جلد ۴ میں مروج وجد پر بہت زیادہ رد کیا ہے جو قابل دید ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۲ھ

میت کے سینہ پر کلمۂ شہادت لکھنا

سوال: میت کے سینہ یا پیشانی پر کلمۂ شہادت لکھنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

جائز نہیں۔ اس لئے کہ میت کے پھٹنے کی وجہ سے بے حرمتی ہوگی۔ البتہ اگر بغیر روشنائی وغیرہ کے صرف انگلی سے میت کے سینہ پر لکھا جائے اس طرح کہ لکھنے کے نشان ظاہر نہ ہوں تو یہ فی نفسہ جائز ہے۔ مگر آجکل لوگوں کے عقیدہ کا فساد ظاہر ہے، اسے ضروری خیال کرنے ہیں اور ایسے امور سے معاصی پر جرأت کرنے لگتے ہیں لہٰذا اس طریقے سے لکھنا بھی جائز نہیں۔ قال فی الشامیۃ وقد افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان یکتب علی الکفن یٰس والکہف ونحوہما خوفا من صدید المیت والقیاس المذکور (علی انہ کان مکتوبا علی افخاذ الافراس فی اصطبل الفاروق حبیس فی سبیل اللّٰہ وایضا یقاس علی کتابۃ للّٰہ فی ابل الزکوٰۃ) ممنوع لان القصد ثم التمییز وھنا التبرک فالاسماء المعظمۃ باقیۃ علی حالہا فلا یجوز تعریضہا للنجاسۃ والقول بانہ یطلب فعلہ مردود لان مثل ذلک لا یحتج بہ الا اذا صح عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم طلب ذلک ولیس کذلک وقدمنا قبیل باب المیاہ عن الفتح انہ تکرہ کتابۃ القرآن واسماء اللّٰہ تعالیٰ علی الدراہم والمحاریب والجدران وما یفرش وما ذاک الا لاحترامہ وخشیۃ وطئہ ونحوہ مما فیہ اہانۃ فالمنع ھنا بالاولی ما لم یثبت عن المجتہد او ینقل فیہ حدیث ثابت فتأمل نعم نقل بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان مما یکتب علی جبہۃ المیت بغیر مداد بالاصبع المسبحۃ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم وعلی الصدر لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ وذلک بعد الغسل قبل التکفین اھ واللّٰہ اعلم (رد المحتار) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

۲۴ صفر سنہ ۱۳۸۴ ہجری

دفن کے بعد بالالتزام تین دفعہ دعا مانگنا

سوال: ہمارے ملک میں رواج ہے کہ دفن کرنے کے بعد قبر پر دعا مانگتے ہیں اور پھر چند قدم پیچھے ہٹ کر دوبارہ دعا مانگتے ہیں۔ پھر چند قدم ہٹ کر تیسری دفعہ دعا مانگتے ہیں اسکا التزام کیا جاتا ہے۔ کیا یہ امر شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

دفن کے بعد بدون ہاتھ اٹھائے میت کے لئے مغفرت کی دعا کرنا حدیث سے ثابت ہے۔

كما في سنن ابي داود كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره وقال استغفروا لاخيكم واسألوا الله له التثبيت فانه الآن يسأل (الزروا المحتاج ۱) ہاتھ اُٹھا کر تین دفعہ دعا کرنا پھر اس کا التزام اور ہر دفعہ چند قدم پیچھے ہٹنا بدعت ہے اسکی کوئی ثبوت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ صفر سنہ ۱۳۷۲ھ

دفن کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا بدعت ہے

سوال: دفن کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے کے متعلق امداد الفتاویٰ حصہ اوّل میں جائز لکھا ہے تو کیا مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے منفرد کے لئے لکھا ہے یا اجتماعی طور پر بھی ہاتھ اُٹھا کر دعا کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بوقت زیارت قبور دعا میں رفع یدین کے متعلق یوں استدلال کیا ہے قال في الفتح والسنة زيارتها قائما والدعاء عندها قائما - ويفعل استعطافا على الميت وتوددا (شامیہ ص) اس سے دعا ثابت ہوئی اور دعا میں رفع یدین احادیث سے ثابت ہے لہذا اس میں بھی رفع یدین ہوگا۔ نیز صحیح مسلم کی صریح حدیث ہے کہ حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم بقیع میں تشریف لے گئے اور ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی۔

فقہ کی مذکورہ بالا عبارت اور حدیث مذکور اور امداد الفتاویٰ کا فتویٰ زیارۃ القبور سے متعلق ہے نہ کہ دفن سے متعلق۔ دفن کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا نہ حدیث سے ثابت ہے نہ فقہ سے اور نہ ہی امداد الفتاویٰ میں اسکا ذکر ہے اور نہ ہی اکابر علماء کا اس پر عمل ہے لہذا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (اس جواب سے رجوع ہے طعام ؟ ملاحظہ ہو)

غرۃ ربیع الاوّل سنہ ۱۳۸۸ھ

سوال مثل بالا

سوال: قبرستان میں میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر لوگوں کا ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک عالم دین کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دفن کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی ہے اپنی دلیل میں یہ حدیث پیش کرتا ہے وعن عثمان كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا فرغ من دفن الميت وقف عليه وقال استغفروا لاخيكم واسألوا الله له التثبيت فانه الآن

بیان رواہ ابوداود وغیرہ، تو کیا اس عالم کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ جزاکم اللہ تعالیٰ جزاءً حسنا

الجواب باسم ملہم الصواب

دفن کے بعد دعا ثابت ہے، البتہ اس دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے، مولوی صاحب نے دلیل میں جو حدیث پیش کی ہے اس میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الآخر سنہ ۱۳۹۶ ہجری

نماز عید کے بعد مصافحہ کرنا

سوال: عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا جیسا کہ آجکل مروج ہے جائز ہے یا ناجائز؟ طحطاوی مصری صفحہ ۳۰۸ میں ذیل کی عبارت سے جواز معلوم ہوتا ہے ولکن اتطلب المصافحۃ فھی سنۃ عقیب الصلوات کلہا وعند کل لقی۔ بینوا بالبرھان توجروا من الرحمٰن۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شامیہ میں بعض دیگر کتب سے بھی جواز نقل کرکے اس پر رد فرمایا ہے، مجوزین کی دلیل یہ ہے کہ مصافحہ بعد الصلوٰۃ بھی چونکہ مطلق مصافحہ مسنونہ میں داخل ہے لہٰذا جائز ہے اگرچہ خصوصیت سے منقول من القرون المشہود لہا بالخیر نہیں۔ یہ استدلال بین البطلان ہے کیونکہ اوقات کی تخصیص زیادت فی الدین ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین عبارات جواز نقل کرنے کے بعد ان کے رد میں فرماتے ہیں۔ ونقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انہ تکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوٰۃ بکل حال لان الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ما صافحوا بعد اداء الصلوٰۃ ولانہا من سنن الروافض اھ ـــــ ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعیۃ انہا بدعۃ مکروہۃ لا اصل لہا فی الشرع وانہ ینبہ فاعلہا اولاً ویعزر ثانیاً ثم قال وقال ابن الحاج من المالکیۃ فی المدخل انہا من البدع وموضع المصافحۃ فی الشرع انما ہو عند لقاء المسلم لاخیہ لا فی ادبار الصلوات فحیث وضعہا الشرع یضعہا فینہی عن ذلک ویزجر فاعلہ لما اتی بہ من خلاف السنۃ اھ ثم اطال فی ذلک فراجعہ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۴۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رمضان المبارک سنہ ۹۴ھ

نمازِ عید کے بعد مصافحہ و معانقہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نمازِ عیدین کے بعد مصافحہ کرنا جیسا کہ آجکل مروّج ہے جائز ہے یا کہ ناجائز، اور اگر ناجائز ہے تو عوام الناس کو اس سے روکنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۱) اس میں مخالفت کیسی ہے اور کس درجہ کی ہے؟

(۲) یہ مخالفت آیا نماز ادا کرنے کے فوراً بعد کے لئے ہے یا عید کا پورا دن بھی داخل ہے؟

(۳) کیا معانقہ تو اس میں شامل نہیں؟ اس مسئلہ میں لوگوں میں اختلاف ہے براہِ کرم جواب سے نوازیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) یہ طریقہ اختیار کرنا بدعت اور مکروہ ہے۔

(۲) یہ مخالفت فوراً بعد نماز کے لئے ہے، کیونکہ یہ فعل شارع علیہ السلام سے ثابت نہیں

(۳) معانقہ بھی اس میں شامل ہے یعنی نماز کے بعد فوراً معانقہ بھی جائز نہیں، ویسے عید کے دن بوقت ملاقات مصافحہ و معانقہ درست ہے وموضع المصافحۃ فی الشرع انما هو عند لقاء المسلم لاخیہ لا فی ادبار الصلوات (رد المحتار ص ۲۳۵ ج ۵)

بدعت یا کسی گناہ کا ارتکاب کسی مصلحت کے پیش نظر ہرگز جائز نہیں البتہ دوسروں کو منع کرنا اس وقت ضروری ہے جبکہ قبول کی امید ہو ورنہ نہی عن المنکر ضروری نہیں، غرضیکہ خود نمازِ عید کے بعد کسی سے معانقہ و مصافحہ نہ کرے۔ ہاں اگر کسی سے ملاقات ہی بعد نماز کے ہوئی ہو تو اس سے جائز ہے مگر تشبّہ بالبدعۃ اور اس کی تائید کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے اس سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۸ھ

نمازوں کے بعد مصافحہ

سوال: فجر کی نماز کے بعد چند لڑکے اور بڑے حضرات صف بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسجد سے نکلنے والے مصلّی ان سے مسلسل مصافحہ کرتے ہیں یہ عمل کچھ عرصے سے ہر روز بعد نماز فجر بالالتزام کیا جا رہا ہے۔ کیا اس عمل کو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یا تابعین نے کیا ہے اس عمل کو نیکی اور باعث ثواب سمجھنا کیسا ہے؟ منع کرنے کے باوجود اس عمل

کو جاری رکھیں تو منع کرنے والے پر مزید کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

شریعت میں مصافحہ کا موقع صرف اوّل ملاقات ہے۔ نمازوں کے بعد مصافحہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت نہیں بلکہ یہ روافض کی ایجاد اور بدعت ہے اس لئے اس سے احتراز واجب ہے بلکہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے صراحۃً لکھا ہے کہ اس بدعت کے مرتکب کو بذریعہ زجر و توبیخ روکنے کی کوشش کی جائے، اگر پھر بھی باز نہ آئے تو بشرطِ قدرت اسے سزا دی جائے۔ البتہ جہاں روکنے کی قدرت نہ ہو وہاں روکنا ضروری نہیں، نقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انہ تکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوٰۃ بکل حال لان الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ما صافحوا بعد اداء الصلوٰۃ ولانہا من سنن الروافض اھ ثم نقل عن ابن حجر من الشوافع انہا بدعۃ مکروھۃ لا اصل لہا فی الشرع وانہ ینبہ فاعلہا اولاً ویعزر ثانیاً ثم قال وقال ابن الحاج من المالکیۃ فی المدخل انہا من البدع وموضع المصافحۃ فی الشرع انما ھو عند لقاء المسلم لاخیہ لا فی ادبار الصلوات فحیث وضعہا الشرع یضعہا فینہی عن ذلک ویزجر فاعلہ لما اتی بہ من خلاف السنۃ اھ ثم اطال فی ذلک فراجعہ (رد المحتار ج۵ ص۲۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ربیع الاول سنہ ۹۴ھ

اہل میت کی طرف سے دعوت کی رسم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس طعام کے بارے میں جسے اہل میت تیار کر کے لوگوں کی دعوت کرتے ہیں۔ شادی کی طرح اس موقع پر بھی خویش و اقارب اور احباب کا اجتماع ہوتا ہے اور اس رسم کو ضروری سمجھا جاتا ہے بینوا بیاناً شافیاً، توجروا اجراً وافیاً۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ دعوت مروجہ ناجائز اور بدعت ہے بچند وجوہ۔

(۱) یہ حقیقت میں ہنود کی رسم ہے پس اس میں تشبہ بالہنود ہے۔

(۲) شریعت میں غمی کے موقع پر دعوت مشروع نہیں۔ کتب فقہ میں تصریح ہے۔ الخ الدعوۃ شرعت فی السرور لا فی الشرور۔

(۳) اس دعوت کو لازم سمجھا جاتا ہے اور التزام مالا یلزم ناجائز ہے۔

(۴) دعوت پر جو رقم صرف ہوتی ہے اس میں عموماً نابالغ یتامی کا حصہ بھی ہوتا ہے۔

والذین یأکلون اموال الیتامی ظلما انما یأکلون فی بطونہم نارا وسیصلون سعیرا۔

نابالغ کا مال صدقہ وخیرات دینا کسی صورت میں بھی روا نہیں۔

(۵) اس دعوت سے مقصود ایصال ثواب نہیں ہوتا بلکہ ریا ونمود مطلوب ہوتی ہے۔ یا لوگوں کے طعن وتشنیع کے ڈر سے دعوت کی جاتی ہے جو کہ شرک اصغر ہے۔ ایصال ثواب مقصود نہ ہونے پر چند قرائن ہیں۔

(الف) اخفاء صدقہ افضل ہے۔ اس کے باوجود اگر اخفاء کی ترغیب ان لوگوں کو دی جائے تو ہرگز قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔

(ب) صدقہ بصورت نقد زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں اخفاء بھی سہل ہے اور فقراء کے لئے نافع بھی زیادہ ہے کہ جیسی ضرورت ہوگی اس نقد رقم سے پوری ہو سکے گی۔ اور اگر حالاً کوئی ضرورت نہیں تو نقد رقم وقت ضرورت کے لئے محفوظ بھی رکھ سکتا ہے یہ فوائد دعوت میں نہیں بلکہ بعض دفعہ کھانا مضر بھی ہوتا ہے مگر نقد صدقہ سے ایصال ثواب پر کوئی راضی نہیں۔

دوسرے درجہ میں صدقہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ حاجت مند کی ضرورت کے پیش نظر اسے صدقہ دیا جائے یعنی مریض کو دوا، مسافر کو کرایہ ٹکٹ، زاد وغیرہ۔ بھوکے کو طعام اور برہنہ کو لباس، جوتا، موسم سرما میں بے سروسامان کو کمبل، رضائی وغیرہ۔ غرضیکہ دفع ضرورت کا خیال رکھا جائے۔ مگر یہاں تو بہرکیف کھانا ہی کھلانا ہے۔ خواہ مریض بلا دوا کے کراہ رہا ہو۔ برہنہ جسم سردی سے ٹھٹھر رہا ہو یا شدت گرمی سے جلا جا رہا ہو۔ مسافر منزل مقصود تک پہنچنے سے لاچار ومجبور ہونے کی وجہ سے پریشان ہو۔ اگر ان لوگوں کو دعوت کی بجائے صحیح طریق صدقہ کا مشورہ دیا جاتا ہے، جو فقراء کے لئے بھی نافع ہو اور میت کے لئے بھی اور خود صدقہ کرنے والوں کے لئے بھی تو جواب ملتا ہے کہ دعوت نہ کرنے کی صورت میں برادری ناراض ہو جائے گی۔ ہماری ناک کٹ جائے گی، لوگ کہیں گے مر گیا مردود نہ فاتحہ نہ درود۔

(ج) اگر ایصال ثواب کی نیت ہوتی تو فقراء ومساکین کو مقدم کیا جاتا۔ حالانکہ ہوتا یہ ہے کہ اقرباء واحباب کا اجتماع ہوتا ہے یا پھر اصحاب اقتدار اور اہل ثروت لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے

مفید بشرطیکہ است کہ ایں صدقات موافق حکم شرع باشد چنانکہ بنا چاہ و مسجد و نقد و لباس و غلات وغیرہا از مال حلال بفقرا دادن کہ ایں امور بالاتفاق جائز است و مفید بود و اگر طعام پختہ بفقرا حوالہ سازند یا بمسجد و خانقاہ بفقرا بفرستند نزد بعضے جائز و نزد بعضے ایں ہم غیر جائز بالجملہ ایں صورت مختلف فیہا است۔ اما در خانہ بطور ضیافت خورانیدن خورندگان خواہ فقرا باشند خواہ اغنیا نزد ہیچ کس جائز نیست کہ ایں رسم جاہلیت عرب و رسم تمام ہنود ہندوستان است و در آں تشبیہ بکفار است و مطابق حدیث نوشتہ ایم کہ من تشبہ بقوم فہو منہم الحدیث۔ یہ فتویٰ صحیح ہے یا غیر صحیح اسکا جواب ارشاد فرمائیے۔

جواب

ہمارے نزدیک صحیح ہے اور تشبہ اس میں حاصل ہے اگرچہ قلیل ہو۔ فقط

رشید احمد

(فتاوی رشیدیہ ص ۲۴۳ اصح قرآن محل کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ شوال سنہ ۷۱ھ

طعام میت سے متعلق ایک حدیث کا جواب

سوال: مشکوٰۃ کتاب الفتن باب المعجزات فصل ثالث میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ سے فارغ ہوئے تو میت کی بیوی نے آپ کی دعوت کی، اس سے جواز دعوت برائے ایصال ثواب کا ثبوت ملتا ہے۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وفیہ نظر فانہ واقعۃ حال لا عموم لہا مع احتمال سبب خاص بخلاف ما فی حدیث جریر علی انہ بحث فی المنقول فی مذہبنا ومذہب غیرنا کالشافعیۃ والحنابلۃ استدلالا بحدیث جریر المذکور علی الکراہۃ ولا سیما اذا کان فی الورثۃ صغار او غائب مع قطع النظر عما یحصل عند ذلک غالبا من المنکرات الکثیرۃ کایقاد الشموع والقنادیل التی توجد فی الافراح (رد المحتار ج ۱ ص ۶۶۲)

بہتر جواب یہ ہے کہ کاتب کی غلطی سے بجائے لفظ امرأۃ بلا اضافت کے امرأتہ بالاضافت لکھا گیا ہے چنانچہ ابوداود جلد دوم کتاب البیوع ص ۱۱ اور طحاوی جلد دوم باب لحوم الحمر الاہلیۃ کتاب الصید والذبائح میں امرأۃ بلا اضافت ہے۔ صاحب مشکوٰۃ ناقل ہیں ابوداود سے

لہٰذا بوقت تعارض ابوداود ہی کی روایت کا اعتبار ہوگا۔ پس استدلال کی بنا ہی منہدم ہوگئی
نیز اگر ایصال ثواب کے اس طریق مخصوص کی کوئی اصل ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ضرور
اس پر عمل کرتے۔ حالانکہ صحابہ وتابعین ومن بعدہم کسی سے بھی اس رسم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا،
اس کے برعکس حضرت جریر فرماتے ہیں: کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعۃ الطعام
من النیاحۃ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ ربیع الاول [illegible]ھ

طعام میت سے متعلق بعض عبارات کا جواب

سوال: میت کے گھر تین ایام تک اتخاذ طعام وغیرہ کے ممنوع ہونے پر فقہاء نے حضرت
جریر رضی اللہ عنہ کی روایت کنا نعد الاجتماع عند اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ
اور دوسری روایت لا عقر فی الاسلام، تیسری دلیل وانما شرع فی السرور لا فی الشرور، چوتھی
دلیل، یہ زمانہ جاہلیت کی رسم تھی اسلام نے اس سے منع فرما دیا۔ پانچویں دلیل یہ کہ مذاہب
اربعہ میں اس طعام کو ناجائز قرار دیا گیا ہے لہٰذا کسی مقلد کو اس میں بحث کرنے کا حق حاصل
نہیں، دلیلیں پیش کی ہیں۔

ان دلائل کی عمومیت کا تقاضا یہ ہے کہ اتخاذ الطعام چاہے فقراء کے لئے ہو یا غیر فقراء
کے لئے، جائز نہیں۔ جیسا کہ فقہاء نے اسی پر زور دیا ہے لیکن صاحب بزازیہ نے کتاب الاستحسان
میں لکھا ہے وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا، اسی طرح قاضیخان کا بھی ایک قول ہے، صاحب
بریقہ نے قاضیخان کے اس قول کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ فقراء کو ان کے گھر پہنچا دیں یہاں
تاویل کی ضرورت یہ بتائی ہے کہ یہ قول روایات بالا کے مخالف ہے جیسا کہ ظاہر ہے اب
پوچھنا یہ ہے کہ بزازیہ اور قاضیخان نے کس بنا پر فقراء کے لئے جواز کا قول نقل کیا ہے اور اسکا
کیا جواب ہے۔ نیز اس دور کے بعض مفتی صاحبان عدم جواز کا فتوی دیتے ہیں تو ساتھ
ساتھ یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ اگر فقراء کے لئے کھانے کا انتظام کیا تو موجب اجر ہے یہ فرمانا کس
بنا پر ہے اور کہاں تک صحیح ہے۔ حالانکہ اگر فقراء کے لئے جواز کا فتوی دیا تو عام عوام
کی صورتیں عمل میں لائی جائیں گی۔ نیز اصل مسئلہ میں علامہ حلبی شارح منیہ جواز کے
قائل ہیں۔ اور علامہ طحطاوی نے بھی جواز کے اس قول کو نقل فرمایا ہے اسکا کیا جواب ہوگا
امید کہ مدلل اور مفصل تحریر فرمائیں گے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بزازیہ میں و یکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ایام المصیبۃ کے بعد وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا کو ذکر کرنا واضح دلیل ہے کہ اس سے مراد فقراء کے گھر پہنچانا ہے۔ حلبی نے ابوداؤد کی جس حدیث سے جواز پر استدلال کیا ہے اس میں "امرأته" ناسخ کی غلطی ہے۔ ابوداؤد میں "امرأة" ہے لہٰذا اس سے استدلال صحیح نہیں، اگر دعوت فقراء کا جواز فی نفسہٖ تسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی مروجہ رسم کے التزام اور دوسرے مفاسد و قبائح کے پیش نظر اس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ رمضان المبارک ۸۳ھ

صفر کے آخری بدھ میں عمدہ کھانا پکانا

سوال: ماہ صفر کے آخری بدھ کو بہترین کھانا پکانا درست ہے یا نہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ماہ صفر کے آخری بدھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض سے شفا ہوئی تھی اس خوشی میں کھانا پکانا چاہیے، یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ غلط اور من گھڑت عقیدہ ہے اس لئے ناجائز اور گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ ربیع الاول سنہ ۹۰ھ

بغرض دفع بلیات اجتماعی ختم

سوال: پچھلے دنوں بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا، اس سے بچاؤ کے لئے اور بھارت کی مغلوبیت اور پاکستان کی فتح و نصرت کے لئے لوگوں نے اجتماعی طور پر قرآن پاک پڑھا، اکتالیس مرتبہ سورۂ یٰسین پڑھی اور سوالاکھ مرتبہ آیۂ کریمہ پڑھی۔ اس طرح پڑھنے پر ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ اجتماعی طور پر پڑھنا ثابت نہیں ہے اور تعداد کی تعیین بھی غلط ہے لہٰذا ان بدعات کو ختم کرنا چاہیے۔ اس مسئلہ اور اس اعتراض پر شریعت کے مطابق روشنی ڈال کر رہنمائی فرمائیے۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس رسم میں کئی مفاسد ہیں، ماحصل نسخہ تو ترک سیئات ہے (مفاسد کی تفصیل جلد ہفتم کتاب الاجارہ میں ہے)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴ ذی قعدہ سنہ ۹۱ھ

مروّج قرآن خوانی

سوال : قرآن خوانی کے بعد لوگوں کو کھانا کھلا دیا جائے تو کیا یہ بھی اُجرت میں داخل ہو کر ممنوع قرار دیا جائے گا ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اوّلاً تو مروّج قرآن خوانی ہی ایک رسم محض بن کر رہ گئی ہے۔ اگر ایصالِ ثواب مقصود ہے تو اس کے لئے ہر شخص اپنے اپنے مقام پر تلاوت کر سکتا ہے اجتماع کی کیا ضرورت ہے۔ ثانیاً اگر یہ قرآن خوانی ایصالِ ثواب کے لئے ہو تو اس کی اُجرت ممنوع ہے اور کھانا کھلانے کا جہاں دستور ہو وہ بھی اُجرت میں شمار ہوگا۔ نیز ایصالِ ثواب کے لئے دعوت بذاتِ خود بدعت اور ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ رجمادی الاولیٰ سنہ ۹۲ھ

بیماری سے شفا کے بعد قرآن خوانی

سوال : بیماری سے صحت پانے کے بعد اس خوشی میں کہ اللہ نے مجھے شفا دی ہے کچھ آدمیوں کو بلا کر قرآن خوانی کرانا جائز ہے یا نہیں اور قرآن کے ختم پر کھانا کھلانا یا مٹھائی تقسیم کرنا اور پھر دعا خیر کرانا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

شریعت میں ادائے شکر کے صرف دو طریقے ہیں :

(۱) خود عبادت کرنا ، اور سب سے بڑی عبادت ترکِ گناہ ہے۔ دوسرے درجہ پر نفل عبادۃ مثلاً تلاوت ، نوافل ، صدقہ وغیرہ

(۲) اظہارِ مسرت کے لئے دعوت کرنا یا بچوں میں مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنا۔ ایسے موقع پر قرآن خوانی کرانا بدعت ہے اس سے پرہیز ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ رذی قعدہ سنہ ۸۶ھ

افتتاحی تقریب میں قرآن خوانی کی رسم

سوال : کسی دوکان یا مکان کے افتتاح یا میت کے ایصالِ ثواب کیلئے قرآن خوانی کی جاتی ہے اسمیں محلہ کے لڑکوں اور لڑکیوں کو جمع کیا جاتا ہے اور جب تک مٹھائی یا دعوت نہ کھالیں یہاں سے جانے کی اجازت نہیں ہوتی اور اس کو ضروری سمجھا جاتا ہے اسکا کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

فی نفسہ قرآن کریم کی تلاوت ایصال ثواب کے لئے یا خیر و برکت کے لئے بلا شبہ بہت اہمیت رکھتی ہے مگر آجکل لوگوں نے اسے رسم بنالیا ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت کے لئے اجتماع کا اہتمام اور اسے ضروری سمجھنا اسی طرح دعوت وغیرہ کا التزام یہ سب امور بدعت اور ناجائز ہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ محرم سنہ ۹۵ ہجری

ایصال ثواب کے لئے اجتماع کا اہتمام

سوال: ہماری طرف میت کے تیسرے دن چنوں پر کلمہ وغیرہ پڑھ کر ثواب میت کو پہنچانا مروج تھا اب کچھ دنوں سے اس مروج طریقہ کو ترک کرکے میت کے دوسرے دن کسی اور جنس کے بیجوں پر مثلاً کھجوری گٹھلی و املی کے بیج پر پڑھ کر ثواب پہنچانا اور پھر اختتام پر شیرینی مثلاً بتاشے یا ریوڑی وغیرہ تقسیم کرنا شرعاً یہ بھی درست ہے؟ یا یہ بھی چنوں کی طرح بدعت واجب الاحتراز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اپنے طور پر صدقات نافلہ، تلاوت یا تسبیح و تہلیل وغیرہ کا ثواب میت کو پہنچانا حدیث سے ثابت ہے البتہ ایصال ثواب کے لئے اجتماع کا اہتمام اور اس میں قیود و رسوم نیز اہل میت کی طرف سے دعوت کرنا یہ سب امور بدعت اور ناجائز ہیں، ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة وفی البزازیة ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءة سورة الانعام او الاخلاص الخ (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۸ھ

مروّج صلوٰۃ و سلام

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اس وقت پاکستان کے کثر علاقوں میں بعد نماز جمعہ اور دیگر اوقات میں بھی کھڑے ہو کر سلام پڑھنا مروج ہے جس کی

وجہ سے اکثر مقامات پر جھگڑا اور فساد بھی ہوتا ہے اور اس سے مسلمانوں کے اتحاد کو زبردست
نقصان پہنچ رہا ہے لہٰذا از راہ کرم اس مسئلہ کی قرآن و حدیث اور اجماع امت و قیاس سے
تشریح فرمائیں۔ مفصلاً بحوالہ جات لکھیں اور یہ بھی واضح فرمائیں کہ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ
کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین، ائمہ مجتہدین وغیرہ بزرگان دین کے زمانے میں یہ رسم رائج
تھا یا نہیں۔ دلائل اور حوالوں سے اس مسئلہ کو پوری طرح واضح فرمائیں تاکہ مسلمانوں کے اتحاد و
اتفاق کو جو نقصان پہنچ رہا ہے اس کا ازالہ ہو سکے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ قال لقینی کعب بن عجرة فقال الا اهدی لک هدیة
سمعتها من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت بلی فاهدها لی فقال سألنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فقلنا یا رسول اللہ کیف الصلوٰة علیکم اهل البیت فان اللہ قد علمنا کیف نسلم علیک قال
قولوا اللهم صل علی محمد کما صلیت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انک حمید مجید (متفق علیه)
الا ان مسلما لم یذکر علی ابراهیم فی الموضعین۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ
تعالیٰ عنہم کو سلام علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ معلوم تھا یعنی التحیات للہ الخ مگر درود کا
طریقہ معلوم نہیں تھا سو انہوں نے دریافت کیا اور قولوا سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ مقام ہے تعلیم
کا، پس جس طرح تعلیم دیا گیا اس میں اور مروجہ سلام پڑھنے میں کوئی تعلق نہیں، اگر یہی مروجہ
طریقہ سلام وصلوٰۃ کا ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح پر تعلیم دیتے۔ معلوم ہوا کہ یہ مروجہ
طریقہ من گھڑت ہے اور من گھڑت چیزوں کو دین سمجھنا اور ثواب کی امید رکھنا بدعت ہے۔
اس مروجہ طریقہ کا ثبوت نہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم اور نہ تابعین اور نہ تبع تابعین اور نہ بزرگان سلف
صالحین سے پایا جاتا ہے ؎ محال است سعدی کہ راہ صفا ، تواں یافت جز در پے مصطفیٰ۔
مسجد میں جمع ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدعتی قرار دیا۔ فی البزازیة
وقد صح عن ابن مسعود انه سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یهللون ویصلون علیه علیه الصلوٰة والسلام جهرا فراح
الیهم فقال ما عهدنا ذلک علی عهده علیه السلام وما اراکم الا مبتدعین فما زال یذکر ذلک حتی اخرجهم عن المسجد
بزازیة علی هامش الهندیة ص ۳۷۸ ج ۶) ونقل عن البزازیة فی الشامیة ایضا تحت قوله وحرم [illegible] البزازیة
ونصه وصح عن ابن مسعود انه اخرج جماعة من المسجد یهللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جهرا وقال لهم ما اراکم الا
مبتدعین (رد المحتار ص ۳۵۰ ج ۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ذی قعدہ ۹۳ھ

سوال مثل بالا

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلے کے کہ اکثر مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و اظہار عقیدت کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کی صورت میں کرتے ہیں جو کہ بعض علماء کے نزدیک بدعت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ غلط ہے کہ اظہار محبت و عقیدت قیام عند التسلیم سے ہوتا ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سنتے ہی کھڑے ہونے سے ہوتا ہے۔ اظہار محبت و عقیدت تو اتباع و اطاعت سے ہوتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ و نعم ما قیل سے

تعصی الرسول وانت تظہر حبہ　　　　ھذا لعمری فی الفعال بدیع

لو کان حبک صادقا لاطعتہ　　　　ان المحب لمن یحب مطیع

اگر اظہار عقیدت ہی مقصود ہے تو آپ کا نام مبارک سنتے ہی کھڑے ہو جانا چاہیے حالانکہ ہزار بار آپ کا نام سنتے ہیں مگر کھڑے نہیں ہوتے جب تک وقت مخصوص نہ آئے اور مقام مخصوص تک نہ پہنچے۔ نیز اگر اظہار محبت و عقیدت اس صورت میں ہوتا تو جب کبھی بھی آپ کا نام سنیں یا آپ کا تذکرہ ہو یا جب بھی خلوت میں درود شریف پڑھیں تو کھڑے ہو جانا چاہیے مگر کوئی بھی اس وقت کھڑا نہیں ہوتا صرف جلوت میں اجتماعی طور پر قیام کا التزام کیا جاتا ہے معلوم ہوا کہ یہ اظہار محبت نہیں بلکہ ریاء و نمود اور خواہش پرستی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ ربیع الثانی ۸۰ ہجری

سوال مثل بالا

سوال: بعض اوقات نماز کے بعد لوگ مسجد میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں عقیدۃً اسے ضروری سمجھتے ہیں اور بعض دوسرے لوگ اس کو بدعت اور دینی امور میں اضافہ سمجھتے ہیں اس کی شرعی کیا حیثیت ہے اور کیا ایسے لوگوں کو روکا جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ فعل بلا شبہ منکر اور بدعت ہے بلکہ کئی بدعات کا مجموعہ ہے۔ مثلاً

(۱) درود شریف کے لئے وقت کی تخصیص۔

(۲) مکان کی تخصیص۔

(۳) اجتماعی ہیئت کی تخصیص۔

(۴) صورتِ امامت کی تخصیص۔

(۵) کھڑے ہو کر پڑھنے کی تخصیص۔

(۶) باواز بلند پڑھنے کی تخصیص۔

(۷) ان سب امور کا التزام۔

ان میں سے ہر فعل مستقل ایک بدعت ہے اس لئے کہ شریعت مطہرہ میں درود شریف کے لئے ان قیود و تخصیصات کا کوئی ثبوت نہیں، جس کام کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص کیفیت اور کوئی خاص طریقہ متعین نہ فرمایا ہو اس کے لئے اپنی طرف سے مخصوص طریقے بنا لینا دین میں اختراع اور زیادتی ہے جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طریقے کا علم نہ تھا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اس الزام اور افتراء کی وجہ سے بدعت پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، فرمایا: کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار یعنی دین میں ہر نئی پیدا کردہ چیز گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لیجانے والی ہے۔ اس قسم کے منکرات اور بدعات سے مساجد کی حفاظت کیلئے ہر ممکن کوشش کرنا فرض ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ شوال سنہ ۹۴ ہجری

کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا

ہمارے علاقے میں یہ دستور ہے کہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر ساری مجلس دعا کرتی ہے۔ اور نہ کرنے والوں کو بُرا بھی سمجھتے ہیں تو شرعی رُو سے یہ صحیح ہے یا نہیں؟ نیز اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگتے ہیں آیا ان مواقع پر ہاتھ اُٹھانا قرآن و حدیث اور فقہاء کے اقوال سے ثابت ہے یا نہیں اگر ہے تو دلائل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مطلق دُعا کے لئے رفع یدین مستحب ہے مگر جہاں شریعت نے خاص مواقع میں خاص الفاظ کے ساتھ دعا کی تعلیم دی ہے مثلاً مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت سونے کے وقت اور سونے سے اُٹھ کر بیت الخلاء میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت سوار ہوتے وقت اور بوقت جماع وغیرہ۔ ان مواضع میں دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا شرعاً ثابت نہیں کھانے

کے بعد اور اذان کے بعد دعا بھی اسی قسم میں داخل ہے، مذکورہ مواقع پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بدعت ہے، پھر نہ کرنے والوں کو برا جاننا اور زیادہ قبیح ہے، التزام سے تو امر مستحب کا بھی ترک لازم ہو جاتا ہے۔ کما فی صحیح البخاری وصحیح مسلم وسنن ابی داود والنسائی وابن ماجۃ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یجعل احدکم للشیطان شیئا من صلاتہ یری ان حقا علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ۔　فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ ذی قعدہ سنہ ۸۹ھ

سوال مثل بالا

سوال: کسی دعوت میں کھانا کھانے کے بعد اجتماعی طور پر اہل خانہ کے لئے دعا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں۔ نیز اس بارے میں اگر کسی امام سے کوئی دلیل ثابت ہے تو تحریر فرمائیے! اور اگر اس دعا کو ضروری خیال کیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل طعام کے لئے دعا کرنا ثابت ہے۔ عن عبد اللہ بن بسر قال نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ابی (الی ان قال) فقال ابی واخذ بلجام دابتہ ادع اللہ لنا فقال اللھم بارک لھم فیما رزقتھم واغفر لھم وارحمھم رواہ مسلم، مگر اس میں ہاتھ اٹھانا اور اجتماعی صورت ثابت نہیں لہٰذا اس رسم سے اجتناب ضروری ہے اور اسے ثواب سمجھنا یا ضروری قرار دینا بدعت اور ناجائز ہے ایسے وقت مستحب فعل کا ترک کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے کما قال الحدیث لا یجعل احدکم للشیطان شیئا من صلاتہ الخ وقال القاری فی المرقاۃ من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعۃ ومنکر انتہی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ محرم سنہ ۹۰ھ

چیلوں کو گوشت پھینکنا

سوال: کسی بیمار کی طرف سے بکرا صدقہ کرنا اور اس کا گوشت چیلوں کو پھینکنا کہ جلد آسانی سے روح نکل جائے یا تو صدقہ کی برکت سے شفا عطا فرمائے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ جہال کی خرافات میں سے ہے۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اس قسم کے ٹونے ٹوٹکے ہندؤں سے لئے گئے ہیں اس کا بہت سخت گناہ ہے۔ البتہ مطلق صدقہ سے آفت ٹلتی ہے اور صدقہ بصورت نقد زیادہ افضل ہے۔ یعنی کچھ رقم کسی مسکین کو دیدی جائے یا کسی کار خیر میں لگادی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ محرم سنہ ۹۲ھ

بیماری سے شفا کے لئے بکرا ذبح کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید سخت بیمار ہے اگر اس کی طرف سے بکرا ذبح کرکے گوشت فقیروں کو تقسیم کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں، کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کی وجہ سے اس بیمار پر رحم کرے یا آسانی سے جلد روح نکل جائے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر جائز ہے تو جانور کی عمر اور رنگ کی بھی کوئی تخصیص ہے یا جیسا ہو ویسا ہی جائز ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آفات اور بیماری سے حفاظت کے لئے صدقہ وخیرات کی ترغیب آئی ہے مگر عوام کا اعتقاد اس بارے میں یہ ہوگیا ہے کہ کسی جانور کا ذبح کرنا ہی ضروری ہے جان کو جان کا بدلہ سمجھتے ہیں، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، یہ عوام کی خودساختہ بدعت ہے۔ اگر کوئی یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو تو بھی اسمیں چونکہ اس عقیدے اور بدعت کی تائید ہے لہٰذا ناجائز ہے، اور کسی قسم کا صدقہ وخیرات کردے۔ شریعت میں قربانی اور عقیقہ کے سوا اور کہیں بھی جانور کا ذبح کرنا ثابت نہیں، یہ غلط عقیدہ اچھے اچھے دیندار لوگوں میں بھی پایا جاتا ہے اس لئے علماء پر لازم ہے کہ اس کی اصلاح پر خاص توجہ دیں اور مدارس دینیہ میں اس قسم کے جو بکرے دیئے جاتے ہیں ان کو ہرگز قبول نہ کریں، علماء کی چشم پوشی اور ایسے بکروں کو قبول کرلینے سے اس گمراہی کی تائید ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۸۶ھ

کونڈوں کی حقیقت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۲۲ رجب کو کونڈا کرنے کی رسم کا کیا حکم ہے؟ اور شریعت میں اس کی کیا اصل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کونڈوں کی مروجہ رسم دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر اظہارِ مسرت کے لئے ایجاد کی ہے۔ ۲۲ رجب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ وفات ہے۔ (طبری ۔ منجد وغیرہ) ۲۲ رجب کو حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں، نہ اس میں ان کی ولادت ہوئی نہ وفات۔ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی ولادت ۸ رمضان ۸۰ھ یا ۸۳ھ کی ہے اور وفات شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس رسم کو محض پردہ پوشی کے لئے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ورنہ درحقیقت یہ تقریب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔

جس وقت یہ رسم ایجاد ہوئی شیعہ مسلمانوں سے مغلوب و خائف تھے، اس لئے یہ اہتمام کیا گیا کہ شیرینی علانیہ تقسیم نہ کی جائے تاکہ راز فاش نہ ہو بلکہ دشمنانِ حضرت معاویہ خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے ہاں جاکر اسی جگہ یہ شیرینی کھالیں جہاں اس کو رکھا گیا ہے اور اس طرح اپنی خوشی و مسرت ایک دوسرے پر ظاہر کریں۔ جب اس کا چرچا ہوا تو اس کو حضرت جعفر صادق کی طرف منسوب کرکے یہ تہمت ان پر لگائی کہ انھوں نے خود اس تاریخ کو اپنی فاتحہ کا حکم دیا ہے حالانکہ یہ سب منگھڑت ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہرگز ایسی رسم نہ کریں بلکہ دوسروں کو بھی اس کی حقیقت سے آگاہ کرکے اس سے بچانے کی کوشش کریں۔ فقط واللہ الہادی الیٰ سبیل الرشاد

۲۰ رجب سنہ ۱۴۰۰ ہجری

اذان سے قبل درود شریف پڑھنا

سوال: ہماری مسجد میں بیسیوں سال سے نماز ہوتی ہے الحمد للہ کسی قسم کا جھگڑا وغیرہ نہیں ہوا لیکن کچھ دن سے کچھ آدمی اس مسئلے پر بحث میں مبتلا ہیں کہ جس سے اس محلے اور قرب و جوار میں آپس میں کافی کشیدگی اس بات پر پیدا ہوئی ہے کہ آیا اذان سے پہلے مؤذن بآوازِ بلند درود شریف پڑھ کر اذان شروع کرے یا کہ مؤذن درود شریف خاموشی سے پڑھ کر اذان شروع کردے جس سے یہ کشیدگی اور آپس کی شکر رنجی ختم ہو، کیا یہ ٹھیک ہے؟ ایسا کیا جا سکتا ہے یا درود شریف اذان کے ساتھ بآوازِ بلند پڑھ کر اذان دینا ضروری ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

درود شریف کا موقع شریعت مطہرہ نے اذان کے بعد بتایا ہے نہ کہ اذان سے پہلے، لہٰذا اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا خواہ بلند آواز سے ہو یا آہستہ بہرکیف ناجائز اور بدعت ہے اور دین میں اپنی طرف سے زیادتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی نماز کے آخر کی بجائے نماز شروع کرتے ہی سبحانک اللّٰہم کی بجائے درود پڑھنے لگے اور روکنے والے کو درود شریف کا منکر بتائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ رمضان المبارک سنہ ۸۸ھ

اذان کے بعد بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام

سوال: الدر المختار باب الاذان میں جو لفظ آیا ہے التسلیم بعد الاذان الخ اس سے کیا مراد ہے؟ آیا وہ سلام جو بریلوی پڑھتے ہیں یا کچھ اور؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

الدر المختار کی پوری عبارت یہ ہے (فائدۃ) التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبعمائۃ واحدی وثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشر سنین حدث فی الکل الا المغرب ثم فیہا مرتین وھو بدعۃ حسنۃ قال ابن عابدین (قولہ وھو بدعۃ حسنۃ) قال فی النھر عن البدیع والصواب من الاقوال انھا بدعۃ حسنۃ وحکی بعض المالکیۃ الخلاف ایضا فی تسبیح المؤذنین فی الثلث الاخیر من اللیل وان بعضھم منع من ذلک وفیہ نظر اھ ملخصا (رد المحتار ص ۲۶۲ ج ۱)

اس تسلیم سے مراد وہ درود شریف ہے جس کا حکم حدیث میں وارد ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ فانہ من صلی علیّ صلوٰۃ صلی اللہ علیہ بھا عشرا ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانھا منزلۃ فی الجنۃ لا ینبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجوا ان اکون انا ھو فمن سأل لی الوسیلۃ حلت علیہ الشفاعۃ رواہ مسلم (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۴ ج ۱) وفی الصحیح لمسلم عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ (الصحیح لمسلم ص ۱۶۶ ج ۱) فی شرح معانی الآثار بھذہ الالفاظ الا انہ ذکر مکان منزلۃ منزل وبمکان حلت علیہ الشفاعۃ، حلت لہ الشفاعۃ (شرح معانی الآثار)

اس حدیث میں "ثم صلوا علی" کا امر سامعین کیساتھ مؤذن کو بھی شامل ہے۔ پس درود شریف کا ثبوت تو حدیث سے ہے البتہ اس کی کیفیت مستحدث ہے اس کیفیت کے بدعت ہونے میں عبارات مختلف ہیں صورت تطبیق یہ ہے کہ اگر اس خاص کیفیت میں مزید ثواب سمجھا جائے اور اسکا التزام ہو تو جائز ہے ورنہ بلاشبہ بدعت ہے۔ قال سلطان العلماء الملا علی القاری فما یفعله المؤذنون الآن عقیب الاذان من الاعلان بالصلوٰۃ والسلام مرارًا اصله سنة والکیفیة بدعة لان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر فیه کراهة سیما فی المسجد الحرام لتشویشه علی الطائفین والمصلین والمعتکفین (مرقات ص ۴۲۶ ج ۲)

ہمارے زمانے کے اہل بدعت نے اسکو ضروری قرار دے لیا ہے اگر کوئی نہ پڑھے تو اسے برا بھلا کہا جاتا ہے جو التزام مالا یلزم ہے۔ امام طحاوی نے اذان کے بعد مطلقاً دعا پر بحث کرتے ہوئے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو اسے مستحب سے زیادہ درجہ دیتے ہیں۔ نیز اکثر اہل بدعات صلوٰۃ وسلام کو اذان پر مقدم رکھتے ہیں، اور اس کا کوئی ثبوت نہیں، نیز مروجہ صلوٰۃ وسلام خواہ اذان سے پہلے ہو یا بعد میں اسے بلند آواز سے بلکہ لاؤڈ اسپیکر پر پڑھا جاتا ہے، قطع نظر اسکے کہ ذکر میں اخفاء اولیٰ بلکہ مطلوب ہے۔ مسجد کے اندر یا اسکے قریب زور سے آواز و شور خواہ ذکر یا تلاوت قرآن ہی سے کیوں نہ ہو ممنوع ہے۔ ملا علی قاری کی عبارت بطور نمونہ پیچھے گزر چکی ہے ان تمام تفصیلات سے قطع نظر چونکہ ہمارے زمانے میں بالخصوص برصغیر ہند و پاک بشمول ایران و افغانستان و بلوچستان کے مروجہ صلوٰۃ و سلام بلاشبہ فرقہ بریلویہ کا شعار ہے جو اس مستحب کو فرض و واجب کا مقام دیتے ہیں اسلئے اس سے بچنا شرعاً ضروری ہے، چنانچہ فقہاء نے اسکی تصریح کر دی ہے کہ جب کسی مستحب کو لوگ ضروری سمجھنے لگیں تو ایسے وقت میں اسکا ترک واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ ربیع الآخر سنہ ۹۱ھ

روزہ کشائی کی رسم

سوال : ہماری طرف یہ رواج ہے کہ جب بچے کو پہلا روزہ رکھواتے ہیں تو افطار کے وقت اس کے گلے میں ہار ڈالتے ہیں اور ایک یا دو دیگ کھانا پکا کر دوست واحباب اور رشتہ داروں کو کھلاتے ہیں اور مسجد میں افطار کے لئے کھانا بھیجا جاتا ہے تو کیا ایسے کھانے کا ثبوت کسی حدیث سے ہے یا نہیں؟ اور طریقہ مذکورہ جائز و درست ہے یا نہیں؟ کھانا بھی درست ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس رسم کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، اس کو ثواب سمجھ کر کرنا دین میں اپنی طرف سے زیادتی کرنے کی وجہ سے بدعت اور ناجائز ہے بلکہ ثواب نہ بھی سمجھے تو بھی اس کا ترک لازم ہے کیونکہ یہ ایسی رسم بن چکی ہے جس کی قباحت اہل عقل پر ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ رمضان سنہ ۸۸ھ

قبر میں کیوڑہ چھڑکنا

سوال: میت کو دفن کرتے وقت قبر کے اندر کیوڑہ کی بوتل چھڑکنا درست ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں کہ خوشبو کی چیز ہے اور خوشبو سے میت کو سرور ہوتا ہے اسی طرح اگربتی قبر پر یا قبر سے قریب سلگانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قبر کے اندر خوشبو چھڑکنا مستحب ہے، باہر اگربتی وغیرہ جلانا بدعت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۶ رمضان المبارک ۸۸ھ

رمضان کے آخری جمعہ میں وداعی خطبہ پڑھنا

سوال: ماہ رمضان کے آخری جمعہ کے خطبہ میں الوداع اور الفراق کہنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اس کی شرع میں کوئی اصل نہیں بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ شوال سنہ ۹۵ ہجری

مبارک راتوں میں مساجد میں اجتماع

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ عیدین، نصف شعبان، رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ اور دیگر لیالی مبارکہ میں جو عام رواج بن گیا ہے کہ مساجد میں ذکر و تلاوت وغیرہ کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں اور بعض مساجد میں تقریر کا بھی اہتمام ہوتا ہے اس کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ان مبارک راتوں میں مساجد میں آکر عبادت کرنے کے تین طریقے ہیں:

(۱) مسجد میں آکر عبادت کرنے کا اہتمام نہیں کیا بلکہ اتفاقاً مسجد میں آکر تلاوت و ذکر میں لگ گئے، یہ جائز ہے لیکن یہ نوافل اور ذکر اگر گھر میں کرتا تو زیادہ ثواب ملتا، بلکہ مسجد حرام و مسجد نبوی کی بہ نسبت بھی گھر میں نفل عبادت کا زیادہ ثواب ہے، چنانچہ حدیث میں ہے عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوٰة المرء فی بیتہ افضل من صلوٰتہ فی مسجدی ھذا الا المکتوبة (رواہ ابوداود) و ایضاً عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال افضل الصلوٰة صلوٰة المرء فی بیتہ الا المکتوبة. رواہ الجماعة الا ابن ماجة (نیل الاوطار)

(۲) مسجد میں آنے کا اہتمام کیا گیا ہو یہ بدعت ہے اس لئے کہ نوافل کے لئے مسجد کا اہتمام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں نوافل پڑھنے کو زیادہ ثواب سمجھتا ہے اور یہ شریعت مطہرہ پر زیادتی ہے بلکہ اللہ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ ہے اس لئے کہ احادیث میں اس کی صراحت ہے کہ نوافل کا گھر میں پڑھنا زیادہ افضل ہے کما مر۔

(۳) لیالی مبارکہ میں مسجد میں عبادت کا اہتمام ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ کیا جائے مثلاً نوافل کی جماعت کی جائے یا تقاریر کا اہتمام کیا جائے، یہ صورت بھی بدعت ہے اور صورت دوم سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ اس میں ایک تو وہ خرابی ہے جو نمبر ۲ میں مذکور ہوئی۔ دوسری یہ خرابی بھی ہے کہ نفلی عبادت کے لئے ہیئت اجتماعیہ پیدا کرلی جو شرعاً ممنوع ہے قال ابن عابدین رحمہ اللہ تحت قول الدر و یحصل القیام بالصلوٰة نفلاً فرادی من غیر عدد مخصوص وبقراءة القرآن والاحادیث وسماعھا وبالتسبیح والثناء والصلوٰة والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال ایضاً بعد اسطر (تنبیہ) اشار بقولہ فرادی الی ما ذکرہ بعد فی متنہ من قولہ ویکرہ الاجتماع علی احیاء لیلة من ھذہ اللیالی فی المساجد وتمامہ فی شرحہ وصرح بکراھة ذلک فی الحاوی القدسی (الشامیة ص ۔ ج ۱)

بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ گھروں میں شور ہوتا ہے بچے روتے ہیں جس کی وجہ سے دلجمعی اور خشوع باقی نہیں رہتا یہ شیطان کا فریب ہے، دراصل خشوع نام ہے سنت کے مطابق عبادت کرنے کا۔ اگر سنت کے مطابق عبادت کرلی تو خشوع و خضوع بھی حاصل ہے، اور اگر خلاف سنت لاکھ آہ و بکا اور ہیئت خشوع اختیار کریں نظر شرع میں اسے خشوع نہیں کہا جاتا —— سوچنے کی بات ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تو انتہائی سخت مجبوری کے باوجود بھی نیز

کے نوافل گھر میں پڑھیں اور اسی کو زیادہ ثواب سمجھتے ہوں اور آج ہم یہ کہنے لگیں کہ ہمیں تو گھر میں خشوع حاصل نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے حجرۂ مبارکہ میں نفل پڑھ رہے ہوتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سامنے پاؤں پھیلائے لیٹی ہوئی ہوتیں، جب آپ سجدہ کرنے لگتے تو ہاتھ سے ان کے پاؤں کو چھوتے تب وہ اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پھر اپنے پاؤں پھیلا دیتی تھیں۔ رات اندھیری، چراغ کا انتظام نہیں، گھر میں اتنی وسعت تک نہیں کہ ایک آدمی لیٹ جائے تو دوسرا سجدہ کر سکے اور مسجد نبوی اس قدر قریب کہ حجرہ سے قدم نکالا تو مسجد میں پہنچ گئے۔ پھر مسجد بھی مسجد نبوی ہے، جس کا فضل ظاہر ہے اس کے باوجود محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک یہ تھا کہ حجرہ میں نوافل پڑھتے تھے مسجد میں تشریف نہ لیجاتے تھے۔

نیز بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ گھر میں اکیلے پڑھنے سے جلدی نیند آجاتی ہے اور اگر مسجد میں ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ ذکر و نوافل میں لگ جائیں، کچھ تقاریر ہوں اور کچھ نوافل کی جماعت وغیرہ تو نیند ختم ہو جاتی ہے، اس طرح سے بہت زیادہ عبادت کی توفیق ہو جاتی ہے اگر اکیلے گھر میں نوافل وغیرہ پڑھتے تو اسکا آدھا بھی نہ کر پاتے۔

خوب سمجھ لیں کہ تکثیر عبادت یا اس کی کمیت مقصود ہی نہیں بلکہ عبادت کی کیفیت پر سارے ثواب کا دار و مدار ہے۔ اگر تھوڑی دیر عبادت کرلی تو یہ اس عبادت سے لاکھوں درجے بہتر ہے جو سنت کے خلاف ہو، سنت یہ ہے کہ جب تک طبیعت میں نشاط ہو نوافل وغیرہ میں مشغول رہے اور جب نیند کا غلبہ ہو طبیعت اکتا جائے تو آرام کرے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسجد وحبل ممدود بین ساریتین فقال ما ھذا قالوا لزینب تصلی فاذا کسلت او فترت امسکت بہ فقال حلوہ لیصل احدکم نشاطہ فاذا کسل او فتر قعد وفی حدیث زھیر فلیقعد (رواہ مسلم) وفیہا ایضا عن عائشۃ قالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعندی امرأۃ فقال من ھذہ فقلت امرأۃ لا تنام تصلی قال علیکم من العمل ما تطیقون فواللہ لا یمل اللہ حتی تملوا وکان احب الدین الیہ ما داوم علیہ صاحبہ وفی حدیث عنہا رضی اللہ عنہا خذوا من العمل ما تطیقون فواللہ لا یسأم اللہ حتی تسأموا (رواہ الشیخان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۰ھ

دعا کے اختتام پر کلمہ پڑھنا

سوال : ہمارے علاقہ میں دستور ہے کہ دعا ختم کرنے کے بعد جب منہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں اسوقت کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہیں کیا شریعت میں اسکا کوئی ثبوت ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دعا کے آخر میں درود شریف اور آمین کے سوا اور کچھ پڑھنا ثابت نہیں، لہٰذا منہ پر ہاتھ پھیرتے وقت کلمہ طیبہ پڑھنے کا دستور بدعت ہے جیسے کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد یا تلاوت کے بعد کوئی شخص دعا ماثورہ کی بجائے یا اسکے بعد کلمہ طیبہ پڑھے تو اسے ہر شخص دین میں زیادتی اور بدعت سمجھے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۶ھ

قبر پر ہری شاخ یا پھول رکھنا

سوال : کیا ارشاد فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے متعلق کیا قبر پر ہری کی شاخ گاڑنا یا پھول ڈالنا مستحب ہے ؟ ایک ہی دفعہ یا جب میسر ہے جوتھے دن قبر پر جائے تو ہر بار مستحب و جائز ہوگا یا نہیں ؟ کہتے ہیں کہ یہ حدیث سے ثابت ہے

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر کھجور کی شاخ کے دو ٹکڑے رکھ کر فرمایا کہ جبتک یہ خشک نہ ہونگے عذاب میں تخفیف رہے گی، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی برکت تھی، اگر یہ قاعدہ عام ہوتا تو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ضرور اسکا اہتمام فرماتے کیونکہ یہ حضرات حریص علی الخیر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو سمجھنے کے لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل کو دیکھنا لازم ہے۔ ان کا تعامل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کی تفسیر ہے۔ نیز آجکل جسقدر اسکا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کو لازم سمجھا جاتا ہے اس کے بدعت ہونے میں کچھ شبہ نہیں، مزید برآں ایسی چیزوں سے لوگوں کی گناہوں پر جرأت بڑھتی ہے اس لئے ناجائز ہے۔ پھول ڈالنے کی رسم بدعت ہے شریعت میں اسکا کوئی ثبوت نہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم —— ۔ یکم ذی الحجہ سنہ ۸۶ھ

ایصالِ ثواب پر اُجرت جائز نہیں

سوال: زید نے بکر کو کہا کہ آپ میرے اعزاء و اقرباء کے قبرستان میں روزانہ جایا کریں، قرآن مجید، الحمد شریف اور قُل پڑھا کریں اور میرے اقرباء کو بخشدیا کریں اور مجھ سے ماہوار مقرر تنخواہ وصول کر لیا کریں۔ بکر کو یہ عمل کرنا کیسا ہے؟ تنخواہ کی رقم اس کیلئے کیسی ہے؟ اگر اس کو جائز نہیں تو زید سے وصول کر کے کسی مسکین کو دینا جائز ہے یا بالکل زید سے وصول ہی نہ کرے؟ اور زید کے اعزاء کو ایسی فاتحہ خوانی سے ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قال في رد المحتار ان القارئ اذا قرأ لاجل المال فلا ثواب له فاي شئ يهديه الى الميت وانما يصل الى الميت العمل الصالح اھ (رد المحتار ص [illegible] ج ۵) وفي شرح التنوير في بيان الاجارة الفاسدة (و) لا لاجل الطاعات وقال في رد المحتار تحت (قوله ويفتى اليوم) قال تاج الشريعة في شرح الهداية ان القرآن بالاجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ وقال العيني في شرح الهداية ويمنع القارئ للدنيا والآخذ والمعطي آثمان فالحاصل ان ما شاع في زماننا من قراءة الاجزاء بالاجرة لا يجوز لان فيه الامر بالقراءة واعطاء الثواب للآمر والقراءة لاجل المال فاذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة فاين يصل الثواب الى المستأجر ولولا الاجرة ما قرأ احد لاحد في هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة الى جمع الدنيا انا لله وانا اليه راجعون اھ (رد المحتار ص [illegible] ج ۵)

عبارات بالا سے ثابت ہوا کہ بکر کا یہ عمل جائز نہیں، تلاوتِ قرآن پر اُجرت مقرر کر کے تلاوت کرنے سے میت کو ثواب پہنچنا تو درکنار خود قاری ہی کو ثواب نہیں ملتا۔ پس جبکہ خود قاری مستحقِ ثواب نہیں تو میت کو کیا ثواب پہنچے گا؟ رقم مذکور اس کے لئے جائز نہیں اور نہ وصول کر کے کسی کو دینا جائز ہے، اگر کبھی کسی وقت وصول کر لی ہو تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۶ھ

شدید بارش یا وبا کے وقت اذان دینا

سوال: مویشیوں میں وبا پھیلی ہوئی ہے، اس وبا کو ٹالنے کے لئے تلاوتِ قرآن کی

بکثرت کرنا باعث برکت ہے، اللہ تعالیٰ رحم کرے، اور رفع ضرر۔ جب تک وبا باقی رہے چاروں کونوں میں اذان دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بیماری شدید ہو یا بارش یا آندھی میں اذان دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

علی سبیل التداعی تو اپنے طور پر تلاوت کرتے رہیں تو جائز ہے، تداعی کی صورت جائز نہیں۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے غیر صلوٰۃ میں اذان کے جتنے مواقع بیان فرمائے ہیں ان میں مواقع مسئولہ نہیں ہیں، اور مفہوم مخالف یعنی عدم ذکر عدم جواز پر دال ہے۔ قال فی الشامیۃ رأیت فی کتب الشافعیۃ انہ قد یسن الاذان لغیر الصلوٰۃ کما فی اذن المولود والمہموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقہ من انسان او بہیمۃ وعند مزدحم الجیش وعند الحریق (الی قولہ) وعند تغول الغیلان (الی قولہ) ولا بعد فیہ عندنا قال فی التحفۃ الاذان والاقامۃ خلف المسافر (الی قولہ) وزاد فی شرعۃ الاسلام لمن ضل الطریق فی ارض قفر ای خالیۃ من الناس الخ (رد المحتار ص ۲۵۸ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۸ھ

قبروں پر چادر چڑھانا

سوال: قبروں پر چادر چڑھانا کیسا ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا ہے تو قبروں پر چڑھانے میں کیا حرج ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان اللہ لم یأمرنا فیما رزقنا ان نکسو الحجارۃ والطین (مسلم، ابوداؤد) اس حدیث میں دیوار پر چادر چڑھانے کی ممانعت آئی ہے باوجودیکہ اس میں بظاہر کوئی قباحت اور ایہام شرک وغیرہ نہیں، لہٰذا قبروں پر چادر چڑھانا ایہام شرک و تعظیم غیر اللہ کی وجہ سے بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا، قال ابن عابدین رحمہ اللہ یکرہ الستور علی القبور (رد المحتار ص ۲۳۹ ج ۱) بخلاف غلاف کعبہ کے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنایا ہے کیونکہ اس کی تعظیم مفضی الی الشرک نہیں، اسی لئے اس کی طرف نمازوں میں استقبال فرض ہے اور قبور کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ صفر سنہ ۷۵ ہجری

تراویح میں ختم قرآن پر مٹھائی تقسیم کرنا

سوال : آجکل سب مساجد میں اسکا اہتمام کیا جاتا ہے کہ رمضان شریف میں تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر بالالتزام مٹھائی تقسیم ہوتی ہے اس بارے میں وضاحت فرمائیں کہ اسکی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز یہ بھی بتایا جائے کہ مسجد کے وقف کی آمدنی سے مٹھائی تقسیم کرنا یا اس کے لئے علیحدہ چندہ کرنا کیا دونوں کا حکم برابر ہے یا کچھ فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مٹھائی تقسیم کرنے کی مروجہ رسم میں کئی قبائح ہیں مثلاً :

(۱) اسے مستقل ثواب سمجھا جاتا ہے جو دین پر زیادتی ہونے کی وجہ سے بدعت ہے۔

(۲) اس کا ایسا التزام کیا جاتا ہے کہ کسی حال میں بھی اس رسم کو ترک نہیں کیا جاتا، التزام کی وجہ سے تو مستحب کام بھی واجب الترک ہو جاتا ہے چہ جائیکہ جس کا استحباب ہی ثابت نہ ہو۔

(۳) وقف کی رقم سے اس پر صرف کرنا ناجائز ہے، اسلئے کہ یہ خرچ مصارف مسجد میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا منتظم کمیٹی پر شرعاً اس رقم کا ضمان واجب ہوگا۔

(۴) بلا ضرورت شرعیہ چندہ کرنا ناجائز ہے اس میں دین اور قرآن کریم کی تحقیر بھی ہے

(۵) چندہ میں اگر خطاب خاص کیا گیا یا ایسی مجلس میں خطاب عام کیا گیا کہ جس میں کچھ خاص لوگ شریک ہوں تو ان دونوں صورتوں میں چندہ دہندگان کی رضا اور طیب خاطر متیقن نہیں، بلکہ ظن غالب یہ ہے کہ مروت اور غلبۂ حیاء کی وجہ سے رقم دی ہوگی، لہٰذا اس رقم سے خرید کردہ مٹھائی حلال نہ ہوگی۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفسہ (مسند الامام احمد)

(۶) عموماً ایسی تقریبات کے چندہ میں حرام آمدنی والے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں

(۷) تراویح مذکورہ مفاسد سے خالی بھی ہوں تو بھی اس میں ایک بہت بڑی قباحت یہ ہے کہ اس سے اس ناجائز رسم اور بدعت سیئہ کی تائید ہوتی ہے اس لئے بہرحال ناجائز اور واجب الترک ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۵ھ

اذان کے جواب میں کلمۂ توحید کے بعد محمد رسول اللہ کہنا

سوال : اذان کے جواب میں آخر میں لا الٰہ الا اللہ کے جواب کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی کہدے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اذان کے جواب میں لا الٰہ الا اللہ کا جواب بعینہ وہی ہونا چاہیئے، محمد رسول اللہ کا اضافہ کرنا زیادۃ فی الدین اور بدعت ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ فانہ من صلی علیّ صلوٰۃ صلی اللہ علیہ بھا عشرا ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانھا منزلۃ فی الجنۃ لا ینبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجو ان اکون انا ھو فمن سأل لی الوسیلۃ حلت علیہ الشفاعۃ (رواہ مسلم) وقال فی التنویر ویجیب من سمع الاذان بان یقول کمقالتہ (رد المحتار ص۲۶۷ ج۱) اگر مؤذن لا الٰہ الا اللہ کے بعد اسی طرح بلند آواز سے محمد رسول اللہ کہے تو اسے ہر شخص اذان پر زیادتی سمجھ کر ناجائز کہے گا، اسی طرح اذان سننے والے کا محمد رسول اللہ کہنا اذان کے جواب پر اپنی طرف سے زیادتی کرنے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ذی قعدہ سنہ ۸۰ھ

جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام بریں مسئلہ کہ میت پر پھولوں کی چادر پہنانا درست ہے یا نہیں۔ نیز ایسی میت کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنا بدعت ہے لہٰذا اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کرنا درست ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ذی الحجہ سنہ ۸۰ ہجری

اذان میں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا

سوال: اذان میں اشہد ان محمد رسول اللہ پر جو لوگ انگوٹھے چومتے ہیں وہ ثبوت میں منسلکہ عبارت پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرما کر تصدیق یا تردید فرمائی جائے، عبارت یہ ہے حضرت علامہ نبہانی نے "حجۃ اللہ علی العالمین" میں یہ روایت درج فرمائی ہے بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے دو سو سال تک نافرمانی کی۔ مرنے کے بعد لوگوں نے اس کو گندی جگہ پر پھینک دیا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اسے اٹھا کر باعزت دفنانے کا اور اس کے لئے دعائے مغفرت کا حکم دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ لوگ اسے

نافرمان ہونے کی شہادت دیتے ہیں ارشاد ہوا ٹھیک ہے کہ وہ گنہگار تھا مگر وہ جب رات کو آنکھ کھولتا تھا اور میرے محبوب محمد کا نام دیکھتا تو وہ اس کا نام چومتا اور اپنی آنکھوں پر لگاتا تھا اس لئے وہ مجھے پیارا لگتا ہے میں نے اس کے دو سو سال کے گناہ بخش دیئے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

فی الشامیة ویستحب ان یقول عند سماع الاولی من الشهادة صلی الله علیک یا رسول الله وعند الثانیة منها قرت عینی بک یا رسول الله ثم یقول اللهم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابهامین علی العینین فانه علیه السلام یکون قائدا له الی الجنة کذا فی کنز العباد اه قهستانی ونحوه فی الفتاوی الصوفیة (الی ان قال) وذکر ذلک الجراحی واطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شیء اھ علامہ شامی نے قہستانی وغیرہ کے حوالہ سے اس تقبیل کا استحباب نقل کرنے کے بعد جراحی سے نقل کیا ہے کہ کسی حدیث سے اسکا ثبوت نہیں لہٰذا اس کی سنیت پر کوئی دلیل نہیں۔ اور چونکہ عوام اس کو سنت سے بھی بڑھ کر ضروری سمجھ کر تارک تقبیل کو ملامت کرتے ہیں لہٰذا اسکا ترک ضروری ہو گیا۔ عبارت مسئلہ سے متعلق جس کتاب کا حوالہ پیش کیا گیا ہے وہ غیر معروف ہے۔ اگر صحیح بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کہیں لکھا ہوا ہو تو اسے چومنا اور آنکھوں پر لگانا باعث برکت و ثواب ہے، اور اس سے کسی کو انکار نہیں، یہ کیسے ثابت ہوا کہ ناخنوں کو چوم کر آنکھوں پر لگایا جائے خصوصاً اذان کے وقت۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ محرم سنہ ۹۱ ہجری

کفن سے بچا کر امام کے لئے مصلّیٰ بنانا

سوال: جنازہ پڑھانے والے امام کے نیچے مصلّیٰ جو کفن سے بچا کر رکھتے ہیں، یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

کفن سے کپڑا بچا کر امام کے لئے مصلّیٰ بنانا غلط رسم اور ناجائز ہے یہ کفن کے مصارف میں داخل نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۰ھ

اجتماعی طور پر درود شریف پڑھنا

سوال: بعد نماز جمعہ اجتماعی طور پر کچھ لوگ بیٹھ کر کسی درخت کے نیچے یا پر ہر جمعہ آہستہ آواز سے درود شریف پڑھیں تو جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کبھی کبھی بلا اہتمام ایسا کرنا اگرچہ جائز ہے مگر آخر دین میں ایسی چیزیں بدعت کی حد تک پہنچ جاتی ہیں، ان کا اہتمام و التزام ہونے لگتا ہے اور طرح طرح کی قیود کا اضافہ ہونے لگتا ہے، جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، یہ شریعت پر زیادتی ہے جس کا کسی کو کوئی حق نہیں۔ اسلئے ایسی صورت سے اجتناب ضروری ہے۔ اپنے طور پر ہر شخص جتنا چاہے درود شریف پڑھے، باعث برکت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ر ذی قعدہ سنہ ۸۶ھ

تعزیت کے لئے جمع ہو کر بیٹھنا

سوال: میت کو دفنانے کے بعد قریبی رشتہ دار اور رشتہ دار مہمان، وارثین میت کو اپنے ہمراہ کھانا کھلانے کے لئے میت کے گھر آتے ہیں، یہ بات تو مستحسن ہے، لیکن اس کے ہمراہ دور کے رشتہ دار، جن کے ہاں اس روز گھر والوں کے لئے چولہا جلتا ہے اور برادری کے معزز حضرات بھی اہل میت کی دلجوئی کے لئے اچھی خاصی تعداد میں گورستان سے واپس اہل میت کے گھر پر آتے ہیں اور کھانے میں شریک ہوتے ہیں جس کے باعث کبھی تو عزیزہ کے ہاں سے آیا ہوا کھانا کفایت کر جاتا ہے اور کبھی اہل میت کو یا ایسے قریبی اعزہ کو بازار سے لانا پڑتا ہے، یہ اگر جائز نہیں ہے تو اس کا گناہ کس پر ہوگا؟ آیا جو دلجوئی کے لئے کھانے کے انتظار میں رہے اور شریک طعام ہو، یا اہل میت اور ان کے قریبی رشتہ دار جنہوں نے سب آنے والوں کو کھانا کھلانا اپنا مذہبی، اخلاقی فرض خیال کیا ہو۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ رسم یقیناً ناجائز ہے اور انتہائی بے غیرتی کی بات ہے۔ اس گناہ میں کھانے والے اور کھلانے والے سب شریک ہیں بلکہ قریبی رشتہ دار بھی اگر اس رسم کو لازم سمجھتے ہیں اور کھانے میں شریک نہ ہونے کو برا جانتے ہیں یا یہ طعام اہل میت کی طرف سے مہمانوں کے لئے بھی

یہ فعل ناجائز ہو جائے گا، اہل میت کا تعزیت کے لئے جگہ مخصوص کرکے بیٹھنا اور دوسرے لوگوں کا وہاں جمع رہنا یہ بھی ناجائز ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ فی الامداد وقال کثیر من متأخری ائمتنا یکرہ الاجتماع عند صاحب البیت علیہ اذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا ویشتغل الناس بامورہم وصاحب البیت بامرہ (رد المحتار ص ۸۴۳ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ ربیع الآخر سنہ ۹۶ھ

روزانہ اکٹھے ہو کر قبرستان جانا

سوال: میت کی وفات کے دوسرے اور تیسرے روز خصوصی طور پر بعد نماز فجر اس کے ایصال ثواب کے لئے اعزہ و اقارب اور وہ لوگ جو جنازہ میں شریک تھے گورستان میں جاکر اور پھر لوٹ کر آنا اور کچھ دیر اہل میت کے مکان پر ٹھہرنا اور پھر چائے وغیرہ پی کر وہاں سے رخصت ہونا، پھر دوپہر کو پھر شام کو یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ سب خرافات ہیں شرعاً ان کا کوئی جواز نہیں، یہ شریعت مقدسہ کاملہ پر زیادتی ہے، اور واجب الاحتراز والاعتراض ہے۔ موقعہ ماتم میں دعوتیں اڑانا انتہائی بے غیرتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ربیع الآخر سنہ ۹۶ھ

حالت خطبہ میں درود شریف پڑھنا

سوال: جب خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آئے یا خطیب یہ آیت پڑھے یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما تو سننے والوں کے لئے درود شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

چونکہ خطبہ نماز کے حکم میں ہے اس لئے اس حالت میں زبان سے پڑھنا جائز نہیں دل میں پڑھ سکتے ہیں، قال صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج الامام فلا صلوۃ ولا کلام وفی الشامیۃ (قولہ ولا کلام) ای من جنس کلام الناس وکذلک اذا ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یجوز ان یصلوا علیہ بالجہر بل بالقلب وعلیہ الفتوی (رد المحتار ص ۷۶۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم — ۲۶ شوال سنہ ۹۰ھ

لوگوں کے ڈر سے اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ الخ پڑھنا

سوال: امام لوگوں کے ڈر سے اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ الخ پڑھتا ہے کہ اگر نہ پڑھونگا تو مقتدی امامت سے نکال دیں گے شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔ اگر امام پڑھتا رہے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهٗ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔ وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهٗ مِنْ أَمْرِهٖ يُسْرًا ۔ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۔ وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَّسَعَةً ۔ الا ان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقها الا فاتقوا اللّٰه واجملوا فی الطلب وتوکلوا علیه ، ان نصوص کے ہوتے ہوئے یہ خطرہ کہ اگر بدعت کا ارتکاب نہ کریگا تو اس کی امامت جاتی رہے گی اور بھوکا مریگا انتہائی ضعف ایمان کی دلیل ہے، اور کسب معاش کا یہ ذلیل ترین طریق ہے، حکم شرعی کے علاوہ غیرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسی امامت سے فوراً استعفاء دیدے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ ربیع الآخر سنہ ۹۰ھ

گیارھویں کا کھانا

سوال: اگر دوست احباب یا رشتہ داروں کے یہاں سے گیارھویں کا کھانا یا محرم کا کھیچڑا یا شب برات کا حلوہ یہ لوگ گھر بھیجدیں تو لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں دیں وداپس کردیں تو رنجش ہو نیکا خطرہ ہے، یا ان سے لیکر بچوں کو کھلا دیا جائے یا کسی غریب کو دیدیا جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر اس قسم کا کھانا پکانے والا غیر اللہ کو نفع و نقصان کا مالک سمجھتا ہے تو اس کا یہ فعل شرک ہے اور یہ کھانا حرام ہے، اس کا قبول کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں، اور اگر نفع نقصان کا مالک نہیں سمجھتا تو کھانا حرام نہیں مگر یہ فعل بدعت ہے ایسا کھانا لینے سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کی جائے تاکہ بدعت کی اعانت اور تائید کا گناہ نہ ہو۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ ربیع الآخر سنہ ۹۶ھ

میلاد میں قیام کرنا

سوال : مروجہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام کرنا کیسا ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

محفل میلاد میں قیام بدعت ہے، حدیث میں اس کی صاف ممانعت آئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عین حیات میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فرمایا کہ تم کھڑے ہو کر میری تعظیم نہ کیا کرو جیسا کہ عجم کا دستور ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی کھڑے ہو کر تعظیم کرتے ہیں محفل میلاد کسی خاص دن میں کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا، شیرینی وغیرہ تقسیم کرنے کا اہتمام کرنا، قیام کرنا یہ امور شرعاً ناجائز ہیں، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مجلس میں حاضر ہونیکا اعتقاد رکھنا شرک ہے ان امور سے اگر مجلس منزہ ہو تو باعث برکت و ہدایت ہے ورنہ ضلالت و گمراہی فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ رجب سنہ ۹۱ ہجری

عید مبارک کہنا

سوال : آجکل جو عید کے روز بالخصوص عید کی نماز کے بعد "عید مبارک" کہنے کا عام رواج ہے کیا شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے ؟ اور اس میں کوئی قباحت تو نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور عوام میں اسکا التزام ہونے لگا ہے اسلئے مکروہ ہے اور اگر اسے ثواب بھی سمجھا جاتا ہو تو شریعت میں زیادتی اور بدعت ہونے کی وجہ سے سخت گناہ ہے

قال ابن الحاج في المدخل قد اختلف علماؤنا رحمهم الله تعالى في قول الرجل لاخيه يوم العيد تقبل الله منا ومنك ويغفر لنا ولك على اربعة اقوال الاول انه قول حسن، مكروه لانه من فعل اليهود مندوب اليه لانه دعاء ودعاء المؤمن لاخيه مستحب، والرابع لا يبتدئ به وان قال له احد رد عليه مثله، اذا كان اختلافهم في هذا اللفظ الذي نقل عن السلف مع تقدم صدوره فما بالك بقول المتأخرين عيد مبارك لك بالحرف المعهود فذلك الاولى مع انه من شعار ... فمن باب اولى ان يكره وهو مثل قولهم يوم مبارك لك وليلة مباركة وصبحك الله بالخير ومساك الله بالخير وقد كره العلماء رحمهم الله تعالى كل ذلك (المدخل ص۲۹۵ ج۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ ذی قعدہ سنہ ۹۲ ہجری

سوال مثل بالا

سوال: عید کے دن "عید مبارک" کہنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ والتهنئة بتقبل الله منا ومنکم لا تنکر۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ وانما قال کذلک لانه لم یحفظ فیها شیء عن ابی حنیفة واصحابه رحمهم الله تعالیٰ وذکر فی القنیة انه لم ینقل عن اصحابنا کراهة وعن مالک رحمه الله تعالیٰ انه کرهها وعن الاوزاعی انها بدعة وقال المحقق ابن امیر حاج بل الاشبه انها جائزة مستحبة فی الجملة ثم ساق آثارا باسانید صحیحة عن الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم فی فعل ذلک ثم قال والمتعامل فی البلاد الشامیة والمصریة عید مبارک علیک ونحوه وقال یمکن ان یلحق بذلک فی المشروعیة والاستحباب لما بینهما من التلازم فان من قبلت طاعته فی زمان کان ذلک الزمان علیه مبارکا علی انه قد ورد الدعاء بالبرکة فی امور شتی فیؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا ایضا اهـ (رد المحتار ص[illegible] ج ۱)

وقال الحافظ رحمه الله تعالیٰ معزیا الاوی مثید وقد روی ابن عدی من حدیث واثلة انه لقی رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم عید فقال تقبل الله منا ومنک فقال نعم تقبل الله منا ومنک وفی اسناده محمد بن ابراهیم الشامی وهو ضعیف وقد تفرد به مرفوعا وخولف فیه فروی البیهقی من حدیث عبادة بن الصامت رضی الله تعالیٰ عنه انه سأل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذلک فقال ذلک فعل اهل الکتابین واسناده ضعیف ایضا وکأنه اراد انه لم یصح فیه شیء وروینا فی المحاملیات باسناد حسن عن جبیر بن نفیر قال کان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا التقوا یوم العید یقول بعضهم لبعض تقبل الله منا ومنک (فتح الباری ص[illegible] ج ۲)

حاصل یہ کہ دعاء تقبل اللہ منا ومنک کے ثبوت وجواز میں اختلاف ہے، ثبوت راجح ہے، اس پر قیاس کرکے عید مبارک کے جواز کا قول کیا گیا ہے، اس لئے ان الفاظ مخصوصہ کی تعیین اور ایسا التزام کہ حکم شرعی ہونے کا اشتباہ ہو مکروہ ہے، اسی لئے علماء و صلحاء کا تعامل نہیں، مطلق دعاء جائز و مستحسن ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸ شعبان ۱۳۷۱ھ

بوقت وداع خدا حافظ کہنا

سوال: اس دورِ ترقی میں رخصت کے وقت السلام علیکم کی بجائے "خدا حافظ" کہنے کا عام دستور ہو گیا ہے شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ رسم ناجائز ہے۔ اگر السلام علیکم کی بجائے خدا حافظ کہا تو شریعت کی تحریف ہے اور اگر السلام علیکم کے ساتھ کہا تو شریعت پر زیادتی ہے۔ البتہ اگر سلام وداع سے الگ خدا حافظ اور کبھی کچھ اور دعائیہ کلمات کہدیئے جائیں تو کوئی حرج نہیں، مگر انہی الفاظ کے التزام سے واضح ہے کہ موقعہ وداع کے لئے اپنی طرف سے مخصوص الفاظ متعین کئے جا رہے ہیں جس کا زیادۃ فی الدین ہونا ظاہر ہے۔ اور اگر یہ اصطلاح کسی غیر قوم سے لی گئی ہے تو اور بھی زیادہ قبیح ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ربیع الاول ۸۳ھ

عید شب برات

سوال: شب برات میں عید منانا اور حلوہ پکانا کیسا ہے؟ اگر بغیر ثواب کی نیت کے یونہی پکایا جائے تو کیا اس میں بھی حرج ہے۔ نیز کہیں سے آیا ہوا حلوہ کھانے میں کوئی حرج تو نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

شب برات میں عید منانے اور حلوہ پکانے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں لہٰذا یہ امور ناجائز اور بدعت ہیں۔ اگر محض رسم کے طور پر حلوہ پکایا جائے ثواب کا عقیدہ نہ ہو تو بھی اس میں بدعت کی تائید و ترویج ہوتی ہے لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے، اسی بنا پر حلوہ قبول کرنے سے بھی بچنا چاہئے، سدّاً یہ حرام نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ شعبان ۸۳ھ

سیاسی فتنہ میں اذانیں دینا:

سوال: آجکل حکومت اور اسکے خلاف متحدہ محاذ کے درمیان سیاسی بحران کی وجہ سے جو فتنہ بپا ہے اس کے لئے رات کے وقت میں اذانیں دینے کا عام سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ کیا یہ اذانیں دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس موقع پر اذانیں دینا شرعاً ثابت نہیں، لہٰذا یہ بدعت ہے، اسکے علاوہ اسمیں دو گناہ مزید ہیں۔ ایک یہ کہ لوگوں کو نماز کے اوقات میں اشتباہ ہو رہا ہے۔ میرے پاس کئی فردوں نے شکایت کی کہ انھوں نے مغالطہ میں فجر کی سنتیں رات ہی میں پڑھ لیں، بعض خواتین نے بتایا کہ انھوں نے صبح ہو جانے کے گمان میں فجر کی نماز ادا کر لی۔

دوسرا گناہ یہ کہ رات میں لوگوں کے آرام میں خلل پڑتا ہے، تندرست انسان کے بھی آرام میں خلل ڈالنا اور اسے رات میں سونے نہ دینا گناہ ہے۔ یہاں تو مریض، ضعیف اور دن بھر کے کام سے تھکے ماندے مزدور وغیرہ بھی ہیں۔ مجھے ایسے مریضوں کی طرف سے بھی شکایات موصول ہوئی ہیں جو اذانوں کے شور کی وجہ سے سو نہیں سکتے اسلئے انکی اعصابی تکالیف میں اضافہ ہو گیا ہے۔

ارتکاب بدعت، لوگوں کی نمازیں برباد کرنے اور مریضوں و ضعیفوں کو پریشان کرنے اور عام مسلمانوں کو ایذاء پہنچانے جیسے موجب عذاب عمل سے نزول رحمت کی امید رکھنا انتہائی حماقت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ معاصی کو چھوڑا جائے، مالک کی نافرمانی سے توبہ و استغفار کر کے اسے راضی کیا جائے مگر آجکل گناہ چھوڑنے کی بجائے رات دن علانیہ فسق و فجور کی مجالس قائم ہیں اور محافل گرم ہیں۔ غیبت، افتراء، بہتان، بدگمانی، بدزبانی اور آپس میں لوٹ مار، قتل و غارت، اپنے ہی مسلمان بھائیوں کی جان، عزت اور مال سے کھیلنے کا مشغلہ رات دن جاری ہے۔ ان گناہوں میں سب سے ادنیٰ گناہ غیبت کا ہے جس کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غیبت زنا سے بھی بدتر ہے آجکل جتنے شدید اور کبیرہ گناہ اور موجب عذاب و وبال بداعمالیوں کا کھلی مجالس میں رات دن مشغلہ جاری ہے اسکا اندازہ کیا جائے تو آجکل کے ایک دن کی سیاہ کاریاں عام زمانہ میں کئی سالوں کی بداعمالیوں سے بھی کہیں زیادہ ہیں، پھر اسکے ساتھ اذانوں کا سلسلہ شروع کر کے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمان کہلانے والی اور اسلام کے نام پر تحریک لڑنے والی قوم کو فہم اور صحیح اسلام کی نعمت سے نوازیں۔ ترک سیئات اور نافرمانی سے توبہ و استغفار کی توفیق عطا فرمائیں۔ اپنی رحمت اور اپنے حبیب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل رحم و کرم کا معاملہ فرمائیں اور اس عذاب سے نجات عطا فرمائیں، آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ربیع الآخر سنہ ۹۰ھ

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه

فان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان رواه مسلم

تم میں سے جو شخص بھی کوئی ناجائز بات دیکھے تو اسے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی طاقت
نہ ہو تو زبان سے منع کرے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ
ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔

اس میں ایسے گمراہ کن رسوم و بدعات کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں شیعہ سے متاثر ہو کر اکثر مسلمان بھی مبتلا ہیں

افادات

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم

اقتباس من التقریر بروز جمعہ ۱۰ محرم سنہ [illegible] مطابق [illegible]

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

أمّا بعد

فأعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کنتم خیر أمة أخرجت للناس

تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون باللہ

آج کی مجلس میں ماہ محرم سے متعلق اہم باتیں لکھواتا ہوں جن میں سے نمبر اول کے سوا باقی سب منکرات و بدعات ہیں

(۱) روزہ رکھنا

سب سے پہلے روزہ کو بیان کرتا ہوں اس لئے کہ جو چیز سنت ہے اسے پہلے ہی بیان کرنا چاہئے۔ اگرچہ لذیذ دوسری چیزیں ہیں۔ شیطان کی عبادت میں لذت زیادہ آتی ہے مگر اہل دل کو اللہ کی عبادت میں اس سے کہیں زیادہ لطف اور مزہ آتا ہے۔ اور بعض لوگ دونوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔ گویا یوں سمجھتے ہیں کہ ؎

حج بھی کعبہ کا کیا اور گنگا کا اشنان بھی ٭ خوش رہے رحمٰن بھی راضی رہے شیطان بھی

مگر یہ ان کی کم فہمی ہے۔ دونوں کو راضی کرنے سے شیطان تو راضی ہوگا مگر رحمٰن راضی نہ ہوگا، وہ تو جب راضی ہوگا کہ آپ لا الٰہ الا اللہ کہہ کر اس کے مقتضیات پر عمل کریں اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں، اور شیطان اللہ کی عبادت چھڑانا نہیں چاہتا، وہ تو صرف اتنا چاہتا ہے کہ کچھ اس کی بھی عبادت کی جائے۔ بہرحال ان دنوں میں سنت سے ثابت تو صرف ایک عبادت ہے، اور وہ روزہ ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دسویں محرم کا روزہ رکھنا اتنا بڑا ثواب ہے کہ اس سے گزشتہ ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صغائر گناہ مراد ہیں، کبائر کے لئے توبہ ضروری ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان دنوں میں یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں تو فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو ایک روزہ اور ملاؤں گا، اسلئے دسویں کے ساتھ ایک روزہ ملا لینا چاہئے، نویں یا گیارہویں

(۲) محرم کی حقیقت

اصلاح منکرات میں بات یہاں سے چلتی ہے کہ یہ مہینہ معظم و محترم ہے یا منحوس ہے؟

شیعہ لوگ اس کو منحوس سمجھتے ہیں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انکے نزدیک شہادت بہت بُری اور منحوس چیز ہے۔ اور چونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس میں ہوئی ہے اس لئے اس میں وہ کوئی تقریب اور خوشی کا کام شادی، نکاح وغیرہ نہیں کرتے۔

اس کے برعکس مسلمانوں کے ہاں یہ مہینہ محترم معظم اور فضیلت والا ہے۔ محرم کے معنی ہی محترم معظم اور مقدس کے ہیں۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مہینے کو اس لئے فضیلت ملی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اسمیں ہوئی یہ غلط ہے۔ اس مہینے کی فضیلت اسلام سے بھی بہت پہلے سے ہے۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون سے اس دن میں نجات ہوئی، اس نعمت پر ادائے شکر کے طور پر اس دن میں روزہ رکھنے کا حکم ہوا۔ اور بھی بہت سی فضیلت کی چیزیں اس میں ہوئی ہیں البتہ یوں کہیں گے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں زیادہ فضیلت اس لئے ہوئی کہ ایسے فضیلت والے ماہ میں واقع ہوئی۔

جب یہ ثابت ہوا کہ یہ مہینہ اور دن افضل ہے تو اس میں نیک کام بہت زیادہ کرنے چاہئیں۔ نکاح وغیرہ خوشی کی تقریبات بھی اسمیں زیادہ کرنی چاہئیں، اس میں شادی کرنے سے برکت ہوگی۔ لیکن ہے یہ بڑی بات، اس لئے کہ بہت دنوں سے یہ غلط باتیں کوٹ کوٹ کر دل میں بھری ہوئی ہیں۔ سو سال کا دماغ بھرا ہوا جلدی سے نہیں نکلتا وہ نکلتے نکلتے ہی نکلتا ہے۔

(۳) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کا حادثہ اگرچہ انتہائی المناک ہے مگر شیعہ ذہنیت نے اسے حد سے زیادہ بڑھا دیا ہے، عام مسلمانوں کے اذہان میں یہ غلط بات جما دی گئی ہے کہ دنیا میں شہادت حسین رضی اللہ عنہ جیسا اور کوئی سانحہ فاجعہ واقع نہیں ہوا، حالانکہ اس سے بدرجہا زیادہ مظلومیت کے بے شمار اندوہناک واقعات ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت دیکھئے، مدافعت پر پوری قدرت کے باوجود ظلم عظیم پر کس قدر صبر و استقامت کے ساتھ جان دیدیتے ہیں کیا اس کی نظیر کہیں دنیا میں ملتی ہے؟ مگر مسلمان اس خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی بڑی مظلومیت سے اسقدر بے خبر ہے کہ گویا یہ فرش و عرش کو لرزا دینے والا سانحہ واقع ہی نہیں ہوا، کیا آپ نے کبھی کسی زبان کو اس مظلومیت کی داستان بیان کرتے

ہوئے، کسی کان کا اس طرف التفات، کسی قلم کو یہ جانگداز حادثہ لکھتے ہوئے، اوراقِ تاریخ میں اس کی تفصیل دیکھنے کے لئے کسی نگاہ کی توجہ، اس مظلومیت پر کسی دل میں احساسِ درد اور کسی آنکھ کو کبھی اشکبار دیکھا ہے؟ اس سے بھی بڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام مبارکہ کا لہولہان ہونا، دانت مبارک کا شہید ہونا، چہرۂ انور کا زخمی ہونا اور اس سے نکلنے والا خون جاری ہونا، انگلی سے خون بہنا اور بہت سے انبیائے کرام علیہم السلام کا شہید ہونا۔ دنیا بھر کے اولیاء اللہ کا خون نبی کے ایک قطرۂ خون کے برابر نہیں، مگر یہاں تو زبان، کان، قلم، نگاہ، دل اور آنکھ سب ایک ہی کرشمہ میں مست ہیں، نہ کسی دوسرے صحابی کی شہادت کسی شمار میں، نہ کسی نبی کی، خود فرمائیں کہ یہ شیعیت کا زہر نہیں تو اور کیا ہے؟

(۴) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو امام کہنے کی کیا حیثیت ہے

"امام" کا لفظ اہلِ حق کے ہاں بھی استعمال ہوتا ہے اور شیعہ کے ہاں بھی، اہلِ حق کے ہاں اس کے معنی پیشوا، رہبر اور مقتدا کے ہیں، اور اہلِ تشیع کے ہاں امام عالم الغیب اور معصوم ہوتا ہے، ان کے ہاں امام کا درجہ نبیوں سے بھی بڑا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس لفظ کے استعمال کرنے میں ہم تو وہی معنی ملحوظ رکھتے ہیں جو اہلِ حق کے ہاں ہیں۔ اس اعتبار سے تمام صحابہ، تابعین، اولیاء اللہ اور علماء امام ہیں، اس لئے امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، امام عمر فاروق رضی اللہ عنہ، امام عثمان رضی اللہ عنہ، امام علی رضی اللہ عنہ، امام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کہنا چاہیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: النجوم امنة السماء واصحابی امنة لامتی (رواہ مسلم) میرے سب صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، سب کے سب امام ہیں، جس کی چاہو اقتدا کرلو، ہر ستارے میں روشنی ہے، جس سے چاہو روشنی حاصل کرلو۔ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو امام بتایا، اس معنی سے سارے صحابہ اور سب تابعین اور علماء کرام بھی امام ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ لوگ "امام ابوبکر رضی اللہ عنہ" نہیں کہتے، "امام عمر رضی اللہ عنہ" نہیں کہتے، "امام حسن" اور "امام حسین" کہتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ مسلمانوں میں کہیں غیر سے آیا ہے، یہ تشیع کا اثر ہے جو مسلمانوں میں سرایت کر گیا ہے، اگر اہلِ حق علماء میں سے کسی نے ان حضرات کو امام کہدیا ہے تو انھوں نے اسے صحیح معنی میں ان کو امام کہا ہے مگر اس سے مغالطہ ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے اس سے احتراز ضروری ہے۔ حضرت مہدی کو امام مہدی علیہ السلام کہنا بھی تشیع کا اثر ہے۔

منکراتِ محرم ——— ۴

(۵) علیہ السلام کا اطلاق

ایسے ہی ان کو علیہ السلام بھی وہی لوگ کہتے ہیں جو انھیں انبیاء علیہم السلام کا درجہ دیتے ہیں، اس سے بھی احتراز لازم ہے جس طرح دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ عزت و احترام کا معاملہ کیا جاتا ہے وہی معاملہ ان حضرات کے ساتھ بھی رکھنا چاہئیے، جس طرح حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور دیگر صحابہ کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ کے دعائیہ کلمات لکھے اور کہے جاتے ہیں ایسے ہی دعائیہ کلمات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی کہے جائیں۔

(۶) مسلمانوں کے ناموں میں اہل تشیع کا اثر

مسلمانوں کے ناموں پر بھی اہل تشیع کا اثر پایا جاتا ہے، مثلاً اصل نام کے ساتھ جس طرح محض تبرک کے لئے محمد اور احمد ملانے کا دستور ہے اسی طرح علی، حسن، حسین ملایا جاتا ہے۔ صدیق فاروق، عثمان یا اور کسی صحابی کا نام بطور تبرک اصل نام کے ساتھ ملانے کا دستور نہیں، نسبت غلامی بھی علی، حسن، حسین کی طرف تو کی جاتی ہے مگر دوسرے کسی صحابی کی غلامی کو گوارا نہیں کیا جاتا۔ عورتوں میں کنیز فاطمہ کا نام تو پایا جاتا ہے مگر خدیجہ، عائشہ اور دیگر ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کی کنیز کہیں سنائی نہیں دیتی اس سے بھی بڑھ کر مسلمانوں میں لعنات حسین، فضل حسین اور فیض الحسن جیسے شرکیہ نام بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔

(۷) محرم میں ایصال ثواب کے لئے کھانا پکانا

محرم کے مہینے میں بالخصوص نویں، دسویں اور گیارہویں تاریخ میں کھانا پکا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روح کو ایصال ثواب کرتے ہیں۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ ایصال ثواب کا سب سے افضل طریقہ یہ ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق نقد رقم کسی کار خیر میں لگا دے یا کسی مسکین کو دیدے یہ طریقہ اس لئے افضل ہے کہ اس سے مسکین ہر حاجت پوری کر سکے گا۔ اور اگر آج اسے کوئی ضرورت نہیں تو کل کی ضرورت کے لئے رکھ سکتا ہے۔ نیز یہ صورت ریا اور نمود سے پاک ہے۔ حدیث میں مخفی صدقہ دینے والے کی یہ فضیلت وارد ہوئی ہے کہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بروز قیامت اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عنایت فرمائیں گے جبکہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا اور تمازت کے سبب لوگ پسینوں میں غرق ہو رہے ہونگے۔ فضیلت کے لحاظ سے دوسرے درجے پر یہ صورت ہے کہ مسکین کی

حاجت کے مطابق اسے صدقہ دیا جائے، یعنی اس کی ضرورت کو دیکھ کر اسے پورا کیا جائے یہ ایصال ثواب کی صحیح صورتیں ہیں اب مروجہ طریقے کی قباحتیں سنیے۔

(۱) جن ارواح کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے اگر ان کو نفع و نقصان کا مالک سمجھا گیا تو یہ شرک ہے اور ایسا کھانا مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ میں داخل ہونے کی وجہ سے قطعی حرام ہے۔

(۲) عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو چیز صدقے میں دی جاتی ہے میت کو بعینہ وہی ملتی ہے یہ خیال بالکل باطل اور لغو ہے میت کو وہ چیز نہیں پہنچتی بلکہ اس کا ثواب پہنچتا ہے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی کے جانور کا گوشت پوست نہیں پہنچتا بلکہ اس کا ثواب پہنچتا ہے۔

(۳) ایصال ثواب میں اپنی طرف سے یہ قیود لگائی گئی ہیں، صدقے کی متعین صورت یعنی طعام معینہ متعین، دن متعین۔ حالانکہ شریعت نے ان چیزوں کی تعیین نہیں فرمائی آپ جب چاہیں جو چاہیں صدقہ کر سکتے ہیں۔ شریعت کی دی ہوئی آزادی پر اپنی طرف سے پابندیاں لگانا سخت گناہ اور بدعت بلکہ شریعت کا مقابلہ ہے۔

(۸) شہادت کے قصے سننا اور سنانا

اس مہینے میں دیگر خرافات کے ساتھ ایک یہ بھی ہے کہ اس مہینے میں مجلسیں اور جلسے کئے جاتے ہیں جن میں شہادت کے قصے سنے سنائے جاتے ہیں، اس میں ایک گناہ تو یہ ہے کہ اہل باطل کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جو شرعاً منع ہے چنانچہ جب دسویں محرم کے روزے کے بارے میں بارگاہ رسالت میں یہ عرض کیا گیا کہ اس دن یہود روزہ رکھتے ہیں تو فرمایا کہ ایک روزہ اور ملا لو نویں یا گیارہویں، عبادت میں بھی مشابہت کی اجازت نہ دی۔

ان مجالس میں دوسری قباحت یہ بھی ہے کہ شہادت کے قصے سن کر صدمہ اور بزدلی پیدا ہوتی ہے اور مسلمانوں میں بزدلی کا پیدا ہونا اسلام کے تقاضوں کے خلاف ہے اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں بلند ہمتی پیدا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قربانی میں یہ حکم ہے کہ جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کریں، ورنہ ذبح کے وقت موجود رہیں، اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ مسلمانوں میں عالی ہمتی اور قوت قلب پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو آدمی اپنی آنکھ سے بکرے کو ذبح ہوتے نہ دیکھ سکے وہ دشمن کو کب قتل کر سکے گا؟

اسلامی سال کی ابتدا کہاں سے ہو ؟ سب کا اتفاق اس پر ہوا کہ ہجرت سے اسلامی سال کی ابتدا کی جائے، اسمیں بھی یہی حکمت تھی کہ ہجرت کو سُن کر مسلمانوں میں جذبہ بھی پیدا ہوگی اور دین کی خاطر محنت و مشقت برداشت کرنیکا جذبہ پیدا ہوگا، اس کے برعکس میلاد سے ابتدا کرنے میں لہو و لعب میں اشتغال اور غفلت کا خطرہ تھا اور وفات سے شروع کرنے میں غم، صدمہ اور بزدلی پیدا ہوتی۔ جنگ بدر میں کفار کے ستر رئیس مارے گئے مگر مکہ میں جا کر دوسرے سرداروں نے اعلان کیا کہ خبردار کوئی نہ روئے اور ماتم نہ کرے، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا، یہ حکم اسی لئے دیا گیا تھا کہ بزدلی نہ پیدا ہو۔

تعزیہ رونے رُلانیکے واقعات جو ان مجلسوں میں سُنائے جاتے ہیں اکثر غلط ہیں اس لئے ان کا سُننا تو ویسے بھی ناجائز ہے۔ تاریخ پر اہل تشیع کا تسلط، ان کا تقیہ باز منافقین کا مسلمانوں میں گھس کر منگھڑت روایات کی اشاعت کرنا اور مسلمانوں کا آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی محبت و عقیدت کی وجہ سے مظلومیت کی ہر داستان کو صحیح باور کر لینا یہ ایسے امور ہیں کہ انکی وجہ سے واقعہ شہادت کی صحیح حقیقت کا انکشاف ناممکن ہے حتی کہ بظاہر معتبر و مستند کتابوں میں مذکور تفاصیل بھی قابل اعتماد نہیں اکثر روایات آپس میں متضاد اور عقل و اصول شرع کے خلاف ہونے کی وجہ سے یقیناً غلط ہیں، بلکہ نفس شہادت کے سوا اسکی تفصیل کا شاید ہی کوئی جزء ایسا ہو جس کی صحت پر پورا اعتماد کیا جائے جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنیوالوں نے اپنی اس شقاوت پر پردہ ڈالنے اور حقیقت کو مسخ کرنے کی غرض سے جھوٹی روایات وضع کرنے میں اپنی مخصوص مہارت سے پورا کام لیا ہے۔

(۹) تعزیہ کا جلوس اور ماتم کی مجلس دیکھنا

ان دنوں میں مسلمانوں کی کثیر تعداد ماتم کی مجلس اور تعزیہ کے جلوس کا نظارہ دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتی ہے، اسمیں کئی گناہ ہیں، ایک یہ کہ اسمیں دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہم اور دشمنان قرآن کے ساتھ تشبہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من تشبہ بقوم فھو منھم" جسنے کسی قوم سے مشابہت کی وہ انہی میں شمار ہوگا۔ ہولی کے دنوں میں ایک بزرگ جا رہے تھے انھوں نے مزاح کے طور پر ایک گدھے پر پان کی پیک ڈال کر فرمایا کہ تجھ پر کوئی رنگ نہیں پھینکتا، لو تجھے میں رنگ دیتا ہوں۔ مرنے کے بعد اس پر گرفت ہوئی کہ تم ہولی کھیلے تھے اور عذاب میں گرفتار ہو گئے۔ دوسرا گناہ یہ ہے کہ اس سے ان دشمنان اسلام کی رونق بڑھتی ہے۔ دشمنوں کی رونق بڑھانا

ملفوظات حسنہ ــــــــ ۔

بہت بڑا گناہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من کثر سواد قوم فھو منھم" جس نے کسی قوم کی رونق کو بڑھایا وہ انہی میں سے ہے۔

تیسرا گناہ یہ ہے کہ جس طرح عبادت کو دیکھنا عبادت ہے اسی طرح گناہ کو دیکھنا بھی گناہ ہے ایک دفعہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم جہاد کی مشق کر رہے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکی اس عبادت کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا اتنا اہتمام فرمایا کہ آپ پردے کی غرض سے خود کھڑے ہوگئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے پیچھے پردے میں کھڑے ہو کر آپکے کندھے پر سے دیکھتی رہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس عبادت کے نظارے سے سیر ہو کر جب خود ہٹیں تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہٹے، غرضیکہ عبادت کو دیکھنا بھی عبادت اور گناہ کو دیکھنا بھی گناہ۔

چوتھا گناہ یہ ہے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو رہا ہوتا ہے۔ ایسی غضب والی جگہ جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گزر ایسی بستیوں کے کھنڈرات پر ہوا جن پر عذاب آیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک پر چادر ڈال لی اور سواری کو بہت تیز چلا کر اس مقام سے جلدی سے گزر گئے، جب سید الاولین والآخرین رحمۃ للعالمین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم غضب والی جگہ سے بچنے کا اتنا اہتمام فرماتے تھے تو عوام کا کیا حشر ہوگا، سوچنا چاہئے کہ اگر اللہ کے دشمنوں کے کرتوتوں سے اسوقت کوئی عذاب آگیا تو کیا صرف نظارہ دیکھنے کے لئے جمع ہونے والے مسلمان اس عذاب سے بچ جائیں گے؟ ہرگز نہیں بلکہ عذاب آخرت میں بھی یہ لوگ انکے ساتھ ہونگے، اللہ تعالیٰ مستحق عذاب بنانیوالی بداعمالیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین

یہ بھی خیال رہے کہ جس طرح مبارک دنوں میں عبادت کا زیادہ ثواب ہے اسی طرح ان دنوں میں معصیت پر زیادہ عذاب ہے۔

(۱۰) دسویں محرم کی چھٹی کرنا

اس دن چھٹی کرنے میں کئی قباحتیں ہیں، ایک یہ کہ اس میں اہل تشیع کے ساتھ تشبہ ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھکر ان کی تائید و تقویت ہے،

دوسری قباحت یہ کہ یہ دن شیعہ اپنے مذہب کے مطابق شدت غم و محنت کا مظاہرہ کرتے ہیں اسکے برعکس مسلمان تمام دینی و دنیوی کاموں کی چھٹی کرکے اپنی بیکاری اور بے ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہیں،

تیسری قباحت یہ کہ چھٹی کی وجہ سے اکثر مسلمان تعزیہ کے جلوسوں اور ماتم کی مجلسوں میں پہنچ جاتے ہیں جس پر کئی گناہوں کا بیان اوپر نمبر ۹ میں گذر چکا ہے،

منکرات محرم ــــــــــــــ ۸

(۱۱) دسویں محرم میں اہل وعیال پر وسعت رزق

حدیث بتائی جاتی ہے کہ اس روز اہل وعیال پر وسعت رزق کرے تو پورا سال وسعت رزق ہوگی، من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه السنة كلها، اس کو مشہور محدثین نے غیر ثابت قرار دیا ہے، بفرض ثبوت اس سے اس لئے احتراز لازم ہے کہ لوگ اسکو ثواب سمجھتے ہیں حالانکہ شریعت نے اسمیں ثواب نہیں بتایا، اسے ثواب سمجھنے سے یہ کام بدعت بن جائیگا كل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار، اگر کوئی یہ کہے کہ میں تو یہ کام صرف وسعت رزق کے لئے کرتا ہوں، نہیں اسے ثواب کی نیت سے نہیں کرتا تو اس سے بھی بچنا چاہیئے آپ کے اس فعل سے ان لوگوں کی تائید ہوتی ہے جو ثواب کی نیت سے کرتے ہیں ایسے وقت میں فقہ کے قاعدے کے مطابق اسکا ترک واجب ہے، چنانچہ حکم ہے اذا تردد الحكم بين سنة وبدعة فتركه واجب، جب معاملہ سنت اور بدعت میں دائر ہو تو ترک واجب ہے اور یہاں تو معاملہ سنت وبدعت کا نہیں بلکہ جائز اور بدعت کا ہے یہاں تو بطریق اولیٰ ترک واجب ہوگا۔

دوسری قباحت یہ کہ اس روز شیعہ نیاز حسین کی دیگیں چڑھاتے ہیں جو شرک ہے اور اس کا کھانا حرام، اس لئے اس موقع پر بہتر کھانے پکانے میں شیعہ کے عقیدہ وعمل کی تائید ہوتی ہے۔

نیز وسعت رزق کے اور بھی تو کئی نسخے ہیں جن میں سب سے بڑا نسخہ گناہوں سے بچنا اور توبہ واستغفار ہے۔ یہ نسخہ اکسیر قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ سے ثابت ہے۔ اسے چھوڑ کر کس لئے پیچھے والا نسخہ استعمال کیا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ میٹھا ہے اور وہ کڑوا، مگر یاد رکھئے جب تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہوں کی زندگی سے توبہ کرکے اپنے مالک کو راضی نہیں کرتے کوئی نسخہ کارگر نہ ہوگا ؎

کسی کو رات دن سرگرم فریاد وفغاں پایا — کسی کو فکر گوناگوں سے ہردم سرگراں پایا!
کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیر آسماں پایا — بس اک مجذوب کو اس غمکدہ میں شادماں پایا

غموں سے بچنا ہو تو آپ کا دیوانہ ہو جائے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کا صحیح فہم اور کامل اتباع کی نعمت عطا فرمائیں آمین۔

چونکہ مذکورہ منکرات میں سے اکثر کا تعلق محرم کے مہینے سے ہے اور عذاب بھی انہی پر زیادہ ہے اس لئے اس مجموعہ کا نام تغلیبا "منکرات محرم" تجویز کرتا ہوں۔

فدلت عروقها فاستوت فقال الاعرابی ائذن لی اسجد لک قال لو امرت احدا
ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها قال فأذن لی اقبل یدیک ورجلیک
فاذن له ای فی تقبیل یدیه ورجلیه فقبلهما وفیه دلیل علی جواز تقبیل الید والرجل
من الفاضل للمفضول اذا کان لزهده وصلاحه او علمه وشرفه ولیس بمکروه بل
یستحب اذا کان تعظیما لامر دینی کما قال النووی فی الاذکار فان کان لامر
دنیوی فهو مکروه وقد ورد فی احادیث کثیرة صحیحة تقبیل ید النبی صلی الله
علیه وسلم وبهذا ارد علی المتولی من ائمة الشافعیة حیث اطلق القول بعدم جوازه
(نسیم الریاض فی شرح الشفا للقاضی عیاض لشهاب الدین الخفاجی ج ۳ ص [illegible])
(۲) عن زارع وکان فی وفد عبد القیس قال فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل
ید النبی صلی الله علیه وسلم ورجله الخ (ابو داؤد باب فی قبلة الجسد ج ۲ ص [illegible])
(۳) ولا بأس بتقبیل ید الرجل العالم والمتورع علی سبیل التبرک (الی قوله) وقیل
سنة (در)
(۴) (قوله وقیل سنة) ای تقبیل ید العالم والسلطان العادل قال الشرنبلالی وعلمت
ان مفاد الاحادیث سنیته او ندبه کما اشار الیه العینی (رد)
القسم الثالث (۱) المکروه محبة القیام لمن یقام له (رد ناقلا عن مشکل الآثار)
(۲) وما ورد من التوعد علیه فی حق من یحب القیام کما یفعله الترک والاعاجم
(رد ناقلا عن ابن وهبان)
القسم الرابع (۱) وکذلک ای مثل السجدة الانحناء علی هیئة الرکوع نهینا عنه
(الشفاء للقاضی عیاض ج ۲ ص [illegible])
(۲) کاد الانحناء ان یکون کفرا (حاشیة مکتوبات امام ربانی دفتر اول ص [illegible])
(۳) وفی الزاهدی الایماء فی السلام الی قریب الرکوع کالسجود (رد)
(۴) وفی المحیط انه یکره الانحناء للسلطان وغیره اه (رد المحتار)
عبارات قسم اول سے معلوم ہوا کہ عوام مسلمین کے ہاتھوں کی تقبیل جائز ہے۔
قسم دوم سے ثابت ہوا کہ علماء اور متورعین کے ہاتھوں کی تقبیل مسنون یا مستحب ہے
قسم سوم میں ہے کہ قیام غیر کو پسند کرنا مکروہ ہے۔ قیاسا علیہ تقبیل الید من الغیر

کو پسند کرنا بھی مکروہ ہوا، موجودہ دور میں علماء کی محبت تقبیل و قیام بدرجۂ تمام پائی جاتی ہے لہٰذا تعظیم نفس کو محبوب رکھنے والے وعید کے مستوجب ہیں۔

قسم چہارم سے ثابت ہوا کہ انحناء مکروہ ہے۔ باقی رہا یہ اشکال کہ تقبیل بلا انحناء ممکن ہی نہیں سو جواب یہ ہے۔

(۱) تقبیل میں انحناء مقصود نہیں۔ قصداً انحناء للتعظیم ناجائز ہے، مطلقاً انحناء ممنوع نہیں اور نہ ہی اس سے تحرز ممکن ہے۔ کئی ایک ضروریات کی وجہ سے انحناء کرنا پڑتا ہے مثلاً کوئی چیز اٹھانے کے لئے، رکھنے کے لئے، کچھ دیکھنے کے لئے وغیرہ۔ اس کے عدم جواز کا کسی کو وہم نہیں ہو سکتا اس لئے کہ انحناء مقصود نہیں۔

(۲) انحناء قریب الی الرکوع ناجائز ہے۔ معمولی سا انحناء ممنوع نہیں جیسے کہ قسم رابع کی عبارت ۱۱ اور ۱۲ میں مصرح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم — ۲۵ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ

بیوی اور والدین کی اجازت کے بغیر طلب علم کے لئے سفر کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ایک شخص کے والدین اور اس کی زوجہ طلب علم کے لئے اسے سفر کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ تو کیا اس صورت میں یہ شخص طلب علم کے لئے سفر کرے یا نہ کرے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

علم شرعی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) فرض عین　(۲) فرض کفایہ　(۳) مندوب

نماز روزہ وغیرہ کے مسائل کا علم فرض عین ہے اور ضروری فرائض و روزمرہ کے معاملات کے علم سے زائد علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور تحقیق فی العلم مندوب ہے۔ پس اگر سفر کی وجہ سے والدین یا اولاد کے ضیاع کا خوف ہو یعنی وہ خود غنی نہیں اور ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہو تو اس صورت میں طلب علم کے لئے مطلقاً (خواہ فرض عین ہو یا فرض کفایہ) سفر نہ کرے۔ اور اگر ضیاع کا خوف نہیں تو فرض عین و فرض کفایہ کی تحصیل میں والدین و زوجہ کی اطاعت نہ کرے، البتہ اگر طالب العلم امرد ہے اور باپ خوف فتنہ کی وجہ سے منع کر رہا ہے تو بہرحال اطاعت ضروری ہے ایسے ہی اگر ایسا سفر ہو کہ اس میں ہلاکت کا خوف ہے تو بھی والدین کی اطاعت لازم ہے۔

علم مندوب میں بہرحال والدین کی اطاعت اولیٰ ہے اور زوجہ کی اطاعت میں مختار ہے

قال فی شرح التنویر واعلم ان تعلم العلم یکون فرض عین وهو بقدر ما یحتاج لدینه وفرض کفایة وهو ما زاد علیه لنفع غیره ومندوبا وهو التبحر فی الفقه وعلم القلب الخ (شامیہ ج ۱)

وفی حظر شرح التنویر وله الخروج لطلب العلم الشرعی بلا اذن والدیه لو ملتحیا الخ تمامه فی الدر وفی الشامیة (قوله وله الخروج الخ) ای ان لم یخف علی والدیه الضیعة بان کانا موسرین ولم تکن نفقتهما علیه وفی الخانیة ولو اراد الخروج الی الحج وکرها ذلک قالوا ان استغنی الاب عن خدمته فلا باس والا فلا لصعوبة الخروج وان احتاجا الی النفقة ولا یقدر ان یخلف لهما نفقة کاملة او امکنه الا ان الغالب علی الطریق الخوف فلا یخرج ولو الغالب السلامة یخرج وفی بعض الروایات لا یخرج الی الجهاد الا باذنهما ولو اذن احدهما فقط لا ینبغی له الخروج لان مراعاة حقهما فرض عین والجهاد فرض کفایة (الی ان قال) هذا فی سفر الجهاد فلو فی سفر تجارة او حج لا باس به بلا اذن الابوین ان استغنیا عن خدمته اذ لیس فیه ابطال حقهما الا اذا کان الطریق مخوفا کالبحر فلا یخرج بلا اذنهما وان استغنیا عن خدمته ولو خرج المتعلم وضیع عیاله یراعی حق العیال اھ (شامیہ ج ۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ محرم سنہ ۳ھ

جوان بیوی کو چھوڑ کر طلب علم کے لئے سفر کرنا

سوال: ایک شخص کی بیوی جوان ہے اور وہ بیوی کو چھوڑ کر طلب علم کے لئے سفر اختیار کرتا ہے اور سال بھر گھر نہیں آتا۔ کیا اس کیلئے یہ امر جائز ہے یا کہ بیوی کے پاس رہنا واجب ہے۔

بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

عورت کا نفقہ اور ہر چار ماہ میں ایک دفعہ جماع کرنا شوہر پر واجب ہے۔ پس اگر شوہر ان حقوق کی تکمیل میں کوتاہی نہ کرے تو طلب علم کے لئے سفر پر جانا جائز ہے۔ البتہ اگر اس کے بدوں عورت کے لئے فتنہ کا خطرہ ہو تو سفر میں رہنا جائز نہیں۔ قال فی شرح التنویر ویسقط حقها بمرة ویجب دیانة احیانا ولا یبلغ مدة الایلاء الا برضاها۔ وفی الشامیة تحت قوله (ویسقط حقها بمرة) فاذا طالبته یجب علیه ویجبر علیه فی الحکم مرة والزیادة تجب دیانة لا فی الحکم عند بعض اصحابنا وعند بعضهم تجب علیه فی الحکم اھ وبه علم انه کما ان

على الشارح أن يقول وليسقط حقها بمرة في القضاء أي لأنه لو لم يصبها مرة يؤجله القاضي سنة ثم يفسخ العقد أما لو أصابها مرة لم يتعرض له لأنه علم أنه غير عنين وقت العقد بل يأمره بالزيادة أحيانا لوجوبها عليه إلا لعذر ومرض أو عنة عارضة أو نحو ذلك وسيأتي في باب الظهار أن على القاضي إلزام المظاهر بالتكفير دفعا للضرر عنها بحبس أو ضرب إلى أن يكفر أو يطلق وهذا ربما يفيد القول للديانة بوجوب الزيادة عليه في الحكم فتأمل وأيضا فيها غضب (قوله ولا يبلغ مدة الإيلاء) أن عمر رضي الله تعالى عنه لما سمع في الليل امرأة تقول ؎

فوالله لولا الله تخشى عواقبه　　　　لزحزح من هذا السرير جوانبه

فسأل عنها فإذا زوجها في الجهاد فسأل بنته حفصة كم تصبر المرأة عن الرجل فقالت أربعة أشهر فأمر أمراء الأجناد أن لا يتخلف المتزوج عن أهله أكثر منها ولو لم يكن في هذه المدة زيادة مضارة بها لما شرع الله تعالى الفراق بالإيلاء فيها (رد المحتار باب القسم ج ۲ ص ۴۰۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۳ھ

متقدمین و متأخرین میں حد فاصل

سوال: حضرات متقدمین و متأخرین جو ایک مشہور و معروف اصطلاح ہے ان کی حد فاصل کیا ہے، کہاں تک متقدمین کہلاتے ہیں اور کہاں سے متأخرین؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

المراد بالمشايخ في قولهم هذا قول المشايخ من لم يدرك الإمام كذا في وقف النهر. المراد بالمتقدمين من فقهائنا هم الذين أدركوا الأئمة الثلاثة ومن لم يدركهم فهو من المتأخرين هذا هو الظاهر من إطلاقاتهم في كثير من المواضع (الفوائد ثانی) وذكر الذهبي في مقدمة كتابه ميزان الاعتدال في نقد أسماء الرجال الحد الفاصل بين المتقدمين والمتأخرين هو رأس ثلاث مائة اھ (مقدمة عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية ص ۱)

بظاہر "ادرکوا الائمۃ الثلاثۃ" سے "احد الائمۃ الثلاثۃ" مراد ہے، اس صورت میں ذہبی کے قول سے مطابقت ہو جائے گی کیونکہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کی وفات دوسری صدی کے آخر میں ہوئی ہے، پس اس دوسری صدی کے اختتام تک جن حضرات کی ولادت

ہوئی ہو وہ متقدمین ہونگے اور تیسری صدی کے شروع سے متاخرین کا دور شروع ہوگا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ ربیع الآخر سنہ ۸۰ھ

لوگوں کو شرمندہ کرنے کے لئے علم پڑھنا

سوال: اگر کوئی شخص علم محض لوگوں کو شرمندہ کرنے کے لئے پڑھے: اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حدیث میں ایسے شخص کے بارے میں بڑی سخت وعید ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من طلب العلم ليجاري به العلماء او ليماري به السفهاء او يصرف به وجوه الناس اليه ادخله الله النار (مشکوٰۃ ص۳۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۰ھ

تعلیم چھوڑ کر تبلیغ کے لئے نکلنا

سوال: ایک قاری صاحب قرآن پاک پڑھاتے ہیں کئی لڑکے حفظ کرتے ہیں اور کئی ناظرہ پڑھتے ہیں۔ چالیس دن کے لئے تبلیغی جماعت میں جانا چاہتے ہیں زیادہ ثواب اور ضروری سمجھ کر، یہ فرمائیں کہ پڑھانے میں زیادہ ثواب ہے یا تبلیغی جماعت میں جانا زیادہ ثواب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مدرسہ کا مہتمم و مدرسین اُجرت پر کام کرتے ہیں لہٰذا معروف تعطیل سے زیادہ وقت کے لئے مدرسہ سے غائب رہنا اور کام نہ کرنا ناجائز ہے۔ غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ انکے لئے حلال نہیں، یہ عام ملازم کا حکم ہے۔ مدارس عربیہ کے ملازمین کو تو شرعی گنجائش بھی ہو تو بھی انکے لئے تعلیم کا کام چھوڑ کر تبلیغ میں نکلنا بہتر نہیں کیونکہ تعلیمی مرکز اسلام کے قلعے ہیں اگر یہ قلعے کمزور ہو جائیں گے تو آگے تبلیغ کا کام کیسے چلے گا۔ تبلیغ کا کام اگرچہ انتہائی ضروری ہے لیکن اسلامی تعلیم کا سلسلہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے بلکہ یہ بھی تبلیغ ہی کا ایک بنیادی شعبہ ہے۔ جماعت تبلیغی کے سربراہ تبلیغ کے لئے تدریس و تعلیم چھوڑنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۴۶

۱۳ صفر سنہ ۹۶ ہجری

غیر عالم کے لئے طلب دلیل جائز نہیں:

سوال:
کسی نے قرآن وحدیث سے غلط استنباط اور قیاسات فاسدہ پر مشتمل طویل مضمون برائے تصویب ارسال کیا جس میں یہ بھی لکھا تھا۔

"میں بی اے ہوں لیکن کسی استاذ سے ناظرہ قرآن بھی نہیں پڑھا، دینی حالت تو ناگفتہ بہ ہے؟"

اس کا جواب درج ذیل ہے۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دنیا میں یہ اصول مسلم اور متفق علیہ ہے کہ ہر فن کی تحصیل کے لئے اہل فن کے پاس معتد بہ وقت رہ کر استفادہ کرنا شرط ہے، مثلاً آپ ڈاکٹر سے علاج تو بہر صورت کروا سکتے ہیں مگر اس کی تشخیص و تجویز کے دلائل معلوم کرنے کے مجاز نہیں، اگر ڈاکٹر سے معلوم کریں گے تو وہ علاج سے ہی جواب دیدے گا، البتہ اگر اس فن کو باقاعدہ حاصل کرنا چاہیں تو کوئی ممانعت نہیں مگر اس کے لئے کئی شرائط ہیں، مثلاً فلاں فلاں امتحان میں اعلیٰ نمبروں پر کامیاب ہوئے ہوں، پھر کسی مستند میڈیکل کالج میں داخلہ لیا ہو، ماہرین کی نگرانی میں تمرین کی ہو اور مدت کی تکمیل کے بعد امتحان میں کامیاب ہوئے ہوں، اسی طرح آپ ہر وکیل سے قانون تو دریافت کر سکتے ہیں مگر اس کے دلائل دریافت کرنے کی اجازت نہیں، ہاں وکالت کا نصاب باقاعدہ پڑھیں تب دلائل بھی سمجھ میں آ سکتے ہیں، بعینہ اسی طرح علم دین کو سمجھ لیا جائے کہ عوام مفتیان کرام سے قانون شریعت دریافت کر سکتے ہیں، طلب دلائل کے مجاز نہیں، ہاں اگر کسی کو علم دلائل کا شوق ہو تو پہلے پندرہ سال کسی مستند دینی درسگاہ میں رہ کر نصاب عالم کی تکمیل کرکے اعلیٰ نمبروں پر کامیابی حاصل کرے، پھر افتاء کے درجہ تخصص میں دو سال کے لئے داخلہ لے، اس میں محنت کرکے امتیازی کامیابی حاصل کرے پھر ماہرین فن کی سرپرستی میں کچھ مدت کام کرے، اس کے بعد امید ہے کہ دلائل سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ ذیقعدہ [illegible]ھ

السّبك الفريد
لسلك التّقليد
ضرورت تقلید شخصی
بطلانِ عمل بمذہبِ غیر

ضرورت تقلید شخصی

سوال: آجکل بعض تعلیم یافتہ نوجوان یہ کہتے ہیں کہ تقلید شخصی کی کیا ضرورت ہے؟ جب ائمہ اربعہ برحق ہیں اور حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم دو کاموں میں سے جو کام آسان ہوتا تھا اس کو اختیار فرماتے تھے تو ہم بھی ایسا کیوں نہ کریں کہ مسائل میں ائمہ اربعہ میں سے جس امام کا مذہب زیادہ آسان اور سہل ہو اسکے مطابق عمل کر لیا کریں، اسکی کیا ضرورت ہے کہ کہ مثلاً حنفی اس مسئلہ میں بھی جس پر عمل کرنے میں دشواری ہے امام اعظم رحمہ اللہ ہی کے مذہب پر عمل کرے اور دوسرے امام کے مذہب پر عمل نہ کرے، جس کے یہاں اس مسئلہ میں آسانی اور سہولت ہو، اس سلسلے میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آخر مفقود الخبر کے مسئلہ میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ اور دوسرے حنفی علماء نے حضرت امام مالک کے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت دے ہی دی ہے۔ علاوہ ازیں وہ حضرت حکیم الامت کا حسب ذیل ملفوظ بھی اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

"فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ ایسا لکھوں کہ عوام جس میں مبتلا ہیں، اگر وہ کسی مذہب میں بھی جائز ہو تو اسکی اجازت دیدوں، تاکہ مسلمان کا فعل کسی طرح جائز ہو سکے، مولانا گنگوہی سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے اجازت دیدی، مولانا حنفی بہت سخت تھے مگر عوام پر شفقت بھی بہت تھی مگر میں نے ایسا رسالہ تو نہیں لکھا مگر بعض بعض مسائل حوادث الفتاوی میں لیے آگئے ہیں" الافاضات الیومیہ حکیم الامت ملفوظ ۲۲۹ (ملفوظات)

اس سلسلے میں حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں۔

(۱) کسی ایک امام کے مقلد کو بغرض سہولت دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے میں کیا مفاسد ہیں؟

(۲) کیا مفقود الخبر کے مسئلہ میں دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت دے دینے سے (حالانکہ یہ جواز کا فتویٰ غالباً کئی سال تک علماء مالکیہ سے طویل مراسلت و مکاتبت کے بعد علماء احناف کے باہمی صلاح مشورہ اور غور و خوض کے بعد دیا گیا تھا) عام آدمی کو ہر مسئلہ میں یہ اجازت دی جا سکتی ہے کہ جس امام کے مذہب پر عمل کرنے میں آسانی سمجھے اس پر عمل کرلے!

(۳) عدم جواز کی صورت میں حضرت تھانوی کے ملفوظ کا کیا جواب ہوگا!

(۴) کیا اردو زبان میں کوئی ایسی مستند کتاب ہے جس میں تقلید اور تقلید شخصی کے مسئلہ کے سلسلے میں مفصل اور سیر حاصل بحث کی گئی ہو؟ بینوا توجروا فقط

محمود حسن غفا اللہ عنہ و عافاہ

۱۴/۱۲/۹۵ھ

۲۱/۱۲/۷۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی انزل الکتاب، وارسل لتبیینہ رسولہ الذی اوتی جوامع الکلم وفصل الخطاب، وجعل لشرحہ تفقہ العلماء الذین التزموا الصدق والصواب، والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء وعلی آلہ واصحابہ الاصفیاء وورثتہ من الائمۃ الفقہاء ومتبعیہم الاتقیاء الی یوم الحساب

اما بعد: اس دورِ پرفتن میں جہاں ہر قسم کے فتنوں کو اٹھایا جا رہا ہے، وہاں ایک یہ فتنہ جانبوا بھی ہے کہ مسلمانوں کو کسی نہ کسی طرح مذہبی چھٹی مل جائے جس کے بعد وہ جس طرح چاہیں آزادانہ زندگی بسر کریں، لیکن چونکہ ربقۂ اسلام کو گردن کا طوق اپنے گلے کا ہار بنائے ہوئے یہ مذہبی آزادی حاصل نہیں ہوسکتی تھی اور علی الاعلان اگر مذہب کو خیرباد کہہ کر آزادی کا کوئی منصوبہ بنانے کی کوشش کی گئی تو وہ کامیاب نہ ہوسکی اس لئے بزعمِ خویش بعض خیرخواہانِ اسلام نے خدمتِ دین کے نت نئے طریقے ایجاد کرنے شروع کئے۔

کسی نے اسلام کے تمام اصول ومبادی کا زبانی اقرار کرتے ہوئے درپردہ اسلاف سے حسنِ ظن کا خون کیا تو کسی نے نئے سرے سے نئی نبوت ایجاد کرکے زمانے کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کی، ایک طرف اسلام کے اصلِ ثانی سنتِ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کو سرے سے غیر ضروری قرار دیکر مفسرِ قرآن بننے کی کوشش کی گئی تو دوسری طرف حدیث دانی و قرآن فہمی کے لئے ہر کس و ناکس کی فہم کو کافی کہہ کر اسلاف کی تعبیرات کو شرک وبدعت کے لقب سے نوازا گیا، صرف اسی پر بس نہیں بلکہ جب ایک فتنے کی سرکوبی کی جاتی ہے تو اس کے انڈے بچے دوسرے کسی فتنے کی صورت میں نمودار ہوجاتے ہیں۔ ع

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

لیکن ان فتنوں میں سے بعض ایسے ہیں جن سے سادہ لوح مسلمان بہت جلدی غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں اور وہ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ بھی ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے ادھر یا ادھر ہوجاتے ہیں کوئی اہم فرق نہیں پڑتا، کیونکہ یہ سب قرآن وحدیث کو ماننے والے اپنے ہی لوگ ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ع

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

اگر ان فتنوں کے صحیح خد و خال کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہ سب اندر ہی سے "ترکِ اسلاف" کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور انکو پتہ نہیں کہ ویأبی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکفرون، جس دین کو دوسری صدی ہجری تک تابعین و تبع تابعین نہ سمجھ سکے اور اسکے صحیح خد و خال متعین نہ کر سکے اب چودہ سو سال گزرنے کے بعد اسکے عاقل و بالغ پیدا ہو رہے ہیں۔ اسلاف کی بیان کردہ قرآن وحدیث کی تشریحات ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہوں، ان پر چلنے والا علی دین الآباء شمار ہونے لگے، اور آج چودھویں صدی کا مجتہد قرآن وحدیث کی تشریح کرے تو وہ سر آنکھوں پر، حالانکہ ان کو نہ قرآن کی ہوا لگی ہے نہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مس ہے ؎

انقلاب چرخ دوراں کی ذرا دیکھو تمثیل — آج قارون بھی کہہ دیتا ہے حاتم کو بخیل
بوحنیفہ کو کہے طفل دبستاں جاہل — شیخ جی کہتے ہیں اسکول کے بچے تجہیل
سامری موسیٰ عمران کو کہے جادوگر — فرج محفوظ کو کہتی ہے کسرت انجیل

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ حال ہی میں جب ایک جریدہ نے مولانا محمد حسین بٹالوی[1] اہلحدیث کا قول اُن کی کتاب اشاعۃ السنۃ سے نقل کیا کہ "پچیس سالہ تجربے سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدی بے دینی کا دروازہ ہے" تو ایک غیر مقلد صاحب بہت برہم ہوئے، اصل واقعہ کو تو جھٹلانے سے رہے اسلئے چار و ناچار جب اس پر تبصرہ کرنے بیٹھے تو ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر وہ کیچڑ اچھالی کہ خود اہل حدیث بھی سن کر شرم سے آنکھیں نیچی کرلیں، حد یہ کردی کہ ائمہ کرام کے مدون مذاہب کو الحاد و زندقہ ثابت کرنے کی ناکام سعی میں لگ گئے چنانچہ اس موضوع پر جو کتاب لکھی اسکا نام رکھا "حقیقۃ الالحاد" اس کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"فقہ حنفی کے اندر جو احادیث فقہاء نے درج کی ہیں وہ یا تو موضوع و خانہ ساز ہیں یا پھر ان کے رواۃ ضعیف و متکلم فیہا ہیں یا منکر و مختلف فیہا ہیں یا پھر شاذ و غیر صحیح ہیں، یہ فقہاء احادیث میں کورے ہی کی وجہ سے صحیح و غیر صحیح کے درمیان امتیاز نہ کرسکے ..... کتب حنفیہ میں موضوعات واوہام و بے ثبوت روایات کا پلندا ہوتا ہے، نیز اکثر وہ فرضی اور زنادقہ کی وضع کردہ ہیں۔ ان اسباب کی وجہ سے فقہاء نے خیال کیا کہ اگر کوئی

---

[1] بٹالوی کی پوری عبارت مع حوالہ ان شاء اللہ آگے آرہی ہے۔ ۱۲

احادیث صحیحہ سے واقف ہوگیا تو ہماری پول کھل جائے گی لہٰذا شروع ہی سے مقتدی بابت کے لئے لوگوں کے کانوں میں یہ بات ڈالو کہ بغیر مجتہد کے سمجھانے کے حدیث نہیں سمجھ سکتے ہیں اور براہ راست قرآن و حدیث پر عمل کرنا بے دینی ہے .... اور ان پر عمل کرنے والے اپنی ناک بنانے کے لئے پھر تو بتاتے ہیں، ان کے اس بتانے سے وہ بیچارہ جس نے پہلے ہی قرآن و حدیث پر عمل کرنا بقول ایشان حرام سمجھا ہو محض ہو جاتا ہے۔ (حقیقۃ الفقہ ص۴۳)

برادرِ مکرم خط کشیدہ الفاظ پر ایک نظر دوبارہ ڈال کر دیکھیں، یہ عبارت کتاب مذکور کے صرف آدھے صفحہ سے نقل کی گئی ہے، اس سے آپ خود اندازہ لگالیں کہ مصنف علام نے ائمہ کرام واکابر امت پر بہتان طرازی کا جو شغل شروع کر رکھا ہے اس میں وہ کس تندہی سے مصروف کار ہیں۔ ؎

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے جس چیز کا نام اجتہاد رکھ چھوڑا ہے وہ اجتہاد نہیں بلکہ ان کے ائمہ اربعہ میں سے کسی کا فرمودہ ہوگا۔

غیر مقلدین کے ائمہ اربعہ ابن تیمیہ، شوکانی، ابن حزم اور نواب صدیق حسن خان ہیں آپ اندازہ لگا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ غیر مقلدین کا کوئی قول ان چاروں حضرات کے دائرہ سے خارج نہیں جس پر حدیث کا لیبل لگا کر یہ لوگ پیش کرتے ہیں، جس طرح یہ حضرات حدیث سے استدلال کرتے ہیں اسی طرح دوسرے ائمہ بھی تو کسی حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں مگر غیر مقلدین کو بس وہی حدیث صحیح سمجھ میں آتی ہے جسے ان حضرات نے صحیح کہا ہو یا اختیار کیا ہو۔

عجیب بات

حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات جو اپنے کو غیر مقلد کہتے ہیں یہ سب سے زیادہ مقلد ہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آپ کے اقوال کی تشریح میں اختلاف ہوا، آپ کے وصال کے بعد آپس میں اختلاف ہوا، پھر تابعین، تبع تابعین اور ائمہ کا آپس میں لاتعداد مسائل میں اختلاف رائے رہا، بلکہ ایک استاد کے شاگردوں اور ایک مذہب کے پیروؤں میں اختلاف آراء رہا ہے اور اب بھی ہے، عقلاً بھی اختلاف رائے لازم ہے اس لئے کہ ہر شخص کا ذہن اور اسلوب فکر مختلف ہے، مگر دنیا میں صرف غیر مقلدین ہی کا فرقہ ایسا ہے جس کے

افراد میں اختلافِ رائے نہیں پایا جاتا، ان کے کسی بڑے نے ایک بات کہدی اور دوسرے تمام غیر مقلدین نے اسے بلا چون وچرا تسلیم کرلیا۔

تقلید کی تعریف

دراصل تقلید نام ہے اس چیز کا کہ اپنے کسی بزرگ پیشوائے دین کے کسی قول وفعل کو اس حسن ظن کی بناء پر قبول کرکے اس پر عمل کرنا کہ اس نے قرآن وحدیث کے مطابق یہ بات کہی ہے۔ اس تسلیم وعمل کو اس مسئلہ کی دلیل معلوم ہونے پر معلق نہ کرنا لیکن وہ دلیل اگر اس وقت معلوم ہو یا بعد میں معلوم ہوجائے تو یہ تقلید کے منافی نہیں، غرضیکہ تقلید میں مطالبۂ دلیل شامل نہیں اور علم بالدلیل اسکے معارض نہیں۔ کشاف اصطلاحات الفنون میں تقلید کی تعریف یوں مذکور ہے "التقلید اتباع الانسان غیرہ فیما یقول او یفعل معتقداً للحقیۃ من غیر نظر الی الدلیل کان ھذا المتبع جعل قول الغیر او فعلہ قلادۃ فی عنقہ من غیر مطالبۃ دلیل، علامہ ابن ملک شرح منار مصری ص۲۵۲ میں فرماتے ہیں، وھو ای التقلید عبارۃ عن اتباع الانسان غیرہ فی قولہ او فعلہ معتقداً للحقیۃ من غیر تامل فی الدلیل، اور شرح حسامی مطبوعہ مجتبائی ص۸۹ میں ہے: التقلید اتباع الغیر علی ظن انہ محق بلا نظر فی الدلیل۔

ان تینوں عبارات کو سامنے رکھ کر خود فیصلہ فرمائیے کہ تقلید کے معنی کیا ہیں۔ اب اگر کوئی اپنی الگ تعریف مقرر کرکے بحث بازی کرے تو یہ ان کی اپنی اصطلاح ہوئی جو ہم پر حجت نہیں لا مشاحۃ فی الاصطلاح۔ اس سے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے اس اعتراض کا جواب بھی ہوگیا جو انہوں نے اپنی کتاب تقلید شخصی وسلفی ص۲۲ میں کیا ہے کہ مفہوم تقلید علم بالدلیل کے منافی ہے، لہٰذا تقلید لازم جہالت ہے۔

اعتماد وانقیاد

درحقیقت دین نام ہے اعتماد وانقیاد کا، اگر دنیا سے اعتماد وانقیاد یہ دو صفات معدوم ہوجائیں تو دین کا نام ونشان ہی باقی نہ رہے۔ یہ اعتماد وانقیاد عہد رسالت سے بتواتر جاری ہے اور اسی پر ساری شریعت کا مدار ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان الامۃ اجتمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفۃ الشریعۃ فالتابعون اعتمدوا فی ذلک علی الصحابۃ وتبع التابعین

السیف الفرید ـــــ ص۹

اعتمد على التابعين وهكذا في كل طبقة اعتمد العلماء على من قبلهم والعقل يدل على حسن ذلك لأن الشريعة لا تعرف إلا بالنقل والاستنباط والنقل لا يستقيم إلا بأن يأخذ كل طبقة عمن قبلها بالاتصال (عقد الجید ص ۳۲) اور یہ غیر مقلدین شروع ہی سے اس اعتماد و انقیاد کا خون کرتے ہیں

تقلید کی خوبیاں

اس دورِ پُر فتن میں جبکہ ہر طرف الحاد و بے دینی پھیلی ہوئی ہے جس طرح ائمہ کی تقلید میں دین اور دینی شعائر کی حفاظت ہے ترک تقلید میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں، اس سے یہ معلوم ہوا کہ تقلید کا مقصود دین و شعائر کی بحسن و خوبی حفاظت ہے اور جس چیز میں دین کی حفاظت ہوتی ہو اس کی خوبی میں کسی کو کلام ہے، لیکن پھر بھی تبرعاً تقلید کی خوبی اور ترک تقلید کی برائیوں کے بیان کے لئے ہم پانچ حضرات کو بطور شہادت پیش کرتے ہیں جن میں سے تین حضرات کو خود اہل حدیث اپنے سرخیل شمار کرتے ہیں اسلئے "وشہد شاہد من اہلہا" کا مصداق بھی ہوگیا۔

عبدالوہاب شعرانی کی شہادت :

قطب ربانی شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، فقد بان لك يا أخي مما نقلناه عن الأئمة الأربعة وغيرهم أن جميع الأئمة المجتهدين دائرون مع أدلة الشريعة حيث دارت وأنهم كلهم منزهون عن القول بالرأي في دين الله وأن مذاهبهم كلها محررة على الكتاب والسنة كتحرير الذهب والجوهر وأن أقوالهم كلها ومذاهبهم كالثوب المنسوج من الكتاب والسنة سداه ولحمته منهما وما بقي لك عذر في التقليد لأي مذهب شئت من مذاهبهم فإنها كلها طريق إلى الجنة كما سبق بيانه أوائل الفصل قبله وأنهم كلهم على هدى من ربهم وأنه ما طعن أحد في قول من أقوالهم إلا لجهله به إما من حيث دليله وإما من حيث دقة مداركه عليه لا سيما الإمام الأعظم أبو حنيفة النعمان بن ثابت رضي الله عنه الذي أجمع السلف والخلف على كثرة علمه وورعه وعبادته ودقة مداركه واستنباطاته كما سيأتي بسط ذلك في الفصول إن شاء الله تعالى وحاشاه رضي الله عنه من القول في دين الله بالرأي الذي لا يشهد له ظاهر الكتاب والسنة (میزان کبری ص ۵۵ ج ۱)

شاہ ولی اللہ کی شہادت :

دوسری شہادت سید الطائفہ مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ آپ

فرماتے ہیں وفی ذلک (التقلید) من المصالح ما لا یخفی لا سیما فی هذه الایام التی قصرت فیها الهمم جدا واشربت النفوس الهوی واعجب کل ذی رأی برأیه (حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر ص ۱۲۳ ج ۱)

اعلموا ان فی الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظیمة وفی الاعراض عنها مفسدة کبیرة (عقد الجید ص ۳۱) واستفدت منه صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثة امور خلاف ما کان عندی (الی قولہ) وثانیها الوصاة بالتقلید بهذه المذاهب الاربعة لا اخرج منها (فیوض الحرمین ص ۴۸)

نواب صدیق حسن خان کی شہادت :

تیسری شہادت فرقہ اہل حدیث کے امام رابع نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی کی ہے آپ لکھتے ہیں فقد نبتت فی هذا الزمان فرقة ذات شهرة وریاء تدعی لانفسها علم الحدیث والقرآن والعمل بهما علی العلات فی کل شان مع انها لیست فی شیء من اهل العلم والعمل والعرفان (الحطہ فی ذکر الصحاح الستۃ از نواب صدیق حسن) اسی کتاب میں لکھتے ہیں فیا لله العجب من این یسمون انفسهم الموحدین المخلصین وغیرهم بالمشرکین وهم اشد الناس تعصبا وغلوا فی الدین ..... اسی مضمون کے اختتام پر لکھتے ہیں فما هذا دین ان هذه الا فتنة فی الارض وفساد کبیر (حوالہ بالا)

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت :

چوتھی شہادت مشہور اہلحدیث مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی ہے۔ آپ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں "پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں کفر و ارتداد و فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کیلئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔ گروہ اہلحدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔ اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہوتے جارہے ہیں"

(رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۴ جلد ۱۱ طبع ۱۸۸۸ء)

قاضی عبد الواحد صاحب خانپوری کی شہادت :

پانچویں شہادت ایک غیر مقلد بزرگ قاضی عبد الواحد صاحب خانپوری کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں "پس اس زمانے کے جھوٹے اہل حدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ما جاء الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ و روافض کے جس طرح

شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر و نفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ و زنادقہ کا تھے مسدام ان طرف۔ اسی طرح یہ جاہل اہل حدیث اس زمانے میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے، بعینہ مثل تشیع کے (الیٰ ان قال) مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کرکے حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہم کی غلو کے ساتھ تعریف کرکے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیدیں اور پھر جس قدر الحاد و زندقہ پھیلائیں کچھ پرواہ نہیں، اسی طرح ان جاہل بدعتی کا ڈھب اہل حدیثوں میں ایک دفعہ رفع یدین کرے اور تقلید کا رد کرے، اور سلف کو ہتک کرے، مثل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جن کی امامت فی الفقہ اجماع امت کے ساتھ ثابت ہے اور پھر جس قدر کفریہ اعتقادی اور الحاد اور زندقیت ان میں پھیلادے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ بھی نجیبی بھی نہیں ہوتے اگرچہ علماء اور فقہاء اہل سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ہرگز نہیں سنتے، سبحان اللہ ما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ، اور بڑا سبب اس کا یہ ہے کہ وہ مذہب حنفا اہل السنۃ والجماعۃ سے نکل کر اتباع سلف سے مستنکف و مستکبر ہوگئے ہیں فانہم ودوا بالحق (الاتوحید والسنۃ فی رد اھل الالحاد والبدعۃ "الملقب بہ" اظہار کفر شاء اللہ بجمیع اصول امنت باللہ ص ۲۶۲)

آپ نے مندرجہ بالا پانچ شہادتیں ملاحظہ فرمالیں جن میں ایک شافعی المسلک بزرگ، ایک حنفی المسلک پیشوا اور تین حضرات اہل حدیث کے مانے ہوئے علماء میں سے ہیں بلکہ نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی تو غیر مقلدین کے چوتھے امام ہیں، اسلئے ان حضرات سے ہماری استدعا ہے کہ تقلید میں کیا نعمت خداوندی پنہاں ہے اور ترک تقلید میں کیا عذاب مار آستین بن کر چھپا ہوا ہے، اسے ذرا غور سے سوچیں۔

تقلید شخصی

تقلید شخصی یہ ہے کہ کسی خاص مجتہد کی طرف جو مذہب منسوب ہے اسکے مفتی بہ مسائل کو لیکر ان پر بلا طلب دلیل عمل کیا جائے، عام ہے کہ وہ مسائل خود اس امام کے ہوں یا اسکے شاگردوں کے مگر اس طرح ہوں کہ ان پر ایک مذہب معین کا نام صادق آئے۔

اور تقلید غیر شخصی یہ ہے کہ متعدد مجتہدین کے مفتی بہ مسائل کو بدون طلب دلیل اپنا معمول ٹھہرالے لیکن ایک مسئلہ ایک امام کا لے اور ایک کسی اور امام کا یعنی کسی مجتہد معین کے مسائل کا التزام نہ کرے۔

عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیکر دوسری صدی ہجری کے آخر تک تقلید غیر شخصی

کا رواج تھا اور چونکہ اس وقت تک مجتہدین کے اصول وضوابط منضبط بھی نہ تھے اس لئے کسی مذہب معین کی تقلید میں دشواری بھی تھی، نیز اس زمانے میں غیر مجتہد حضرات میں تقوی اور اخلاص کا بھی درجہ اتم موجود تھا اسلئے متعدد مجتہدین کے اقوال لینے میں کید نفس کا شائبہ بھی نہ تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں "لان الناس لم یزالوا من زمن الصحابة الی ان ظهرت المذاهب الاربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکاره ولو کان باطلا لانکروه (عقد الجید ص۳۱) یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری کے آخر میں علماء ربانی نے اصول وفروع کی تدوین شروع کی اور ان کے قابل شاگردوں نے اس سلسلہ کی مدون وتہذیب کی، تو تیسری صدی سے اکثر لوگوں نے بطور تقلید شخصی انکو اختیار کر لیا، اصول وفروع کو قرآن وسنت کی روشنی میں مدون کیا گیا اور ان کو جانچنے والے ایسے علماء ربانی اور مجتہدین تھے جن کا علم ودانش اور ثقاہت مسلم تھی، ان کے یہ مجموعے آسانی سے دستیاب ہونے لگے اس لئے اس میں لوگوں کے لئے بہت ہی آسانی پیدا ہوگئی، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس وقت میں یہی تقلید واجب تھی، "وبعد المائتین ظهر فیهم التمذهب للمجتهدین باعیانهم وقل من کان لا یعتمد علی مذهب مجتهد بعینه وکان هذا هو الواجب فی ذلک الزمان (الانصاف ص۵۹) چوتھی صدی ہجری تک مذاہب اربعہ کے علاوہ اور مجتہدین کی بھی تقلید کی جاتی تھی، لیکن دوسرے حضرات مجتہدین کے مذاہب کی ایسی حفاظت نہ ہوسکی کہ وہ زیادہ دیر تک موجود رہتے چنانچہ چوتھی صدی ہجری کے بعد چاروں مذاہب کے سوا کوئی مذہب باقی نہ رہا اور اللہ کی رحمت سے ان چاروں مذاہب میں تقلید شخصی کا انحصار ہوگیا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں "ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة کان اتباعها اتباعا للسواد الاعظم والخروج عنها خروجا عن السواد الاعظم (عقد الجید ص۳۳)

علامہ ابن خلدون مقدمہ میں فرماتے ہیں "ووقف التقلید فی الامصار عند هؤلاء الاربعة ودرس المقلدون لمن سواهم وسد الناس باب الخلاف وطرقه لما کثر تشعب الاصطلاحات فی العلوم ولما عاق عن الوصول الی رتبة الاجتهاد ولما خشی من اسناد ذلک الی غیر اهله ومن لا یوثق برأیه ولا بدینه فصرحوا بالعجز والاعواز وردوا الناس الی تقلید هؤلاء کل من اختص به من المقلدین وحظروا ان یتداول تقلیدهم لما فیه من التلاعب ولم یبق الا نقل مذاهبهم وعمل کل مقلد بمذهب من قلده منهم بعد تصحیح الاصول

باتصال سندها بالرواية لا تحصل اليوم للفقه غير هذا وما بقي الاجتهاد لهذا العهد المردود على عقب فلا يجوز تقليده وقد صار اهل الاسلام اليوم على تقليد هؤلاء الائمة الاربعة (مقدمہ ابن خلدون صفحہ)

ملاجیون رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر بڑی ہی اچھی بات لکھی ہے: والانصاف ان انحصار المذاهب في الاربعة واتباعهم فضل الٰهي وقبولية عند الله تعالىٰ لا مجال فيه للتوجيهات والادلة (تفسیر احمدی صفحہ)

تقلیدِ شخصی کا وجوب

واجب کی دو قسمیں ہیں۔ لعینہ ولغیرہ، واجب لغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ خود اس کام کی تاکید شریعت نے نہ کی ہو مگر شریعت نے جن اُمور کو واجب قرار دیا ہو ان کی تکمیل بدون اس کے عادۃً ناممکن ہو اس لئے یہ امر بھی واجب ہوگا "لان مقدمۃ الواجب واجب" جیسے قرآن وحدیث کے جمع وکتابت کی شریعت میں کہیں تاکید وارد نہیں، مگر اسے واجب کہا جاتا ہے، اسی طرح تقلید شخصی واجب لغیرہ ہے کیونکہ تقلید شخصی کے ترک میں ایسے مفاسد ہیں کہ ان سے احتراز واجب ہے

ترکِ تقلید کے مفاسد

(۱) تقلید شخصی نہ کرنے سے دین میں جو خلل پڑتا ہے وہ تجربہ اور مشاہدہ سے متعلق ہے، اس زمانہ میں طبائع میں آزادی اور نفس پرستی کا غلبہ بالکل ظاہر ہے، جس کی احادیث فتن میں پیش گوئی کی گئی ہے، یہ حقیقت اہل علم حضرات پر مخفی نہیں اس دور میں اجتہاد کی اجازت دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کسی نے قرآن کریم اور مشکوٰۃ کا ترجمہ دیکھا ہو تو وہ بھی یہی کہے گا کہ دوسروں کا اجتہاد معتبر ہے تو میرا کیوں معتبر نہیں؟ جب اجتہاد ایسا عام ہوگا تو احکام میں جو تحریف وتصریف پیش آئے گی اس کا غیر مقلدین بھی انکار نہیں کر سکتے۔ بعض نو وارد مجتہدین یہ کہنے لگیں گے کہ جب مجتہدین سابقین نے اپنی قوت اجتہادیہ سے بعض نصوص کو معلل سمجھا ہے اور ان کا قول معتبر ومقبول ہوا تو ہم بھی اگر ایسا کریں تو کیا خرابی ہے، حالانکہ اس طرح سے اگر نصوص پر ہر کسی کو دست اندازی کی اجازت دی جائے تو وہ بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائیں گی، ترک تقلید سے کیا کیا فتنے ظاہر ہوئے اور ان کا دائرہ کس حد تک پھیلا یہ امر من الشمس ہے

کسی نے ترکِ تقلید کے بعد خدائی کا دعویٰ کیا، کسی نے نبوت کا، کسی نے مسیحیت کا، کسی کا انکارِ تقلید انکارِ حدیث تک منتہیٰ ہوا، اور کسی نے مجددیت کے روپ میں پوری امتِ مسلمہ کو گمراہ قرار دیکر اسلام کی بنیادیں متزلزل کرنے کی کوشش کی، بحمد اللہ تعالیٰ آج تک کوئی مقلد ان ضلالتوں میں مبتلا نہیں ہوا ۔

یہ سب نتیجے عدمِ تقلید کے ہیں ! کہ جو بیں بوالہوس اوندھے گرے ہیں

(۲) اگر تقلیدِ غیر شخصی کی اجازت دی جائے تو ہوائے نفسانی کے غلبہ کی وجہ سے نفس کو جو مسئلہ جس امام کا آسان اور موافقِ مقصد مل جائے گا اس پر عمل کرتا جائے گا، مثلاً مس مرأۃ کیا تو یہ کہے کہ میں حنفی ہوں، اور پھر خون نکل آیا تو یہ کہے کہ میں شافعی المسلک ہوں، اگر یہ دونوں امر پیش آئیں اور وہ مندرجِ بالا تاویل کر کے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز باتفاقِ ائمہ نہ ہوئی، مگر وہ نفس و غرض پرستی کی وجہ سے اس حالت میں بھی بے وضو نماز پڑھتا رہیگا اور یہ خالصۃً دین کو نفس کے تابع بنانا ہے ۔

(۳) تقلیدِ شخصی کے ترک سے عوام میں لاابالی پن اور آپس میں نااتفاقی اور منافرت پیدا ہوتی ہے ۔

حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز نے کیا خوب فرمایا کہ ترکِ تقلیدِ شخصی سے پانچ امور بلاشبہ خلل پذیر ہو جاتے ہیں ۔

(۱) علم دعمل میں نیت کا خالص ہونا (۲) خواہشِ نفسانی پر دین کا غالب رکھنا یعنی خواہشِ نفسانی کو دین کے تابع بنانا، دین کو اس کے تابع نہ بنانا (۳) ایسے امر سے بچنا جس میں اندیشہ قوی اپنے ضررِ دین کا ہو (۴) اہلِ حق کے اجماع کی مخالفت نہ کرنا (۵) دائرۂ اسلام سے نہ نکلنا، اور تقلیدِ شخصی میں اس خلل کا مستقل انسداد و علاج ہے (الاقتصاد ص ۴۲)

مقدمۃ الواجب واجب

حکیم الامت قدس سرہٗ کے حوالے سے اوپر جو امورِ خمسہ ذکر ہوئے وہ بالاتفاق ضروری اور واجب ہیں اور تقلیدِ شخصی کو چھوڑنے سے ان میں خلل واقع ہوتا ہے، چونکہ تقلیدِ شخصی ان امورِ خمسہ کی حفاظت کے لئے مقدمہ ہے ۔ اور یہ امور واجب ہیں اسلئے تقلیدِ شخصی بھی بقاعدہ " مقدمۃ الواجب واجب " واجب ہو جائے گی اور یہ قاعدہ ایسا ہے کہ نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ سب عقلاء میں مسلم ہے اس لئے اس پر

کسی دلیل کی ضرورت تو نہ تھی تاہم تبرکاً ایک حدیث پیش خدمت ہے عن عقبۃ بن عامر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من علم الرمی ثم ترکہ فلیس منا او قد عصی رواہ مسلم (مشکوٰۃ صفحہ ۳۳۲)

ظاہر ہے کہ تیر اندازی دین میں کوئی عبادت مقصودہ نہیں لیکن چونکہ اعلاء کلمۃ اللہ و جہاد اور بوقت ضرورت تیر اندازی اس کے لئے مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے اسلئے اسے بھی واجب قرار دیا اور اسے سیکھ کر بھلانے والے کو عاصی فرمایا گیا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ترک تقلید میں دینی خطرات کا علم ہونے کے باوجود اس سے رکنا عصیان میں داخل ہے جو منجر الی الشرک بھی ہو سکتا ہے۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ!)

عقل شاہد ہے

عقل شاہد ہے کہ متعدد مجتہدین کی تقلید کرنے میں سب سے بڑی اور واضح خرابی یہ ہے کہ کبھی بے علمی کی وجہ سے غیر مجتہد کی تقلید کا طوق گلے میں پڑ جاتا ہے جو بالاتفاق حرام ہے اور جبکہ زمانہ کی روش یہ بتلا رہی ہے کہ متعدد مجتہدین کی تقلید طبیعت میں ایسی آزادی اور سہولت پسندی کی پیدا کر دیتی ہے کہ بسا اوقات اس سے بہت تباہ کن نتائج برآمد ہوتے ہیں جب آزادی حاصل کرنے کا شوق ہوا تو بعض طبائع اسقدر سہولت پسند ہو گئیں اور انہوں نے اس میدان کو اسقدر وسعت دینا شروع کی کہ بالآخر وہ اضلال و اغوار کی انتہاء کو پہنچ گئے۔

تقلید شخصی پر اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ "ازالۃ الخفاء" میں فرماتے ہیں۔ "و در عہد فاروق مشاورت در مسائل اجتہادیہ و تتبع احادیث از مظان آن کشادہ شد معہذا بعد عزم خلیفہ بر چیزے مجال مخالفت نبود و بدون استطلاع رائے خلیفہ کارے را محکم نمے ساختند لہٰذا درین عصر اختلاف مذہب و تشتت آراء واقع نہ شد ہمہ بر یک مذہب متفق و بر یک راہ مجتمع و آں مذہب خلیفہ و رائے آں بود، روایت حدیث و فتویٰ و قضاء و مواعظ مقصور بود بر خلیفہ" (ازالۃ الخفاء مقصد دوم)

اسی سلسلہ میں ہم دو ثبوت اور پیش کرتے ہیں حضرت عمر کا مقرر فرمودہ قانون اور خیر القرون میں اہل مدینہ کا تعامل، اس قانون اور تعامل پر کسی صحابی کا بھی کوئی اعتراض نہ کرنا اجماع صحابہ کا بین ثبوت ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اعلام الموقعین للحافظ ابن قیم اور سنن دارمی میں منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ قاعدہ مقرر فرمایا تھا کہ جس مسئلہ میں کوئی حدیث نہ ملے اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فتوی پر عمل کیا جائے، اگر آپ کا فتوی نہ ملے تو علماء کے مشورہ سے جو امر طے پائے اس کی تعمیل کی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلے سے تقلید شخصی کی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ لگائیے۔ خود محدث، فقیہ، مجتہد اور تمام کمالات کے جامع ہونے کے باوجود حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کا التزام فرمایا اور عمر بھر آپ کے فتاوی کے مطابق حکم دیتے رہے۔

اہل مدینہ اور تقلید شخصی

روی البخاری فی (باب اذا حاضت المرأۃ بعد ما افاضت) عن ایوب عن عکرمۃ ان اهل المدينة سألوا ابن عباس رضی اللہ عنهما عن امرأۃ طافت ثم حاضت قال لهم تنفر قالوا لا نأخذ بقولك وندع قول زيد، قوله رواه خالد وقتادة عن عكرمة قال الحافظ رحمه الله تعالى زاد الثقفي فقالوا لا نبالي افتيتنا اولم تفتنا زيد بن ثابت يقول لا تنفر و في رواية قتادة فقالت الانصار لا نتابعك يا ابن عباس وانت تخالف زيدا (فتح الباری ص [illegible])

اس روایت سے صراحۃ یہ ثابت ہوا کہ اہل مدینہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید شخصی کرتے تھے اور ان کے مقابلے میں کسی کی بات سننے کو تیار نہ تھے، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یا کسی دوسرے صحابی نے ان مقلدین پر شرک یا گناہ کبیرہ کے ارتکاب کا فتوی نہیں دیا۔

امام العصر حضرت گنگوہی اور تقلید شخصی

حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز نے تقلید شخصی سے متعلق مختلف سوالات کے جواب میں مفید تحقیق تحریر فرمائی ہیں۔ ذیل میں فتاوی رشیدیہ ص [illegible] سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

تقلید مطلق فرض ہے لقولہ تعالیٰ فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون۱؎ اس آیۃ حق تعالیٰ نے اس آیت میں مطلق تقلید کو فرض فرما دیا ہے، اور تقلید کے دو فرد ہیں، ایک شخصی کہ سب

۱؎ النحل ۱۶ آیۃ ۴۳

مسائل ایک ہی عالم سے پوچھ کر عمل کرے، دوسرے غیر شخصی کہ جس عالم سے چاہے دریافت
کر لیوے، اور آیت بسبب اپنے اطلاق کے دونوں قسم تقلید کو متضمن ہے، لہذا دونوں قسم تقلید
کی مامور من اللہ تعالیٰ اور مفروض من حق تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور جس فرد تقلید پر کوئی عمل کریگا حق تعالیٰ
کے حکم فرض کا عامل ہوگا، لہذا جو شخص تقلید شخصی کو جو مامور و مفروض من اللہ تعالیٰ ہے شرک یا
بدعت کہتا ہے وہ جاہل و گمراہ ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کی مخالفت میں خدا تعالیٰ کے مفروض کو شرک
کہتا ہے اور نہیں جانتا کہ حق تعالیٰ نے جب اس مطلق حکم دیا ہے مکلف کو مختار فرمایا ہے کہ جس فرد مقید
پر چاہے عمل کرے، کیونکہ مطلق کا من حیث الاطلاق کہیں خارج میں وجود نہیں ہوتا بلکہ اپنے
افراد کی ضمن میں خارج میں موجود ہوتا ہے، مثلاً انسان کا وجود من حیث الاطلاق کہیں جدا
نہیں پایا جاتا بلکہ اپنے افراد کے ضمن میں ہی خارج میں ہوتا ہے، ایسا ہی تقلید کا وجود جدا
ہو اور شخصی و غیر شخصی کا جدا ہو یہ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا، بلکہ تقلید جہاں کہیں ہوگی یا شخصی
کے ضمن میں یا غیر شخصی کے ضمن میں ہوگی لہذا دونوں قسم میں مکلف مختار ہے جس پر چاہے
عمل کرے اور عہدہ امر سے فارغ ہووے، پس مامور من اللہ کو بدعت یا شرک کہنا خود بدعت ہے
بلکہ در اصل دونوں نوع تقلید کے جواز میں یکساں ہیں مگر اس وقت میں کہ عوام الناس بلکہ خواص
پر بھی ہوائے نفسانی کا غلبہ اور اعجاب کل ذی رأی برأیہ ہے اور تقلید غیر شخصی ان کی ہوا اور
اعجاب کو عمدہ ذریعہ جواز و اجرا کا ہو جاتا ہے، اور موجب لاابالی پن کا دین کی طرف سے اور
سبب زبان درازی و تشنیع کا شان سلف صالحین و ائمہ مجتہدین میں ان کے واسطے بن جاتا ہے اور باعث
تفرقہ و فساد کا باہم مسلمین میں ہوتا ہے، چنانچہ یہ سب مشاہدہ ہے لہذا ایسے وقت میں تقلید
غیر شخصی کا اختیار کرنا اس وجہ سے کہ جہان میں مفاسد برپا ہوتے ہوں درست نہیں رہا، اور
فقط شخصی امتثال امر فاسئلوا کے واسطے متعین و متحقق بحکم شرع ہو گیا ہے، کیونکہ اتفاق اور اتحاد
رکن اعظم دین اسلام کا ہے تو اس کی محافظت بھی فرض اعظم ہے۔ قال اللہ تعالیٰ واعتصموا بحبل
اللہ جمیعاً ولا تفرقوا الآیۃ ان اللہ لا یحب الفساد الآیۃ اور اکثر احادیث اس باب میں وارد ہیں
لہذا محافظت اس فرض اعظم کے واسطے اور دفع ان مفاسد و شنائع کی ضرورت سے ایک شق امر مباح
التخییر سوال کو ترک کرنا اور دوسری شق کو جو متعین و مفضی اس فرض اعظم کو اور دافع شنائع مذکورہ
کو ہے، اختیار کرنا عین حکم صاحب و حکم شارع علیہ السلام ہو گیا ہے، چنانچہ قراءت قرآن شریف کی سبعہ
احرف میں مخیر تھی اور باجماع صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو منع کر کے ایک لغت قریش

میں منحصر کر دیا اور یہ تخصیص رفع فساد و تفرقہ کی وجہ سے ہوا تھا صحیح بخاری اس کی شاہد ہے اور خود فخر عالم علیہ السلام نے قتل ذو الخویصرہ کے باب میں جو واجب القتل بسبب کلمات کفر و گستاخی فخر عالم علیہ السلام کے تھا فرمایا تھا دعہ فان للناس یقولون ان محمدا یقتل اصحابہ اور یہ حکم بسبب فتنہ کے ہوا تھا، الاخیر الحاصل ایسے وقت نازک میں تقلید شخصی واجب تخصیص ہے اور غیر شخصی ان فتن مشاہدہ کے سبب ممنوع ہے، البتہ اگر کہیں یہ فساد غیر شخصی میں نہ پایا جائے تو وہ بھی مامور بہ التفسیر ہے مثل شخصی کے، پس واضح ہوگیا کہ تقلید شخصی واجب ہے اور اس کو بدعت یا شرک کہنا جہل محض ہے واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی ۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۰۱ ہجری

جس طرح جسمانی علاج کے لئے کسی ڈاکٹر کی طرف رجوع اور دنیوی حکومت کا قانون معلوم کرنے کے لئے کسی وکیل کی طرف رجوع ضروری ہے۔ پھر اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ مختلف اوقات میں مختلف ڈاکٹروں اور مختلف وکیلوں کی طرف رجوع کیا جائے دوسرا یہ کہ ہمیشہ ایک ہی ڈاکٹر اور ایک ہی وکیل سے تعلق رکھا جائے دونوں صورتوں میں سے جس پر بھی عمل کرلیا جائے مقصود حاصل ہے، بعینہ اسی طرح علاج روحانی و حکومت ربانی کا قانون معلوم کرنے کے لئے کسی حاذق کی تقلید بنص قرآنی فرض ہے جو شخصی و غیر شخصی دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ ان دونوں میں سے جس صورت پر بھی عمل کرلیا اسے فرض ہی کہا جائے گا، پھر اگر کسی عارض سے دوسرے ڈاکٹر یا وکیل کی طرف رجوع متعذر ہو تو عمل کے لئے صرف دوسری ہی صورت متعین ہو جائیگی۔ اسی طرح تقلید غیر شخصی قبائح مذکورہ کی وجہ سے متعذر شرعی ہوگئی تو نص قرآنی کی تعمیل کے لئے تقلید شخصی ہی متعین ہوگئی، چنانچہ اسی بنا پر ایک ہی واقعہ میں ایک ہی شخص کی تقلید بالاتفاق فرض ہے کیونکہ واقعہ واحدہ میں متعدد علماء کی تقلید متعذر عقلی و شرعی ہے جیسے کہ ایک وقت میں ایک ہی ڈاکٹر کا علاج ضروری ہے، یہ اور فرض کی دو صورتوں میں سے ایک کی تعیین کی واضح مثال ہے اسی طرح صدقۃ الفطر، قربانی اور کفارات کے حکم کی تعمیل کی مختلف صورتوں میں سے اگر صرف ایک ہی صورت میسر ہو تو ادا واجب صرف اسی ایک صورت میں منحصر ہو جائیگا، اس تقریر سے واضح ہوا کہ تقلید شخصی کو فرض لغیرہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ فرض کی دو صورتوں میں سے ایک پر انحصار عوارض کی وجہ سے ہوا ورنہ فی نفسہ تقلید شخصی مطلق تقلید کا ایک فرد ہونے کی وجہ سے فرض لعینہ ہے، جس طرح کفارہ میں صوم فرض لعینہ ہے اور اس کی تعیین لغیرہ ہے۔ گو فہم حقیقت پیش نظر ہو تو اتنی مختصر سی بات بھی کافی ہے ورنہ دلائل کی بھرمار بھی لاحاصل ہے

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ؟
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں!

مختصر

مذکور تفصیل کے ضمن میں مطلوبہ سوالات کے جوابات بھی بخوبی ذہن نشین ہوگئے ہونگے۔ تاہم مختصراً مکرر تحریر ہیں۔

(۱، ۲) کسی امام کے مقلد کو دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا جائز نہیں۔ اس کے مفاسد اور اس سہولت پسندی میں دین کے نقصان کا مفصل بیان ماقبل میں ترک تقلید شخصی کے ضمن میں آچکا ہے۔

(۳) "مآثر حکیم الامت" میں حضرت حکیم الامت کے ملفوظ کا حوالہ نہیں دیا گیا، حضرت تھانوی کا حکم تھا کہ جب تک میرے ملفوظات کی تصدیق فلاں، فلاں چند مخصوص لوگوں سے نہ کرالی جائے انہیں شائع کرنے کی اجازت نہیں۔ مآثر حکیم الامت کے اس ملفوظ کو یہ تصدیق حاصل نہیں، بالفرض اگر یہ ملفوظ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا انہی الفاظ سے ہو تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ جہاں اہل فتویٰ و تقویٰ اجتماعی غور و خوض کے بعد مذہب کے اصول و قواعد کی رو سے دوسرے مذہب پر عمل کی گنجائش پائیں تو اس کی اجازت دیدیں، نہ یہ کہ کھلی چھٹی دیدی جائے کہ جو چاہے جس طرح چاہے عمل کرے، فافہم و تدبر۔

(۴) تقلید مطلق اور تقلید شخصی پر لاتعداد کتب لکھی گئی ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل کتب خاص اہمیت کی حامل ہیں:

① عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید — از شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ
② الانصاف فی بیان سبب الاختلاف — 〃 〃 〃
③ "حجۃ اللہ البالغۃ" میں بھی مفید مباحث ہیں — 〃 〃 〃
④ فتاویٰ رشیدیہ کتاب التقلید والاجتہاد — از حضرت گنگوہی قدس سرہٗ
⑤ ایضاح الادلۃ — از حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ
⑥ الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد — از حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
⑦ الکلام الفرید فی التزام التقلید — 〃 〃 〃

⑦ فصل الخطاب فی مسئلۃ ام الکتاب — از مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
⑨ خیر التنقید فی سیر التقلید — از مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
⑩ مقدمہ اردو ترجمہ المیزان الکبریٰ للشعرانی — از مولانا محمد حیات سنبھلی
⑪ فلسفہ تقلید و اجتہاد — از قاری محمد طیب صاحب مدظلہم

فقط واللہ العاصم من جمیع الفتن الظاھرۃ والباطنۃ

رشید احمد

سہ ربیع الثانی ۱۳۹۶ ہجری

بضرورت عمل بمذہب غیر

سوال: ملفوظات شاہ عبدالعزیز صاحب (مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، ۳۰ نیو ٹاؤن کراچی سنہ ۱۹۶۰ء) میں صفحہ ۱۰۵ پر حسب ذیل ملفوظ دیکھنے میں آیا:

"ایک مرید نے عرض کیا کہ اگر ضرورت کے وقت حنفی، شافعی کے قول پر عمل کر لے یا کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کر لے کیا یہ صحیح ہو سکتا ہے؟ فرمایا کہ اگر کوئی ضرورت شرعی مجبور کرے تو جائز ہے، ورنہ نفسانی حیلہ کے تقاضے سے ایسا نہ کرنا چاہئے کہ مثلاً ایک امام کی تقلید کرتا ہے کسی مسئلہ میں عملاً دوسرے امام کا قول آسان اور سہل پایا، اس وقت اس کو ہی اختیار کر لیا۔ یہ بری بات ہے، میں نے اس کی تفصیل ایک فتوے میں لکھی ہے۔"

اس سلسلہ میں حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں:

(۱) شرعی ضرورت سے کیا مراد ہے؟ اگر اس کی چند مثالیں تحریر فرمادی جائیں تو فہم مطلب میں سہولت ہوگی۔

(۲) یہ جو تحریر فرمایا ہے کہ "بری بات ہے" تو اس برائی کا کس درجہ ہے، ناجائز، مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی؟

(۳) کیا ہر عامی کو یہ اجازت دیدی جائے گی کہ وہ ضرورت کے وقت کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کرے یا یہ ضروری ہے کہ مستند علماء مشورہ اور خوب غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ فرمائیں

کہ وہ ضرورت شرعی ہے اور اس صورت میں دوسرے امام کے قول پر عمل کرنے کی اجازت ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) ضرورت شرعی سے مراد وہ ضرورت ہے جسے علماء راسخین فی العلم جو تقوی و طہارت کی صفات عالیہ سے متصف ہوں ضرورت قرار دیں۔ اگر وہ واقعی یہ ضرورت سمجھیں کہ اس وقت مذہب غیر پر عمل کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے تو وہ ضرورت شرعی سمجھی جائے گی اور اس وقت مذہب غیر پر بقدر ضرورت عمل جائز ہوگا، ضرورت کی تعیین ہر مسئلہ اور واقعہ میں الگ ہوگی اور عوام تو عوام ہی ہیں، عام علماء کو بھی اس کی تعیین کی اجازت نہیں، اسکا فیصلہ صرف راسخین فی العلم متقی علماء ہی کر سکتے ہیں جو شاذ و نادر ہیں۔ اس کی واضح مثال مفقود کا مسئلہ ہے کہ علماء نے جب مذہب مالکیہ پر فتوی دینے کی ضرورت محسوس کی تو اسکا فتوی صادر فرمایا، لیکن اس میں احتیاط کے تمام پہلو مد نظر رکھ کر یہ فیصلہ دیا گیا۔

حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں۔ "اور ضرورت وہی معتبر ہے جس کو علماء اہل بصیرت ضرورت سمجھیں۔ و نیز یہ بھی ضروری ہے کہ فتوی دینے والا ایسا شخص ہو جس نے کسی ماہر استاذ سے فن کو حاصل کیا ہو اور اہل بصیرت اس کو فقہ میں مہارت تامہ حاصل ہونے پر شہادت دیتے ہوں کما قال الشامی فی شرح عقود رسم المفتی فان المتفقہ بین شروط فی المفتی الاجتہاد وھذا مفقود فی زماننا فلا اقل من ان یشترط فیہ معرفۃ المسائل بشروطھا وقیودھا التی کثیرا ما یسقطونھا ولا یصرحون بھا اعتمادا علی فہم المتفقہ وکذا لابد من معرفۃ عرف زمانہ واحوال اھلہ والتخریج فی ذلک علی استاذ ماھر اھ ص۲۵ ، اور اس زمانہ پرفتن میں یہ دونوں باتیں جمع ہونا، یعنی کسی ایک شخص میں تدین کامل و مہارت تامہ کا اجتماع نایاب ہے اس لئے اس زمانے میں اطمینان کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ کم از کم دو چار محقق علماء دین کسی امر میں ضرورت کو تسلیم کر کے مذہب غیر پر فتوی دیں، بدون اسکے اسمیں توابع ضعیفہ و مذہب غیر کو لینے کی اجازت دی جائے تو اسکا لازمی نتیجہ ہدم مذہب ہے۔ کما لا یخفی (الحیلۃ الناجزۃ ص۱۲)

(۲) نفسانی حیلے سے کسی مسئلہ کو چھوڑ کر دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا حرام اور ناجائز ہے اسلئے اس سے متعلق جو شاہ صاحب نے "بڑی بات ہے" فرمایا ہے اسکا مطلب بھی حرام و ناجائز ہی ہے مکروہ وغیرہ نہیں۔

(۳) عوام کا تو کیا پوچھنا ہر عالم کو بھی ضرورت کے وقت مذہب غیر پر فتوی و عمل کی اجازت نہیں۔

السبکی الفرید ــــــــ ۔

قال حکیم الامۃ قدس سرہ العزیز

"ضرورت شدیدہ اور ابتلاء عام کے وقت حنفیہ کے نزدیک دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کرکے اس پر فتوی دیدینا بھی جائز ہے لیکن عوام کو خود اپنی رائے سے جس مسئلے میں چاہیں ایسا کرلینے کی اجازت نہیں بلکہ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے وذلک لما صرح بہ العلامۃ الشامی فی رسالتہ شرح المنظومۃ فی رسم المفتی، اور اس زمانے میں احتیاط اس طرح ہوسکتی ہے کہ جب تک محقق و متدین علماء کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا محقق تسلیم کرکے دوسرے امام کے مذہب پر فتوی نہ دیں اس وقت تک ہرگز اپنے امام کے مذہب کو نہ چھوڑے کیونکہ مذہب غیر کو لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ اتباع ہوی کی بنا پر نہ ہو بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو" (الحیلۃ الناجزہ ص۱۰) فقط واللہ تعالی اعلم

رشید احمد

۱۲ ربیع الاول ۹۶ھ

الهدايات المفيدة
لتنزيه
المدارس من العلوم الجديدة
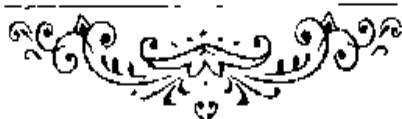
الہدایا المفیدۃ
تاریخ تالیف ——— ۱۸ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ
سن اشاعت ——— ۱۳۹۸ھ
عرصہ دراز سے
مختلف حلقوں کی طرف سے یہ سوال اٹھایا
جا رہا ہے کہ مدارس دینیہ کے نصاب میں
دنیوی تعلیم بھی شامل کی جائے بعض دینی
مدارس اس میں مبتلا ہو بھی چکے ہیں۔
اس رسالہ میں عقل سلیم اور دینی
مشاہدات و تجربات کی روشنی میں ثابت
کیا گیا ہے کہ یہ اقدام مدارس دینیہ کے
لئے تباہ کن ہے اور اس کے صحیح طریق کار
کی نشاندہی کی گئی ہے۔

مدارس دینیہ میں دنیوی تعلیم دینا

سوال: کسی دار العلوم کے طلبہ کو علوم مقصودہ کے ساتھ مولوی فاضل اور ایم اے کرانا اور ضمناً و تبعاً ان کو دینی ماحول میں دیندار اساتذہ کے ذریعہ انگریزی زبان پڑھانا اور بعض علوم جدیدہ جیسے عالمی جغرافیہ، سائنس، فلسفہ جدیدہ، نفسیات اور شہریت و عمران پڑھانا جائز، خدمت خلق و رضاء حق کا ذریعہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دیندار ماحول میں اور دیندار اساتذہ کی نگرانی میں علوم جدیدہ کی تحصیل بنیت خدمت خلق و رضاء حق بلا شبہ موجب اجر و ثواب ہے مگر مدارس دینیہ میں ان علوم کا اجراء تجربہ سے مضر ثابت ہوا ہے، اولاً اس لئے کہ بعض مدارس دینیہ میں علوم جدیدہ کو تبعاً و ضمناً جاری کیا گیا مگر چند روز ہی میں وہ مدرسہ سوائے علم دین کے باقی سب فنون کا مرکز بن گیا اور علم دین برائے نام رہ گیا، اور پھر چند ایام کے بعد علم دین کا نام بھی ختم ہو گیا اس کی بہت سی نظائر ہمارے سامنے موجود ہیں، اس صورت میں مدرسہ کی زمین، عمارت اور متعلقہ سامان جو تعلیم دین کے لئے وقف تھا یہ تک تعلیم دنیا اور بالواسطہ یا بلا واسطہ ہدم دین کے لئے استعمال ہوگا جسکا سارا وبال بحیثیت اول رکھنے والے پر ہوگا، بالفرض ہدم دین کا باعث نہ بھی بنے تو بھی جو وقف علم دین کے لئے مخصوص تھا اسے علم دنیا کے لئے مخصوص کر دینے اور ہمیشہ کے لئے جہت وقف کے بدل دینے کا عذاب تو بہرکیف ہوگا، ثانیاً اگر بالفرض کسی مدرسہ دینیہ میں علم دین ہی غالب رہے تو اس استعداد کے طلبہ کہاں سے لائے جائیں گے جو علوم دینیہ و دنیویہ دونوں میں مہارت حاصل کر سکیں۔ جب ان علوم دینیہ میں استعداد حاصل کرنے والوں کی تعداد ایک فیصد سے زیادہ نہیں، اور علوم جدیدہ کے طلبہ کا معیار تو اس سے بھی زیادہ گرا ہوا ہے، ثالثاً اگر بفرض محال لاکھوں میں سے کوئی ایک آدھ فرد دونوں علوم کا ماہر ہو بھی جائے تو کیا وہ علم دین کی کوئی خدمت کرے گا؟ حاشا و کلا اسے تو دنیوی ہوس اور حب مال و جاہ نہ صرف یہ کہ خدمت علم دین کا موقع نہیں دیتی بلکہ اس سے متنفر کر دیتی ہے۔ چنانچہ اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی کہ دونوں قسم کے علوم میں کوئی ماہر فرد دین کی کوئی بنیادی معتد بہ خدمت کر رہا ہو، یہ صحیح ہے کہ ایسا آدمی اگر اخلاص سے دنیوی خدمت کرے تو وہ بھی باعث اجر ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اگر ایسے علوم دنیویہ کی تعلیم

دی جاتی تو وہ دین کی خدمت کرتا علوم دنیویہ کی تعلیم نے اسے خدمت دین سے محروم کر دیا پھر اس کے
دعوائے اخلاص میں بھی یہ شبہ ہوتا ہے کہ حقیقت کا کچھ ذرہ بھی ہے یا محض نفسانی کید ہے اگر واقعی
رضائے الٰہی مقصود ہوتی تو وراثت خدمت دین ہوتے ہوئے خدمت علوم دنیویہ کو کیوں اختیار کیا؟!
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طلب مال وجاہ کے سوا کچھ مقصود نہیں، مشاہدہ ہے کہ عموماً ایسے حضرات
کے قلب سے عمل کا اہتمام مٹ جاتا ہے بلکہ بیشتر کے تو نظریات بھی تبدیل ہو جاتے ہیں غرضیکہ مدارس
دینیہ میں اگر ان علوم جدیدہ کو ذرا سی بھی جگہ دی گئی تو خطرہ ہے کہ چند سال کے بعد ایک فرد بھی
خدمت دین کرنیوالا نہ ملیگا اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں آمین۔

لہٰذا مدارس دینیہ کو برباد کرنے کی بجائے کالجوں کی اصلاح کی طرف توجہ کرنا چاہیے، وہاں
اساتذہ دیندار متعین کئے جائیں اور ماحول کو دیندار بنانے کی کوشش کی جائے، نصاب میں
علم دین کا معتد بہ حصہ رکھا جائے، مدارس دینیہ میں اگر قدیم نصاب محنت سے پڑھا پڑھایا
جائے تو سوائے انگریزی زبان کے باقی تمام فنون دنیویہ میں بھی کالجوں کے طلبہ سے زیادہ تفوق
پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ فنون قدیمہ میں کچھ سوجھ بوجھ رکھنے والے بعض ایسے افراد اب تک بھی موجود
ہیں کہ علوم جدیدہ میں مہارت کے مدعی ان کے سامنے طفل مکتب معلوم ہوتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ
حساب، اقلیدس (جیومیٹری) اور ہیئت وغیرہ ضروری علوم کو مدارس دینیہ سے اس طرح
خارج کر دیا گیا ہے کہ گویا یہ ان کے نصاب میں کبھی داخل ہی نہ تھے، حقیقت یہ ہے کہ ان علوم
کے سوا علم دین کی تکمیل ہی ناممکن ہے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو علوم جدیدہ کوئی چیز ہی نہیں یہ سب
علوم قدیمہ ہی کا چربہ ہے وہ بھی ناقص اور نامکمل، انہی علوم قدیمہ کے نام جدید تجویز کر دیئے گئے ہیں
یا پھر متجددین مصنفین نے کتب جدیدہ لکھ ڈالی ہیں جن میں علوم وہی قدیم ہیں، اس جدید نام اور
تجدد کا زعم مصنف کی جدید تصنیف کا طبائع پر بڑا اثر پڑتا ہے۔

غور فرمائیے کہ ہدایہ کے پڑھنے والے اور ہدایہ کا انگریزی ترجمہ "محمڈن لاء" پڑھنے والے عمل
اور سلامت طبع ونظر وفکر میں برابر ہو سکتے ہیں؟ یہ فرق "محمڈن لاء" کو ہدایہ کا ترجمہ سمجھتے ہوئے ہے
تو جہاں تصانیف کو مستقل بلکہ تحقیق جدید اور مصنف کو ترقی یافتہ قوم کا ہیرو سمجھا جاتا ہو اور ذہن
اس سے اتنا مرعوب ہو کہ اس کی کسی تحقیق کو بنظر تنقید دیکھنا جرم عظیم ہو، اللہ ورسول صلی اللہ
علیہ وسلم کی بات میں تو معاذ اللہ شبہات پیدا ہوں، مگر مغربی مصنف کی کسی بات میں شبہ کی
کوئی گنجائش نہ ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے علوم حاصل کرنیوالوں کا انجام کیا ہوگا۔

بیان مذکور سے بعض حضرات کے اس قیاس کا جواب بھی ہو گیا جو فرماتے ہیں کہ متقدمین بھی تو سرکاری
زبان اور علوم دنیویہ پڑھتے پڑھاتے تھے اور ان میں مہارت رکھتے تھے، سو واضح ہو کہ متقدمین کی
سرکاری زبان ایک مسلم قوم کی زبان تھی اور فنون کی کتب کے مصنفین بھی مسلمان تھے اور یہ اساتذہ بھی،
اور وہ خودداری و خود اعتمادی اور جمیع علوم و فنون میں سبقت و امتیاز کے اتنے اونچے مقام پر تھے
کہ انہیں پوری دنیا کی اقوام ہیچ نظر آتی تھیں اس لئے ان پر سرکاری زبان سیکھنے یا دنیوی علوم و
فنون حاصل کرنے میں کوئی خراب اثر پڑنے کا کوئی امکان نہ تھا وہ سرکاری زبان اور دنیوی علوم
کو اپنے گھر کی چیز سمجھتے تھے۔ آج کے مسلمان کی طرح اغیار بلکہ ارباب کی دریوزہ گری اور جبیں سائی
کا تصور نہ رکھتے تھے بلکہ اسکے برعکس وہ پوری دنیا کے لئے چشمۂ فیض تھے دنیا بھر کی اقوام ان کے
آستانوں سے بھیک مانگ کر آج ترقی کا ڈھنڈورا پیٹ رہی ہیں۔ غرضیکہ متقدمین کے لئے سرکاری
زبان اور علوم دنیویہ میں مہارت خودداری و خود اعتمادی اور تفوق و استغناء کا باعث تھی اسکے
برعکس ہونے قسمت سے آجکل دنیوی علوم کی بطریق جدید تعلیم ذہنی پستی اور اغیار کی غلامی و احتیاج
کو قلب میں مکمل طور پر راسخ کر رہی ہے اور مسلمانوں کی گردن کو احسان اغیار کے بار عظیم سے اس
طرح دبائے ہوئے ہے کہ ان کو اس سے نجات دلانے کیلئے کوئی نسخہ بھی کارگر نہیں ہو رہا۔ اسی غلامانہ
ذہنیت اور احساس کمتری کا یہ کرشمہ ہے کہ پانچویں صدی کے مسلمان ابوریحان بیرونی سے استفادہ
کرکے تو اغیار چاند اور زہرہ پر پہنچ رہے ہیں جیسا کہ روس نے اعتراف کیا ہے مگر آج کے مسلمان ماہرین
فلکیات روسی رصد کی نقل میں بھی فحش غلطیاں کر رہے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا
کہ گرینچ کی شاہی رصدگاہ نے نئی روشنی کی ابتداء کا جو وقت بتایا ہے اُسے پاکستان و ہندوستان کے ماہرین
فلکیات نے صادق قرار دیکر اسکے مطابق جنتریاں مرتب کرکے ملک بھر میں شائع کر دی ہیں۔ دوسرا فرق
یہ ہے کہ متقدمین علوم دنیویہ میں مہارت حاصل کرنے کے بعد بھی تقوی اور زہد کی بدولت خدمت علم دین
سے غافل ہوتے تھے اور نہ ان میں کوئی عملی کوتاہی واقع ہوتی تھی، نظریاتی تبدیلی تو درکنار انہیں سے
اکثر ہر قسم کی مہارت رکھنے کے باوجود فقر و فاقہ کے عالم میں بھی خدمت دین میں مشغول رہتے تھے
اور اسی کو سعادت سمجھتے تھے۔ اور بعض نے دنیوی ترقی کی بھی تو بڑے بڑے مناصب جلیلہ پر فائز
ہونے اور مقربین سلاطین ہونے کے بعد بھی انکے اعتقاد و عمل اور خدمت دین میں کوئی نقص نہ واقع ہوا
بلکہ اس جاہ و مال کو مزید خدمت دین کا ذریعہ بنا کر دنیا کو بھی دین بنا دیا گیا۔ اسکے برعکس آجکل بوجہ
حب مال و جاہ کا اس قدر غلبہ ہے کہ علوم دنیویہ بطریق جدید حاصل کرنے کے بعد خدمت علم دین کا تصور بھی

ناممکن ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مدارس دینیہ میں علوم فنون خصوصاً حساب، ہیئت اور اقلیدس کی تعلیم اشد ضروری ہے مگر کتب قدیمہ کے ذریعہ، صرف اساتذہ کتب جدیدہ کا مطالعہ کریں کوئی کام کی بات پائیں تو طلبہ کو اس طریق سے سمجھائیں کہ کتب جدیدہ اور ان کے مصنفین کا تفوق ان کے ذہن میں نہ آنے پائے، اگر کتب قدیمہ ناکافی ہوں تو علماء دین جدید تصنیف کریں، اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ طریق تعلیم کی اصلاح کریں زیادہ کتابیں پڑھانے کی بجائے تمرین (عملی مشق) زیادہ کرائی جائے کسی کالج کے تعلیم یافتہ کی تصنیف خواہ وہ کتنا ہی صحیح و مستقیم کیوں نہ ہو طلبہ کے اذہان پر یہ اثر ضرور ڈالے گی کہ انہیں یہ علوم مغرب سے ملے ہیں، ان علوم کو اگر بذریعہ کتب جدیدہ مدارس دینیہ میں لایا گیا تو ایک طرف تو انکی اور انکے مصنفین کی خباثت کا بہت برا اثر پڑیگا اور اسکے ساتھ ساتھ عصریت سے ذہن مرعوب ہوگا اور دوسری طرف یہ نقصان ہوگا کہ غلبہ ہوس کی وجہ سے یہ لوگ عصری امتحانات دیکر خدمت دین کی بجائے حکومت کی ملازمت اختیار کریں گے جس میں خدمت دین سے حرمان کے علاوہ عملی و اعتقادی خرابیاں بھی عموماً پیدا ہو جاتی ہیں، اگر خدانخواستہ سب مدارس دینیہ نے یہ کار خیر شروع کردیا اور اپنا نیم پختہ مال سرکاری دفاتر اور دنیوی منڈیوں میں بھیجنا شروع کردیا تو آئندہ علم دین کا کوئی مدرس پیدا ہونے کی کوئی توقع نہ رکھنا چاہیے اور علم دین کو صرف چند روزہ مہمان ہی سمجھنا چاہیے، ممکن ہے کہ قرب قیامت میں رفع علم دین کا سبب یہی نظریہ بننے والا ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں یہ وقت نہ دکھائیں آمین۔ انگریزی زبان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسکے سیکھنے سے علماء دین کی خدمت زیادہ کرسکتے ہیں، یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ کونسا مسئلہ ہے جسکا حل انگریزی زبان پر موقوف ہے جبکہ مخالف و موافق ہر قسم کی کتب کے دفاتر اردو میں موجود ہیں، اگر اسکا خدمت دین میں معین ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے تو دیکھنا یہ ہے کہ اسکا کوئی مصداق بھی دنیا میں موجود ہے یا نہیں، اگر آپ اسکا جائزہ لیں کہ کوئی انگریزی خواندہ عالم دین کی کوئی بنیادی خدمت کر رہا ہے تو یقیناً اسے کالعدم ہی پائیں گے، اس سے میرا مقصود یہ ہرگز نہیں کہ انگریزی زبان سیکھنا ناجائز ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ دین کی کوئی خدمت اس پر موقوف نہیں، لہذا علماء دین کے لئے انگریزی زبان سیکھنا بے ضرورت اور غیر مفید ہے بلکہ اکثر طبائع کے لئے تو مضر ہے، آخر میں پھر گزارش ہے کہ مدارس دینیہ کو مسموم اور مولویوں کو مسٹر بنانے کی بجائے کالجوں کی اصلاح اور مسٹروں کو صحیح مسلمان بنانے پر پوری قوت صرف کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ ربیع الاول ۸۸ھ

الہدایات المفیدۃ ۲

إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها
الكلام البديع
في
احكام التوزيع

الکلام البدیع

تاریخ تالیف ــــ ۱۳؍ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ

سنِ اشاعت ــــ ۱۳۹۸ھ

عنوان :

- چندہ کی رقم کے احکام
- کیا چندہ کی رقم صرف ہونے تک معطی ہی کی ملک رہتی ہے؟
- چندہ کی رقم پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟
- کیا معطی کے انتقال کی صورت میں اس رقم میں وراثت جاری ہوگی؟
- کیا معطی کو اپنی رقم واپس لینے کا اختیار ہے؟
- مدِ زکوٰۃ کو دوسرے مصارف میں لگانے کے لئے مروجہ حیلوں کی حقیقت

چندہ کی رقوم کے احکام

سوال: مدارس دینیہ میں صدقاتِ واجبہ اور عطیات کی جو رقم جمع ہوتی ہے اس پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بعض علماء کا خیال ہے کہ چندہ کی رقم جب تک صرف نہیں ہو جاتی اس وقت تک وہ معطی ہی کی ملک میں رہتی ہے، اس بنا پر ان رقوم سے متعلق اشکالاتِ ذیل حل طلب ہیں۔

(۱) ان رقوم پر حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

(۲) اگر زکوٰۃ فرض ہے تو اسے ادا کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ جبکہ ان کے مالکوں کا کچھ علم نہیں، اس لئے کہ اولاً تو چندہ دینے والوں کی فہرست بہت طویل ہوتی ہے جن میں سے بیشتر کا پتہ لگانا مشکل ہوتا ہے پھر چندہ کی سب رقوم ایک جگہ جمع رہتی ہیں اور حسبِ موقع خرچ ہوتی رہتی ہیں، اس صورت میں یہ معلوم کرنا ناممکن ہے کہ اس میں کس شخص کی کتنی رقم ہے۔ کسی نے پچاس برس پہلے رقم دی تو وہ تک اس کی بھی شرکت چلی آتی ہے اور آئندہ بھی یہ شرکت جاری رہے گی۔

(۳) چندہ دینے والوں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے چندہ کی رقم اس کے ترکہ میں داخل ہوگی۔ لہٰذا ادائے وصیت و قرض اور وارثوں کے حقوق اس سے متعلق ہوں گے۔ وارثوں میں نابالغ اور مجنون بھی ہو سکتے ہیں جو ابراء و تبرع کے اہل نہیں، پس اس رقم کو واپس کرنا فرض ہوا اور یہ عملاً مذکورہ وجوہ سے ناممکن ہے۔

(۴) ہر چندہ دہندہ کو ہر وقت اپنی رقم کے استرداد کا حق ہوگا اور اس پر وہی اشکالات ہوں گے جو ۳ میں بیان ہوئے۔

اب ان اشکالات کا حل تحریر کیا جاتا ہے۔

صدقاتِ واجبہ کی مد میں جمع شدہ رقم پر تو حولانِ حول کے بعد عدمِ وجوبِ زکوٰۃ ظاہر ہے اس لئے کہ اگر یہ رقم اصل مالک ہی کے پاس رہتی اور وہ کسی کو چندہ میں نہ دیتا تو بھی اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوتی، حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی کے ذمہ کئی سال کی زکوٰۃ باقی ہو تو سالِ اول میں واجب ہونے والی زکوٰۃ کی مقدار کل مال سے وضع کر کے دوسرے سال باقی کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

قال فی التنویر وسببہ ملک نصاب حولی تام فارغ عن دین لہ مطالب من جہۃ العباد وفی الشرح

سواء کان لله کزکوٰۃ ونحوہا. وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ کزکوٰۃ) فلو کان لہ نصاب حال علیہ حولان فلو یزکہ فیہما لا تزکوۃ علیہ فی الحول الثانی (رد المحتار ص ۲ ج ۲)

چندہ طلبہ کی رقوم مہتمم کی تحویل میں دیدینے کے بعد معطی کی ملک سے خارج ہو جاتی ہیں،

قال فی الہندیۃ رجل اعطی درہماً فی عمارۃ المسجد او نفقۃ المسجد او مصالح المسجد صح لانہ وان کان لا یمکن تصحیحہ تملیکاً بالہبۃ للمسجد فاثبات الملک للمسجد علی ہذا الوجہ صحیح فیتم بالقبض کذا فی الواقعات الحسامیۃ (عالمگیریہ کتاب الوقف باب ۱۱ فصل ۲ ص ۴۶۰ ج ۲) وفیہا ایضاً متولی المسجد اذا اشتری بمال المسجد حانوتاً او داراً ثم باعہا جاز اذا کانت لہ ولایۃ الشراء ہذہ المسألۃ بناء علی مسألۃ اخری ان متولی المسجد اذا اشتری من غلۃ المسجد داراً او حانوتاً فہذہ الدار وہذہ الحانوت ہل تلتحق بالحوانیت الموقوفۃ علی المسجد ومعناہ انہ ہل تصیر وقفاً اختلف المشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ قال الصدر الشہید المختار انہ لا تلتحق ولکن تصیر مستغلاً للمسجد کذا فی المضمرات (عالمگیریہ کتاب الوقف باب ۱۱ ص ۴۶۳ ج ۲)

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ طلبہ کی رقم معطی کی ملک سے خارج ہو کر مدرسہ کی ملک ہو جاتی ہے، یہاں ملک بمعنی مختص ہے ورنہ حقیقۃً ملک غیر ذوی العقول کے لئے غیر معقول ہے، ان رقوم کی نظیر غلۃ الوقف ہے۔ پس رقوم طلبہ پر تو کوئی اشکال نہ رہا، جب معطی کی ملک ختم ہو گئی تو نہ وجوب زکوٰۃ کا سوال رہا نہ استرداد کا اور نہ ہی موت معطی کی صورت میں پیدا ہونے والے اشکالات رہے، جس طرح معطی پر اس کی زکوٰۃ واجب نہیں اسی طرح مہتمم مدرسہ پر بھی اس سے زکوٰۃ نکالنا واجب نہیں لما مر انہا بمنزلۃ غلۃ الوقف،

اب صرف رقوم صدقہ میں استرداد اور موت متصدق پر وارد ہونے والے اشکالات رہ جاتے ہیں، سو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رقوم بھی مہتمم مدرسہ کی تحویل میں آنے کے بعد اصل مالک کی ملک سے خارج ہو جاتی ہیں اس لئے کہ اس حکم میں عطیہ و صدقہ میں کوئی فارق ظاہر نہیں، البتہ اس رقم کے مستحقین کو مالک بنانے سے قبل زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، خروج عن الملک ادائے زکوٰۃ کو مستلزم نہیں، مثلاً کسی نے دوسرے کو قرض دیکر یہ کہا کہ یہ رقم مجھے واپس کرنے کی بجائے میری طرف سے کسی مسکین کو زکوٰۃ میں دیدیں، اس صورت میں قرض دینے سے مقرض کی ملک ختم ہو گئی مگر ابھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ غرضیکہ جس طرح چندہ طلبہ مختص بالمدرسہ ہو جانے کی وجہ سے معطی کی ملک سے خارج ہو جاتا ہے

؎ وفی بعض النسخ وان کان لا یمکن تصحیحہ وقفاً یمکن تصحیحہ تملیکاً بالہبۃ للمسجد واثبات الملک

اسی طرح نذر، صدقہ بھی مختص للمدرسہ ہے اگرچہ اسکے ایک خاص شعبہ کے لئے ہے۔

غرضیکہ نذر، صدقہ بھی مالک کی ملک سے خارج ہو جاتی ہے اسلئے مد عطیہ کی طرح رقم صدقہ کے استرداد کا بھی حق نہ ہوگا اور بصورت تصدق نذر اس پر بھی کوئی اثر نہ ہوگا، معہذا مزید احتیاط کے لئے تو صدقہ کی رقوم کو بذریعہ تملیک مد عطیہ میں شامل کر لیا جائے تو بہتر ہے، تملیک کی صحیح صورت یہ ہے کہ کوئی فقیر مہتمم کی ضمانت پر قرض لیکر مدرسہ کو عطیہ دے اور مہتمم مد زکوٰۃ سے اسکا قرض ادا کر دے، عام طور پر جو حیلہ مروج ہے وہ صحیح نہیں۔

بعض حضرات یہ تاویل کرتے ہیں کہ مہتمم طلبہ کا وکیل ہے لہٰذا مہتمم کے قبضہ میں آتے ہی رقوم خواہ عطیات ہوں یا صدقات معطی کی ملک سے نکل کر طلبہ کی ملک میں داخل ہو جاتی ہیں، یہ خیال بوجوہ ذیل باطل ہے

(۱) معطی کی نیت طلبہ کو مالک بنانے کی نہیں ہوتی بلکہ عمومی طور پر دینی ادارہ پر خرچ کرنے کی نیت ہوتی ہے طلبہ کو بھی یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ مدرسہ کے پورے خزانے کے مالک ہیں۔

(۲) جب اتنی رقم جمع ہو جائے کہ مجموعہ طلبہ پر تقسیم کرنے سے ہر شخص کا حصہ بقدر نصاب ہو جائے تو اسکے بعد مہتمم کے لئے کسی سے مزید رقم مدرسہ کے لئے لینا جائز نہ رہے گا بلکہ حولان حول کے بعد ہر طالب علم پر زکوٰۃ فرض ہو جائے گی اور معطی کو اسکا علم ہونے کے باوجود اسنے زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، قال فی العلائیۃ: ولو خلط زکٰوۃ موکلیہ ضمن وکان متبرعا الا اذا وکلہ الفقراء، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ اذا وکلہ الفقراء) لانہ کلما قبض شیئا ملکوہ وصار خالطا مالہم بعضہ ببعض ووقع زکٰوۃ عن الدافع لکن بشرط ان لا یبلغ المال الذی بید الوکیل نصابا فلو بلغہ وعلم بہ الدافع لم یجزہ اذا کان الآخذ وکیلا عن الفقیر کما فی البحر عن الظہیریۃ، قلت وہذا اذا کان الفقیر واحدا فلو کانوا متعددین لا بد ان یبلغ لکل واحد نصابا لان ما فی ید الوکیل مشترک بینہم فلو کانوا ثلاثۃ وما فی ید الوکیل بلغ نصابین لم یصیروا اغنیاء فتجزی الزکٰوۃ عن الدافع الا بعد ان یبلغ ثلاثۃ انصباء (رد المحتار ص ۲۷ ج ۲)

(۳) ہر طالب علم کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ جب چاہے مہتمم کی وکالت ختم کر کے اپنے حصہ کی رقم کا مطالبہ کرے خصوصاً جب وہ مدرسہ چھوڑ کر جا رہا ہو۔

(۴) طالب علم کے انتقال پر اسکے حصہ کی رقم اسکے ترکہ میں داخل ہوگی۔

(۵) مہتمم، اساتذہ اور مدرسہ کا پورا عملہ طلبہ کے تنخواہ دار ملازم ہوں گے، اس نظریہ کے مطابق نہ تو مدرسہ کا نظم صحیح رہ سکتا ہے اور نہ ہی طلبہ کی صحیح تربیت ہو سکتی ہے، علاوہ ازیں طلبہ کے قلوب میں اساتذہ

کی کیا نعمت ہوگی اور اس عالم میں کیا قدر ہوگا جو اُستاذ کو نوکر سمجھ کر حاصل کیا گیا ہو۔

یہ اشکالات اسلامی بیت المال پر وارد نہیں ہوتے اسلئے کہ ساعی کے قبضہ میں آتے ہی مال اصل مالک کی ملک سے خارج ہو جاتا ہے مگر فقیر کی ملک میں داخل نہیں ہوتا، کتب فقہ میں اسکی تصریح ہے کہ بیت المال میں فقراء کا حق ہے اور حق ملک عدم حقیقت ملک کو مستلزم ہے، خروج الشیٔ عن ملک مالکہ لا الی ملک کے نظائر موجود ہیں، جیسے وقف، بیع بالخیار اور ترکہ مستغرق بالدین۔

بحر زکوٰۃ الغنم کے آخر میں ہے ان الدفع الی المصدق لا یزیل ملکہ عن المدفوع، یہ اس صورت میں ہے کہ تمام حول سے قبل زکوٰۃ دی ہو، اس صورت میں ساعی کو ولایت جبریہ حاصل نہیں بلکہ یہ معطی کا وکیل ہے اس لئے فقیر کو دینے سے قبل معطی کی ملک زائل نہیں ہوتی، مہتمم مدرسہ کو بھی اگرچہ ولایت جبریہ نہیں مگر اس میں اور اعطاء ساعی قبل تمام الحول میں یہ فرق ہے کہ اول میں عمارت وقف میں صرف متعین ہے اور ثانی میں مطلقاً تصدق علی الفقراء مقصود ہے لہٰذا اول بحکم وقف ہونے کی وجہ سے مزیل ملک ہوگا جیسا کہ عالمگیریہ سے عطیۂ مسجد کا حکم گزرا، ثانی بحکم وقف نہیں اس لئے مزیل ملک نہیں،

رہا بیت المال پر یہ اشکال کہ بدون تملیک فقیر زکوٰۃ ادا کرنا کیسے صحیح ہو جاتا ہے؟ اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ بیت المال میں خلاف قیاس حق ملک کو حکماً حقیقت ملک قرار دیدیا گیا ہے جیسے کہ دین قوی میں حق ملک کو حقیقت ملک قرار دیکر اس پر وجوب زکوٰۃ کا حکم دیا جاتا ہے۔

مدارس کے خزانے کو بیت المال پر قیاس کرنا صحیح نہیں اسلئے کہ یہ خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے اپنے مورد پر منحصر رہیگا، علاوہ ازیں یہاں تو وجہ القیاس ہی موجود نہیں سلطان کی ولایت جبریہ عامہ پر مہتمم کی وکالت اختیاریہ خاصہ کو قیاس کرنے کا کوئی جواز نہیں، شامیہ کی گزشتہ عبارت (لانہ کقبض شیئاً ملکوہ) سے بھی ثابت ہوا کہ وکالت اختیاریہ ولایت جبریہ کے حکم میں نہیں۔ وجہ الفرق یہ ہے کہ انفاذ زکوٰۃ کی ولایت جبریہ میں نفس انفاذ ہی سے صحت زکوٰۃ کا حکم نہ لگانے میں حرج عظیم ہے۔

حاصل یہ کہ مدارس کی رقوم صرف خروج عن ملک المعطی میں بحکم بیت المال ہیں، اداء زکوٰۃ میں بحکم بیت المال نہیں اس لئے بدون تملیک مستحقین زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور مدرسہ کی دوسری ضروریات میں خرچ کرنا جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۴ ذی الحجہ ۸۹ھ

لقطہ ثانی: خزانہ مدرسہ بحکم بیت المال ہو تو اس میں مال زکوٰۃ داخل ہونے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے مگر تملیک طلبہ کے سوا کسی دوسرے مصرف میں لگانا جائز نہیں، تفصیل تحریر ہو چکی ہے۔ ۲۰ ذیقعدہ سنہ ۱۴۰۰ھ

——— الکلام البدیع ———

صيانة العلماء
عن الذل عند الاغنياء
مکتبہ فاروقی

صیانۃ العلماء

سن تالیف ———— ۱۳۹۱ھ

سن اشاعت ———— ۱۳۹۶ھ

اس دور میں دینی اقدار کے سقوط کا ایک نہایت ہی
دردناک سانحہ یہ بھی ہے کہ دینی کاموں بالخصوص دینی مدارس
کے لئے چندہ کرنے کا عام دستور یوں چل پڑا ہے کہ مدارس کے سفیر
اہل ثروت کی دکانوں اور مکانوں پر جا جا کر خوشامد، تملق اور
الحاح و اصرار کے ساتھ دست سوال دراز کرتے ہیں، اہل ثروت
ان کو ذلت کی نظر سے دیکھتے ہیں بلکہ بسا اوقات ان کے لئے
نازیبا الفاظ استعمال کر کے ان کی تذلیل کرتے ہیں، جو درحقیقت
دین اسلام کی تذلیل ہے، یہ اتنا بڑا المیہ ہے کہ اس کے تصور
ہی سے شرم سے آنکھیں جھک جاتی ہیں اور دل پر آرے چلنے لگتے
ہیں، دین اور علماء دین کی اس تذلیل کے دو مجرم ہیں، اہل مدارس
اور اہل ثروت دونوں برابر کے مجرم ہیں۔

اس رسالہ میں ان دونوں طبقوں کے لئے صراط مستقیم کی
ہدایت ہے، دعا کریں کہ ایک عاجز کی درد میں ڈوبی ہوئی آواز
کسی دل میں اتر جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو فکر آخرت عطا فرمائے
آمین۔

چندہ مانگنے کا مروّجہ طریقہ جائز نہیں

سوال : آجکل عام طور پر دینی مدارس میں یہ دستور ہو گیا ہے کہ چندہ کرنے کے لئے مستقل سفیر رکھے جاتے ہیں جو مختلف لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں لوگوں کے مکانوں اور دکانوں پر پہنچتے ہیں، اور ان میں سے بیشتر کچھ نہ کچھ وصول کرنے کے لئے بیحد اصرار کرتے ہیں، بالخصوص ماہِ رمضان میں دینی مدارس کے سفیروں کی ٹولیاں نظر آتی ہیں جن کے خوف سے اکثر دکاندار پردہ میں چھپ کر بیٹھتے ہیں، کیا چندہ کرنے کا یہ طریقہ شرعاً درست ہے، حالانکہ یہ ایک قسم کا جبر ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مدارس دینیہ کے لئے آجکل چندہ کرنے کا جو طریقہ مروّج ہے جس کی قدرے تفصیل سوال میں لکھی گئی ہے یہ قطعاً ناجائز ہے، دینی کام کرنے والوں کو مستغنی رہنا چاہیئے استغناء اور دین کی عظمت کو برقرار رکھتے ہوئے از خود جتنی رقم کا انتظام ہو جائے اسی قدر کام پر اکتفاء کریں۔ اور اگر چندہ کرنا ہی ہے تو عام خطاب کی گنجائش ہے۔ خاص خطاب ہرگز جائز نہیں، بعض دفعہ عام خطاب بھی بحکم خطاب خاص ہوتا ہے وہ اس صورت میں کہ عام مجلس میں کچھ خواص موجود ہوں جو اس عام خطاب کے بعد کچھ رقم نہ دینے میں عار محسوس کرتے ہوں، تو یہ صورت بھی بحکم خطاب خاص ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ خطاب عام میں بھی زیادہ الحاح و اظہار احتیاج درست نہیں، بلکہ استغناء کے ساتھ اظہار مصرف پر اکتفاء کرنا چاہیئے۔

آجکل ایک عام دستور یہ ہو گیا ہے کہ اہل خیر کو کسی بہانے سے کہیں جمع کر کے ان سے رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہے یہ طریقہ انفرادی طور پر کسی سے کچھ سوال کرنے کی بہ نسبت بھی زیادہ قبیح ہے۔ اس صورت میں مجمع میں رسوائی سے بچنے کے لئے بادلِ نخواستہ چندہ دینا پڑتا ہے جو بلاشبہ جبر ہے اس لئے یہ طریقہ بالکل ناجائز اور حرام ہے۔

اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کسی سے چندہ مانگتا ہے تو اُسکے آپس میں تعلق کی تین قسمیں ہیں (۱) وجاہت (۲) محبت (۳) اجنبیت۔ اگر ایسے شخص کے پاس چندہ کرنے کے لئے گیا کہ جس پر اُس کی وجاہت کا اثر ہے خواہ وہ دینی مرتبہ کی وجہ سے ہو یا دُنیوی مال و دولت یا منصب کی بنا پر، یہ صورت ناجائز ہے اس لئے کہ ایسا چندہ دہندہ جانے والے کی وجاہت سے متأثر ہو کر بادلِ ناخواستہ رقم دیتا ہے جو حلال نہیں لقولہ علیہ السلام لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب

نفسه (مسند الامام احمد رحمہ اللہ)

اور اگر بغیر کسی خاص تعلق اور رابطہ کے چندہ کرنے جاتا ہے تو اس میں اپنی توہین ہے اور اس سے بھی بڑھ کر اسلام کی توہین ہے اس لئے یہ بھی ناجائز ہے، باقی صرف محبت کا تعلق رہ گیا اسکی دلیل یہ ہے کہ آپس میں اسقدر بے تکلفی ہو کہ جس سے چندہ طلب کیا گیا وہ اپنی کسی مصلحت کی بناء پر چندہ نہ دینا چاہے تو اسے انکار کرنے میں ذرا بھی تکلف اور ندامت نہ ہو، اور اسکے انکار کرنے پر طلب کرنے والے کو ذرا بھی ناگواری نہ ہو، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی قسم کا تعلق محبت تھا، احادیث میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو کوئی مشورہ دیا انھوں نے قبول نہیں کیا تو ان صحابی کو انکار کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس ہوئی اور نہ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کا انکار ناگواری کا باعث بنا، غرضیکہ اس قسم کی بے تکلفی کا تعلق ہو تو چندہ کے لئے خطاب خاص بھی جائز ہے۔ مگر آجکل ایسا تعلق مفقود ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ آجکل خطاب خاص بہرحال ناجائز ہے۔

اہل مدارس کی اس بے راہ روی اور دروازوں پر خاک چھاننے کی بنیاد تین چیزوں پر ہے

(۱) کام شروع کرتے ہی اپنے ذہن میں لمبا چوڑا نقشہ مرتب کر لیتے ہیں کہ اتنے طلبہ کے طعام اور قیام کا انتظام کیا جائے گا، اتنے کمرے بنیں گے، اتنی درسگاہیں ہونگی اتنے اساتذہ ہونگے، اتنا بڑا کتب خانہ ہوگا، حتی کہ سنگ بنیاد رکھنے سے قبل ہی دارالعلوم اور جامعہ جیسے نام تجویز ہو جاتے ہیں اب اتنے بڑے کام کے لئے سرمایہ موجود نہیں ہوتا تو اہل ثروت کے دروازوں پر بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور دین کو ذلیل کرتے ہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ابتداءً مختصر سے کام کی بنیاد رکھی جائے اسکے بعد جیسے جیسے اسباب پیدا ہوتے چلے جائیں کام کو اسی مقدار سے بڑھاتے جائیں۔ یعنی جتنی رقم اپنی اور دین کی عزت اور وقار کو باقی رکھتے ہوئے استغناء کے ساتھ حاصل ہو جائے صرف اسی قدر کام کا آغاز کیا جائے۔ آگے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو وہ آپکے اس چھوٹے سے کام کو دارالعلوم اور جامعہ بھی بنا دیں گے، ورنہ انکی مرضی کے مطابق جتنا کام بھی ہو سکے اسی کو غنیمت سمجھا جائے۔ اسکا ظاہراً چھوٹا سا وجود بھی عند اللہ بہت بڑا ہوگا۔

(۲) مدرسہ کو ایسا مقصود بنا لیا جاتا ہے کہ اس کی حفاظت وبقاء پر دین کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اصل مقصود دین ہے۔ مدارس حفاظت دین کا ذریعہ ہیں۔ پس ذریعہ کی حفاظت پر

مقصود کو قربان کر دینا کتنا بڑا ظلم اور کیسی ناعاقبت اندیشی ہے۔ حدود شرعیہ کے اندر اگر مدرسہ نہ چل سکے تو اسے بند کر دیا جائے، ہم اسکے مکلف نہیں، دیوبند کے ایک بااثر رئیس نے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا رکن بننے کا مطالبہ کیا، حضرت گنگوہی قدس سرہ اسے اس لائق نہ سمجھتے تھے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مشورۃً لکھا کہ اس شخص کو رکن نہ بنانے میں اس سے فساد کا خطرہ ہے اور رکن بنانے میں کوئی خطرہ نہیں، کیونکہ اکثریت ہماری ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے جواب تحریر فرمایا کہ اگر عند اللہ مجھ سے یہ سوال ہوا کہ نالائق کو رکن کیوں بنایا؟ تو اس کا میرے پاس کوئی جواب نہ ہوگا اور رکن نہ بنانے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہی ضرر ہو سکتا ہے کہ مدرسہ بند ہو جائیگا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اسکا یہ جواب دے سکوں گا کہ میں نے تو آپ کے حکم کی تعمیل کی اس پر اگر مدرسہ بند ہو گیا تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں، حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اس تقوی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ رئیس مدرسہ کے خلاف بیٹھے رہ گئے مگر دارالعلوم مسلسل حیرت انگیز ترقی پر گامزن رہا۔

(۳) اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کا فقدان، اگر اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد ہوتا اور "انا عند ظن عبدی بی" کے مطابق اللہ تعالیٰ سے حسن ظن ہوتا تو اس کریم کے دروازے کو چھوڑ کر دنیا داروں کے دروازوں پر جھکنے نہ لگتے۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ غیب سے وہ معاملہ فرماتے کہ اہل ثروت ان کے دروازوں پر ناک رگڑتے۔ افسوس اور تعجب ہے کہ قرآن و حدیث کے پڑھنے پڑھانے والوں کی نظر میں ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم، ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب، ومن یتوکل علی اللہ فہو حسبہ، ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا، ومن یہاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعۃ ومن یستغن یغنہ اللہ، ومن یستعفف یعفہ اللہ جیسی نصوص پر کیوں نظر نہیں پڑتی، اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات ان کے دلوں میں کیوں نہیں اترتے اور ان قطعی وعدوں پر انکو یقین کیوں نہیں آتا، اور دعا "اللّٰھم اجعلنی ممن توکل علیک فکفیتہ" کی توفیق کیوں نہیں ہوتی،

مروجہ طور پر چندہ کرنے کے مفاسد و قبائح اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن اور اس پر توکل و اعتماد کی تعلیم پر حضرت تھانوی قدس سرہ کا ایک وعظ "تحسین البنیان علی تقوی من اللہ ورضوان" ہے۔ نیز حضرت قدس سرہ کا ایک رسالہ "التوزیع عن فساد التوزیع" بھی ہے جس میں چندہ کرنے کے مفاسد کے علاوہ رقوم چندہ کے مصارف کے مفاسد بھی بیان فرمائے ہیں اہل مدارس پر لازم ہے کہ ان دونوں رسالوں کو حرز جان بنالیں اور انکے مطالعہ کا معمول ہمیشہ

کے لئے جاری رکھیں۔ اپنے قول اور عمل، استغناء و خودداری سے اہل ثروت پر یہ حقیقت واضح کر دیں کہ اللہ کا دین تمہاری اعانت کا محتاج نہیں بلکہ تم محتاج ہو اور تمہاری اپنی ضرورت ہے کہ تمہاری رقوم کسی دینی کام میں لگ جائیں اس لئے اہل مدارس پر تمہارا کوئی احسان نہیں بلکہ ان حضرات کا تم پر احسان ہے کہ تمہاری رقوم کو صحیح مصرف پر لگانے کا انتظام کرتے ہیں۔ علم دین کا مقام تو بہت بلند ہے کسی عامی مسکین کو صدقہ دینے والے کے بارے میں احیاء العلوم میں مشہور محدث امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو ثواب کا اس سے زیادہ محتاج نہ سمجھے جتنا فقیر کو اپنے صدقہ کا محتاج سمجھتا ہے اس نے اپنے صدقہ کو ضائع کر دیا اور وہ صدقہ اس کے منہ پر مار دیا جاتا ہے مگر یہاں یہ حالت ہے کہ اہل مدرسہ چندہ دینے والوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں کتنی بے غیرتی کی بات ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اہل ثروت کو اہل مدرسہ کا شکر گزار رہنا چاہیئے کہ ان کی رقوم قبول کر کے ان کی حفاظت کرتے ہیں اور صحیح مصرف پر لگاتے ہیں۔

اہل ثروت کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کی حفاظت کے لئے ان کے خزانوں کی ضرورت نہیں، ھم الذین یقولون لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا وللہ خزائن السموت والارض ولکن المنافقین لا یفقھون ۰ اگر تم لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کتراؤ گے تو اللہ تعالیٰ خدمتِ دین کا کام کسی اور سے لے لیں گے۔ وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم، ان شاء اللہ تعالیٰ دین کا کام بند نہیں ہوگا اگر بظاہر کوئی مدرسہ بند بھی ہو گیا تو در حقیقت وہ بند نہیں ہوا بلکہ اہل ثروت کی بے قدری اور ناشکری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ چشمہ کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا ہے اور ان لوگوں کی اصلاح کو کسی دوسری جگہ کے ساتھ وابستہ فرما دیا ہے۔ جیسے کوئی نادان بچہ یا کوئی دیوانہ پھونکوں سے چراغ بجھانا چاہے تو چراغ کو اٹھا کر کہیں دور رکھ دیا جاتا ہے، اب کسی کو روشنی کی ضرورت ہو تو چل کر چراغ کے پاس جائے، حکومت نے کسی علاقہ سے انتخابیہ کا دفتر یا ہسپتال اٹھا دیا تو یہ کام ختم نہیں کر دیا گیا بلکہ وہاں کے باشندوں کی نالائقی کی وجہ سے ان سے قرب کی سہولت اٹھا کر ان کا انتظام یا علاج دُ کسی مقام سے وابستہ کر دیا ہے۔

علماء کا اہل ثروت کے سامنے ہاتھ پھیلانا اور زبان کھولنا تو درکنار کسی گوشۂ قلب میں بھی ان کی طرف میلان نہ پایا جائے، قلبی جھکاؤ کا بھی یہ اثر ہوتا ہے کہ ایسے علماء کی اہل ثروت کے قلوب میں عظمت باقی نہیں رہتی۔

صیانۃ العلماء ________ ۹

دارالعلوم سے ایک منتہی طالب علم خواب کی تعبیر دریافت کرنے میرے پاس آئے، خواب میں دیکھا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف فرما ہیں، آپ کے سامنے ایک نہایت حسین نوجوان عورت بناؤ سنگھار کرکے مزین لباس میں بیٹھی ہوئی ہے اور وہ اپنے کو امام کی بیوی ظاہر کر رہی ہے اور خوشامد کر رہی ہے کہ امام ایک نظر اس کی طرف دیکھیں مگر امام نہایت استغناء کے ساتھ کسی دینی کام میں مشغول ہیں۔

میں نے ان مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کو تعلیم سے فراغت کے بعد معاش کی فکر رہتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس فکر میں بعض دفعہ نیند نہیں آتی، میں نے کہا کہ بس اس خواب میں اسی مرض کا علاج بتایا گیا ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ جیسا علم حاصل کرو تو دنیا اپنی تمام تر زیب و زینت کے ساتھ تمہاری ایک نظر کی خواہشمند ہوگی اور تم سوچو گے کہ مجھے ضرورت نہیں، علماء اللہ تعالیٰ پر اعتماد بحال کرکے "اتتہ الدنیا وہی راغمۃ"[عـه] کا مشاہدہ کریں۔

عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے زیر نگیں ایک ریاست کا والی ہندو راجہ تھا وہ مر گیا، اسکا بیٹا نابالغ تھا، عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ اندازہ لگانے کے لئے کہ اس لڑکے میں حکومت کرنے کی صلاحیت ہے یا نہیں اسے طلب کیا، اتفاقاً آپ اسوقت حوض کے کنارے پر تھے، مزاحاً لڑکے کو بازوؤں سے پکڑ کر حوض پر لٹکا کر فرمایا "چھوڑ دوں؟" لڑکے نے کہا کہ "جس کا ہاتھ بادشاہ کے ہاتھ میں ہو اسے ڈوبنے کا کیا خوف؟"

ایک بنیئے کے بچے کو ایک مخلوق بادشاہ پر اتنا اعتماد، کاش آج کے مسلمان کو مالک ارض و سماء پر ایسا اعتماد حاصل ہو جائے۔

ایک بہروپیہ کو زاہد کے روپ میں دیکھ کر عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار اشرفی نذرانہ پیش کی مگر اسنے صرف اہل اللہ کی نقل اتارنے کی غرض سے اسے ٹھکرا دیا، کاش اہل ثروت کے دروازوں پر بھٹکنے والی نظریں اس بہروپیہ سے اہل اللہ کی نقل اتارنے ہی کا سبق حاصل کریں۔

فقط واللہ الموفق لمرضاتہ

۲۳ جمادی الآخرۃ [illegible]ھ

ہمارے قصبہ میں مسجد کی تعمیر سے متعلق بندہ کے ایک خط کا عکس احباب نے لے لیا اور اسکی اشاعت کی خواہش ظاہر کی، موقع کی مناسبت سے آئندہ صفحات پر یہ عکس دیا جاتا ہے اہل مدارس کے لئے اللہ تعالیٰ اسے کحل الجواہر بنائیں۔ آمین۔

عـه پوری حدیث رسالہ کے آخر میں عنوان "تتمہ" کے تحت درج ہے۔ ۱۲ منہ

رسالہ "صیانۃ العلماء" ابھی کتابت کے بعد تصحیح کے مراحل ہی طے کر رہا تھا کہ عزیز محترم مولوی احتشام الحق آسیاآبادی کا خط موصول ہوا جو ان کی بستی آسیاآباد (بلوچستان) میں حال ہی میں جاری کردہ مدرسہ رشیدیہ کی طرف توکل علی اللہ والاستغناء عما سواہ کی برکت سے جذب قلوب کی خبر پر مشتمل تھا تاکہ عبرت ہو کے لئے اسے بھی رسالہ صیانۃ العلماء کا جزء بنایا جاتا ہے۔

اس مدرسہ کے مختصر کوائف کا بیان برکات توکل کے اظہار اور تحصیل توکل کے لئے زیادہ نافع ہوگا

(۱) یہ مدرسہ بلوچستان کے ایسے پسماندہ اور دور افتادہ علاقہ میں ہے کہ جس کی بیچارگی کا اندازہ بدون مشاہدہ کے نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) یہ مدرسہ بالکل نومولود ہے، اس کی عمر ابھی صرف چند ماہ کی ہے۔

(۳) اس مدرسہ کو جاری کرنے والے مولوی احتشام الحق بالکل نوفارغ نوجوان ہیں، حال ہی میں دارالافتاء والارشاد کے شعبۂ تمرین افتاء سے فارغ ہوئے ہیں جن کا تاحال نہ علمی حلقوں میں کوئی مقام ہے اور نہ ہی کوئی دنیوی وجاہت۔

(۴) علاقہ کے دنیادار بے دین عناصر نے مدرسہ کے لئے بہت بھاری رقوم پیش کیں مگر مولوی صاحب نے قبول نہ کیں، جب وہ اس طرح مولوی صاحب کو رام نہ کر سکے تو کئی جھوٹے مقدمات دائر کر دیئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مولوی صاحب کو بری کرا دیا۔

(۵) چند روز قبل مولوی صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ کچھ با اثر اہل ثروت مدرسہ سے تعاون کی پیشکش کر رہے ہیں اسے قبول کروں یا نہیں؟ میں نے ان لوگوں کے کچھ کوائف معلوم کرنے کے بعد ان کی امداد قبول کرنے سے مولوی صاحب کو منع کر دیا۔

ان کوائف کو سامنے رکھ کر اب مولوی صاحب کے خط میں توکل کی برکات کا مشاہدہ فرمائیں۔

از عزیز مکرم:

محبی ومحبوب حضرت اقدس دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

طالب خیر بخیر وعافیت ہے احوال یہ ہیں

کل مدرسہ کے لئے ایک صاحب نے ۳۲۲/- روپے قطر (عرب گلف) سے بھیجے ہیں، ایسے ہی اس سے قبل بھی متعدد بار مسقط اور دوسرے بعض ملکوں سے کچھ لوگوں نے رقوم بھیجی ہیں۔ اسی طرح آج ایک خط عرب کے کسی علاقے سے آیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ چند ہزار کی رقم مدرسہ کے لئے میرے پاس

نہیں مارچ[1] کے ماہ میں بھیج دوں گا، ان حضرات میں سے بعض کو میں جانتا ہوں اور بعض کو نہیں جانتا لیکن وہ مجھے جانتے ہیں۔ اول الذکر اشخاص جن کے خط کا ذکر کیا ہے ان دونوں کو میں جانتا ہوں، دیندار ہیں داڑھی بھی رکھتے ہیں۔ آپ کی مجلس میں بھی کئی بار حاضر ہو چکے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ان حضرات کی بھیجی ہوئی رقوم اب تک میں نے لی ہیں کیا ان حضرات اور دوسرے ایسے لوگوں کی رقم مدرسہ کے لئے قبول کر لیا کروں یا نہیں؟ یا اس سلسلہ میں ان حضرات سے کچھ شرائط مقرر کروں اور وہ کیا؟ واضح رہے کہ اغلب گمان غالب ہے کہ اتنی رقم یہ حضرات اپنی طرف سے نہیں دے رہے ہیں اندازہ یہ ہے کہ مدرسہ کے لئے چندہ وغیرہ کے ذریعہ سے یہ رقم حاصل کی ہوگی۔

نمبر۲۔ نیز بعض لوگوں نے عرب ممالک سے لکھا ہے کہ آپ کے (راقم کے) بعض جاننے والے مدرسہ کے لئے ہمارے پاس ماہانہ یا پیشگی طور پر رقم دینے کے لئے آتے ہیں آپ کوئی رسید بک ارسال کریں تاکہ ان کو رسید بھی دی جائے، نیز رقوم کا حساب بھی سہولت سے رکھا جا سکے، اس سلسلے میں بھی حضرت والا سے مشورہ کی درخواست ہے۔ والسلام

دعاؤں کا طالب
احتشام الحق آسیا آبادی
۲۲ صفر سنہ ۱۳۹۷ ہجری

جواب
رشید احمد
۵ ربیع الاول سنہ ۹۷ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز محترم زیدت معالیکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اللہ تعالیٰ کا لوگوں کے قلوب کو مدرسہ کی اعانت کی طرف متوجہ فرمانا اور دینی کام کے لئے غیب سے اسباب پیدا فرمانا ان کا بہت بڑا کرم ہے، ہم جیسے نالائقوں پر ان کے اتنے بڑے کرم کی خبر پڑھ کر فرط ندامت وفرط مسرت سے مرکب کیفیت کے غلبہ سے میری آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے اور بے ساختہ اسی حال میں سجدہ میں گر پڑا۔

یا اللہ! تیرے اس کرم کے صدقہ سے ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ ہماری ناچیز مساعی اور جہد المقل کو قبول فرما اور ہمارے تمام اقوال، افعال، نیات، ارادات، خطرات اور جملہ حالات کو اپنی مرضی کے مطابق بنا لے، ماضی کی طرح مستقبل میں بھی صرف اپنا ہی محتاج رکھ، غیر کی احتیاج سے حفاظت فرما، ہمارے قلب کی توجہ کو اپنی ذات پر اس طرح مرکوز فرما دے کہ قلب کے کسی گوشے

---

[1] لفظ مارچ نقل کرتے وقت اسلامی مہینوں کے استعمال کی ترغیب سے متعلق حضرت والا کی تقریر پھر تازہ ہو رہی ہے ۱۲ مرتب

میں بھی تیر کارگر نہ ہو سکے اللّٰھم اقذف فی قلبی رجاءک واقطع رجائی عمن سواک حتی لا ارجو احدًا غیرک آمین۔

خذوا فوائدی و نثری و فتاوی یا اخوتی بعدہا

فلن تحظوا بما کنوز فی العصور بعدہا

رسید تک بھیجنے میں کوئی حرج نہیں، معطین اور مرغبین کی شرائط درج ذیل ہیں، نقل کرکے ان حضرات کو ارسال کریں۔

شرائط معطین:

(۱) صحیح العقیدہ ہوں۔

(۲) ذریعہ معاش حلال ہو۔

(۳) ان سے کبھی احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہو۔

(۴) کبھی کسی ناجائز یا نامناسب کام میں آپ سے تعاون کی درخواست کرنے کا اندیشہ نہ ہو۔

شرائط مرغبین:

(۱) صرف ایسے احباب سے ذکر کریں جن کے ساتھ بے تکلفی اور خلوص محبت کا ایسا تعلق ہو کہ وہ کچھ نہ دینے میں اپنی خفت محسوس نہ کریں اور ترغیب دینے والے کو قطعاً کوئی ناگواری نہ ہو۔

(۲) ترغیب میں شان استغناء کا مظاہرہ ہو۔

(۳) الحاح و اصرار سے بالکلیہ احتراز کریں۔

(۴) کسی کے سامنے ایک بار ذکر آنے کے بعد دوبارہ ہرگز نہ کہیں۔

(۵) وجاہت سے کام نہ لیں۔

(۶) کسی ایسے شخص سے نہ کہیں جو کسی وجہ سے ان کا ممنون یا زیر بار ہو۔

(۷) دینے والوں کا شکریہ ہرگز ادا نہ کریں بلکہ شکریہ کی بجائے انہیں جزاکم اللہ تعالیٰ کی دعا دیں۔

ان شرائط سبعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی شخص مرغب کی وجاہت یا اس کی طرف اپنی حاجت یا لحاظ مروت یا نہ دینے میں شرمندگی و خفت وغیرہ کے باعث نہ دے بلکہ ظن غالب حاصل ہو جائے کہ طیب خاطر و شرح صدر سے دے رہا ہے۔ نیز دینے والا یہ سمجھ جائے کہ وہ کسی پر کوئی احسان نہیں کر رہا بلکہ اس میں اسکا اپنا فائدہ ہے۔ وفقنا اللہ لما یحب و یرضی۔

آپ کے نام قطر دوحہ سے دو ہزار روپے کا ڈرافٹ اور یونائیٹڈ بینک سے ایک لفافہ آیا ہوا ہے انہیں کیا کیا جائے؟ فقط والسلام علیکم

تتمہ — التوکل والتقوی

القرآن

○ رب المشرق والمغرب لا الٰہ الا ھو فاتخذہ وکیلا ۝

○ ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم ۝

○ ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون ۝

○ ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لہا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ ۝

○ ولو انہم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیہم من ربہم لاکلوا من فوقہم ومن تحت ارجلہم ۔ الآیۃ

○ ولو ان اہل القری امنوا واتقوا لفتحنا علیہم برکٰت من السماء والارض ۔ الآیۃ

○ ومن یہاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعۃ ۝

وقال صلی اللہ علیہ وسلم المہاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ

○ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فہو حسبہ ۔ الآیۃ

○ ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا ۝

○ ویقوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یرسل السماء علیکم مدرارا ویزدکم قوۃ الی قوتکم ولا تتولوا مجرمین ۝

○ استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انہرا ۝

الحدیث

○ عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وقال الذين اوتوا العلم ويلكم ثواب الله خير لمن امن
وعمل صالحا ولا يلقاها الا الصابرون ○

○

القول المتين
في
شرح اطلبوا العلم ولو بالصين

اَلْقَوْلُ الْمَتِیْن

اشاریہ

تحقیق حدیث اُطلبوا العلم ولو بالصین

سوال: کیا اطلبوا العلم ولو کان بالصین حدیث ہے، اگر یہ حدیث ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ چین نہ زمانۂ نبوت میں علم دین کا مرکز رہا ہے اور نہ آج ہے اسلئے یہاں جس علم کے حاصل کرنیکا حکم ہے وہ علم دنیوی ہے۔ اس بارے میں وضاحت فرمائیں کہ اس سے کیا مراد ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اطلبوا العلم ولو بالصين فان طلب العلم فريضة على كل مسلم. عن: عق، عد، هب وابن عبد البر
قال البيهقي متنه مشهور واسناده ضعيف وقد روي من اوجه كلها ضعيفة. وقال المزي له طرق ربما يصل بمجموعها الى الحسن (فيض القدير ج۱ ص۵۴۲)؛ وقال العزيزي هو حديث حسن لغيره (السراج المنير ج۱ ص۱۹۳) بعض متشددین کا قول وضع صرف الفاظ روایت سے متعلق ہے، اس کا مفہوم یعنی ممالک بعیدہ سے طلب علم کا حکم قرآن وحدیث کی دوسری نصوص سے ثابت ہے۔

حدیث کا مطلب:

انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک کسی کام کے جاننے کی قوت اور دوسری اسکے کرنے کی قوت۔ دونوں عقلاً جاننا کرنے سے مقدم ہے، سب سے پہلے انسان کو کسی چیز کا علم حاصل ہوتا ہے جس سے رغبت یا نفرت وخوف پیدا ہوتا ہے اور یہی رغبت یا خوف کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا موجب بنتا ہے، گویا کہ انسانی زندگی کی گاڑی کو چلانے کے لئے "علم" مدار عمل ہے، اور ظاہر ہے کہ جو مدار زندگی ہوگا وہ افضل ہوگا۔

دوسری بات یہ سمجھنے کی ہے کہ کسی انسان کے لئے جس طرح اس کی دنیوی زندگی اہم ہے اس سے کہیں گنا زیادہ اخروی زندگی کی اہمیت ہے بلکہ دنیوی زندگی کی اہمیت اگر ہے تو صرف اس لحاظ سے کہ وہ مزرعۃ الآخرۃ یعنی آخرت کی زندگی کو درست کرنیکا وقت اور مقام ہے۔

تیسرا مقدمہ یہ جان لیا جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد یہی ہے کہ انسان جو دنیوی علائق میں پھنسا ہوا ہے اور خواہشات نفسانیہ کی آماجگاہ ہے اسکی اخروی زندگی کو سنوارنے کے طور طریقے بتائیں۔ نبوت من حیث النبوۃ صفت علمیہ ہے، نیز نبی کے لغوی معنی بھی خبر دینے والے کے ہیں یعنی احکام الٰہیہ کی خبر دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس کو خود علم نہ ہوگا،

وہ دوسروں کو کیا خبر دیگا۔

ان تینوں مقدمات کو ذہن نشین کرنے کے بعد یہ سمجھ لیجئے کہ علماء کو ورثۃ الانبیاء فرمایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ علم نبوی علم شریعت کو کہا جاتا ہے لہٰذا اس حدیث میں اور دوسری احادیث میں جہاں علم کا لفظ آیا ہے وہاں اس سے مراد علم شریعت ہی ہے۔ اور عالم سے مراد علم شریعت کا جاننے والا، وارث کو اپنے مورث کی ہر متروکہ چیز سے حصہ ملا کرتا ہے پس جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر صفت سے حصہ نہ ملا ہو وہ وارث نبی بھی نہیں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ دنیوی فنون حاصل کرنے سے علم نبوی اور صفات نبویہ سے حصہ نہیں مل سکتا۔

انسان اور علم:

وحی الٰہی اور رسالت ونبوت کی دولت سارے عالم میں صرف انسان کے حصہ میں آئی، وحی علم الٰہی کے اتارنے کو کہا جاتا ہے اور یہی علم دیگر انسانوں تک پہنچانے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو دیدیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ علم الٰہی کی نعمت سے صرف انسان کو نوازا گیا، گویا علم الٰہی انسان کی بنیادی خصوصیت اور امتیازی شان ہے اور کسی چیز کی خصوصیت وہی ہو سکتی ہے جو دوسری اشیاء میں نہ پائی جا سکتی ہو۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اصل انسان اس محسوس مجسمہ کا نام نہیں بلکہ اس جوہر کا نام ہے جو اس میں ودیعت رکھا گیا ہے اور وہ علم الٰہی ہے۔ بازار میں پلاسٹک کی بنی ہوئی انسانی صورتیں چند ٹکوں میں مل جاتی ہیں۔ اسی طرح جو علم الٰہی سے محروم ہے وہ لاکھ انسانیت کا دعویٰ کرے لیکن حقیقت میں اس کی قدر وقیمت پلاسٹک کی بنی ہوئی صورت سے زیادہ نہیں۔ اسی کے متعلق ارشاد ہے ؎

گر بصورت آدمی انسان بدے — احمد و بوجہل ہم یکساں بدے

اینکہ می بینی خلاف آدم اند — نیستند آدم غلاف آدم اند!

از بروں چوں گور کافر پُر حلل — واندروں قہر خدائے عز و جل

اللہ تعالیٰ نے خود وضاحت فرمادی ہے کہ علم وعمل جو انسان کے لئے وجہ امتیاز وشرف ہے وہ صرف ایسا علم اور عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب اور عذاب آخرت سے بچنے کا ذریعہ ہو۔

فرمایا: انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان، انہ کان ظلوما جھولا۔ لیعذب اللہ المنٰفقین والمنٰفقٰت والمشرکین والمشرکٰت ویتوب اللہ علی المؤمنین والمؤمنٰت وکان اللہ غفورا رحیما۔

آیت کی تفسیر سے قبل اسکے الفاظ کی تشریح ضروری ہے۔

عرض : امتحان استعداد و صلاحیت

امانت : علم وعمل

ابام : فقدان صلاحیت و استعداد

حمل : وجود صلاحیت و استعداد

ظلوم : عدم العمل عما من شأنہ ان یکون عاملا

جھول : عدم العلم عما من شأنہ ان یکون عالما

خلاصۂ تفسیر :

اللہ تعالیٰ نے علم وعمل کی امانت کے لئے پوری دُنیا میں سے صرف انسان کو اسکے منتخب فرمایا کہ اسکے سوا دوسری کسی مخلوق میں اسکے تحمل کی استعداد وصلاحیت نہ تھی" انہ کان ظلوما جھولا" اس کی تفصیل ہے۔ یعنی علم کا مکلف اسے بنایا جاسکتا ہے جس میں فی الحال علم موجود نہ ہو مگر بالقوۃ استعداد و صلاحیت ہو، ایسے ہی عمل کا حکم اسے دیا جاسکتا ہے جس میں حال میں عمل نہ ہو مگر بالقوۃ عمل کی استعداد موجود ہو، اگر زمانۂ حال میں علم و عمل موجود ہے تو اس کا حکم تحصیل حاصل ہے۔ اور اگر استعداد ہی نہ ہو تو وہ تکلیف مالایطاق ہے اور یہ دونوں امر باطل ہیں، غرضیکہ انسان میں علم وعمل بالفعل موجود نہ تھا مگر اسکی استعداد موجود تھی اور دوسرے کسی مخلوق میں اس کی استعداد ہی موجود نہ تھی اسلئے شرف امانت کے لئے انسان کو منتخب فرمایا گیا۔

لیعذب الآیۃ میں لام عاقبت کے لئے ہے یعنی انسان کے حمل امانت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض اللہ تعالیٰ کی رضا کے مستحق ہوئے اور بعض عذاب کے،

اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہاں امانت سے وہ علم وعمل مراد ہے جو صرف انسان کا خاصہ اور طرۂ امتیاز ہے اور ظاہر ہے کہ وہ علم دین ہی ہے، اس لئے کہ دنیوی علم وعمل میں انسان کے ساتھ ہر جانور شریک ہے۔ علاوہ ازیں لیعذب الخ میں بھی اس کی صراحت ہے کہ یہاں وہ علم وعمل مراد ہے جو آخرت میں کام آنے والا ہو اور وہ علم دین ہی ہے۔

یہ امر اہل اسلام میں متواتر مسلّم اور بدیہی چلا آرہا ہے کہ اصل علم صرف علم دین ہی ہے اور علماء صرف علماء دین ہی کو کہا جاتا ہے مگر اس دور پُرفتن میں جہاں دوسری بہت سی ضروریات

دین اور متواترات و مسلّمات کا انکار کیا جانے لگا ہے اور اسلام کے بدیہی اور متفق علیہ حقائق میں شکوک شبہات پیدا کرکے انھیں نظری، استدلالی اور مباحث اختلافیہ کی فہرست میں لاکر ان پر دلائل اور بحث و مباحثہ کے دروازے کھولے جارہے ہیں، اسی طرح ظلمات جدیدہ (نئی روشنی) سے مسموم مسلمانوں کو آج علم اور علماء کا بدیہی اور پوری اُمت میں مسلّم مفہوم سمجھانے کے لئے دلائل کی ضرورت ہے اسلئے ہم اوپر بقدر کفایت بیان کردینے کے باوجود قرآن و حدیث سے چند ایسے شواہد پیش کرتے ہیں جن سے یہ حقیقت بے غبار ہوجاتی ہے کہ اصطلاح شرع میں لفظ علم صرف علم دین ہی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے

(۱) انا عرضنا الامانة على السمٰوٰت والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه كان ظلوما جهولا ○ (۳۳-۷۲) اس آیت کی تشریح اوپر گزر چکی ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر اسکا اعادہ کیا گیا ہے۔

(۲) فاعلم انه لا اله الا الله واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنٰت (۴۷-۱۹)

اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی وساطت سے آپ کی اُمت کو شرعی علم و عمل کی تحصیل کا حکم دیا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ باب العلم قبل القول والعمل کے تحت اس آیت کو ذکر فرماتے ہیں فبدأ بالعلم وقال الحافظ رحمه الله تعالى اى حيث قال فاعلم انه لا اله الا الله ثم قال واستغفر لذنبك والخطاب وان كان للنبى صلى الله عليه وسلم فهو متناول لامته واستدل سفيان بن عيينة بهذه الآية على فضل العلم كما اخرجه ابونعيم في الحلية في ترجمته من طريق الربيع بن نافع عنه انه تلاها فقال الم تسمع انه بدأ به فقال اعلم ثم امره بالعمل وينتزع منها دليل ما يقوله المتكلمون من وجوب المعرفة (فتح الباري ص۱۴۲ ج۱)

(۳) انما يخشى الله من عباده العلمٰؤا (۳۵-۲۸)

قال الحافظ رحمه الله تعالى اى يخاف من الله من علم قدرته وسلطانه وهم العلماء قاله ابن عباس رضي الله تعالى عنهما (فتح الباري ص۱۴۱ ج۱)

حبر اُمت رئیس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے علماء کے لقب کو منحصر کردیا ایسے لوگوں میں جن کے قلوب معرفت و خشیت الٰہیہ سے معمور ہیں۔

(۴) وقال الزمخشري (في قوله تعالى انما يخشى الله من عباده العلماء) المراد العلماء الذين علموه بصفاته وعدله وتوحيده وما يجوز عليه وما لا يجوز فعظموه وقدروه وخشوه حق خشيته ومن ازداد به علما ازداد منه خوفا ومن كان علمه به اقل كان آمن وفي الحديث اعلمكم

منه اشدکم له خشیة وقال رجل للشعبی افتنی ایها العالم فقال انما العالم من یخشی اللّٰہ (عمدة القاری ج۲)

(۵) وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحٰب السعیر (۶۷-۱۰)

قال الحافظ رحمه اللّٰہ تعالیٰ ومن اوصاف اهل العلم والفهم ولو کنا من اهل العلم لعلمنا ما یجب علینا فعملنا به فنجونا (فتح الباری ص۱۴۱ ج۱)

(۶) قال العینی رحمه اللّٰہ تعالیٰ فی تفسیر قوله تعالیٰ لو کنا نسمع او نعقل (الآیة) ای لو کنا من اهل العلم لعلمنا ما ننجو به من النار (ثم قال) ان المراد من العقل العلم لانهم لو کان لهم العلم لما دخلوا النار (عمدة القاری ص۳ ج۲)

(۷) وتلک الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون (۲۹-۴۳)

قال العینی رحمه اللّٰہ تعالیٰ ای وما یعقل الامثال المضروبة الا العلماء الذین یعقلون عن اللّٰہ وروی جابر رضی اللّٰہ عنه ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم تلا هذه الآیة فقال العالم الذی عقل عن اللّٰہ فعمل بطاعته واجتنب سخطه (عمدة القاری ص۳ ج۲)

(۸) وقل رب زدنی علما (۲۰-۱۱۴)

قال الحافظ رحمه اللّٰہ تعالیٰ واضح الدلالة فی فضل العلم لان اللّٰہ تعالیٰ لم یامر نبیه صلی اللّٰہ علیه وسلم بطلب الازدیاد من شیء الا من العلم والمراد بالعلم العلم الشرعی الذی یفید معرفة ما یجب علی المکلف من امر دینه فی عباداته ومعاملاته والعلم باللّٰہ وصفاته وما یجب له من القیام بامره وتنزیهه عن النقائص ومدار ذلک علی التفسیر والحدیث والفقه (فتح الباری ص۱۴۱ ج۱)

(۹) فوجدا عبدا من عبادنا اٰتینٰه رحمة من عندنا وعلمنٰه من لدنا علما (۱۸-۶۵)

یہاں علم سے علم الاسرار والمکاشفہ مراد ہے جو شرعی علم وعمل میں رسوخ پر مرتب ہوتا ہے۔

قال العلامة الآلوسی رحمه اللّٰہ تعالیٰ ای علما لا یکتنه کنهه ولا یقادر قدره وهو علم الغیوب واسرار العلوم الخفیة (الی ان قال) قال العارف باللّٰہ تعالیٰ الشیخ عبد الوهاب الشعرانی علیه الرحمة فی کتابه المسمی بالدرر المنثورة فی بیان زبد العلوم المشهورة واما زبدة علم التصوف الذی وضع القوم فیه رسائلهم فهو نتیجة العمل بالکتاب والسنة (روح المعانی ص۳۳۰ ج۱۵)

(۱۰) وقال الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب اللّٰہ خیر لمن اٰمن وعمل صالحا ولا یلقّٰها الا الصٰبرون (۲۸-۸۰)

اس میں دنیاداروں کے مقابلہ میں قارون دنیا کا استحضار اور فکر آخرت رکھنے والوں کو اہل علم

کیا گیا ہے۔

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ (وقال الذین اوتوا العلم) ای باحوال الدنیا والآخرة کما ینبغی ومنهم یوشع علیه السلام وانما لم یوصفوا بارادة ثواب الآخرة تنبیها علی ان العلم باحوال النشأتین یقتضی الاعراض عن الاولی والاقبال علی الاخری حتما وان تخلفه عنه لیس الا لعدم علمه بهما کما ینبغی (ولا یلقاها الا الصابرون) علی الطاعات وعن المعاصی والشهوات (روح المعانی ص۱۲۱ ج۲۰)

(۱۱) ولقد آتینا داود وسلیمان علما (۲۷-۱۵)

ای آتینا کل واحد منهما طائفة من العلم لائقة به من علم الشرائع والاحکام وغیر ذلک مما یختص بکل منهما کصنعة لبوس ومنطق الطیر وخصها بعضهم بعلم القضاء وابن عطاء بالعلم بالله عز وجل والحمل الاول اولی وتنکیر علما ای علما عزیزا الخ (روح المعانی ص۱۶۵ ج۱۹)

اس میں اگر لفظ علم کو صنعت لبوس اور منطق الطیر کو شامل تسلیم کر لیا جائے تو بھی ہمارے مدعی کے خلاف نہیں بلکہ اس کے لئے مؤید ہے کیونکہ حضرت داود و سلیمان علیہما السلام کو یہ دونوں علوم بطور معجزہ عطا فرمائے گئے تھے جو انکے ساتھ مختص تھے، اور معجزہ سے اسلام کی حقانیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ لہٰذا جو علم بطور معجزہ دیا گیا وہ نتیجے کے لحاظ سے علم شرع میں داخل ہے۔

(۱۲) ولوطا آتیناه حکما وعلما (۲۱-۷۴)

(۱۳) ففهمناها سلیمان وکلا آتینا حکما وعلما (۲۱-۷۹)

(۱۴) قال الذی عنده علم من الکتاب انا آتیک به قبل ان یرتد الیک طرفک (۲۷-۴۰)

یہ قائل خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں یا آپ کے کوئی خادم یا کوئی فرشتہ، بہرصورت یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے لہٰذا یہاں علم سے علم الٰہی مراد ہے۔

(۱۵) واوتینا العلم من قبلها وکنا مسلمین (۲۷-۴۲)

یہاں علم سے اللہ تعالیٰ کی معرفت، حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کا علم مراد ہے۔

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ بعد ما ذکر (واوتینا العلم) بکمال قدرة الله تعالیٰ وصحة نبوته الی قوله (وکنا مسلمین) من ذلک الوقت (روح المعانی ص۲۰۲ ج۱۹)

(۱۶) قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون (۳۹-۹)

اس سے ثابت ہوا کہ احادیث مذکورہ میں صرف علم دین کو علم سے تعبیر کیا گیا ہے اور بقیہ تمام علوم دنیا کی ترقی کو محض جہل قرار دیا گیا ہے۔

(۲۷) کتب عمر بن عبد العزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذہاب العلماء ولا تقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولتفشوا العلم ولتجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم لا یھلک حتی یکون سرا (بخاری ص ۲۰ ج ۱)

اس میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث کو علم سے تعبیر فرمایا ہے اور حفاظت حدیث کو حفاظت علم کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

(۲۸) نقل العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ عن سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابیاتا فی فضل العلم

ما الفضل الا لاھل العلم انھم ... علی الھدی لمن استھدی ادلاء

ووزن کل امرئ ما کان یحسنہ ... والجاھلون لاھل العلم اعداء

ففز بعلم ولا تجھل بہ ابدا ... الناس موتی واھل العلم احیاء

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل علم کی وجہ فضیلت یہ بیان فرما رہے ہیں کہ وہ امت کے لئے ہادی اور رہبر ہیں۔ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وأل فی العلم للعہد ای العلم الشرعی الموصل الی الآخرۃ (قولہ والجاھلون لاھل العلم اعداء) ای بالعلم الشرعی فیشمل العالمین بغیرہ بل ھم اشد عداوۃ لعلماء الدین من العوام (رد المحتار ص ۳۰ ج ۱)

(۲۹) خود حدیث زیر بحث "اطلبوا العلم" بھی یہی بتا رہی ہے کہ اس میں علم دین مراد ہے اس لئے کہ اس میں صیغۂ امر ہے جو بدون قرینہ صارفہ وجوب کے لئے آتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ طلب علم ہر مسلم پر فرض ہے۔ اسی حدیث کے آخر میں اس کی تصریح بھی ہے "فان طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم" اور ظاہر ہے کہ علوم دنیویہ کی تحصیل کو ہر مسلم مرد وعورت کے لئے ضروری اور فرض قرار دینے کا دنیا میں کوئی احمق بھی قائل نہیں۔

ہم نے یہ چند مثالیں تحریر کی ہیں جو معمولی توجہ سے سامنے آگئیں ورنہ جنھوں نے قرآن وحدیث کو پڑھا اور سمجھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ جہاں کہیں بھی علم کا لفظ مطلقاً بولا گیا ہے اس سے علم شرعی ہی مراد ہے۔ فمن شاء فلیراجع الی کتب الشروح والمطولات فی الحدیث والتفسیر والفقہ۔

علم عقل کی روشنی میں

عقلی حیثیت سے بھی اگر دیکھا جائے تو علم سے دُنیوی علوم مراد لینا کسی طرح بھی صحیح نہ ہوگا، جس کی متعدد وجوہ ہیں۔

(۱) نظرِ شرع میں علومِ شرعیہ کے مقابلے میں دنیوی علوم صنعت وغیرہ اتنے ناقص ہیں کہ ان کو علم کہا ہی نہیں جا سکتا، اس لئے کہ پوری کائنات کی وجہ تخلیق یہ ہے کہ انسان ان سے استفادہ کرے بقولہ تعالیٰ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا جب سب چیزیں انسان کے لئے بنائی گئی ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود انسان کی وجہ تخلیق کیا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے بقولہ تعالیٰ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۰ سو معلوم ہوا کہ سارے عالم کی پیدائش سے اصل مقصد عبادت ہے اور عبادت کا علم علمِ شرع ہے پس علم کا فردِ کامل چونکہ علمِ دین ہے اس لئے علی الاطلاق جب علم کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے علمِ دین ہی مراد ہوگا اسی طرح جب قرآن وحدیث میں علم کا لفظ علی الاطلاق آتا ہے تو اس سے علمِ شرع ہی مراد ہوتا ہے

(۲) فخرِ موجودات محسنِ اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اُمورِ دُنیا کی تعلیم نہیں بلکہ امورِ متعلقہ بالآخرۃ کی تعلیم ہے اس لئے آپ کی اصطلاح میں علم سے مراد بھی وہی ہوگا جو آپ کی بعثت کا مقصود ہے۔

(۳) جو علم انسان کا خاصہ ہے وہ علمِ دین ہے، کیونکہ صرف علمِ دین ہی میں انسان کی انفرادیت ہے، دوسرے علوم میں انسان کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر حیوان دُنیوی علوم کو بقدرِ ضرورت جانتا ہے، بلکہ انسان سے زیادہ جانتا ہے اور کئی علوم انسان نے حیوانات سے سیکھے ہیں چنانچہ ذیل میں ہم کئی مثالوں سے ان حقائق پر روشنی ڈالتے ہیں۔

سیاست:

سیاست اور انتظامی اُمور میں انسان دیگر جانوروں پر برتری کا دعویٰ نہیں کر سکتا، شہد کی مکھیاں جب چھتہ بناتی ہیں تو اسمیں ہشت پہلو سوراخ اور خانے بنا کر اپنے قلعہ کی تعمیر کرتی ہیں، اس قلعہ کی تقسیم اس طرح ہوتی ہے کہ ایک حصے میں شہد بنایا جاتا ہے، ایک حصے میں بچے پلتے ہیں اور ایک حصے میں بڑی مکھیاں رہائش پذیر ہوتی ہیں، نیز ان کا ایک میری

ہوتا ہے جس کو عربی میں "یعسوب" کہتے ہیں وہ ان سب کی نگرانی کرتا ہے، چنانچہ اگر ایک مکھی کسی زہریلے پتے پر بیٹھ کر اس کا رس شہد میں ملانے کی کوشش کرتی ہے تو فوراً اسے مار کر اس کا سر کاٹ دیا جاتا ہے، شہد کے کسی چھتے کے پاس جاکر دیکھئے کسی کا سر کٹا ہوا اور کسی کی کمر ٹوٹی ہوئی ملے گی۔ پھر امیر کی اطاعت کا یہ عالم ہے کہ مجرم کو سزائے موت دینے پر دوسری مکھیوں میں بغاوت یا ایجی ٹیشن کا جذبہ نہیں ابھرتا۔

سیاست میں بطخوں کی تنظیم اور اطاعت تو قابل تقلید ہے، جب سب بطخیں سو جاتی ہیں تو ان کا امیر ایک ٹانگ پر ساری رات جھیل میں کھڑا ہو کر نگرانی کرتا ہے، خطرے کی صورت میں آواز لگاتا ہے۔ پہلی ہی آواز پر ساری قوم خطرے سے آگاہ ہو جاتی ہے اور سب پر تول کر یا دوسری آواز پر پرواز شروع کر دیتی ہیں۔ امیر سب کے آگے چلتا ہے اور باقی بطخیں دو قطاریں بنا کر پیچھے پیچھے اڑتی ہیں۔ امیر جدھر کو رخ کرے ادھر کو باقی قوم چل دیتی ہے، اس سے انکا ایک دوسرے پر کامل اعتماد بھی ظاہر ہے۔

آج کی متمدن دنیا اس سے بہتر تنظیم سیاست کا مظاہرہ کر کے دکھا دے۔

طبّ قدیم و جدید

① طب قدیم وجدید دونوں علم احتقان (حقنہ) اور علم تنقیح (انگشن) میں ایک بگلے کی رہین منت ہیں۔ حکیم جالینوس نے کسی بگلے کو پریشانی کی حالت میں دیکھا تو محسوس کیا کہ اس کے پیٹ میں درد ہے، تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسرے بگلے نے چونچ میں آب نمکین بھرا اور اسکی مقعد میں داخل کر دیا جس سے اس کو کھل کر اجابت ہوگئی اور درد جاتا رہا، جالینوس مکان پر آیا تو ایک قولنج کا مریض آ پہنچا، جالینوس نے اس پر بگلے سے حاصل کردہ حکمت کا تجربہ کیا جو بہت مفید ثابت ہوا، جالینوس نے بگلے سے عمل احتقان سیکھا اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے طب جدید نے انجکشن ایجاد کیا اسی لئے انجکشن کو عمل الطائر کہا جاتا ہے۔ غرضیکہ طب جدید قدیم دونوں بگلے کی شاگرد ہیں۔

② حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہم نے اپنا چشم دید واقعہ بیان فرمایا، لکھتے ہیں کہ تقسیم سے قبل مجھے ایک ہندو ریاست اندرگڈھ میں بارہا جانیکا اتفاق ہوا، وہاں میرے بعض اعزہ اونچے عہدوں پر ممتاز تھے، اس ریاست میں بندروں کے مارنے کی ممانعت تھی اس لئے

بندروں کی تعداد دو ہزار بندروں کی حد تک تھی، بندروں کی جبلت میں شرارت اور چالاکی بلکہ ایذا رسانی داخل ہے اسلئے وہ کافی نقصان کرتے تھے۔ کبھی برتن اٹھا کر بھاگ جاتے کبھی کپڑا اٹھا لیجاتے۔ سو اسلئے ایک بار ہم نے سوچا کہ کوئی تدبیر کرلی چاہیے، اسلئے ہم نے ایک روپے کا سنکھیا خریدا اور اسے آٹے میں ملایا اور روٹیاں بنوا کر چھت پر پھیلا دیں تاکہ وہ کھائیں اور مرتے جائیں، اس لئے ہم روٹیاں چھت پر ڈال کر خود ایک گوشے میں بیٹھ کر منتظر رہے کہ اب بندر آکر ان روٹیوں کو کھائیں گے اور مریں گے، کچھ بندر آئے مگر ان روٹیوں سے دور کھڑے ہوکر دیکھنے لگے کہ یہ کیا عجیب حادثہ پیش آیا کہ روٹیاں بکھری ہوئی پڑی ہیں یقیناً اس میں کچھ بات ہے ورنہ روٹیاں یوں نہیں بکھیری جاسکتیں اس لئے روٹی کو غور سے دیکھا پھر سونگھا، بالآخر انھوں نے روٹی کو ہاتھ نہیں لگایا اور چلے گئے، ہم سمجھے کہ تدبیر فیل ہوگئی لیکن بندروں کا یہ چالاک قافلہ جاکر پھر اپنے ساتھ اور بندروں کو لایا اور چودہ پندرہ موٹے بندر ان کے ہمراہ آئے اور روٹیوں کے اردگرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد ایک آگے بڑھا اور اس نے روٹیوں کو سونگھا، پھر دوسرا آگے بڑھا اسنے ایک روٹی توڑی اور اسکے ٹکڑوں کو سونگھا اور روٹیاں چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔

اب ہمیں یقین ہوگیا کہ یہ سب کچھ سمجھ گئے ہیں اور ہماری ساری تدبیر ناکام ہوگئی مگر تھوڑی ہی دیر بعد تقریباً ساٹھ ستر بندروں کا ایک قافلہ آیا اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک ٹہنی تھی جن میں ہرے ہرے پتے تھے انھوں نے آکر پہلے تو روٹیوں کو توڑ، انکے ٹکڑے کئے گویا پوری جماعت میں یہ اصول پیش نظر تھا کہ ؎

نیم نانے گر خورد مرد خدا
بذل درویشاں کند نیمے دگر

بندر بانٹ تو مشہور ہے، آخرکار انھوں نے وہ ٹکڑے باہم بانٹ لئے اور ہر ایک نے ایک ایک ٹکڑا کھا کر اوپر سے وہ پتے چبا لئے جو ہر ایک اپنے ساتھ لایا تھا، اور وہ ناچتے ہوئے چلے گئے اور ہم دیکھتے رہ گئے، اپنا آٹا بھی گیا، کپڑا تو پہلے ہی بن چکا تھا اور اوپر سے وقت بھی ضائع ہوا

(انسانیت کا امتیاز ص ۳۳)

اب بھی اگر انسان اپنا یہ کمال ظاہر کرے کہ ہم طبیب ہیں اور جڑی بوٹیوں کے خواص جانتے ہیں تو یہ غلط ہوگا کیونکہ بندر بھی تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم بھی طبیب ہیں ہم جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے ہیں بلکہ زہر تک کا تریاق ہم کو معلوم ہے، ایسے ہی دیگر جانوروں میں بھی صنعت اور اطباء موجود ہیں۔ ۳۰

اگر انسانوں کے سائنس دانوں اور جانوروں میں کچھ فرق ہے تو صرف اتنا ہو سکتا ہے کہ انسان کو زیادہ دوائیں معلوم ہیں اور ان کو کم، مگر اس سے انسان کی بڑائی ثابت نہیں ہوتی اس لئے کہ ان کو انسانوں کی بہ نسبت امراض بھی تو کم پیش آتے ہیں، غالباً وجہ یہ ہے کہ عام انسانوں سے عام جانوروں کو اصولِ طب زیادہ معلوم ہیں، اکثر جانور حفظِ تقدم کے اصولوں پر عمل کر کے بیماری کو روک دیتے ہیں اس طرح سے ضرورتِ دوا ہی باقی نہیں رہتی۔

اسی طرح سب حیوانات اپنی غذاؤں یعنی مضر اور مفید چیزوں کا علم رکھتے ہیں، اگر کوئی مضر چیز کسی وجہ سے اندر چلی جاتی ہے تو ان کو اس کا فوراً ہی معلوم ہے چنانچہ کتا کوئی مضر چیز کھا لیتا ہے تو وہ کسی طرح سے قے کر کے اسے نکال دیتا ہے۔

ہم نے گھوڑے کو بارہا دیکھا کہ منہ میں لگام ہونے کی حالت میں گھاس کھا رہا ہے، اس کے منہ میں گھاس کے اُلجھے ہوئے تنکوں میں اگر کوئی ایک تنکا اسکے لئے مضر ہوتا ہے تو وہ اسے لگام منہ میں ہونے کے باوجود ان اُلجھے ہوئے تنکوں میں سے نکال باہر کر دیتا ہے۔

حفظِ صحت

علم حفظِ صحت کے اصول میں سے ورزش بہت اہمیت رکھتی ہے اور اس کا دستور سب جانوروں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے، لوگ آسنوں کے موجد رشی منی اور یوگی ہر جانور کی حرکات کو غور سے دیکھ کر اس کی ورزش کا طریقہ سیکھتے تھے، اس طرح انسان نے جانوروں سے چوراسی لاکھ آسن سیکھے جن میں سے صرف چوراسی آسن مشہور ہیں۔

تعمیرات

ہر جانور اپنی حیثیت کے مطابق اپنے لئے محفوظ اور آرام دہ مکان تیار کرتا ہے، سردی، گرمی، بارش، آندھی اور دشمنوں سے حفاظت ان سب چیزوں کی رعایت ان کے مکان میں ہوتی ہے گویا کہ دشمن سے حفاظت کے لئے ایک طرف مضبوط قلعہ خانہ ہے تو دوسری جانب سردی، گرمی کی شدت سے حفاظت کے لئے ائیرکنڈیشنڈ، زنبور کا بنایا ہوا مکان اس کی واضح مثال ہے۔

بیا چڑیا کا گھونسلہ دیکھئے، اس کی بناوٹ کو دیکھئے کیسی بہترین بناوٹ ہے اور ایسا مضبوط کہ ہوا کے جھکڑ چلیں، موسلا دھار بارش ہو کیا مجال ہے کہ اسکا گھونسلہ شاخ کو چھوڑ دے اور

پھر اس میں انڈوں اور بچوں کی حفاظت کس حد تک ہوتی ہے۔ شہد کی مکھی کا مکان دیکھئے بچے دینے کے کمرے الگ اور شہد پیدا کرنے کی جگہ الگ ہے تتییا کا مکان بھی اسی قسم کا ہوتا ہے۔

کیمیکل

شہد کی مکھی کس طریقے سے مختلف درختوں کی پتیوں، پھلوں اور پھولوں سے مختلف قسم کے ذائقے حاصل کر کے کیمیاوی طور پر اس میں کیا تصرف کرتی ہے کہ وہ بہترین عمدہ، لذیذ اور صحت بخش غذا کی صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

علوم المکاشفہ :

محنتِ شاقہ اور طویل مجاہدات کے بعد بعض لوگوں کو توجہ نفس اور مسمریزم وغیرہ میں کامیابی ہوتی ہے مگر حیوانات بدون کسی قسم کے مجاہدہ اور مشق کے بعض حالات کو معلوم کر لیتے ہیں چنانچہ حیوانات کے لئے کشفِ قبور احادیث سے ثابت ہے۔

فنِ زلزلہ پیما :

ماہرین زلزلہ پیما آج تک قبل از وقت زلزلے کی کوئی یقینی اطلاع نہیں دے سکے، مگر بھیڑ بکری اور دوسرے حیوانات قبل از وقت اسے محسوس کر لیتے ہیں اور چلانا شروع کر دیتے ہیں۔

فنِ معدنیات :

آجکل معدنیات کے پیچھے پوری دُنیا لگی ہوئی ہے، زمین کھود کر ارضی خزانوں کی تلاش میں مصروف ہے مگر آج سے ہزارہا سال قبل ہُدہُد نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی تھی کہ اسے اپنے لشکر کے ہمراہ رکھا کریں اسلئے کہ اسے زمین کی گہرائیوں میں پانی کے خزانے نظر آتے ہیں۔

فنِ موسمیات :

بارش اور آندھی وغیرہ کیلئے محکمہ موسمیات والوں کی پیشگوئی بسا اوقات غلط بھی ہو جاتی ہے، ان کا اعلان ظن غالب کی بنیاد پر ہوتا ہے مگر چیونٹی اور دیگر حشرات الارض کو اسکا ایسا علم ہوتا ہے کہ وہ قبل از وقت اپنے انڈے اور غذائی سامان وغیرہ محفوظ مقامات پر منتقل کر لیتے ہیں۔

فنِ معلوماتِ سیلاب :

سیلاب سے متعلق بھی ماہرینِ فن کوئی یقینی پیشگوئی نہیں کر سکتے مگر دریاؤں کے قریب

بسنے والے جانور سیلاب سے قبل اپنے اپنے انڈے بچے اور دوسرا سامان دُور محفوظ مقامات میں منتقل کر دیتے ہیں۔

فنِ غوطہ زنی :

انسان غوطہ زنی میں کتنا ہی ماہر ہو مگر دریائی جانوروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

فنِ تیراکی :

کون انسان ہے جو تیرنے میں مچھلی وغیرہ دریائی جانوروں کا مقابلہ کر سکے۔

فنِ پرواز :

انسان کتنی ہی پرواز کرے، پرندوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا، نیز اس انتہائی ترقی کے زمانے میں بھی کوئی طیارہ یا بحری جہاز جبتک کسی نشان کو سامنے نہ دیکھ رہا ہو محض قطب نما سے زاویہ قائم کر کے سیدھا نہیں جا سکتا، بلکہ مقام مطلوب کا مقام روانگی سے جو زاویہ قائم کر کے چلتا ہے وہ زاویہ دونوں مقامات کے درمیان خطِ مستقیم پر چلنے سے قدم قدم پر بدلتا ہے اسلئے اگر کوئی چیز ایک زاویہ قائم کر کے روانہ ہو تو وہ مقام مطلوب تک پہنچنے کی بجائے قطب مقناطیسی کے گرد چکر کاٹتی رہے گی اس بناء پر زاویہ کی مدد سے رفتار کی دو صورتیں ہیں۔

① خطِ مستقیم کے زاویہ کی نسبت اتنا بڑا زاویہ رکھا جاتا ہے کہ جہاز چکر کاٹ کر مقام مطلوب پر پہنچ جائے

② خطِ مستقیم کے زاویہ پر روانگی شروع کی جاتی ہے پھر ہر ساٹھ میل کے بعد دائیں یا بائیں ایک میل ہٹ کر اس فرق کو نکالا جاتا ہے۔

مگر پرندے دُور دراز کا سفر بغیر کسی قطب نما کی مدد کے براہِ راست طے کرتے ہیں، خصوصاً شہد کی مکھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ثم کلی من کل الثمرت فاسلکی سبل ربک ذللا الآیۃ، اس سے ثابت ہوا کہ رب کریم کی شانِ تربیت نے شہد کی مکھی کی پرواز کے لئے بہت دُور دراز کے راستے مسخر فرما دیئے ہیں، مکھیوں کے ماہرین اسکا مشاہدہ بتاتے ہیں۔

فنِ دفاع :

حیوانات کے دفاعی مکانوں کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے، مزید برآں دشمنوں سے اپنی حفاظت کے طریقے بھی اللہ تعالیٰ نے ہر حیوان کو القاء فرمائے ہیں۔

فنِ کسبِ معاش :

جہانتک کسبِ معاش کا تعلق ہے یہ ایک بدیہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم معاشیات

میں وہ کمال عطا فرمایا ہے کہ آجکل کے ماہرین معاشیات کو اسکا عشر عشیر بھی نصیب نہیں، نیز حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے توکل کی کتنی بڑی دولت عطا فرمائی ہے، اول تو کئی حیوانات پرندے وغیرہ ایسے ہیں کہ وہ کل کی فکر نہیں رکھتے، اور بعض حیوانات جیسے چیونٹی وغیرہ ذخیرہ جمع کرتے ہیں تو ان کو بلا شبہ یہ بھی خوب معلوم ہے کہ کس جگہ ان کو رکھا جائے تاکہ سردی گرمی کے اثر اور دشمنوں کی لوٹ مار سے انکی حفاظت ہو سکے، غرضیکہ اس فن میں بھی حیوانات کو ید طولیٰ حاصل ہے۔

فنِ تعیینِ اوقات :

مرغ کو دیکھا ہوگا کہ وہ بغیر لمبی چوڑی حسابی تجربات کے کس طرح اوقات کا پتہ دیتا ہے، خاص طور پر طلوع صبح صادق، صبح کاذب اور آدھی اور تہائی چوتھائی رات میں ٹھیک ٹھیک وقت پر بانگ دیتا ہے حتی کہ بعض دیہاتوں میں رات کے اوقات بالخصوص سحری کا دار ومدار مرغ کی آواز پر ہوتا ہے۔

یہ فنون دنیویہ کی چند مثالیں ذکر کی گئی ہیں جنکا ہر شخص مشاہدہ کر رہا ہے ورنہ ماہرین حیوانات تو خدا جانے حیوانات کے کن کن کمالات کی اطلاع پا چکے ہیں، معہذا انکی معلومات سے مجہولات زیادہ ہیں، غرضیکہ دنیا کے علوم وفنون میں سے کسی کو بھی لے لیں اور خود انصاف سے فیصلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان علوم وفنون میں کوئی ایسا نہیں جس میں انسان منفرد ہو بلکہ ان تمام علوم میں انسان کے ساتھ حیوان بھی شریک ہے اسلئے قرآن وحدیث میں جس علم کی تعریف کی گئی ہے اور جسے انسان کا زیور بلکہ وجہ امتیاز بتایا گیا ہے وہ علم ایسا ہونا چاہئے جس میں انسان منفرد ہو اور وہ علم دین ہی ہے جیسا کہ ہم پیچھے وضاحت سے ذکر کر چکے ہیں۔

(۳) کسی بھی علم کی شرافت معلوم کی شرافت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ سنار اور موچی کا علم شرافت میں متفاوت ہے، علوم شرعیہ کی معلومات قرآن وحدیث ہیں، اور علوم دنیا کی معلومات صنعت وحرفت وغیرہ ہیں، اور ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث اللہ ورسول کی تعلیمات ہیں اس لئے وہ صنعت وحرفت پر شرافت کے لحاظ سے بہت فوقیت رکھتی ہیں تو ان کا علم بھی اعلیٰ واشرف ہوگا اور حدیث میں اسی اعلیٰ واشرف علم کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

(۴) دنیوی علوم کا ماحصل یہ ہے کہ اس دنیا کی عارضی زندگی سنور جائے، گویا علوم دنیویہ عارضی زندگی کا موقوف علیہ ہیں، بخلاف علوم اسلامیہ کے کہ وہ وطن اور ہمیشہ کی زندگی کا موقوف علیہ ہیں، اور ظاہر ہے کہ جو وطن اور دائمی زندگی کا موقوف علیہ ہے وہ اعلیٰ واشرف ہوگا۔

(۵) دنیوی علم اپنے ہم جنس انسانوں میں زندگی گزارنے اور ان کے ساتھ تعلقات اور رابطہ رکھنے کا ذریعہ اور علم آخرت اپنے خالق اور احکم الحاکمین کیساتھ تعلق اور رابطہ کو استوار رکھنے کا ذریعہ ہے اسی سے انکی رضا

حاصل ہوتی ہے اسلئے بندہ اور خالق میں جو فرق مرتبہ ہے وہی علم دنیا و علم دین میں ہے انہی وجوہ کی بنا پر علم آخرت کو کمال اور علم دنیا پر شرف حاصل ہے اسلئے جہاں مطلق علم بولا جاتا ہے اس سے اس کا فرد اشرف واکمل یعنی علم دین مراد ہوتا ہے۔

اصطلاح شرع میں صرف علم دین کے ساتھ لفظ علم کا اختصاص اس حد تک عام معروف و مشہور ہے کہ ابتدائے اسلام میں قبل از اسلام کے لئے زمانہ جاہلیت اور کافر کے لئے جاہل کی اصطلاح عام زبان زد ہے۔ کتب بلاغت میں یہ مثال بکثرت مذکور ہے قول الجاهل انبت الربيع البقل و شفى الطبيب المريض۔ ابوجہل مشہور و معروف ہونے کی وجہ سے ابوالحکم کے لقب سے معروف تھا مگر دولت ایمان سے محرومی کی وجہ سے ابوجہل بن گیا۔ عام مقولہ ہے "علمے کہ رہ حق ننماید جہل است"

وقال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالی ؎

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے — راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

ذکر چین:

حقیقت مذکورہ دلنشین ہو جانے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ذکر چین کا کیا مطلب؟ چین عہد رسالت میں بھی علم دین سے عاری تھا اور بعد میں بھی اب تک وہاں سے علم دین کی تحصیل کا کچھ مطلب نہیں بنتا اور نہ ہی آئندہ کے لئے اس کی کوئی توقع نظر آتی ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال جس طرح علم دین سے متعلق پیدا ہوتا ہے اسی طرح علم دنیا مراد لینے پر بھی یہی اشکال لازم آتا ہے، اسلئے کہ علوم دنیویہ میں بھی چین کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں بلکہ دوسرے ممالک کو چین پر ہمیشہ فوقیت رہی ہے۔ بالفرض علوم دنیویہ میں چین کی کوئی برتری تسلیم بھی کرلی جائے تو بھی حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی، یعنی کلام محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم میں علم سے علم دین ہی مراد ہے اور چین کا ذکر صرف بعد مسافت میں تمثیل کے طور پر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ علم دین کی تحصیل میں خواہ کتنا ہی طویل سفر کرنا پڑے اور کتنی ہی مشقت برداشت کرنی پڑے تو بھی اس فریضہ میں تساہل کی کوئی گنجائش نہیں، عام محاورہ میں اس قسم کے کلام سے بعد مسافت میں تمثیل مراد ہوتی ہے نہ کہ اس مقام کی تعیین، كما هو ظاهر على من تتبع وتفكر في كلام اهل العرب، وهذا هو الحق الصريح لمن شاء ان يكون النجيح۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۸ رجب سنہ ۹۹ھ

كشف الغطاء
عن
حقيقة اختلاف العلماء

اختلاف العلماء کی تحقیق

(اقتباس از تقریر صحیح بخاری)

علماء کے اختلافات کو ختم ہوجانا ناممکن ہے، اور اس کی تمنا رکھنے والا بہت بڑا احمق ہے، اس لئے کہ علماء کا اتفاق صرف اس صورت میں ہوسکتا تھا کہ قرآن و حدیث میں ہر شخص کے متعلق ہر فعل کی ہر کیفیت کا حکم منصوص ہو، اور یہ ناممکن ہے کیونکہ دنیا میں انسان غیر محصور ہیں اگرچہ غیر متناہی نہیں، پھر ہر شخص کے افعال غیر محصور اور ہر فعل کی کیفیات اور احکام غیر محصور، پس اگر ایسی مفصل کتاب نازل کر دی جاتی جس میں ہر ہر جزئیہ مذکور ہو تو وہ اتنی ضخیم ہوتی کہ نہ تو اس کی حفاظت ممکن ہوتی اور نہ اس کو نقل کرنا انسان کی قدرت میں ہوتا اور نہ ہی اس سے استفادہ کی کوئی صورت ممکن ہوتی، غیر محصور انسانوں میں سے اپنا نام تلاش کرنا ہی مشکل ہوجاتا، پھر اپنے غیر محصور افعال کے غیر محصور احکام میں سے کسی حکم کو تلاش کرنا ناممکن ہوتا، پس ایسی کتاب کا نازل کرنا کہ اس سے انسان استفادہ نہ کرسکے اور اس کی حفاظت سے بھی عاجز ہو یہ ایک عبث ہے، اور اللہ تعالیٰ میں عیب کا ہونا ناممکن ہے۔ لہٰذا اختلاف کو مٹانا بھی ناممکن ہے اور ناممکن کی تمنا کرنے والا احمق ہوگا، پس ضروری ہوا کہ قرآن و حدیث میں جزئیات کے بجائے کلیات مذکور ہوں جن سے ہر ہر جزئیہ کا حکم مستنبط کیا جائے، اور کلیات سے استنباط میں انسان کی عقل و فہم کا دخل ہوتا ہے، اور انسانوں کی عقول مختلف ہیں جس کی وجہ سے مسئلہ میں اختلاف پیدا ہوجاتا ہے، بعض دفعہ جزئیہ ایک ہوتا ہے اور کلیات بھی فریقین میں مسلم ہوتے ہیں مگر اختلاف اس میں ہوتا ہے کہ یہ جزئیہ کس کلی کے تحت درج ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جج کے یہاں کسی مقدمہ میں مدعی اور مدعی علیہ کے وکلاء اختلاف کرتے ہیں، حالانکہ جزئیہ بھی ایک ہے جس پر دونوں بحث کر رہے ہیں، اور جن قوانین سے اپنے نظریے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ قوانین بھی ایک ہی حکومت کے اور فریقین کے ہاں مسلم ہوتے ہیں، اس کے باوجود دونوں وکیلوں میں یوں اختلاف ہوتا ہے کہ مدعی کا وکیل کہتا ہے کہ فلاں قانون کی رو سے اس جزئیہ میں مدعی علیہ کو سزا ہونی چاہیے اور مدعی علیہ کا وکیل یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ جزئیہ اس قانون کے تحت نہیں آتا جو مدعی کے وکیل نے بیان کیا ہے بلکہ دوسرے قانون سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے جس کے لحاظ سے مدعی علیہ بری ہوتا ہے، غرضیکہ ان دونوں کی بحث اس میں ہوتی ہے کہ یہ جزئیہ کس کلیہ کا فرد ہے اور کونسا قانون اس پر منطبق ہوتا ہے، ہم شب و روز دیکھتے ہیں کہ وکلاء کی بحثیں اسی طرح جاری رہتی ہیں اور دونوں وکیل حکومت کے مجاز ہوتے ہیں۔ ان کے اختلاف پر نہ ہی فریقین کو اعتراض ہوتا ہے اور نہ ہی دوسرے

لوگ اسے بُرا سمجھتے ہیں اور نہ جج ان کے اختلاف پر ناراض ہوتا ہے، نہ حکومت انہیں اختلاف سے
روکتی ہے بلکہ انہیں خوب بحث کرنے کا اور دلائل بیان کرنے کا موقع دیا جاتا ہے، اور جو وکیل زیادہ بحث کرتا ہے
اُسے داد ملتی ہے۔ اسکے بعد جج دونوں میں سے جس کے دلائل کو ترجیح دیتا ہے اسی کی جانب فیصلہ دیدیتا ہے
مگر دوسرے وکیل کی نہ اجازت سلب کی جاتی ہے، نہ اس کو سزا دیجاتی ہے اور نہ ہی اسے بُرا سمجھا جاتا ہے
بلکہ آئندہ مقدمات میں پھر اسے بدستور بحث کرنے کی اجازت ہوتی ہے، بعینہٖ یہی مثال علماء کی ہے کہ
جزئیہ معینہ پر کونسا کلیہ منطبق ہوتا ہے اسمیں ان کا اختلاف ہوجاتا ہے۔ دُنیا میں اختلاف وکلاء کے علاوہ
اور بھی کئی قسم کے اختلافات ہم دیکھتے اور سُنتے رہتے ہیں، مثلاً سیاسی اختلافات اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ
اسمبلیوں میں بعض دفعہ کرسی بازی اور مکہ کی نوبت آجاتی ہے۔ اسی طرح علم العلاج میں بھی بڑا اختلاف
پایا جاتا ہے۔ ایلوپیتھی، ہومیوپیتھی، یونانی اور ویدک وغیرہ کے تو اصول ہی مختلف ہیں۔ چنانچہ
ایلوپیتھی میں علاج بالضد ہوتا ہے اور ہومیوپیتھی میں علاج بالمثل۔ پھر ہر طریقۂ علاج میں مرض کی تشخیص
اس کے اسباب اور تجویز دوا اور خوراک پرہیز اور دوا کی مقدار، دوا کی خوراکوں کی تعداد اور دوا کے طریقۂ استعمال
میں اختلاف ہوتا ہے، خواہ ایک ہی طریقہ کے دو ماہرین کو لیجئے، دو ڈاکٹروں یا دو حکیموں کو دیکھا جائے
تو وہ بھی آپس میں مختلف ہونگے مگر اس کے باوجود اس اختلاف کو کوئی بُرا نہیں کہتا، نہ اختلاف کرنے
والوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا اور ان کے اختلافات کو دیکھ کر کوئی علاج نہیں چھوڑ دیتا بلکہ جس حکیم یا
ڈاکٹر پر اعتماد ہوتا ہے اسی سے علاج کروایا جاتا ہے۔ علماء کا اختلاف اس سے بہت کم درجہ رکھتا ہے
اس لئے کہ ان کے اصول متحد ہیں، معہذا اس اختلاف کو بُرا کہا جاتا ہے اور علماء کو طعن کا ہدف بنایا جاتا ہے
اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کس عالم کی بات مانیں، حقیقت میں یہ نتیجہ ہے
دین اور علم دین کی طرف سے بے توجہی اور بے رغبتی کا۔ علاج جسمانی کی اہمیت ہے اس لئے ڈاکٹروں
کا اختلاف علاج سے مانع نہیں بنتا۔ اس کے برعکس روحانی امراض کے علاج کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی
دین کی قلب میں اہمیت نہیں اس لئے اختلاف علماء کو حیلہ بنایا جاتا ہے۔ یہاں تک اس کا بیان تھا
کہ اختلاف ہونا ناگزیری امر ہے اور اس کا مٹانا ممکن نہیں۔ آگے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اختلاف کی تین
قسمیں ہیں، ایک یہ کہ فریقین کا نقطۂ نظر رضائے الٰہی ہو، ہر شخص یہ خیال کرے کہ جو میں کہتا ہوں اسی میں
دین کا فائدہ ہے اور فریق مخالف کا جو نظریہ ہے اس میں دین کا ضرر ہے۔ اس صورت میں جانبین پر یہ
اختلاف فرض ہوتا ہے جس میں مجتہدین کو ثواب ملتا ہے اگر یہ اختلاف کو چھوڑ دیں تو گنہگار ہونگے۔
دوم یہ کہ جانب واحد کا مقصد رضائے الٰہی ہو اور دوسری جانب محض اتباع ہوی کی خاطر

اختلاف کر رہی ہو۔ مثلاً ایک شخص دوسرے کو نماز کی تلقین کرتا ہے اور منکرات سے روکتا ہے، تو رکنے کی صورت میں اس سے اختلاف کرتا ہے اور دوسرا شخص صرف اس لئے اسکا مخالف ہے کہ یہ اسے منکرات سے کیوں روکتا ہے؟ تو پہلے شخص پر یہ اختلاف واجب ہے اور دوسرے پر حرام۔

سوم یہ کہ دونوں خواہشات نفسانیہ کی بنا پر اختلاف کر رہے ہوں۔ یہ اختلاف جانبین کے لئے حرام ہے۔ اور اس کا ترک واجب ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف قسم اول کا اختلاف تھا۔

جواز اختلاف کی شرائط:

(۱) اختلاف کے محمود ہونے کی شرط اول یہ ہے کہ اسکا منشأ رضائے الٰہی ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ اختلاف کرنے والے کا نظریہ بداہت کے خلاف نہ ہو، مثلاً کوئی شخص اونٹ کو بکری کہنے لگے اور یہ کہے کہ میری تحقیق یہی ہے۔ میں اپنی دیانت و اخلاص سے یہی کہتا ہوں، تو اس کے باوجود اس اختلاف کو محمود نہیں کہا جا سکتا بلکہ مذموم ہے۔

مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ کے خلاف قول کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔ اس لئے کہ جس طرح قرآن اپنے مفہوم میں سنت کا محتاج ہے بعینہ اسی طرح کتاب و سنت دونوں اپنے مفہوم میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے محتاج ہیں یعنی کتاب و سنت کا مفہوم وہی لیا جائے گا جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سمجھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہٹ کر کتاب و سنت کا مفہوم سمجھنا ضلال ہے، اس پر مختصر دلائل یہ ہیں۔

(۱) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں صراط مستقیم کی تفسیر صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ سے کی گئی ہے، الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی تفسیر صراط اللہ یا صراط الرسول یا صراط القرآن سے نہیں کی گئی اس لئے کہ لوگ اس کے مفہوم میں اختلاف کرتے اور ہر شخص اپنے متعین کردہ مفہوم کو صراط قرآن قرار دیتا، صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ سے وضاحت کر دی کہ صراط مستقیم سے مراد منعم علیہم بندوں کا راستہ ہے جو ایک جماعت ہے۔

(۲) وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ، اس میں بھی سبیل اللہ کی بجائے سبیل المؤمنین فرمایا گیا۔

(۳) قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ، اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سبیلی کے بعد انا اور من اتبعنی کا عطف فرما کر اس کی وضاحت فرما دی

کہ سبیل رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہے جس کی طرف آپ کے متبعین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دعوت دے رہے ہیں۔

④ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔ سُنَّتِيْ کے بعد سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ کا ذکر کرنا کھلی دلیل ہے کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہی ہوگی جو خلفاء اختیار کریں گے، یعنی یہ عطف تفسیری ہے، اور اس کے سوا اس کے دوسرے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔

⑤ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ناجی فرقہ وہ ہے جو مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ کے مطابق ہوگا، اگر سنت اپنے مفہوم میں صحابی کی محتاج نہ ہوتی تو صرف مَا اَنَا عَلَيْهِ کہہ دینا کافی تھا، اَصْحَابِيْ کا لفظ بیکار رہ جاتا ہے۔

⑥ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ النجوم امنة للسماء واصحابی امنة لامتی (رواہ مسلم)

⑦ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مغفور لہم ہونا نص قرآنی سے بھی ثابت ہے۔ فرماتے ہیں وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى اور دوسری جگہ فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ۔ دونوں آیتوں کے ملانے سے نتیجہ یہ نکلا کہ کل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ناجی ہیں۔

⑧ یہ امر عقلاً بھی ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث کا مفہوم وہی متعین ہوگا جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سمجھا اس لئے کہ متکلم کی مراد سمجھنے میں چند امور کا دخل ہوتا ہے۔ مثلاً اہل زبان ہونا۔ متکلم کی حالت سے باخبر ہونا۔ متکلم سے ظاہری اور باطنی قرب ہونا۔ کلام کے شان ورود سے واقف ہونا۔ یعنی یہ کلام کس محل اور کس موقع پر اور کس وقت واقع ہوا؟ اور متکلم کے لہجہ کو سننا۔ اس کے ہاتھ اور چہرہ کے آثار کو دیکھنا خصوصاً اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھنے میں تقدس و تقویٰ اور باطن کی طہارت اور نور قلب نہایت ضروری ہے۔

یہ سب امور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ اسی لئے جب کوئی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے کسی حکم کی مزید تاکید بیان کرنا چاہتے ہیں تو روایت کرتے وقت یوں فرماتے ہیں۔ ابصرته عینای وسمعته اذنای ووعاه قلبی۔

ان لوگوں کا اہل حق سے اصولی اختلاف ہے جو قرآن وحدیث کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تفسیر کا محتاج نہیں سمجھتے جیسا کہ پرویز قرآن کو حدیث کا محتاج نہیں سمجھتا۔

کشف الغطاء ——— ۵

کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم تر قیہ کرنے کے لئے تھیں اس جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو رجال اللہ سے تعبیر کیا کرتا ہوں۔ اور یہ لفظ ماخوذ ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ سے۔

③ جواز اختلاف کی تیسری شرط یہ ہے کہ اختلاف کرتے وقت الاھم فالاھم کا خیال رکھا جائے۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین اختلاف کے زمانے میں قیصر روم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے اپنے کو مطمئن سمجھ کر ایران کے کچھ حصہ پر قبضہ کرنا چاہا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولایت میں تھا اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاہ روم کو لکھا واللہ لئن لم تنته وترجع الی بلادك یا لعین لاصطلحن انا وابن عمی علیك ولاخرجنك من جمیع بلادك ولاضیقن علیك الارض بما رحبت، وفی جمهرة رسائل العرب وبلغ معاویة رضی الله تعالیٰ عنه ان صاحب الروم یرید قصد بلاد الشام ایام صفین فكتب الیه تالله لئن تممت علی ما بلغنی لاصالحن صاحبی ولاكونن مقدمته الیك ولاجعلن القسطنطینیة الحمراء حممة سوداء ولانزعنك من الملك نزع الاصطفلینة ولاردنك اریسا من الارارسة ترعی الدوابل وفی روایة كما كنت ترعی الخنانیص،

غرضیکہ اہم اختلاف کے ہوتے ہوئے ادنیٰ اختلافات کو چھوڑ کر متحد ہو جانا ضروری ہے۔ اللّٰهم الف بین قلوبنا واصلح ذات بیننا وانصرنا علی عدوك وعدونا، آمین

رشید احمد

۱۱؍ شعبان سنہ ۸۶ ہجریہ

تنبیہ المغفلین
فی
بیان التفاضل بین المرسلین

تفاضل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

(ماخوذ از تقریر حضرت [illegible])

عام طور پر واعظین کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفضیل دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر یوں کرتے ہیں اور اس میں ایسی چیزیں بیان کرتے ہیں جو نفس غلط ہیں، اور اگر کوئی چیز صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تو بھی اس طریقے سے فضیلت بیان کرنا جو دوسرے نبی کی تنقیص پر مشتمل ہو جائز نہیں۔ اس بارے میں بظاہر احادیث متعارض نظر آتی ہیں چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تخیروا بین الانبیاء اور فرمایا لا تفضلونی علی یونس بن متی حالانکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مقامات پر اپنی فضیلت بیان فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں انا سید ولد آدم ولا فخر اور فرمایا انا صاحب اللواء یوم القیامۃ وآدم تحت لوائی اور فرمایا کنت نبیا وآدم بین الماء والطین ، حدیث شفاعت میں بھی آپ نے اپنی فضیلت سب انبیاء علیہم السلام پر بیان فرمائی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑھا جس میں آپ کو سب انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے مولانا جامی رحمہ اللہ نے بھی اسی قصیدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ؎

زمہرش گر نبودے راہ مفتوح بجودی کے رسیدے کشتیٔ نوح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصیدہ پر انکار نہیں فرمایا، ان روایات متعارضہ میں وجہ تطبیق یہ ہے کہ طرز بیان اگر ایسا ہے کہ وہ کسی نبی کی تنقیص کا موہم نہ ہو تو جائز ہے اور جہاں ایک نبی کا دوسرے نبی سے مقابلہ کرکے ایک کو ترجیح دی جائے چونکہ اس میں دوسرے نبی کی تنقیص ہوتی ہے اس لئے جائز نہیں، جہاں موقع پر آپ نے اپنی تفضیل سے منع فرمایا ہے وہ ایسے ہی تقابل کے مواقع تھے چنانچہ لا تخیروا بین الانبیاء اس وقت فرمایا جبکہ ایک یہودی کا مسلمان سے جھگڑا ہوا مسلمان نے کہا والذی اصطفیٰ محمدا صلی اللہ علیہ وسلم علی العالمین اور یہودی نے کہا والذی اصطفیٰ موسیٰ علیہ السلام علی العالمین تو اس مسلمان نے یہودی کے طمانچہ مار کر کہا ای خبیث ایضا؟ وہ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لیکر آیا، آپ نے سارا واقعہ سنا تو فرمایا لا تخیروا بین الانبیاء ، غرضیکہ جہاں دو نبیوں میں تقابل ہو رہا ہو جس میں ایک کی تفضیل دوسرے کی تنقیص کو مستلزم ہو، اس قسم کی تفضیل سے منع فرمایا،

واعظین عموماً مندرجہ ذیل وجوہ فضیلت بیان کرتے ہیں۔

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے

اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر لاٹھی مار کر پانی نکالا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے پانی نکلا جب آپ نے ایک پیالہ میں ہاتھ ڈالا تو پانی کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ پتھر سے پانی نکلنا کچھ بعید نہیں، پتھروں سے تو چشمے نکلتے ہی ہیں، انگلیوں سے یعنی انسان کی ہڈی اور گوشت سے چشمہ جاری ہو جانا یہ بڑا کمال ہے۔

(۲) کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر تشریف لے گئے اور بلا حجاب اللہ تعالیٰ کو دیکھا مگر بیہوش نہیں ہوئے۔

(۳) موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر جا رہے تھے کہ فرعون کے لشکر نے تعاقب کیا، بنی اسرائیل نے جب دیکھا کہ سامنے دریائے نیل ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر ہے تو گھبرائے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ان معی ربی سیھدین۔ اس کلام میں ایک نکتہ تو یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو لفظ رب پر مقدم کیا اور دوسرا یہ کہ رب کی معیت صرف اپنے ساتھ بیان کی اور قوم کو چھوڑ دیا۔ اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا اس میں اللہ کے لفظ کو مقدم فرمایا اور معنا کہہ کر معیت الٰہیہ کو عام رکھا صرف اپنے ساتھ مختص نہیں کیا۔

(۴) حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کر کے ساری قوم کو غرق کرا دیا، اس کے برعکس طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے کہ اگر حکم ہو تو میں ان لوگوں کو ان دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

یہ وجوہ ترجیح اگر صحیح ہوتیں تو بھی ان کا اس طریقہ سے بیان کرنا جائز نہ ہوتا اس لئے کہ اس میں دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تنقیص ہے۔ ایک بھائی کی تعریف یوں کی جائے کہ دوسرے بھائی کی تنقیص کو متضمن ہو تو باعث مسرت ہونے کی بجائے غیظ و غضب کا سبب ہوتی ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ وجوہ فضیلت جو اوپر بیان کی گئی ہیں فی نفسہ غلط ہیں۔

(۱) اس میں موسیٰ علیہ السلام کی بھی تنقیص ہے اور ساتھ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تنقیص ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی تنقیص تو ظاہر ہے کہ وہ معجزہ جسے اللہ تعالیٰ نے بار بار بطور امتنان ذکر فرمایا ہو اس کے متعلق یہ کہہ دینا کہ کوئی بڑی بات نہیں کتنی بڑی جرأت ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص یوں ہے کہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ آپ کی انگلیوں سے پانی نکلا بلکہ حقیقت اس واقعہ کی یوں ہے کہ آپ نے پانی میں ہاتھ رکھا جس کی برکت سے وہ پانی زیادہ ہو گیا اور انگلیوں کے درمیان سے ابھرتا ہوا نظر آرہا تھا تو معجزہ کا دعویٰ کر کے اسے ثابت نہ کر سکنا موجب تنقیص ہے۔

لہٰذا یہ وجہ ترجیح و تفضیل دوستی نادان کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۳) گھر میں بیٹھ کر کوئی بات کرلینا سہل ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ خصم کے سامنے بات کریں، غور کیجئے کہ اگر ہم یہی وجہ ترجیح کسی یہودی کے سامنے بیان کریں اور وہ جواب میں یوں کہدے کہ ہمارا نبی اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر بیہوش ہوا اور تمہارا نبی ایک دفعہ جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر بیہوش ہوگیا تو ہمارے پاس سوائے ندامت کے اس کا کیا جواب ہوگا؟ حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تجلی عالم دنیا میں ہوئی تھی اور عالم دنیا کے قویٰ ضعیف ہیں جو تجلی الٰہی کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر بیہوش ہوجانا اسی وجہ سے تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو آپ کو وہاں کے حالات دکھانے کے لئے اس عالم کے مناسب قویٰ عنایت کردیئے گئے تھے چنانچہ معراج سے قبل آپ کا شق صدر اور غسل بآب زمزم اسی لئے کیا گیا تھا کہ آپ میں عالم اعلیٰ کی قوت پیدا ہوجائے لہٰذا ایک عالم کو دوسرے پر قیاس کرنا جہالت ہے اور پھر قصۂ معراج میں عرش سے تجاوز کرجانا وغیرہ بہت سی خرافات ایسی بیان کی جاتی ہیں جو اصول شریعت کے خلاف ہیں اور رؤیت باری تعالیٰ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف[عہ] ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں من زعم ان محمدا رأی ربہ فقد اعظم علی اللہ الفریۃ

(۴) یہ ایسی غلطی ہے کہ اس میں بعض مصنفین بھی مبتلا ہوگئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام دونوں کا کلام اپنی اپنی جگہ بلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہے اور اپنے اپنے موقع و محل کے عین مناسب ہے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کہہ دیتے تو کلام میں بلاغت نہ رہتی۔ ایسے ہی اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ مَعِيَ رَبِّي فرماتے تو موقع کے غیر مناسب ہونے کی وجہ سے کلام بلیغ نہ رہتا۔ تعجب ہے علامہ تفتازانی پر کہ فن فصاحت و بلاغت میں تصنیف کررہے ہیں اور اسی میں غلطی کررہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو کلام موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح دے رہے ہیں۔ غالباً یہ غلطی علامہ بیضاوی سے بھی ہوئی ہے اب ذرا تفصیل ملاحظہ ہو جس سے ثابت ہوگا کہ ہر نبی کا کلام اپنے موقع میں نہایت بلیغ ہے حضرت موسیٰ کی قوم اسقدر ضعیف الایمان واقع ہوئی تھی کہ اللہ کے حکم سے اللہ کے نبی کے ساتھ جارہے ہیں اور نبی بھی ایسا کہ اسکے معجزات صرف منقول نہیں تھے بلکہ محسوس بصر تھے جن سے کم عقل آدمی بھی یقین حاصل کرسکتا ہے۔ اس حالت میں ان لوگوں کو اپنی گرفتاری کا وہم تک نہ آنا چاہیے تھا مگر انہوں نے لشکر فرعون کو دیکھتے ہی وسوسہ تو کیا یقینی طور پر کئی تاکیدات کے ساتھ حکم لگادیا إِنَّا لَمُدْرَكُونَ لفظ انا اور لام تاکید اور جملہ اسمیہ لاکر اس یقین کے اعتقاد کو ظاہر کیا۔ اب قابل غور مقام ہے کہ ایسی قوم جسے خدا اور رسول کے وعدے پر اطمینان نہ ہو اور وہ اس کے خلاف کا یقین رکھتی ہو اور اسے تین تاکیدات سے بیان کررہی ہو

عہ قول رؤیت راجح ہے ۱۲ منہ

یعنی یقیناً یقیناً یقیناً پکڑ لئے گئے تو ایسی قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت اور مدد کیسے ہو سکتی ہے؟ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے "اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ" میں بغرض حصر "مَعِیَ" کو مقدم کیا اور ضمیر متکلم مفرد لائے کہ میرے ساتھ ہی میرے رب کی معیت ہے اس کی برکت سے تم بھی بچ جاؤ گے، ورنہ تم تو اس لائق ہو کہ یا تو فرعون کے ظلم کا شکار ہو جاؤ یا دریا میں غرق ہو جاؤ تو مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ رب کی معیت صرف میرے ساتھ ہے تم اس معیت کے لائق نہیں ہو۔ پس اگر "اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" فرماتے تو خلافِ مقصود ہوتا لہٰذا کلام بلاغت کے معیار سے بالکل گر جاتا، اس کے برعکس غارِ ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کامل تھا اور بطور وسوسہ جو یہ لفظ زبان پر آئے کہ اگر کفار ذرا جھک کر دیکھیں تو ہمیں پکڑ سکتے ہیں، اوّلاً یہ صرف وسوسہ کے درجہ میں تھا جس پر مواخذہ نہیں، ثانیاً یہ کہ اس وسوسہ کا منشا خوف علی النفس نہیں تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف تھا جو دلیل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمال محبت اور کمال ایمان کی، چنانچہ لَا تَخَفْ کی بجائے لَا تَحْزَنْ اس کی وضاحت کر رہا ہے اس لئے کہ خوف نفس پر ہوتا ہے اور حزن کسی محبوب چیز کے جدا ہونے پر ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خوفِ نفس نہیں تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدا ہو جانے کا خطرہ تھا، لہٰذا آپ نے اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرما کر واضح کر دیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان اتنا کامل ہے کہ جیسے اللہ کی معیت میرے ساتھ ہے ایسے ہی ان کے ساتھ بھی ہے۔ اگر اس موقع پر آپ "اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ" فرماتے تو مقصود ادا نہ ہوتا اور کلام میں بلاغت نہ رہتی۔

④ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے بد دعا کے ذریعہ قوم کو تباہ کرا دیا، یہ قرآن سے بےخبری کا نتیجہ ہے قرآن کریم میں اگر حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو قوم پر بڑی شفقت تھی اور کسی صورت میں بھی انہیں ان کا ہلاک ہونا پسند نہ تھا، چنانچہ فرماتے ہیں "لَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ" اس سے معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام کو قوم کی بدعملی پر دکھ ہوتا تھا جو شفقت اور محبت کی دلیل ہے دشمن کی بدعملی پر دکھ نہیں ہوا کرتا بلکہ مسرت ہوتی ہے۔ ساڑھے نو سو سال تک نوح علیہ السلام ان کی بدعملی پر دکھ اٹھاتے رہے، ساڑھے نو سو سال کی مدت قابلِ غور ہے۔ کہنے میں آسان ہے مگر اتنی مدت تک بدعملیاں دیکھتے رہنا اور اس پر غمناک ہوتے رہنا پھر بھی صبر و استقلال کا دامن نہ چھوڑنا بہت بڑا معجزہ ہے۔ اس کے باوجود جب ان کے غرق کا حکم ہوتا ہے تو نوح علیہ السلام بہت اصرار اور الحاح سے ان کی سفارش کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے "لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ"، ثابت ہوا کہ نوح علیہ السلام نے سفارش

کی تھی جس سے روکا جا رہا ہے، اور بلاغت کا تقاضا ہے کہ انکار کی شدت کے مطابق جواب میں شدت اور تاکید ہوتی ہے۔ یعنی جواب کی تاکید انکار کی تاکید پر دلیل ہوتی ہے، لا تخاطبنی فی الذین ظلموا میں کس قدر تاکیدات ہیں۔ اولٰی یہ کہ لا تشفع کے بجائے لا تخاطبنی فرمایا بہت بڑی تاکید ہے کہ ان کے بارے میں مجھ سے کوئی بات مت کرو اور فی الذین ظلموا سے ان کی قباحت شان کو ذکر کر کے نوح علیہ السلام کو سمجھانا، پھر لفظ انّ اور جملہ اسمیہ سے مؤکد کرنا یہ سب امور اس پر دال ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو انکار یعنی شفاعت پر اصرار بہت شدید تھا مگر اس کے باوجود یہ شفاعت ثبوت نہیں ہوئی اور غرق کا حکم محکم ہو گیا مگر اس کے باوجود بھی نوح علیہ السلام اس تاک میں رہے کہ کہیں سے سفارش کا کوئی موقع اور کوئی حیلہ مل سکے چنانچہ اپنے بیٹے سے متعلق ذرا سی گنجائش پائی تو فوراً سفارش کر دی۔ اسے شفقت پدری کا فائدہ نہیں کہا جا سکتا۔ اولًا اس لئے کہ نبی کا تعلق ساری امت کے ساتھ باپ جیسا ہوتا ہے۔ ثانیًا اس لئے کہ اولاد اگر انکار کرتی ہے تو اس پر غیظ و غضب دوسروں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو جب بیٹے کے انکار پر بھی اتنی شفقت تھی تو دوسروں پر تو اس سے زیادہ ہوگی۔ غرضیکہ بیٹے کی سفارش اس حیثیت سے نہیں تھی کہ وہ بیٹا ہے بلکہ اس وجہ سے تھی کہ کسی اور کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔ اس کے بعد بیٹے کی سفارش میں بھی جب حضرت نوح علیہ السلام کو سخت تنبیہ کی گئی اور بار بار سفارش کرنے پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا احتمال گذرا تو اس کے تدارک کے لئے اور اپنی رضا کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں فنا کرنے کے لئے عرض کیا لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا، تو یہ دعا اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے تھی۔ اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ نوح علیہ السلام کی بددعا سے ہی یہ عذاب آیا ہے تو کئی افراد بلکہ کئی قبائل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بددعا کرنا بھی ثابت ہے۔ بس بددعا کرنے یا نہ کرنے کے مواقع کو انبیاء علیہم السلام ہی خوب جانتے ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت نوح علیہ السلام کے مقام پر ہوتے تو آپ بھی بددعا فرماتے۔ اور اگر طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر حضرت نوح علیہ السلام ہوتے تو یقینًا آپ بھی بددعا نہ کرتے۔ فقط والحمد للہ اوّلًا و آخرًا والصلوٰۃ والسلام علی رسلہ الکرام خصوصًا علی سیدنا الانام ما اختلفت اللیالی والایام وھو خیر ختام۔

رشید احمد

۵ محرم ۱۳۸۵ھ یوم الاربعاء

قال لهم اما انا فلا آكل متكئا انتهى قلت اختلفوا في هذا الباب بحسب اختلاف الاحاديث فيه فذهب الحسن البصري وابراهيم النخعي وقتادة الى كراهة الشرب قائما وروى ذلك عن انس رضي الله عنه وذهب الشعبي وسعيد بن المسيب وزاذان وطاؤس و سعيد بن جبير ومجاهد الى انه لا بأس به ويروى ذلك عن ابن عباس وابي هريرة وسعد وعمر بن الخطاب وابنه عبد الله وابن الزبير وعائشة رضي الله تعالى عنهم (عمدة القاري ج ۳ كتاب الحج) فقط والله تعالىٰ اعلم

غرہ محرم سنہ ۴۷ھ

سوال مثل بالا

سوال: کیا نہی عن الاکل قائماً کے متعلق کوئی مرفوع حدیث ہے بینوا توجروا

الجواب

جمع الفوائد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت منقول ہے (انس) نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن الشرب قائما وعن الاكل قائما للبزار والموصلي (جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۹۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ محرم سنہ ۴ھ ہجری

حدیث لا ترفع عنہم عصاک ادبا کا حوالہ

سوال: تربیت اولاد کے متعلق لا ترفع عنہم عصاک ادبا منقول ہے یا کہ حدیث ؟ اگر حدیث ہے تو اسکا حوالہ مطلوب ہے۔ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

حدیث ہے ولا ترفع عنہم عصاک ادبا واخفہم في الله رواه احمد (مشکوٰۃ جلد اول، باب الکبائر وعلامات النفاق الفصل الثالث) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ربیع الاول سنہ ۴ھ

تحقیق حدیث لولاک لما خلقت الافلاک

میں نے ایک سوال کے بارے میں تحریر ذیل لکھی ہے اسکے بارے میں اپنے نظریے سے آگاہ فرمائیں،

سوال: ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ حدیث "لولاک لما خلقت الافلاک" موضوع اور بے بنیاد ہے۔ ملا علی قاری نے اسے موضوع لکھا ہے۔

الجواب

بیشک ایک عالم صغانی نے اسے موضوع کہا ہے اور بعض دیگر علماء نے بھی، مگر سب محدثین نے نہیں۔ ازاں سوا، اگر بالفرض صغانی محدث کا قول قبول کر لیا جائے تو بھی وہ ظاہری الفاظ کے متعلق ہے نہ کہ حقیقت اور اصل معنی کے متعلق۔ کیونکہ بالمعنیٰ یہ حدیث صحیح ہے جس بزرگ نے صغانی کی طرف اسے موضوع کہنے کی نسبت کی ہے انھوں نے ہی (حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ) موضوعاتِ کبیر مطبع مجتبائی دہلی صفحہ ۵۹ میں لکھا ہے کہ "حدیث لولاک لما خلقت الافلاک" قال الصغانی انہ موضوع کذا فی الخلاصۃ لکن معناہ صحیح فقد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاً اتانی جبرئیل فقال یا محمد لولاک ما خلقت الجنۃ ولولاک ما خلقت النار وفی روایۃ ابن عساکر لولاک ما خلقت الدنیا

(۲) امام شہاب الدین احمد قسطلانی شارح بخاری نے کتاب مواہب لدنیہ میں نقل کیا ہے قال اللہ تعالیٰ لآدم یا آدم یا ابا محمد ارفع رأسک فرفع رأسہ فرأی نور محمد فی سرادق العرش فقال یا رب ما ھذا النور قال ھذا نور نبی من ذریتک اسمہ فی السماء احمد وفی الارض محمد لولاہ ما خلقتک ولا خلقت سماء ولا ارضا

(۳) یہی روایت حضرت شیخ علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی بھی انوار محمدیہ میں لائے ہیں۔

(۴) مذکورہ دونوں کتابوں (مواہب لدنیہ اور انوار محمدیہ) میں حضرت کعب احبار تابعی کا قول منقول ہے۔ حضرت کعب تورات اور انجیل کے بھی بڑے عالم تھے اور قرآن وحدیث کے بھی بڑے ماہر۔ حضرت کعب فرماتے ہیں۔ ان آدم وجمیع المخلوقات خلقوا لاجل محمد رواہ البیہقی۔

(۵) حق تعالیٰ حدیث قدسی میں ارشاد فرماتے ہیں۔ لولاک لما اظہرت الربوبیۃ (عطر الوردۃ فی شرح البردۃ از علامہ مولانا ذو الفقار علی دیوبندی)

(۶) حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نشر الطیب میں تحریر فرماتے ہیں عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ لآدم یا آدم لولا محمد ما خلقتک رواہ الحاکم وصححہ البیہقی والطبرانی

(۷) قال اللہ تعالیٰ یا آدم لولا محمد ما خلقتک وھو آخر الانبیاء (الدر النظیم فی مولد النبی الکریم مصری)

(۸) علامہ امام زرقانی شرح مواہب لدنیہ جلد اول میں لکھتے ہیں۔ عن ابی الد
الحاکم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسیٰ بن مریم لعیسیٰ لو
ماخلقت آدم ولا الجنۃ ولا النار وروی الحاکم مثلہ وصححہ ورواہ السبکی والم

(۹) قال اللہ تعالیٰ وعزتی وجلالی لولا محمد ما خلقت عرشا ولا کرسیا ولا ارضا ولا جنۃ ولا نارا ولا لیلا ولا نہارا وما خلقت جمیع الاشیاء الا لاجل سیدنا محمد (اصول النبی للقطب الربانی الشیخ عبد الرحیم البرعی) ظاہر فی ھذا الباب۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

میں اس تحریر سے متفق ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد عفی عنہ

سورۂ فاتحہ در کدام پارہ داخل است

سوال: سورۂ فاتحہ از اندرون پارہ ہست یا داخل در اول پارہ یا در غیر او، اگر در اول ہست پس نام او الحمد چرا نہادہ شد، اگر داخل در غیر اول ہست پس در اول چرا نہادند بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

سورۃ الحمد بمنزلہ متن ہست وجملہ قرآن بمنزلہ شرح، پس سورۂ فاتحہ نہ از جملہ قرآن خارج ونہ در جزء معین داخل، بلکہ مشترک ہست درمیان جملہ اجزاء، تقسیم قرآن نیز بثبوت پارہ پارہ از حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیست ونہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ این تجزیہ وتقسیم کردند بلکہ در نقل مصاحف بلا قصد محض اتفاقا این اجزاء مرتب شدند پس خارج ماندن جزء قرآن از پارہ جائز ہست کہ انحصار آن در پارہ ہا ثابت نیست۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ جمادی الاولی سنہ ۵۵ھ

حدیث نجد کی تحقیق

سوال: نجد سے متعلق جو حدیث میں آیا ہے ھنالک الزلازل والفتن وبہا یطلع قرن الشیطان، اس سے سلطان ابن سعود کے کفر یا فسق پر استدلال کیا جاتا ہے، اس حدیث کی تشریح فرما کر مطمئن فرمائیں۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت تک نجد میں کوئی صالح شخص پیدا ہی نہیں ہو سکتا سب کے سب کافر یا فاسق ہوں گے بلکہ حدیث میں کثرت شرور و غلبۂ شیطان کا بیان ہے چنانچہ علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں: وبنجد یطلع قرن الشیطان ای امته وحزبه قال کعب یخرج الدجال من العراق وان الفتنة تکون من تلک الناحیة وکذلک کانت وهی وقعة الجمل ووقعة صفین ثم ظهور الخوارج فی ارض نجد والعراق وما وراءها من المشرق۔ علامہ کرمانی شرح بخاری میں مذکورہ بالا عبارات کے علاوہ مزید تحریر فرماتے ہیں: وکذلک خروج الدجال ویاجوج وماجوج منها۔ امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں: والمراد بذلک اختصاص المشرق بمزید من تسلط الشیطان ومن الکفر کما قال فی حدیث اخر رأس الکفر نحو المشرق۔ غرضیکہ حدیث سے ہر فرد نجد کا کافر یا فاسق ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اگر کسی شخص کا صالح اور متقی ہونا واضح ہو تو قبیلہ یا شہر یا ملک میں غلبۂ شر کی وجہ سے اس پر "لا تزر وازرة وزر اخری" اور "ان اکرمکم عند اللّٰه اتقاکم" کے قانون سے کوئی دھبہ نہیں آ سکتا۔ نیز یاد رہے کہ سارے ملک عرب کے دو حصے ہیں۔ حجاز اور نجد۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک حجاز باقی سب مع عراق، بغداد، بصرہ، کوفہ وغیرہ نجد ہے۔ چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: "نجد و ماسوائے حجاز را گویند" اور ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "نجد هو اسم خاص لما دون الحجاز" اور علامہ عینی رحمہ اللہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں: نجد من المشرق وقال الخطابی نجد من جهة المشرق ومن کان بالمدینة کان نجده بادیة العراق ونواحیها وهی مشرق اهل المدینة۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: من کان بالمدینة الطیبة کان نجدها بادیة العراق ونواحیها وهی مشرق اهلها۔

المصباح المنیر میں ہے: تهامة من تهم الدهن واللحم تهما من باب تعب تغیر وانتن لانها انخفضت عن نجد فتغیرت ریحها۔ اور نجد کی تحقیق میں فرماتے ہیں: "نجد ما ارتفع من الارض" آگے فرماتے ہیں: وقال الصغانی کل ما ارتفع من تهامة الی ارض العراق فهو نجد وقال فی التهذیب کل ما وراء الخندق الذی خندقه کسری علی سواد العراق فهو نجد الی ان تمیل الی الحرة فاذا ملت الیها فانت فی الحجاز انتهى ملخصاً

صاحب المصابیح ملا علی قاری جمع الوسائل میں فرماتے ہیں۔ حجاز کا منخفض حصہ یعنی مکہ مکرمہ
اور اس کا جنوب تہامہ کہلاتا ہے۔ صاحب قاموس کی تحقیق سے بھی صاف ثابت ہوتا ہے کہ نجد
کی تخصیص جس حصہ کے ساتھ آجکل عرف عام میں بھی جاری ہے حقیقت سے بعید ہے نجد اپنے
وسیع معنوں میں ماورار حجاز کو شامل ہے۔ چنانچہ حضرت علی عمر کوفہ پر شہید ہوئے اور حضرت
حسین میدان کربلا میں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اما نجد فهو كل مكان مرتفع وهو اسم لعشرة مواضع
والمراد منها ههنا ما اخذ اقامة دا يمن واسفلها الشام والعراق۔ پس اس حدیث سے
جو حکم ابن سعود پر لگایا جاتا ہے جملہ اہل بغداد، کوفہ، یمن، عراق پر بھی لازم ہوگا۔ تا آنکہ یہ کہ
حدیث میں نجد سے مراد عراق ہے۔ کنز العمال میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاع اور
مد کے بارے میں برکت کی دعا کی اور پھر شام و یمن کے لئے دعائے برکت فرمائی تو ایک شخص
نے عرض کیا کہ حضور ہمارے عراق کے لئے بھی دعا فرمائیے۔ آپ نے سکوت کر کے فرمایا کہ وہاں تو
شیطانی گروہ اور فتنوں کا ظہور ہوگا اور ظلم مشرق میں ہے۔

اور مسند ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عراق کے
قصد پر کعب احبار رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ آپ کو عراق سے محفوظ
رکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ اس میں کیا خرابی ہے۔ کعب نے کہا
اس میں نو حصے شر ہے اور کل سخت عیب اس میں ہیں اور نافرمان جن اور ہاروت و ماروت
اور شیطان نے وہاں انڈے بچے دے رکھے ہیں۔ علامہ عینی و کرمانی کی مذکورہ بالا تحقیق بھی
اسی کی مثبت ہے۔ فقط واللہ الهادي الى الصواب والعاصم من موجبات الارتیاب

۲۹ صفر سنہ ۹۴ ہجری

وجہ تسمیہ آیت و رکوع و سورہ

سوال: آیت را آیت۔ رکوع را رکوع۔ سورت را سورت چرا نام نهاده شد؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

آیت در لغت علامت را گویند و آیت قرآنی علامت است بر انقطاع ما بعد از ما
قبل۔ و از کلمات قرآنی طائفه مخصوصه را ہم آیت مے گویند چرا که این طائفه کلمات علامت است
بر معنے خود۔ یا باین مناسبت که این طائفه مدخوله و مضروب علامت انقطاع است۔ و آیت

لغوی منقول ست از آیۃ کہ برائے تمییز شی از شی استعمال مے شود۔ علامت لغوی ہم ممیز ست
برائے ذی علامت از غیرہ۔ یا منقول ست از اوی الیہ بمعنی رجع چرا کہ رجوع کردہ مے شود بطرف
علامت برائے معرفت ذی علامت۔ وممکن ست کہ گرفتہ شود آیت قرآنیہ از منقول عنہ۔ امّا
از آیۃ پس ازیں سبب کہ علامت قرآنی ممیز ست برائے طائفہ از طائفہ دیگر و آیت بمعنی طائفہ
کلمات ممیز ست از طائفہ دیگر۔ و امّا از اوی الیہ پس ازیں سبب کہ علامت قرآنی بمنزلہ منزل ست
کہ قاری بآں رجوع مے کند و آیت بمعنی طائفہ مصحوب و مجاور ایں منزل ست۔ فلذا سمیت باسم
یا ازیں سبب کہ منزل قاری لفظ آخر ست از طائفہ کلمات فسمیت الطائفۃ باسم جزئہا الاخیر۔
قال البیضاوی رحمہ اللہ والآیۃ فی الاصل العلامۃ الظاہرۃ ویقال للمصنوعات من حیث
انہا تدل علی وجود الصانع وعلمہ وقدرتہ ولکل طائفۃ من کلمات القرآن المتمیزۃ
عن غیرہا بفصل واشتقاقہا من ای لانہا تبین ایّا من ایّ او من اوی الیہ و
اصلہا اییۃ کتمرۃ فابدلت عینہا الفا علی غیر قیاس او اَیِیَۃ او اَوَیَۃ کرمکۃ فاعلت
او آئیۃ کقائلۃ فحذف فتح الہمزۃ تخفیفا۔ وفی الحاشیۃ وفی آیۃ القرآن قولان فقیل
انہا العلامۃ لانقطاع الکلام الذی بعدہا من الذی قبلہا وقیل انہا جملۃ من
القرآن وطائفۃ من الحروف وقول المصنف من حیث اشارۃ الی القول الاول
وقولہ لکل طائفۃ اشارۃ الی الثانی فکان علیہ ان یمیز بین القولین ولذا لما اعترض
علیہ بانہ لم یصب فی خلطہما۔ وایضا فیہا قولہ ایّا من ایّ بالتشدید قیل معناہ
شی یسأل عنہ بایّ فالمعنی یمیز امرا مجہولا من آخر وقیل ان العبارۃ اٰیا من اٰی
بالمد ای شخصا من شخص لان الآی بمعنی الشخص وفیہ نظر قولہ او من اوی الیہ
لانہا بمنزلۃ المنزل یأوی الیہ القاری (تفسیر بیضاوی ص ۲۶)

رکوع در لغت بمعنی اطمینان آمدہ است و در وجہ تسمیہ طائفہ مخصوصہ از قرآن میتواں گفت
کہ قاری بعد از وصولش بدو وطے کردن منزلے از سفر مطمئن مے شود و وجہ ظاہر ایں ست کہ
قاری در تراویح ایں قدر خواندہ رکوع مے کند، وحکی عن القاضی الامام عماد الدین رحمہ اللہ
تعالیٰ ان مشائخ بخارا جعلوا القرآن خمسمائۃ واربعین رکوعا وعلموا الختم بہا لیقع الختم فی
اللیلۃ السابعۃ والعشرین رجاء ان ینالوا فضیلۃ لیلۃ القدر اذ الاخبار قد کثرت بانہا

---

[1] لکونہا علامۃ علی معناہا ۱۲ [2] لانہا یرجع الیہا لمعرفۃ ذی العلامۃ ۱۲

ليلة السابع والعشرين من رمضان وفي مصحف البلاد المعروفة معلمة بالآيات والتي سموها ركوعا وقد تقرر أنها تقرأ في كل ركعة (مبسوط ص ۱۴۶ ج ۲، عالمگیریہ ص ۹۴ ج ۱، خانیہ علی هامش العالمگیریہ ص ۲۳۹ ج ۱) ولو اطلع على معيار مقدار الركوعات وتعدادها فإن ختم ليلة السابع والعشرين فوضعوا الركوعات على ما تقتضيه من القراءة في كل ركعة والله اعلم

سورت نامیدن ست از سور البلد چرا که محیط ست طائفه قرآن را یا انواع علم را یا از سورة یعنی مرتبه چرا که سُوَر مثل منازل و مراتب اند که قاری آنها را قطع می کند. یا ازین سبب که هر سورت درجه در قصر و فضل و ثواب مرتبه می دارد، یا از سورة که بمعنی قطعه است. قال البیضاوی رحمه الله تعالی: إن جعلت واوها أصلية منقولة من سور المدينة لأنها محيطة بطائفة من القرآن مفرزة محوزة على حيالها أو محتوية على أنواع من العلم احتواء سور المدينة على ما فيها أو من السورة التي هي الرتبة قال ولرهط حراب وقد سورة في المجد ليس غرابها بمطار. لأن السور كالمنازل والمراتب يترقى فيها القارئ أو لها مراتب في الطول والقصر والفضل والشرف وثواب القراءة وإن جعلت مبدلة من الهمزة فمن السؤرة التي هي البقية والقطعة من الشيء (تفسير بيضاوی ص ۲۳) فقط والله تعالى اعلم

۳/جمادی الاولی سنہ ۹۵ ہجری

رکوع و پارہ کی تحقیق

سوال: قرآن کریم میں رکوع کس نے لگائے ہیں اور ان کا معیار کیا ہے؟ بظاہر ان کا کوئی معیار سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے کہ ان کی مقدار مختلف ہے اور اگر مضمون کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بعض مواقع ایسے بھی ہیں کہ مضمون ختم ہونے میں ایک دو آیتیں باقی ہیں مگر رکوع ختم ہوگیا، یا نئے مضمون کی ایک دو آیتیں گزرنے کے بعد نیا رکوع شروع ہوا، اگر رکوع کی مقدار کو سامنے رکھا جائے تو کیا اس کا کوئی ثبوت ہے؟ بظاہر احادیث کے ذریعہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح قرآن کریم کے تیس پارے کیسے اور کب شروع ہوئے، احادیث میں پاروں کا بھی کہیں ذکر نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

رکوع اور پاروں کا ثبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ملتا، مشائخ بخارا نے قرآن کریم میں پانچسو چالیس رکوع لگائے تاکہ تراویح میں ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے تو

ستائیس رمضان تک ایک ختم ہو جائے جیسے کہ متقدمین نے ہر دس آیات کے بعد تعاشیر علامات لگائیں جس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ تراویح کی ہر رکعت میں اتنی مق[دار] پڑھنے سے پورے مہینے میں قرآن کریم ختم ہو جائے گا کیونکہ پورے مہینے میں رکعات ترا[ویح] کی تعداد چھ سو ہے اور کل آیات چھ ہزار سے کچھ زائد ہیں۔

وروى الحسن عن ابى حنيفة رحمه الله تعالى ان الامام يقرأ فى كل ركعة عشر آيات ونحوها وهو الاحسن لان السنة فى التراويح الختم مرة وبما اشار اليه ابو حنيفة رحمه الله تعالى يختم القرآن مرة فيها لان عدد ركعات التراويح فى جميع الشهر ستمائة وعدد آى القرآن ستة آلاف وشىء فاذا قرأ فى كل ركعة عشر آيات يحصل الختم فيها۔ (مبسوط السرخسى ص۱۴۶ ج۲ الفصل السادس فى مقدار القراءة فى التراويح، خانية على هامش العالمگيرية ص۲۳۴ ج۱)

وحكى عن القاضى الامام عماد الدين رحمه الله تعالى ان مشائخ بخارا جعلوا القرآن خمسمائة واربعين ركوعا وعلموا الختم بها ليقع الختم فى الليلة السابعة والعشرين رجاء ان ينالوا فضيلة ليلة القدر اذ الاخبار قد كثرت بانها ليلة السابع والعشرين من رمضان وفى غير هذه البلاد المصاحف معلمة بالآيات والعشر ويسمون ركوعا تقرأ بها فى كل ركعة۔

(مبسوط ص۱۴۶ ج۲، عالمگیریہ ص۹۴ ج۱، خانیہ علی ہامش العالمگیریہ ص۲۳۴ ج۱)

رکوع کی مقدار کے بارے میں کوئی واضح چیز نظر سے نہیں گزری۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی مشہور قاری نے تراویح میں قرآن کریم ختم کیا اور جتنی مقدار تلاوت کرنے کے بعد ر[کوع] کرتے گئے اتنی مقدار پر تلامذہ نے رکوع کی علامت لگا دی۔

پاروں کے بارے میں بعض حضرات کا خیال ہے کہ ان کی تعیین قصداً نہیں کی گئی بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب قرآن کریم کو نقل کیا تو اتفاقاً تیس مساوی اجزاء میں مکمل ہوئی مگر اس خیال کا ثبوت کہیں نظر سے نہیں گزرا، نیز بقول بعض ناقص چھوڑ کر سب پاروں کے شروع اور نصف قرآن تک[عه] پورے امر اتفاقی میں ایسی مساوات بعید ہے بندہ کے خیال میں صحیح توجیہ یہ ہے کہ قرآن سے متعلق روایات مختلف ہیں تین روز، سات روز اور ایک ماہ، ایک مہینے میں قرآن کریم ختم کرنے

عه ظنی انہم صنعوا الستی اشیر الیہ منہ

پیشِ نظر اس کے تیس پارے متعین کر دیئے گئے جس طرح کہ ایک ہفتہ میں ختم کرنے والوں کے لئے سات منزلیں بنا دی گئیں۔
ولأكمال التسوية أفردوا الآية الأولى من سورة الحجر اعتمادا على فهم القارئ بأن المنزل قد تم على
آخر سورة ابراهيم - والله سبحانه وتعالى اعلم

۵ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۶ھ

تحقیق حدیث متعلق قضاء بشہادۃ زور

سوال: حنفیہ کے ہاں شہادت زور سے واقع شدہ قضا باطناً بھی نافذ ہے، پس حدیث بعضکم الحن من بعض الخ کا کیا جواب ہوگا۔ اس حدیث میں عدم نفاذِ قضا کی تصریح ہے۔ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس بارے میں شاہ صاحب کی تحقیق جو عرف شذی میں منقول ہے سب سے زیادہ شرح وبسط کے ساتھ ہے۔ وہو ہٰذا۔ قالوا ان حديث الباب يرد على الحنفية حين قالوا ان القضاء نافذ ظاهرا وباطنا وانكره البخاري رحمه الله في كتاب الحيل اشد الانكار اقول ليست المسألة ان ينكر ذلك الانكار فان عنوان المسألة هذا قضاء القاضي لشهادة الزور في العقود والفسوخ لا في الاملاك المرسلة اذا كان المحل قابلا للانشاء ولا يأخذ القاضي الرشوة نافذ ظاهرا وباطنا وقيود أخر ايضا، واما الاملاك المرسلة فهي ان يدعي ان هذا الشيء لي ولا يذكر سبب ملكه فانه قضاء ظاهرا لا باطنا واما وجه عدم نفاذه باطنا فذكر صاحب الهداية ان الشيء يتملك بأسباب عديدة فاذا قضى فالقضاء يكون بدون السبب ولا وجه لترجيح بعض الاسباب على بعض فيكون ترجيحا بلا مرجح والوجه ان العقود والفسوخ في يد القاضي وقدرته بخلاف الاملاك المرسلة فعلى ما ذكر قلنا انه اذا ادعى رجل نكاح امرأة وشهد شاهدان فحكم القاضي بنكاحه حل له الاستمتاع وزعم خصومنا انا اخترنا هذا الارتكاب بلا نكير والحال ان هذا الزعم فاسد وعلى المدعي والشاهدين وزر الآخرة كما قال الشيخ في الفتح وخلاف العراقيين والحجازيين في ان النكاح صحيح ام لا والمرأة منكوحة ام لا فقال الحجازيون انها تقوم عنده ولا تمكنه من نفسها وقلنا انها تمكنه من نفسها ثم قال جماعة منا ان القضاء بمنزلة النكاح حتى قالوا انه يجب عند هذا القضاء شاهدان مثل ما يكون الشاهدان في النكاح وقيل لا يجب الشاهدان لان القضاء ليس بنكاح صريح بل النكاح في

عنه واتفقنا على ان القضاء قائم مقام التكاح واما حديث الباب فلا يرد علينا فانه فيمن هو الحق بحجته ولا نقول بان القضاء نافذ بمحض ذلك اللحن بل يجب الشاهدان وغيرهما من الشروط ونقول ايضا ان الحديث فى الاملاك المرسلة فانه فى الميراث كما خرجه ابوداود صـ۱۴۸ ج ۲ وقد يدور بالبال انه مع الحل باطنا من النار لا فى الكذب ابتداء فقط بل مستمرا ونظيره ما ذكره فى رد المحتار فى نكاح الرقيق فى من وطئ جارية ابنه وادعى الولد والاسهل ان يقال انه قطعة له من النار من جهة السبب فهو فى نفسه حلال نعم لا بحلة فالسبب تحقق ابتداء ولا اتصاف مستمر كما قال بعض ارباب الفنون ان التحقق مرة يصدق الاطلاق العام مستمرا اوانه حكم من جهة السبب وبمثله قالوا فى حديث عمار رضى الله عنه تقتله الفئة الباغية يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار واما حجتنا فذكر الطحاوى حين بوب على المسألة واتى بشئ لطيف من باب التفقه ينكر ارباب تصنيفنا واقعة على رضى الله تعالى عنه انه ادعى عنده رجل نكاح امرأة وشهد شاهدا الزور فحكم على رضى الله تعالى عنه بالنكاح فقامت امرأة فقالت والله اعلم انه كاذب فانكحنى به امير المؤمنين كى لا يأثم فقال على رضى الله عنه شاهداك زوجاك الا ذكره محمد رحمه الله فى الاصل ولا يذكرون سند هذه الواقعة ولم اجد السند وظنى انها لا تكون بلا اصل ومن الحافظ رحمه الله تعالى على الاثر ولم يرده بزيادة الرد ولم يقبله ايضا فدل على انه ليس بلا اصل (عرف شذى صـ۳۰۳)

امام طحاوی رحمہ اللہ نے حدیث متلاعنین اور حدیث اختلاف المتبایعین فی الثمن سے استدلال کیا ہے۔ ونصہ فقد علمنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو علم الکاذب منہما (ای الزوجین) بعینہ لم یفرق بینہما ولم یلاعن لو علم ان المرأۃ صادقۃ لحد الزوج بقذفہ ایاہا۔ ولو علم ان الزوج صادق لحد المرأۃ بالزنا الذی کان منہا فلما خفی الصادق منہما علی الحاکم وجب حکم آخر فحرم الفرج علی الزوج فی الباطن والظاہر ولم یرد ذلک الی حکم الباطن (الی قولہ) وقد حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المتبایعین اذا اختلفا فی الثمن والسلعۃ قائمۃ انہما یتحالفان ویترادان فتعود الجاریۃ الی البائع ویحل لہ فرجہا ویحرم علی المشتری ولو علم الکاذب منہما بعینہ اذا لقضی بما یقول الصادق ولم یقض بفسخ بیع ولا بوجوب حرمۃ فرج الجاریۃ المبیعۃ علی المشتری الخ (شرح

(ارشاد الساری ص ۲۹۵ ج ۲)

وقال في فيض الباري قوله امن امثوه من اسعد الناس بشفاعتي وتصحه راو ورد عليه من الحنفية) حديث الباب وثم لو يغفر باطلا الحشائل وصفة النبي صلى الله عليه وسلم رغبت وهذا وصف الحكم ويمكن ان يكون شيء يوصف بذلك ثم لا يدخل عنه في النار كالسؤال فانه يترتب عليه الثار ثم لا يلزم ان يكون كل سؤال يدل فلا يتخلف عنه تعارض فاذ يعم وصف الشيء بحال الجنس ايضا واذا لم تحقق في الافراد كلها وتحققه في البعض يعم وصفه به باعتبار الجنس و يلحظ في قوله صلى الله عليه وسلم فانه لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب الوصف في الفاتحة الحكم بالوجوب على المقتدي في الحالة الراهنة وسيأتي له في موضعه ان شاء الله تعالى (فيض الباري ص ۲۳۳ ج ۲)

وفي بذل المجهود ولا يخالف هذا الحكم الحديث الوارد فيه فان الحديث يقتضي قضيته له من حق اخيه شيئا في العقود والفسوخ لا يقضي بحق اخيه شيئا بحكم بالعقد او الفسخ الذي هو حق الحاكم اذا قضى القاضي في غير صورة العقد ثم لا ينفذ حكمه الا ظاهرا واما في الباطن عند الله تعالى فلا ينفذ حكمه لانه حق اخيه وهو ليس تحت القضاء (بذل المجهود ص ۲۳ ج ۲)

فقط والله تعالى اعلم وعلمه اتم واحکم

۱۵ ربیع الاول سنہ ۷۶ ہجری

۷ احرف کی تشریح

سوال: حدیث میں وارد ہوا ہے ان هذا القرآن انزل على سبعة احرف اور آجکل جو قراءات معروف ہیں وہ دس تک ہیں تو یہ قراءتیں زیادہ کیسے ہو گئیں، بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حدیث میں سبعۃ احرف سے معروف سات قراءتیں مراد نہیں بلکہ اختلاف قراءت کے انواع مراد ہیں۔

(۱) صیغ اسماء

(۲) صیغ افعال

(۳) اختلاف اعراب

(۴) کمی بیشی

(۵) تقدیم وتاخیر

(۶) الفاظ مترادفہ

(۷) صفات حروف

قال الحافظ رحمہ اللہ تعالی وقد حمل ابن قتیبۃ وغیرہ العدد المذکور علی الوجوہ التی یقع بها التغایر فی سبعۃ اشیاء الاول ما تتغیر حرکتہ ولا یزول معناہ ولا صورتہ مثل ولا یضار کاتب ولا شهید بنصب الراء ورفعها الثانی ما یتغیر بتغیر الفعل مثل وبعد بین اسفارنا وباعد بین اسفارنا بصیغۃ الطلب والفعل الماضی الثالث ما یتغیر بنقط بعض الحروف المهملۃ مثل ننشرها بالراء والزاء الرابع ما یتغیر بابدال حرف قریب من مخرج الآخر مثل طلح منضود فی قراءۃ علی وطلع منضود الخامس ما یتغیر بالتقدیم والتاخیر مثل وجاءت سکرۃ الموت بالحق فی قراءۃ ابی بکر الصدیق وطلحۃ من المصرف وزین العابدین وجاءت سکرۃ الحق بالموت السادس ما یتغیر بزیادۃ ونقصان کما تقدم فی التفسیر عن ابن مسعود وابی الدرداء واللیل اذا یغشی والنهار اذا تجلی والذکر والانثی هذا فی النقصان واما فی الزیادۃ فکما تقدم فی تفسیر تبت یدا ابی لهب فی حدیث ابن عباس وانذر عشیرتک الاقربین ورهطک منهم المخلصین السابع ما یتغیر بابدال کلمۃ بکلمۃ ترادفها مثل العهن المنفوش فی قراءۃ ابن مسعود وسعید بن جبیر کالصوف المنفوش وهذا وجه حسن

وقال ابو الفضل الرازی الکلام لا یخرج عن سبعۃ اوجه فی الاختلاف، الاول اختلاف الاسماء من افراد وتثنیۃ وجمع او تذکیر وتانیث الثانی اختلاف تصریف الافعال من ماض ومضارع وامر الثالث وجوه الاعراب الرابع النقص والزیادۃ الخامس التقدیم والتاخیر السادس الابدال السابع اختلاف اللغات کالفتح والامالۃ والترقیق والتفخیم والادغام والاظهار و

نحوذلک (قلت) وقد اخذ کلام ابن قتیبۃ ونقحہ (فتح الباری ص ۲۲ ج ۹)

ابتداء تنزیل میں لوگ اسلوب قرآنی سے ناواقف تھے، مختلف علاقوں اور مختلف قبیلوں کے لوگوں کے علاوہ بوڑھے بدوی اور ناخواندہ لوگوں کو ایک اسلوب پر چلانے میں حرج تھا اسلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سات اقسام کے الفاظ کی اجازت عطا فرمائی ان سات اقسام میں ہر شخص کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ اپنی مرضی سے قرآن کریم میں ردو بدل کرے بلکہ یہ مختلف قراءات اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین تھیں بعد میں جب لوگ اسلوب قرآنی سے واقف ہوگئے تو عرضۂ اخیرہ یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دَورِ قرآن کے وقت بہت سی قراءات منسوخ کردی گئیں، اس کے بعد جو قراءات باقی رہیں ان کی رعایت رکھتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع قرآن کے وقت رسم الخط ایسا اختیار فرمایا جس میں سب قراءات کے مطابق پڑھنے کی گنجائش ہو، مثلاً ملك کو مَلِكِ، مٰلِكِ اور مالك تینوں طرح پڑھا جاسکتا ہے ایسے ہی قل کو بصیغۂ امر اور بصیغۂ ماضی دونوں طرح پڑھنے کی گنجائش ہے۔ مصاحف عثمانیہ میں نقاط، اعراب وغیرہ کو ترک کرکے اس رسم الخط میں مزید وسعت پیدا کردی گئی مثلاً ننشرها پر نقطے نہ لگائے جائیں تو اسے ننشر اور ننشز دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے بعض قراءات اس رسم الخط میں نہ سما سکیں تو ان کو دوسرے مصحف میں مستقلاً لکھوادیا، اس قسم کے سات مصاحف لکھوا کر مختلف اطراف میں بھجوائے اور ان کے ساتھ قراء بھی بھیجے لوگ ان مصاحف سے ان قراء کی تعلیم کے مطابق قراءات سیکھتے۔ اس زمانے میں مذکورہ بالا سات اقسام کے اندر قراءات کی بہت بڑی تعداد تھی، مگر بعد میں ان میں سے دس کی زیادہ شہرت ہوگئی، بقیہ کو وہ شہرت حاصل نہ ہوئی، پھر ان دس قراءات میں سے بھی سات زیادہ مشہور ہوگئیں اس لئے سبع قراءات اور عشر قراءات کا عرف ہوگیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ معروف سبع قراءات کو سبعۃ احرف کا مصداق سمجھنا صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ جمادی الثانیہ سنہ ۹۶ھ

ضربت علیہم الذلۃ الخ پر اشکال کا جواب

سوال: کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ میں کہ قرآن کریم کی آیت وضربت

علیھم الذلۃ والمسکنۃ و باءوا بغضب من اللہ سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم یہود ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گی اور فقر و فاقہ میں مبتلا رہے گی اور قیامت تک ان کی حکومت قائم نہ ہوگی، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہود قوم متمول چلی آرہی ہے اور ان کی موجودہ حکومت بھی اسرائیل کے نام سے قائم ہے بلکہ ایک مرتبہ عرب ان سے شکست بھی کھا چکے ہیں۔

ذرا لطف و کرم آیت کا مطلب اور شبہات کا جواب بفضل اللہ مدلل تحریر فرمائیں اور ذلت و مسکنت کی بھی وضاحت کریں تاکہ کمزور ایمان والوں کے دلوں سے شکوک کے کانٹے نکل جائیں۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہود کی ذلت وغیرہ سے متعلق قرآن کریم میں چار جگہ ذکر آیا ہے۔

(۱) وضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباءو بغضب من اللہ ذلک بانھم کانوا یکفرون بآیت اللہ ویقتلون النبیین بغیر الحق ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون۔ (۲-۶۱)

(۲) واذ تاذن ربک لیبعثن علیھم الی یوم القیمۃ من یسومھم سوء العذاب ان ربک لسریع العقاب وانہ لغفور رحیم۔ (۷-۱۶۷)

(۳) ضربت علیھم الذلۃ این ما ثقفوا الا بحبل من اللہ وحبل من الناس وباءو بغضب من اللہ وضربت علیھم المسکنۃ ذلک بانھم کانوا یکفرون بآیت اللہ ویقتلون الانبیاء بغیر حق ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون۔ (۳-۱۱۲)

(۴) اذ قال اللہ یعیسی انی متوفیک ورافعک الی ومطھرک من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیمۃ۔ (۳-۵۵)

ان آیات سے یہود کے لئے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) ذلت

(۲) مسکنت

(۳) دوسری قوموں کا مسلط رہنا اور ان کے ہاتھوں مختلف مصائب کا شکار ہوتے رہنا

(۴) مغلوبیت

(۱) ذلت سے مراد حکم قتل ہے، الا بحبل من اللہ سے مراد یہ ہے کہ راہب، نابالغ اور عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا، اور حبل من الناس سے مستأمن اور اہل ذمہ کا استثناء مقصود ہے۔

(۲) مسکنت کے معنی فقر وفاقہ کے نہیں بلکہ پستی کے معنی مراد ہیں جیسے دعاء اللّٰھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین میں مسکنت بمعنی فقر وفاقہ نہیں ہے بلکہ تواضع وانکسار اور فروتنی کے معنی میں ہے۔ پستی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی جلالت اور عظمت شان کے سامنے تواضع وانکسار، یہ نعمت ہے اور دعا میں یہی مراد ہے۔

دوسری اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے ذلت وخواری میں ابتلاء، یہ عذاب ہے یہود پر دوسری قسم کی پستی مسلط کردی گئی ہے وہ خود بھی اپنے کو ذلیل سمجھتے ہیں جسے دوسرے لفظوں میں احساس کمتری کہا جاتا ہے۔ نیز ہمیشہ کے لئے مغلوبیت اور معذب فی الدنیا ہونے سے بڑھ کر کیا پستی اور ذلت ہوسکتی ہے ان دونوں امور کا بیان آگے آرہا ہے۔

(۳) یہود قوم پر ہمیشہ کے لئے کچھ ایسی طاقتیں مسلط رہیں گی جو ان کو طرح طرح کی پریشانیوں اور مصائب میں مبتلا رکھیں گی۔

(۴) مسلمان اور نصاریٰ قیامت تک یہود پر غالب رہیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں مسلمان اور نصاریٰ دونوں داخل ہیں۔ نصاریٰ میں اتباع ناقص ہے اور مسلمانوں میں اتباع کامل۔ اور آیت قرآنیہ دونوں قسم کے اتباع کو شامل ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں اور نصاریٰ کی حکومتوں کا مجموعہ یہودی حکومت پر غالب رہے گا۔ اس تفصیل کے بعد اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا اس لئے کہ قرآن کریم میں یہودیوں کی حکومت کی نفی نہیں کی گئی ہے بلکہ مسلمانوں اور نصاریٰ کی مجموعہ حکومتوں کے مقابلہ میں یہود کی مغلوبیت کی پیشگوئی کی گئی ہے جس کے صدق میں کوئی شبہ نہیں۔ اسی طرح ان کے فقر وفاقہ اور تنگدستی کی کوئی پیشگوئی نہیں، بلکہ مغلوب اور معذب رہنے کی ذلت وپستی کی پیشگوئی ہے جس کی تفصیل اوپر بیان ہوچکی ہے۔

آیت ۵۵ سے متعلق یہ بھی کہا جا سکتا ہے بلکہ یہی زیادہ ظاہر ہے کہ اتباع سے کامل اتباع مراد ہے اور نصاریٰ سب کے سب اور مسلمانوں کی اکثریت اتباعِ کامل سے منحرف ہے اور کسی صفت پر جب کوئی حکم لگایا جاتا ہے تو وہ اکثریت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ: وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین، وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم: نعم اذا کثر الخبث، پس اگر خدانخواستہ کسی وقت یہود کی حکومت مسلمانوں اور نصاریٰ کی مجموعی حکومتوں کے مقابلہ میں بھی غالب ہو جائے تو بھی فیصلہ قرآنی کے خلاف نہ ہوگا، البتہ اتنا ضروری ہے کہ یہود پر قیامت تک کسی نہ کسی قوم کی طرف سے کوئی نہ کوئی آفت آتی رہے گی۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ جمادی الاولیٰ ۹۲ھ

حدیث سبحان من زین الرجال الخ کا حوالہ

سوال: عام طور پر حدیث سننے میں آتی ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت کی یہ تسبیح ہے

سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب، اس کا حوالہ مطلوب ہے؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کنوز الحقائق لعبد الرؤف المناوی علی ہامش الجامع الصغیر ص۱۴۳ ج۱ میں بحوالہ حاکم صرف اتنی حدیث منقول ہے: سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب، اور ص۱۸۵ ج۲ میں بحوالہ مسند الفردوس للدیلمی یہ الفاظ ہیں: ملائکۃ السماء یستغفرون لذوائب النساء و لحی الرجال، امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مفصل روایت نقل فرمائی ہے، ونصہ وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ان للہ تعالیٰ ملائکۃ تسبیحہم سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالقرون الذوائب (المبسوط ص۱۴۲ ج۳۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۲ھ

مودودی صاحب میں مفسر کی شرائط نہیں

سوال (۱) قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کے لئے کن باتوں کا ہونا لازمی ہے؟

(۲) مودودی صاحب میں کون سی باتیں موجود ہیں سوال نمبر ۱ کے حوالہ سے۔

(۳) ایک عام فہم آدمی عربی سے ناواقف کے لئے کونسی تفسیر زیادہ موزوں ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قال المولی احمد بن مصطفی المعروف بطاش کبری زادہ فی "مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ" ثم اعلم ان العلماء کما بینوا فی التفسیر شرائط بینوا فی المفسر ایضا شرائط لا یحل التعاطی لمن عری عنها او هو فیها راجل (وهی) ان یعرف خمسة عشر علما علی وجه الاتقان والکمال (احدها) اللغة اذ بها یعرف شرح مفردات الالفاظ ومدلولاتها الوضعیة قال مجاهد لا یحل لاحد یؤمن بالله والیوم الآخر ان یتکلم فی کتاب الله تعالی اذا لم یکن عالما بلغات القرآن ونقل ایضا ذلک عن الامام مالک ولا یکفی معرفة الیسیر منها اذ لا یأمن ان یکون اللفظ مشترکا وهو ذاهل عن احد المعنیین او المعانی والمراد المعنی الآخر (الثانی) النحو اذ یختلف المعانی ویتبدل باختلاف الاعراب کما روی عن الحسن انه قال تعلموا العربیة فان الرجل یقرأ الآیة فیعیا بوجوهها فیهلک فیها (الثالث) التصریف اذ به معرفة الابنیة والصیغ کما نقل عن ابن فارس انه قال کم من کلمة یجهل معناها فیستفید ما وردها (وقال) الزمخشری من بدع التفاسیر قول من قال ان الامام فی قوله تعالی یوم ندعوا کل اناس بامامهم جمع ام وان الناس یدعون یوم القیمة بامهاتهم دون آبائهم قال وهذا غلط اوجبه جهله بالتصریف فان اما لا یجمع علی امام (الرابع) الاشتقاق لان الکلمة یختلف معناها باشتقاقها من مادتین مختلفتین کالمسیح هل هو من السیاحة او المسح (الخامس) و(السادس) و(السابع) المعانی والبیان والبدیع اذ بالاول یعرف خواص الترکیب من جهة افادتها المعنی وبالثانی خواصها من حیث اختلافها بحسب الزیادة فی الوضوح والنقصان فیه وبالثالث وجوه تحسین الکلام وهذه العلوم الثلاثة هی علوم البلاغة الاولان ذاتیان والثالث عرضی وهی من اعظم ارکان المفسر لانه لا بد له من مراعاة ما یقتضیه الاعجاز وانما یدرک بهذه العلوم الا ان ملاک الامر فیه اما السلیقة کالاعراب الخلص ومن یجری مجراهم او الذوق الذی هو الآلة فی اکتساب البلاغة ولا یمکن تحصیلها بدونه، قال السکاکی فی حق المعانی والبیان فالویل کل الویل لمن تعاطی التفسیر وهو فیهما راجل (الثامن) علم القراءات اذ به یعرف کیفیة النطق بالقرآن وبه یرجح بعض الوجوه المحتملة علی بعض (التاسع) اصول الدین لان فی القرآن آیات

لا یجوز ظاهرها فی حق الله تعالیٰ فالاصولی یأول ذلک ویستدل علی ما یجوز فی حقه تعالیٰ لمعرفة ما یستحیل فی حقه تعالیٰ وما یجب وما یجوز لا یمکن الا به (العاشر) اصول الفقه اذ به یعرف وجوه الاستدلال علی الاحکام والاستنباط (الحادی عشر) اسباب النزول والقصص اذ بسبب النزول یعرف به معنی الآیة بحسب ما انزلت فیه (الثانی عشر) الناسخ والمنسوخ لیعلم المحکم من غیره (الثالث عشر) الفقه (الرابع عشر) الاحادیث المبینة لتفسیر المجمل والمبهم (الخامس عشر) علم الموهبة وهو علم یورثه الله تعالیٰ لمن عمل بما علم والیه الاشارة بحدیث من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم یعلم "واعلم" ان هذه العلوم هی العلوم التی لا مندوحة للمفسر عنها والا فعلم التفسیر لا بد له من التبحر فی کل العلوم، واما العلوم المستنبطة من القرآن فبحور لا ساحل لها، وربما خطر ببالک ان العلوم الوهبیة لیست فی قدرة البشر بل ذلک امر یختص بفضله سبحانه من غیر تکسب من العبد فنقول معنی العلوم الوهبیة ان یحصل فی الانسان حالة کشفیة تنکشف معها العلوم والمعارف بلا تعمل بعد اکتساب بل یحصل لطف الذهن الموهبی لکن تحصیل تلک الحالة داخل تحت القدرة وحاصلة بالمباشرة بان لا یکون فی القلب بدعة ولا یوجد فیه حب الدنیا والاصرار علی الذنب وان لا یتحقق[۵۵] بالایمان او یتحقق به علی ضعف وان لا یعتمد فی باب التفسیر علی قول مفسر لیس عنده علم او یرجع الی عقله القاصر وهذه العلوم کلها تحجب عن حصول الکشف وموانع عنه بعضها اکثر من بعض

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ تفسیر لکھنے کے لئے پندرہ علوم میں مہارت تامہ کا ہونا ضروری ہے
(۱) لغت (۲) نحو (۳) صرف (۴) اشتقاق (۵) معانی (۶) بیان (۷) بدیع (۸) علم القرأت
(۹) اصول الدین (۱۰) اصول فقہ (۱۱) اسباب النزول والقصص (۱۲) ناسخ منسوخ (۱۳) فقہ
(۱۴) احادیث (۱۵) علم الموہبۃ

مودودی صاحب کو ان علوم سے تو کیا واسطہ ہوتا انھیں تو محض عربی زبان پر بھی پوری قدرت نہیں، ان کی کتابوں کے عربی ترجمے مولانا مسعود عالم ندوی نے کئے ہیں اگر ان کو کسی علم سے کچھ واقفیت ہے بھی تو وہ صرف انگریزی کے مطالعہ تک محدود ہے، انھوں نے کوئی علم کسی مستند درسگاہ

۵۵؎ ای ان لا یکون فیه متحققا بالایمان او ضعیف التحقیق کذا فی الاتقان عن الزرکشی ج ۲ ص

سے حاصل نہیں کیا۔ ماہر اساتذہ کی زیرِ نگرانی تحصیل علوم کے بغیر صرف مطالعہ سے کوئی فن حاصل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کوئی شخص دنیا بھر کی کتب طب قدیم و جدید کا مطالعہ کر لے تو بھی اسے حکیم یا ڈاکٹر کی سند نہیں دی جا سکتی اور نہ ہی اس کو علاج معالجہ کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے جب تک کہ کسی معتبر ادارہ میں ماہر اساتذہ کی نگرانی میں علم حاصل نہ کرے۔ پھر مودودی صاحب میں علم الموہبۃ کی شرائط کے وجود کا تو کیا ہی کہنا۔ نیز حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن مبین کے حاملین اوّلین ہیں اس لئے انکے ساتھ عداوت رکھنے والوں اور انکی شان میں گستاخی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ علوم قرآن کی نعمت عطا نہیں فرماتے جیسے کہ روافض عداوتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی وجہ سے حفظ قرآن کی دولت سے محروم ہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بالخصوص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جامع قرآن ہیں لہٰذا آپ کے ساتھ بغض رکھنے والے کو دولتِ قرآن ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی۔ شرائط مفسر میں علم الموہبۃ بھی ہے بغض صحابہ اور علم الموہبۃ ایک قلب میں جمع نہیں ہو سکتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیانت کو مخدوش کرنا درحقیقت قرآن کریم کی صداقت کو مجروح کرنا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الآخرہ سنہ ۹۸ھ

النکاح بین العیدین کی تحقیق

سوال: کیا نکاح بین العیدین حدیث ہے اور کیا واقعی عیدین کے درمیانی دو مہینوں شوال اور ذی قعدہ میں نکاح ٹھیک نہیں جیسا کہ ہمارے دیار میں مشہور ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عیدین کے درمیانی مہینوں شوال اور ذی قعدہ میں نکاح اور زفاف دونوں بلا کراہت جائز ہیں اسے کیسے ناجائز کہا جا سکتا ہے جبکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے زیادہ محبوب ترین زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شوال ہی میں نکاح کیا اور شوال ہی میں رخصتی ہوئی۔ باقی رہا "النکاح بین العیدین"۔ اوّل تو یہ حدیث صحیح نہیں اور اگر بالفرض اسے صحیح مان لیا جائے تو اس میں عیدین سے مراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ نہیں بلکہ جمعہ اور صلوٰۃ العید مراد ہیں اور اس سے مقصد قاعدہ کلیہ کا بیان نہیں بلکہ یہ واقعہ جزئیہ ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ سردی کے زمانے میں جبکہ دن چھوٹے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید سے فارغ ہوئے تو کسی نے نکاح پڑھانے کی درخواست کی ہوگی تو آپ نے

یہ ارشاد فرمایا ہوگا کہ دونوں نمازوں کے بیچ میں نہیں، مطلب یہ تھا کہ جمعہ کا افضل وقت نکاح کی نذر نہ ہو جائے اسلئے اس سے عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی منحۃ الخالق (تنبیہ) قال فی البزازیۃ والبناء والنکاح بین العیدین جائز وکرہ الزفاف والمختار انہ لا یکرہ لانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تزوج بالصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فی شوال وبنی بہا فیہ وتأویل قولہ علیہ السلام لا نکاح بین العیدین ان صح انہ علیہ السلام کان رجع عن صلوٰۃ العید فی اقصر ایام الشتاء ویوم الجمعۃ فقال ذلک حتی لا تفوتہ الرواح فی الوقت الافضل اھ (شامیہ ص ۲۳۷ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ ذی الحجہ سنہ ۹۵ ہجری

طوفان نوح علیہ السلام عام تھا

سوال: طوفان نوح عام تھا یا خاص؟ اس کا جواب ضرور عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم ملہم الصواب

باری تعالیٰ کا ارشاد وجعلنا ذریتہم الباقین وقولہ لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا وقولہ وقلنا احمل فیہا من کل زوجین اثنین سے اس طوفان کا عام ہونا معلوم ہوتا ہے اس آیت کی تفسیر میں ترمذی کی روایت بھی اسی کی مؤید ہے اسلئے جمہور کا یہی مسلک ہے بعض نے خصوص کا قول بھی روایت کیا ہے اور آیات میں حصر اضافی اور ارض معہود کی تاویل کی ہے مگر اسکے قائل بہت قلیل ہیں۔ اگر عموم عذاب سے بعثت عامہ کا شبہ کیا جائے حالانکہ بعثت عامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے تو اسکے یہ جواب دیئے جا سکتے ہیں۔

(۱) قال الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ ورأیت فی بعض الکتب ولا ادری الآن ای کتاب ہو ان نوحا علیہ السلام لم یرسل الا بالتوحید ونحوہ من اصول العقائد ولم یرسل بفروع۔ پس جب نوح علیہ السلام کی بعثت صرف توحید وغیرہ اصول دین کے ساتھ ہوئی اور تمام انبیاء علیہم السلام اصول دین میں متحد ہیں تو یہ سزا توحید کی مخالفت کی وجہ سے عام ہوئی۔

(۲) نبی کی بعثت اگرچہ خاص ہو مگر ہر قوم پر اسکی نبوت کی تصدیق ضروری ہے اگرچہ التزام طاعت ضروری نہیں لہٰذا تکذیب اور انکار نبوت کی وجہ سے عذاب عام ہوا۔

(۳) اس وقت دنیا کی آبادی ہی محدود تھی اور جو آبادی تھی وہ نوح علیہ السلام کی قوم میں سے تھی اسلئے عذاب سب پر نازل ہوا اور عموم بعثت کے معنی یہ ہیں کہ اقوام کثیرہ کی طرف بعثت ہو ورنہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی عموم بعثت کا اشکال ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ رجب المرجب سنہ ۸۸ھ

سات زمینوں کی تحقیق

سوال: ارشاد باری تعالیٰ "اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت ومن الارض مثلھن" سے معلوم ہوا کہ جیسے آسمان سات ہیں اسی طرح زمینیں بھی سات ہیں مگر یہ زمینیں ہمارے اوپر ہیں یا نیچے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بعض کہتے ہیں کہ زمین ایک ہی ہے اور مثلیت بعض صفات میں مراد ہے عدد میں نہیں مگر یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ سات زمینوں کا وجود احادیث صحیحہ سے ثابت ہے مگر شریعت نے انکی جگہ نہیں بتائی اسلئے اس بارے میں اقوال مختلف ہیں۔

(۱) سات زمینیں ایک دوسری کے اوپر ہیں اور ہر دو کے درمیان فصل ہے۔

(۲) پہلے آسمان کے اوپر دوسری زمین ہے پھر دوسرے آسمان کے اوپر تیسری زمین، علیٰ ہٰذا القیاس چھٹے آسمان کے اوپر ساتویں زمین ہے اور اسکے اوپر ساتواں آسمان۔

(۳) اقالیم سبعہ مراد ہیں۔

(۴) معادن یا مٹی کے سات طبقات مراد ہیں۔

قول اول راجح ہے کیونکہ یہ بعض احادیث سے بھی ثابت ہے اور جمہور کا قول بھی یہی ہے قال الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ والمثلیۃ تصدق بالاشتراک فی بعض الاوصاف فقال الجمہور ھی مثلھن فی کونھا سبعا وکونھا طباقا بعضھا فوق بعض بین کل ارض وارض مسافۃ کما بین السماء والارض وفی کل ارض سکان من خلق اللہ عز وجل لا یعلم حقیقتھم الا اللہ تعالیٰ وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما انھم ملائکۃ او جن (الی ان قال) وکون ما بین کل ارضین خمسمائۃ سنۃ کما بین کل سماءین جاء فی اخبار صحیحۃ کالذی اخرجہ الامام احمد والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الحدیث (روح المعانی ص ۱۳۲ ج ۲۸)

تحقیقات جدیدہ کے مطابق اگر چاند وغیرہ سیاروں کی زمین کے ساتھ مماثلت ثابت ہو جائے تو وہ قول مذکور کے مطابق ہے۔ سبعہ سیارہ میں سے شمس کے سوا باقی سیارات کی زمین سے مماثلت بتائی جاتی ہے سو بشمول ارض سات کا عدد پورا ہو جاتا ہے۔ اور اگر سیارات مزید ثابت ہو جائیں تو شاید ارض کے ساتھ ان کی مماثلت من کل وجہ نہ ہو اور من کل وجہ مماثلت بھی ثابت ہو جائے تو سات کے عدد میں احتمال تکثیر ہے، نیز عدد اقل اکثر کی نفی نہیں کرتا۔

اور دو سیاروں کے درمیان فصل اگر پانچ سو سال کی مسافت کے مطابق نہ ہو تو اس عدد کو بھی تکثیر کے لئے لیا جا سکتا ہے۔ وہو معروف فی کلام العرب، فتح الباری میں ایک روایت اکثر یا اکثر کی بھی منقول ہے اس سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ اعداد تکثیر کیلئے ہیں نہ کہ تحدید۔ بعض روایات میں ہے کہ بقیہ زمینیں ہماری زمین کے نیچے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات میں نیچے ہوتی ہیں اور بعض میں اوپر چونکہ زمین کے مفہوم میں تحتانیت ملحوظ ہے اس لئے صرف نیچے ہونا بیان کیا گیا۔ اگر کوئی یہ دعوی کرے کہ سیارات پر کوئی مخلوق نہیں اور نہ ہی وہاں کسی جاندار کے زندہ رہنے کا امکان ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عدم وجدان عدم وجود کی دلیل نہیں، بالخصوص جبکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ وہ مخلوق ملائکہ یا جنات ہیں اور یہ امر مسلم و مشاہد ہے کہ ملائکہ اور جنات کے وجود و عدم اور ان کے مدار زندگی کے فقدان کا فیصلہ انسان نہیں کر سکتا۔ بہرکیف اسلم یہ ہے کہ اس تحقیق میں نہ پڑا جائے کہ یہ زمینیں کہاں ہیں؟ صرف اتنا عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ سات زمینیں ہیں۔ واللہ اعلم بکما ھا وکیفیاتھا و سکانھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ربیع الاول سنہ ۹۵ھ

تحقیق حدیث فی کل ارض آدم کآدمکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم و نوح کنوحکم وابراہیم کابراہیمکم وعیسیٰ کعیسیٰ ونبی کنبیکم الخ کیا یہ درست ہے؟ پہلی زمین اور دوسری زمین میں کتنا فاصلہ ہے؟ کیا ہر ایک زمین میں اس طرح نبی گزرے ہیں اور اس طرح آدمی ہیں؟ مع الکتب مع عبارات تحریر فرمائیں کہ مولوی صاحب کا قول درست ہے یا غلط؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

قال الحافظ رحمه الله تعالیٰ عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنہما فی هذه الآیة "ومن الارض مثلهن" قال فی کل ارض مثل ابراهیم ونحو ما علی الارض من الخلق هکذا اخرجه مختصرا واسناده صحیح واخرجه الحاکم والبیهقی من طریق عطاء بن السائب عن ابی الضحیٰ مطولا واوله ای سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراهیم کابراهیمکم وعیسیٰ کعیسیٰ ونبی کنبیکم قال البیهقی اسناده صحیح الا انه شاذ بمرة (فتح الباری ص ج ۶)

وقال الحافظ ابن کثیر رحمه الله تعالیٰ وهکذا ما یذکره کثیر من اهل الکتاب وتلقاه عنهم طائفة من علمائنا من ان هذه الارض من تراب والتی تحتها من حدید والاخریٰ من حجارة من کبریت والاخریٰ من کذا فکل هذا اذا لم یخبر به ویصح سنده الی معصوم فهو مردود علی قائله. وهکذا الاثر المروی عن ابن عباس انه قال فی کل ارض من الخلق مثل ما فی هذه حتی آدم کآدمکم وابراهیم کابراهیمکم فهذا ذکره ابن جریر مختصرا واستقصاه البیهقی فی الاسماء والصفات وهو محمول ان صح نقله عنه علی انه اخذه ابن عباس عن الاسرائیلیات (البدایة والنهایة ص ج ۱)

وقال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ والمثلیة تصدق بالاشتراک فی بعض الاوصاف فقال الجمهور هی فی کونها سبعا وکونها طباقا بعضها فوق بعض بین کل ارض وارض مسافة کما بین السماء والارض وفی کل ارض سکان من خلق الله عز وجل لا یعلم حقیقتهم الا الله تعالیٰ وعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنہما انهم املائکة او جن واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم والحاکم وصححه والبیهقی فی شعب الایمان وفی الاسماء والصفات من طریق ابی الضحیٰ عنه انه قال فی الآیة سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم وآدم کآدمکم ونوح کنوح وابراهیم کابراهیم وعیسیٰ کعیسیٰ قال البیهقی واسناده صحیح ولکنه شاذ بمرة لا اعلم لابی الضحیٰ علیه متابعا وذکر ابو حیان فی البحر نحوه عن الحبر وقال هذا حدیث لا شک فی وضعه وهو من روایة الواقدی الکذاب واقول لا مانع عقلا ولا شرعا من صحته والمراد ان فی کل ارض خلقا یرجعون الی اصل واحد رجوع بنی آدم فی ارضنا الی آدم علیه السلام وفیهم افراد ممتازون علی سائرهم کنوح وابراهیم وغیرهما فینا ـ واخرج ابن ابی حاتم والحاکم وصححه عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنہما

مرفوعاً ان بین کل ارض والتی تلیها خمسمائة عام والعلیا منها علی ظهر حوت قد التقی طرفاه فی السماء والحوت علی صخرة بید ملک والثانیة مسجن الریح ۔ والثالثة فیها حیاتها ۔ والسادسة فیها عقاربها والسابعة فیها سقر فیها ابلیس مصفد بالحدید ید امامه ویدا خلفه یطلقه الله تعالیٰ لمن یشاء وهو حدیث منکر کما قال الذهبی لا یعول علیه اصلاً فلا تغتر بتصحیح الحاکم ومثله فی ذلک اخبار کثیرة فی هذا الباب ولولا خوف الملل لذکرناها لکن کون ما بین کل ارضین خمسمائة سنة کما بین کل سماءین جاء فی اخبار معتبرة کما روی الامام احمد والترمذی عن ابی هریرة الخ

(روح المعانی ص ۱۳۳/۲۸)

ان عبارات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

① یہ مضمون حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔

بعض حضرات نے اسے موقوف علی السماع ہونے کی وجہ سے بحکم مرفوع قرار دیا ہے، مگر اسکا اس نے یقین نہیں کیا جا سکتا کہ اسرائیلیات سے لینے کا احتمال ہے کما افادہ الحافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ

② اس کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف نسبت کی صحت میں اختلاف ہے، صحت راجح معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ اگرچہ حاکم کی تصحیح قابل اطمینان نہیں مگر ذہبی کی تصحیح بلاشبہ معتبر ہے اس کی وجہ بندہ کی کتاب ارشاد القاری الی صحیح البخاری میں ملاحظہ فرمائیں

③ اس کی روایت میں ابو الضحیٰ متفرد ہیں۔

بظاہر یہ امر روایت کی صحت کو مخدوش کر رہا ہے کہ ایسے عجیب العجائب مضمون کو سوائے ایک شخص کے اور کوئی روایت نہیں کرتا، مگر اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بخوف فتنہ اسے چھپاتے تھے چنانچہ درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔ لو حدثتکم بتفسیرها لکفرتم وکفرکم تکذیبکم بها

خلاصہ یہ کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف نسبت کی صحت راجح ہے مگر بحکم مرفوع ہونے میں کلام ہے۔

مطلب

بعض اکابر نے لکھا ہے کہ بقیہ اراضی میں مخلوق کا وجود ثابت ہے اور انکی قوم باد سے

ثابت ہوتا ہے کہ ان کی طرف انبیاء علیہم السلام بھی مبعوث ہوئے ہیں۔ نیز "یتنزل الامر بینھن" سے بھی ثابت ہوا کہ سب زمینوں میں وحی نازل ہوتی ہے، اس لئے اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حقیقت پر مبنی ہے یعنی دوسری زمینوں میں بھی انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی ہے، آگے دو احتمال ہیں ایک یہ کہ انکے نام آدم، ابراہیم بطور تشبیہ ہوں۔ دوسرا یہ کہ واقعۃً انکے بھی یہی نام ہوں "نبی کنبیکم" سے احتمال اول کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

مگر دوسرے محققین نے اس سے اتفاق نہیں کیا اسلئے کہ بقیہ زمینوں میں مخلوق کا ہونا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، اور اگر مخلوق کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو وہ بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ملائکہ یا جنات ہیں اور نبی کا انسان ہونا لازم ہے، اور انسان کا صرف جنات کی طرف مبعوث ہونا اور دوسرے انسانوں سے الگ صرف جنات ہی کی بستی میں رہنا بعید ہے انکے برعکس دوسری زمینوں کے جنات کی ہدایت کا اس زمین کے انبیاء علیہم السلام سے متعلق ہونا اور ان کا یہاں آکر ہدایت پانا کچھ بعید نہیں، اور "یتنزل الامر بینھن" میں امر سے تکوینی امر مراد لیا جاسکتا ہے۔

باقی رہا صرف یہی اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سو اولاً تو شبہ اسرائیلیات کی وجہ سے اسکا محمل تلاش کرنے میں کاوش کی چنداں حاجت نہیں بالخصوص جبکہ خود صاحب اثر بھی اسے چھپاتے تھے کما مر من الدر المنثور، ثانیاً اسکا محمل یہ ہو سکتا ہے کہ جیسے ہماری زمین میں سیدنا و محتاز حضرات ہیں اسی طرح دوسرے طبقات میں بھی سید اور ممتاز افراد ہیں، کما افتری من الروح اور "نبی کنبیکم" میں نبی بمعنی لغوی ہو سکتا ہے۔

غرضیکہ اولاً تو یہ حدیث نہیں بلکہ اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے۔ پھر اس کا ثبوت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مختلف فیہ ہے، پھر اسرائیلیات میں سے ہونے کا شبہ ہے، پھر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اسکا محمل واضح ہے، مگر ہوس نبوت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ایسی کمزور بنیاد پر کتنی بڑی عمارت کھڑی کر رہے ہیں کہ جب زمین کے دوسرے طبقات میں بھی انبیاء ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہ ہوئے، ان کی مثال بس وہی ہے من احسن بنیانہ علی شفا جرف ھار فانھار بہ فی نار جھنم، نص قرآنی اور قطعی و اجماعی عقیدہ کے ناقابل تسخیر قلعہ کو تنکے کے سہارے ڈھانا چاہتے ہیں قاتلھم اللہ انی یؤفکون، علاوہ ازیں بالفرض اگر دوسرے طبقات میں انبیاء علیہم السلام کا وجود تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے یہ کیسے

ثابت ہوا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے ہیں یا ان میں سے کوئی آپ کا ہمسر ہے
تشبیہ کے لئے مساوات ضروری نہیں، آپ کی نبوت کا عموم اور ختم نبوت نصوص قطعیہ سے
ثابت ہونے کی وجہ سے لازماً یہی کہنا پڑیگا کہ دوسرے طبقات میں اگر انبیاء گزرے ہیں تو حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل گزرے ہیں۔ آپ کی نبوت جمیع طبقات کے لئے عام ہے، اس پر یہ
اشکال نہیں ہو سکتا کہ آپ سے دوسرے طبقات کے استفادہ کی کیا صورت ہے؟ اس لئے کہ
وہاں بستے ہی جنات ہیں اور انھیں استفادہ کے لئے ہماری زمین پر آنے میں کوئی دقت نہیں
نیز یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مثالیہ کام کر رہی ہو، بلکہ یہ
احتمال سب انبیاء علیہم السلام میں ہے، اس طرح تشبیہ "اشتراک فی الاسم" کو بھی شامل سمجھ کر
علی سبیل التسلیم تحریر کر دیا ہے ورنہ حقیقت وہی ہے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ دوسرے
طبقات میں حضرات انبیاء علیہم السلام کا وجود ثابت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ صفر سنہ ۹۷ ہجری

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا

سوال: کیا کسی حدیث میں موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے
تفصیل سے تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حدثنا هداب بن خالد وشيبان بن فروخ قالا اخبرنا حماد بن سلمة البنانى وسليمان التيمى عن انس بن مالك رضى الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت وفى رواية هداب مررت على موسى ليلة اسرى بى عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلى فى قبره (صحیح مسلم ص ۲۶۸ ج ۲) مختلف طرق سے یہ حدیث مروی ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ ربیع الاول سنہ ۹ھ

سب سے اول کیا پیدا ہوا؟

سوال: ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو
چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور تھا پھر آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز
اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میری روح تھی، پھر آپ نے فرمایا کہ جو شے سب سے پہلے

پیدا ہوئی وہ میری عقل تھی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جو چیز سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کی تھی وہ قلم تھا تو اب ان چاروں حدیثوں سے بندہ کو خلجان ہو گیا لہٰذا مہربانی کر کے بندہ کے شک کو رفع کیا جائے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ رأیت فی الدر المنثور نقلا عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان اول شیء خلقہ اللہ القلم (الی ان قال) وفی الدر ایضا عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اول شیء خلق اللہ القلم ثم النون (وفی الدر الروایۃ الی ان قال) و روی ان اول ما خلق اللہ العقل و ان اول ما خلق اللہ نوری و ان (الی ان قال) ما خلق اللہ روحی وانہ اول ما خلق اللہ العرش والاولیۃ من الامور الاضافیۃ فیؤول ان کل واحد مما ذکر خلق قبل ما هو من جنسہ فالقلم خلق قبل جنس الاقلام ونورہ قبل الانوار (الی قولہ) ومنہ اول ما خلق نوری وفی روایۃ روحی ومعناهما واحد اھ (مرقاۃ ص۱۶۶ ج۱)

خلاصہ یہ کہ روح اور نور کے ایک ہی معنی ہیں اور بقیہ اشیاء میں اولیت سے اولیت اضافیہ مراد ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الآخر سنہ ۸۹ ھ

تشریح حدیث من هذا الرجل ؟

سوال: قبر میں میت سے منکر نکیر دریافت کرتے ہیں من هذا الرجل الذی بعث فیکم؟ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قبر میں حاضر ہوتے ہیں یا روضۂ اقدس سے قبر تک پردہ حجاب اٹھایا جاتا ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر دکھائی جاتی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگرچہ احتمال یہ بھی ہے کہ قبر میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مثالیہ پیش کی جاتی ہو یا قبر اور روضۂ اطہر کے درمیان سے حجاب اٹھا دیا جاتا ہو مگر احادیث کے ظاہر اور تبادر عقل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اور صفات سامیہ بیان کرنے کے بعد دریافت کیا جاتا ہے۔ بهذا الرجل ولم یقل برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لئلا یکون تلقینا للحجۃ قال عیاض یحتمل انہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل للمیت فی قبرہ والاظهر

انہ سمی لہ انتہی یعنی لاجل التبادر من قولہ فی الصحیحین عن انس رضی اللہ تعالی عنہ فیقولان ما کنت تقول فی ہذا الرجل محمد وکذا فی روایۃ ابن المنکدر عن اسماء رضی اللہ تعالی عنہا عند احمد رحمہ اللہ ولہ من حدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا ما ہذا الرجل الذی کان فیکم (ارشاد القاری ص۳۴۳) فقط واللہ تعالی اعلم

۔ ربیع الاول سنہ ۹۱ھ

کتب حدیث کی تاریخ تالیف

سوال : بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابن ماجہ، موطا، نسائی، مسند امام احمد، سنن ابو داود، سنن دارمی اور سنن امام شافعی، یہ کتابیں کس کی لکھی ہوئی ہیں اور کس سن ہجری میں لکھی گئی ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مذکورہ کتابوں کے مؤلف خود سوال میں کتاب کے ساتھ مذکور ہیں۔ موطا دو ہیں، موطا امام مالک، موطا امام محمد۔ ان محدثین کی تواریخ وفات یہ ہیں۔

(۱) موطا امام مالک بن انس متوفی سنہ ۱۷۹ ہجری
(۲) موطا امام محمد متوفی سنہ ۱۸۹ ہجری
(۳) مسند الامام الشافعی متوفی سنہ ۲۰۴ھ

(یہ تین کتابیں دوسری صدی کی ہیں)

(۴) صحیح بخاری متوفی سنہ ۲۵۶ ہجری
(۵) صحیح مسلم متوفی سنہ ۲۶۱ ہجری
(۶) سنن ابی داود متوفی سنہ ۲۷۵ ہجری
(۷) سنن الترمذی متوفی سنہ ۲۷۹ ہجری
(۸) سنن نسائی متوفی سنہ ۳۰۳ ہجری
(۹) سنن ابن ماجہ متوفی سنہ ۲۷۳ ہجری
(۱۰) مسند امام احمد متوفی سنہ ۲۴۱ ہجری
(۱۱) مسند دارمی متوفی سنہ ۲۵۵ ہجری

یہ سب کتابیں تیسری صدی کی ہیں (ارشاد القاری ص۲۵) فقط واللہ تعالی اعلم

۱۲ ربیع الاول سنہ ۹۳ھ

تشریح حدیث من رأی منکم منکرا الخ

سوال : حدیث من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ الخ کی کیا تفسیر ہے ؟ بازار میں عام لوگ ڈاڑھی منڈے ہوں فسق و فجور میں مبتلا نظر آتے ہیں کیا ان سب کو تبلیغ کرنا فرض ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

حدیث میں استطاعت سے حسی استطاعت مراد نہیں ، اسلئے کہ اس صورت میں عدم استطاعت متصور ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ بادشاہ کو بھی طمانچہ مارنے کی حسی استطاعت تو سب میں موجود ہے ، اسلئے استطاعت سے مراد یہ ہے کہ جسے تبلیغ کرنا چاہتا ہے اسکے شر سے محفوظ رہ سکے نیز اگر قبول کی توقع نہ ہو تو تبلیغ ضروری نہیں ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ذی الحجہ سنہ ۹۴ ہجری

تشریح حدیث للمسلم علی المسلم ستۃ حقوق

سوال : حدیث للمسلم علی المسلم ستۃ حقوق الخ کی کیا تفسیر ہے ؟ کیا ہر شہری کے ذمہ لازم ہے کہ وہ دن میں کم از کم ایک مرتبہ ہسپتال جا کر بیماروں کی تیمار داری کرے ۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر ذمہ کے ہر مسلم کی عیادت ہر مسلم پر واجب ہو تو نہ عیادت کرنے والوں کو کسی دوسرے کام کی فرصت مل سکتی ہے اور نہ ہی مریض کو چین و آرام کی ساعت میسر آ سکتی ہے لہذا حدیث مخصوص ہے اہل تعلق و اہل معرفت کے ساتھ ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ ذی الحجہ سنہ ۹۴ ہجری

امر بالمعروف کی طرح نہی عن المنکر بھی فرض ہے

سوال : امر بالمعروف کرنا اور نہی عن المنکر نہ کرنا مخرج عن عہدۃ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ہے یا نہیں ۔ اور وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ مقصود نصیحت کرنے سے اصلاح الغیر ہے اور نہی عن المنکر سے نفرت اور ضد پیدا ہوتی ہے اسلئے امر بالمعروف کرنا کافی لاصلاح الغیر ہے بلکہ زیادہ موثر ہے اس سے کہ اجتماع بین الامر والنہی ہو جائے اور کہتے ہیں کہ ہم نے اسکا تجربہ کیا ہے ۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر دو مستقل مامور بہ ہیں ایک پر عمل سے دوسرے سے فارغ الذمہ نہیں ہوگا البتہ نہی عن المنکر میں ملاطفت اور ہمدردی کا اظہار ضروری ہے ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ محرم سنہ ۹۵ھ

عاشوراء میں توسیع علی العیال سے متعلق حدیث :

سوال : عام طور پر مشہور ہے کہ جو شخص یوم عاشوراء کو اپنے اہل وعیال پر فراخی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورے سال فراخی و وسعت عطا فرماتے ہیں ، کیا شرعًا اس کی کچھ اصل ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارہ میں ایک حدیث مشہور ہے جسے امام احمد ، عقیلی ، ابن قیسرانی ، ابن جوزی ، ابن تیمیہ ، ابن قیم اور حافظ ابن حجر جیسے جبال حدیث نے غیر ثابت قرار دیا ہے البتہ دوسرے بعض نے موضوع کی بجائے ضعیف کہا ہے ۔ مگر فضائل میں بھی عمل بالضعیف کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ کسی قاعدہ شرعیہ میں داخل ہو اور اسے سنت نہ سمجھا جائے (علائی) یہاں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں ، یہ کسی کلیہ شرعیہ کے تحت نہیں اور عوام اسے سنت سمجھتے ہیں ، محرم سے متعلق احادیث موضوعہ کا طومار اسے اور زیادہ فروغ بنا رہا ہے علاوہ ازیں اس میں اور بھی کئی قبائح ہیں جن کی تفصیل بندہ کے رسالہ " منکرات محرم " میں ہے ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم ـــ ۲۰ ربیع الآخر سنہ ۹۵ھ

" واللہ یعصمک من الناس " کا وعدہ بعد الموت کو بھی شامل ہے :

سوال : کچھ علماء و واعظین یہ قصہ بیان کرتے ہیں کہ سلطان نور الدین زنگی کو خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ دو سرخ گنجے میری مرقد منور پر حملہ آور ہیں ان کا تعاقب کرو اور کیفر کردار تک پہنچاؤ ، نیز ان سرخ رنگ یہودیوں کا مثالی حلیہ بھی دکھایا گیا تھا ۔ سلطان مرحوم نے مع سپاہ و فوج مدینہ منورہ پہنچ کر ان کا سراغ لگایا اور انہیں پہچان کر قتل کیا ملخصاً ، یہ قصہ کیا مبنی بر حقیقت ہے ؟ اور کس مستند اسلامی کتاب میں موجود ہے ؟ اگر " واللہ یعصمک من الناس " کا وعدہ ما بعد الموت کے لئے بھی ہے تو سلطان کو حفاظت کی کیا ضرورت تھی ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ واقعہ صحیح ہے ۱۹۳۲ء میں اسکا وقوع ہوا اور آج تک اُمت میں اس تواتر سے چلا آتا ہے کہ کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔ کثر علماء نے اس کو اپنی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم نے فضائل حج میں سیرت کی معتبر و مقبول عام کتاب وفاء الوفاء جلد اول کے حوالہ سے اس کو بالتفصیل نقل فرمایا ہے۔ واللہ یعصمک من الناس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا جو انتظام فرمایا گیا تھا بظاہر یہ حیات و بعد الممات دونوں کو شامل ہے۔ واللہ یعصمک من الناس سے ما فوق العادۃ ذرائع سے حفاظت مراد ہے جو واقعۂ مذکورہ میں حاصل ہے لہٰذا یہ واقعہ آیت مذکورہ کے خلاف نہیں بلکہ اسکا مظہر ہے اور اس خاص ذریعہ میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسلام کے معجزہ کا اظہار ہو، اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر تک جانے کی کسی کو ویسے ہی قدرت نہ ہوتی تو معجزہ کا اظہار نہ ہوتا اس کی ایک نظیر حضرت حذیفہ و جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کرامت ہے۔ ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں شاہِ عراق ملک فیصل اول کو فرمایا کہ ہماری قبروں کو دوسری جگہ منتقل کرو یہاں دجلہ کا پانی آرہا ہے چنانچہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ ان حضرات کی نعشوں کو وہاں سے نکالا گیا، اور لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے اسکا مشاہدہ کیا اور بے شمار کافر یہ کرامت دیکھ کر اسلام لائے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ نعش ہائے مبارک کا کفن حتیٰ کہ ریش مبارک کے بال تک بالکل صحیح حالت میں تھے۔ دیکھنے والوں کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ شاید انھیں رحلت فرمائے دو تین گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں گزرا، دونوں حضرات کی آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں اور ان میں اتنی پر اسرار چمک تھی کہ دیکھنے والا ان سے آنکھیں نہ ملا سکتا تھا، اس واقعہ کے ایک عینی شاہد لطافت حسین صاحب کا مکتوب ماہنامہ "صدق جدید" لکھنؤ ۱۱ر دسمبر سنہ ۱۹۳۲ء اور ماہنامہ "دار العلوم" دیوبند ستمبر ۱۹۵۸ء مطابق صفر ۱۳۷۸ھ میں شائع ہوا ہے۔ اس میں بھی یہی معجزۂ اسلام کے اظہار کی حکمت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھے کہ دریا کا پانی انکی قبور کی طرف نہ آنے دیتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ر رجب سنہ ۹۵ ہجری

حدیث "الدنیا جیفۃ" الخ کا حوالہ

سوال: "الدنیا جیفۃ وطالبہا کلاب" کیا یہ حدیث صحیح ہے۔ اگر ہے تو کس کتاب میں ہے؟ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ مضمون بلاشبہ حدیث سے ثابت ہے البتہ سرسری نظر سے بعینہ یہ الفاظ نہیں ملے۔

اوحی اللہ الی داؤد علیہ السلام یا داؤد مثل الدنیا کمثل جیفۃ اجتمعت علیھا الکلاب یجرونھا افتحب ان تکون کلبا مثلھم فتجر معھم (کنز العمال صلا ۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۴ھ

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے متعلق حدیث

سوال: کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عوام کے کوڑے پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا؟ اس کی وجہ کیا تھی اور یہ ذکر کونسی کتاب میں ہے عوام کے کوڑے پر یا کسی بھی جگہ پر ایسا کیا تھا اس کی مکمل تفصیل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عن حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی سباطۃ قوم فبال قائما ثم دعا بماء فمسح علی خفیہ (رواہ ابوداؤد فی باب البول قائما)

حدیث مذکور میں اس کی تصریح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا۔ علماء نے اس کی مختلف وجوہ بیان فرمائی ہیں۔

(۱) آپ کے گھٹنوں میں درد تھا۔

(۲) کمر میں درد تھا ان دونوں دردوں کیلئے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مفید خیال کیا جاتا تھا

(۳) آپ زرہ پہنے ہوئے تھے اس لئے بیٹھنے پر قدرت نہ تھی۔

(۴) بیٹھ کر پیشاب کرنے کی حالت میں کپڑے نجس ہونیکا خطرہ تھا۔

بہرحال بلا عذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شرعاً ممنوع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو کسی عذر پر محمول کیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ ذی قعدہ سنہ ۹۲ھ

"رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ الخ" پر اشکال کا جواب

سوال: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی تھی رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ و من ذریتی، اس میں من تبعیضیہ ہے جس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ مجھے اور میری بعض اولاد کو نماز قائم کرنے والے بنا اور بعض دیگر کے حق میں یہ دعا نہیں ہے حالانکہ چاہیے یہ کہ ہماری تمام اولاد متقی بنیں۔ کیا ہم اس وقت یہ دعا پڑھ سکتے ہیں۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحب وحی تھے، آپ کو بذریعہ وحی معلوم کرا دیا گیا تھا کہ آپ کی بعض اولاد نیک نہیں ہوگی۔ لا ینال عہدی الظالمین، ومن ذریتہما محسن وظالم لنفسہ مبین۔ اس لئے آپ کی دعا میں "من ذریتی" میں من تبعیض کے لئے ہے آپ اس دعا میں کوئی تغیر نہ کریں بلکہ من کو "تبیین یا ابتداء" کے لئے لیکر جمیع ذریت کی نیت کر لیا کریں۔

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فی تفسیر قولہ تعالیٰ ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا الخ ومن ابتدائیۃ متعلقۃ بھب ای ھب لنا من جہتہم وجوزان تکون بیانیۃ کانہ قیل ھب لنا قرۃ اعین ثم بینت القرۃ وفسرت بقولہ من ازواجنا وذریتنا وھذا مبنی علی مجیٔ من للبیان وجواز تقدیم المبین علی المبین (روح المعانی ص ۴۹ ج ۱۹)

فکذلک یمکن الشق بھذا مثلاً اجعل اقامۃ الصلوٰۃ من ذریتی او اجعل مقیم الصلوٰۃ من ذریتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

تحقیق حدیث عرض اعمال

سوال: ایک پمفلٹ کا تراشا ارسال خدمت ہے جس میں تحریر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر عرض اعمال کی روایت باجماع محدثین موضوع ہے اس بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرما کر مطمئن فرمائیں۔

محدثین کا اجماع ہے کہ عرض اعمال کی یہ روایت من گھڑت ہے، روایت یوں ہے: عن ابن المبارک انا رجل من الانصار عن المنہال بن عمرو انہ سمع سعید بن المسیب یقول لیس من یوم الا یعرض فیہ علی النبی امتہ غدوۃ وعشیۃ فیعرفہم باسمائہم واعمالہم فلذلک یشہد علیہم۔ ترجمہ: ابن المبارک نے کہا کہ مجھ سے ایک انصاری شخص نے اور اس نے منہال

ابن عمرو سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے سعید بن مسیب (تابعی) کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرتا کہ نبی پر آپ کی امت صبح و شام پیش نہ کی جاتی ہو لہذا آپ امتیوں کو ان کے ناموں اور اعمال کے ساتھ پہچان لیتے ہوں تاکہ ان پر گواہی دیں، یہ حدیث نہیں بلکہ ایک تابعی سے منسوب کی جانیوالی خرافات ہے۔ پھر رجل من الانصار کا نام ہے نہ پتہ، نہ کسی حدیث کی کتاب میں اس روایت کا ذکر ہے۔ قرآن کریم یہ قاعدہ کلیہ بیان فرماتا ہے۔ وَمِن وَرَآئِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (المؤمنون آیت ۱۰۰) ترجمہ: اب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ (آڑ) حائل ہے، دوسری زندگی کے دن تک (المؤمنون آیت ۱۰۰)

وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ (احقاف آیت ۵) اور وہ ان کی پکار سے غافل ہیں۔

یہی بات صحیح بخاری میں مختلف مقامات پر آئی ہے مثلاً يجاء برجال من امتي فيؤخذ بهم ذات الشمال فاقول يا رب اصحابي فيقال انك لا تدري ما احدثوا بعدك فاقول كما قال العبد الصالح وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ (المائدہ) فيقال ان هؤلاء لم يزالوا مرتدين على اعقابهم منذ فارقتهم (بخاری ص [illegible])

ترجمہ: نبی نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا اور پھر بائیں طرف (جہنم کی طرف) لے جائے جانے لگیں گے تو میں کہوں گا کہ میرے رب! یہ تو میرے اصحاب ہیں (جہنم کی طرف کہاں چلے) اس وقت مجھ سے خطاب کیا جائیگا کہ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا بدعتیں نکالی تھیں، جواباً میں وہی کہوں گا جو عبد صالح (عیسیٰ علیہ السلام) کا قول قرآن میں ہے کہ میں جب تک انہیں قیام پذیر رہا ان کے احوال کی نگرانی کرتا رہا اور جب تو نے مجھے وفات دیدی تو صرف تو ان پر نگران باقی رہ گیا۔ پھر مجھے بتایا جائیگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے رخصت ہو جانے کے بعد ہمارا الٹے پیروں واپس پھر گئے (بخاری ص [illegible])

اس سے معلوم ہوا کہ اگر نبی پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہوتے تو ان کو ان بدعتیوں کے معاملہ میں یہ تعجب نہ ہوتا۔ نبی کا زندگی میں یہ حال تھا کہ وہ فرماتے تھے تعرض الاعمال يوم الاثنين والخميس فاحب ان يعرض عملي وانا صائم (رواہ الترمذی) ترجمہ: نبی نے فرمایا کہ اعمال اللہ کی بارگاہ میں دوشنبہ اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں اسلئے میں محبوب رکھتا ہوں کہ ان دونوں میں جب میرے اعمال بارگاہ ایزدی میں پیش ہوں تو میں روزہ سے ہوں (ترمذی مشکوٰۃ) معلوم ہوا کہ اعمال انسانی اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں۔

دفع الوسواس
عن
قصة القرطاس

قصۂ قرطاس کی حقیقت

سوال: حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت مشہور واقعۂ قرطاس کی حقیقت کیا ہے، اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں ان کی تفصیل اور تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں وفات سے چار روز قبل پنجشنبہ کے دن اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ قرطاس یعنی کاغذ لاؤ میں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بیماری کی تکلیف زیادہ ہے لہٰذا آپ کو زحمت نہ دینا چاہیے اور ضروری احکام کے لئے کتاب اللہ کافی ہے اور بعض نا معلوم الاسم لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ لکھوا لینا چاہیے۔ اس اثناء میں کچھ لوگوں نے "جن کا نام کسی روایت میں مذکور نہیں" کہا اھجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استفہموہ، یعنی کیا آپ کی جدائی کا وقت آگیا؟ آپ سے پوچھو (کیا؟) پھر اس وقت نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تحریر کے لکھوانے کا قطعی حکم دیا اور نہ اس کے بعد کسی اور وقت میں اس کے متعلق کچھ فرمایا حالانکہ چار روز تک اس کے بعد دنیا میں تشریف فرما رہے۔

قصہ تو صرف اسی قدر ہے جو اوپر بیان ہوا، مگر اہل تشیع نے بڑی بے باکی کے ساتھ اس قصہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تین اعتراض بڑے زور شور سے کئے ہیں۔

(۱) حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا کہ یہ شخص ہذیان بکتا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک) ہجر کے معنی ہذیان بکنے کے لیتے ہیں اور اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ قرار دیتے ہیں۔

(۲) ایسی ضروری تحریر جس کے بعد قیامت تک گمراہی کا اندیشہ نہ رہتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ لکھنے دی، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی بھی ہوئی اور تمام مسلمانوں کا نقصان بھی۔

(۳) حضرت عمر نے حسبنا کتاب اللہ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی ضرورت نہیں۔

اعتراض اول کا جواب: (۱) لفظ ہجر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نہیں۔ کتب اہل سنت

میں کوئی ایک صحیح روایت بھی اس افتراء کے ثبوت میں نہیں مل سکتی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ کسی روایت میں یہ نہیں کہ یہ لفظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بھی تحفۂ اثنا عشریہ میں یہی لکھا ہے۔ شیعہ علماء بھی جنہیں تجسس بد عیب جوئی کی خاص مشق ہوتی ہے درجنوں کی درجنوں کئی سو برس سے ایسی روایت کی تلاش میں ہیں مگر مطالبات کے باوجود آج تک کوئی روایت نہیں پیش کر سکے۔ لہٰذا اگر کسی عالم اہل حق نے اسے مقولۂ عمر رضی اللہ عنہ تسلیم کیا ہے تو انہیں دھوکہ ہوا ہے کیونکہ شیعہ نے اپنی افتراء پردازی کو کچھ اس طرح شہرت دی اور عوام میں اس قدر پھیلایا کہ اس عام شہرت سے بعض خواص بھی دھوکہ کھا گئے جس کی بہت سی نظائر موجود ہیں۔ مثلاً امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب میں متعہ کا جواز اس قدر مشہور کیا گیا کہ صاحب ہدایہ جیسے محقق دھوکہ کھا گئے۔ کسی بڑے سے بڑے عالم کا دھوکہ میں آجانا کچھ مستبعد نہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے مطالبہ کیا ہے کہ کوئی معتبر روایت بسند صحیح پیش کریں۔ دوم یہ کہ کسی شخص کا بلا سند کوئی بات کہہ دینا روایت معلق نہیں ہو سکتا، معلق اسے کہتے ہیں کہ کوئی محدث روایت کرتے وقت کسی چیز کو بلا ذکر سند کے بیان کرے۔ پھر ہر روایت معلق کا صحیح ہونا بھی لازم نہیں ورنہ پھر سند تو ایک بیکار شے ہو جائے گی۔ مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ ظفر الامانی میں فرماتے ہیں:

"تلك الكتب لا يعتبر بها ما لم يعلم سندها وطريقها الا ان ما قال المرسل انما هو ما اسقطه راوي الحديث وترك الواسطة بينه وبين النبي صلى الله عليه وسلم لا مجرد قول كل من قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم والا لزم ان يكون قول العوام والسوقية قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا مرسلا والوجه فيه ان الارسال والانقطاع ونحو ذلك من صفات الاسناد ويتصف الحديث به بواسطته وحيث لا اسناد فلا ارسال ولا انقطاع ولا اتصال وانما هو مجرد نقل اعتمادا على الغير ومن المعلوم ان صاحب الهداية وغيره من اكابر الفقهاء وشراح احياء العلوم وغيرها من اجلة العرفاء ليسوا من المحدثين ولا من المخرجين وان كانوا في الفقه والتصوف وغيرهما من الكاملين" (ظفر الامانی ص [illegible])

(۲) ہجر کے معنی محض ہذیان کے نہیں بلکہ یہ لفظ جدائی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ واھجرھم ھجرا جمیلا۔ یہی معنی علماء لغت و شراح حدیث بھی لکھتے ہیں۔

فتح الباری ج ۸ ص ۱۰۱ میں ہے ویحتمل ان یکون قوله اھجر فعلا ماضیا من الھجر بفتح الهاء وسکون الجیم والمفعول محذوف ای الحیاة وذکره بلفظ الماضی مبالغة لما رأی من علامات الموت ۔

اور علامہ محمد طاہر گجراتی مجمع بحار الانوار (جو خاص حدیث کی لغت ہے) ج ۲ ص ۴۰۴ میں فرماتے ہیں۔ ویحتمل ان یکون معناه ھجرکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الھجر ضد الوصل ۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ اس لفظ کے اصل معنی جدا ہونے ہی کے ہیں۔ ہذیان کے معنی میں بھی اسی مناسبت سے آتا ہے کہ اس میں عقل سے جدائی ہوتی ہے اور یہی معنی زیادہ مشہور متبادر ہیں اُردو میں بھی ہجر بمقابلہ وصل بولا جاتا ہے اور حدیث قرطاس میں یہی معنی چسپاں ہوتے ہیں، ہذیان کے معنی وہاں دو وجہ سے نہیں بنتے۔

(الف) ہذیان کا شبہ اس بات پر ہوتا ہے جو خلاف عقل ہو۔ ایک پیغمبر اپنے آخری وقت میں فرماتے ہیں کہ کاغذ لاؤ میں ایک ضروری ہدایت نامہ لکھدوں، اس میں کونسی بات خلاف عقل ہے جسے ہذیان کہا جاسکے۔

(ب) روایت میں ہجر کے بعد استفھموہ کا لفظ ہے، یعنی آپ سے پوچھو اگر ہجر بمعنی ہذیان لیا جائے تو استفھموہ سے ربط بالکل غلط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جسے ہذیان ہوگیا اب اس سے پوچھنا بالکل خلاف عقل ہے، اب دیکھئے جدائی کے معنی کس خوبی سے بنتے ہیں۔ جب حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت مرض میں ہدایت نامہ لکھوانے کو فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قلوب پر ایک بجلی سی گزر گئی کہ شاید وہ قیامت کی گھڑی آگئی ہے

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد　　　روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

کیونکہ ایسی تحریر آخری وقت میں لکھوائی جاتی ہے لہٰذا انھوں نے کہا اہجر استفھموہ یعنی کیا حضرت اب جدا ہو رہے ہیں۔ آپ سے پوچھو تو۔ یہ لفظ ہجر جس نے بھی کہا کمال محبت اور جذب عشق میں کہا، مگر جن کے قلوب درد محبت سے نا آشنا ہیں وہ اس کی کیا قدر کرسکتے ہیں ؎

چو دل بہ سر نگارے نہ بستہ ای ہیہات　　　ترا ز سوز درون و نیاز ما چہ خبر

(ج) بفرض محال اگر یہ لفظ بمعنی ہذیان ہی ہو تو یہ ہمزہ استفہام کے ساتھ ہے، اور استفہام انکاری ہے ممکن ہے کہ یہ قول اس جماعت کا ہو جو تحریر لکھوانے کی مؤید تھی اسنے اپنی رائے کو تقویت دینے کے لئے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کیوں توقف

کرتے ہوئے کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ ہذیان ہو گیا ہے؟ یعنی ہذیان نہیں ہوا۔ یہ مطلب بھی خزانہ حدیث نے بیان کیا ہے۔ بخاری میں یہ روایت سات جگہ ہے۔ کتاب الجہاد کے سوا باقی چھ مواضع میں یہ لفظ ہمزۂ استفہام کے ساتھ ہے اور بخاری کے علاوہ دوسری کتب میں بھی ہمزہ موجود ہے پس اگر ایک روایت میں ہمزہ نہ ہو تو حرج نہیں، ایک ہی واقعہ کی متعدد اسانید میں اگر ایک لفظ کسی روایت میں ہو اور کسی میں نہ ہو تو یقیناً یہی کہا جائے گا کہ جس میں نہیں ہے اس میں راوی سے چھوٹ گیا ہے اسی لئے حافظ رحمہ اللہ فتح الباری ج ۸ صلہ۱ میں فرماتے ہیں، الراجح فيه اثبات الهمزة علاوہ ازیں بلا اداۃ استفہام کے بھی استفہام ہوتا ہے۔ ان تینوں جوابوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ اول تو لفظ ہجر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ نہیں، دوسرے بالفرض اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہجر بمعنی ہذیان نہیں بلکہ جدائی کے معنی میں ہے جو خاص محبت کا کلمہ ہے نہ کہ گستاخی کا، تیسرے بالفرض ہجر بمعنی ہذیان ہو تو ہمزہ استفہام کے ساتھ ہے اور استفہام انکاری ہے۔ اب ارباب عقل غور کریں کہ اس اعتراض میں کیا جان باقی رہ گئی جب تک شیعہ ان تین باتوں کا جواب نہ دیں یعنی کسی روایت میں اس کا مقولۂ عمر رضی اللہ عنہ ہونا دکھائیں پھر یہ ثابت کریں کہ ہجر کے معنی سوائے ہذیان کے اور کچھ نہیں ہیں۔ یا یہاں سوائے ہذیان کے اور کوئی معنی چسپاں نہیں ہوتے۔ پھر یہ بھی ثابت کریں کہ یہ لفظ ہمزۂ استفہام کے ساتھ نہیں، یا یہ استفہام انکاری نہیں ہو سکتا۔ اس وقت تک اس اعتراض کا نام لینا سخت بے غیرتی ہے۔

(اعتراض ثانی کا جواب) اس کے جواب سے قبل چند امور غور طلب ہیں۔

(۱) اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا۔ بالاتفاق اس قصۂ قرطاس سے پہلے نازل ہو چکی تھی، پس اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی ضروری تحریر باقی تھی تو دین ہرگز کامل نہیں ہو سکتا اور یہ آیت معاذ اللہ غلط ثابت ہوتی ہے۔

(۲) قصۂ قرطاس پنجشنبہ کے روز واقع ہوا، اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات روز دوشنبہ کو ہوئی تو چار روز تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قصہ کے بعد اس عالم میں تشریف فرما رہے۔ پس اگر کوئی ایسی ضروری تحریر باقی ہوتی تو آپ کو اس کے لکھوانے کا کافی موقع ملا، اس کے باوجود آپ نے نہ لکھوائی، یہ ایک بہت بڑا اور سخت الزام حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذلک، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منع کرنے سے یا ان کے خوف سے نہ لکھوانا کوئی مسلمان باور نہیں کر سکتا کیونکہ ایسے ہی کسی کے خوف سے اگر انبیاء علیہم السلام تبلیغ سے رک جائیں

تو دین سے امان اٹھ جائے گا اور نبوت ایک بازیچۂ اطفال ہو جائے گی۔ خیال کیجئے جب کفار نے آپ سے کہا کہ اگر آپ کو سلطنت کی خواہش یا کسی حسین عورت کی طلب ہے تو سلطنت اور تمام عرب کی حسین عورت آپ کو لا دیتے ہیں۔ مگر ہمارے معبودوں کو برا مت کہو، کفار کے مطالبہ کے تحت ابوطالب نے آپ کو پیغام پہنچایا اور سمجھایا کہ اے بھتیجے تو اس تبلیغ سے باز آجا، میں اکیلا سارے عرب کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو آپ نے فرمایا کہ اے چچا اگر میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے میں چاند بھی رکھ دیا جائے تب بھی اس کلمۂ حق سے ہرگز نہیں رکوں گا۔ غرضیکہ جس دن آپ تمام عرب سے دین کی خاطر برسرپیکار تھے اسوقت تو آپ نے ضروریات دین کو نہیں چھوڑا تو اب ایسی اہم چیز کو کیسے چھوڑ سکتے تھے؟ پھر ان چار پانچ روز میں دن میں یا رات میں کسی وقت تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُٹھ کر گئے ہونگے اسوقت آپ لکھوا دیتے۔

(۳) اتنی ضروری تحریر کو اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منع کیا تھا تو حضرت علی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا فرض تھا کہ لکھواتے مگر کسی نے بھی اس طرف توجہ نہ کی، پس حضرت عمر سے زیادہ الزام حضرت علی پر ہوگا۔ اس لئے کہ بزعم شیعہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تقرب سب سے زیادہ تھا۔ نیز ایسا حکم عموماً گھر والوں ہی کو ہوتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو یہ حکم دیا گیا ہوگا جس کی انھوں نے تعمیل نہیں کی۔ مزید برآں مسند احمد کی روایت میں تصریح موجود ہے کہ یہ خطاب حضرت علی کو تھا۔

(۴) اتنا بڑا واقعہ اور تمام طبقۂ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی شخص سوائے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس کی روایت نہیں کرتا پھر ابن عباس کے سیکڑوں شاگردوں میں سے صرف ان کے بیٹے عبید اللہ اور سعید بن جبیر اس کے ناقل ہیں۔

(۵) اس قصۂ قرطاس سے بہت پہلے حدیث ثقلین ارشاد ہو چکی تھی۔ اس میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑتا ہوں، اگر تم ان دونوں سے تمسک کروگے تو ہرگز کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ پس اگر یہ قصۂ قرطاس والی تحریر کوئی ضروری فرض کی جائے تو حدیث ثقلین کی تکذیب لازم آئے گی۔

ان امور پر غور کرنے کے بعد عقل سلیم دو امور میں سے ایک کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

(۱) یا تو یہ قصہ ہی سرے سے غلط ہے، دین کامل ہو چکا تھا۔ اور ہرگز کوئی ایسی ضروری تحریر باقی نہ تھی اور ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت قرآنیہ کے خلاف کسی تحریر کے لکھوانے کا

ارادہ ظاہر نہیں فرمایا تھا، یہ قصہ محض بے بنیاد اور اعداءِ دین کا افسانہ ہے اور محض اسلئے گھڑا گیا کہ آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم اور حدیث ثقلین کی بھی تکذیب ہو جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی تبلیغ رسالت میں کوتاہی کرنے کا الزام قائم ہو کر سارا دین مشکوک ہو جائے مگر امام بخاری رحمہ اللہ جیسے محدثین کی تخریج اس نظریہ کی تردید کرتی ہے۔

(۲) یا پھر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کا امتحان لینے کے لئے فرمایا تھا کہ قلم دوات اور کاغذ لاؤ تاکہ میں ایک ایسی ضروری و مفید تحریر لکھوا دوں کہ اسکے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے درحقیقت نہ کوئی ایسی ضروری تحریر باقی تھی اور نہ واقع میں آپ کا ارادہ تھا محض امتحان مقصود تھا کہ یہ لوگ ایمان میں کہاں تک راسخ القدم ہیں۔ اگر کہیں خدانخواستہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تحریر کے لکھوانے پر مستعد ہو جاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا رنج ہوتا اور فوراً فرماتے کہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم کے بعد اب بھی تم کسی تحریر کے منتظر ہو اور دین کو کامل نہیں سمجھتے مگر الحمد للہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امتحان میں بدرجۂ اعلیٰ کامیاب ہوئے اور اس کامیابی میں نمایاں حصہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، چند نامعلوم و گمنام لوگوں نے لکھوانے کی تائید کی۔ قوی احتمال ہے کہ یہ حضرات جدید الاسلام ہوں گے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اگر کوئی ممتاز شخصیت یہ قول کرتی تو اسکا نام ضرور روایت میں مذکور ہوتا۔ کما افصح عنہ الحافظ ابن حجر العسقلانی، انہی جدید الاسلام لوگوں کا اختلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ آیا جس کا اظہار "قوموا عنی" کے الفاظ سے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بطریق امتحان تھا اس پر دو زبردست دلیلیں ہیں۔

(۱) جبکہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم "اکمال دین اور اتمام نعمت کی خبر دے چکی تھی تو ناممکن تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کسی تحریر کی حاجت ظاہر فرما کر دین کو ناقص اور نعمت خداوندی کو ناتمام قرار دیتے۔

(۲) آپ نے جو صفت قرطاس والی تحریر کی بیان فرمائی ہے۔ اسی صفت کی دو چیزیں جب آپ امت کے ہاتھ میں دے چکے تھے (جن کا ذکر حدیث ثقلین میں گذر چکا ہے) تو اب اس تحریر کی کیا حاجت تھی؟ اس کی حاجت تو اسوقت ہو سکتی تھی جب ان دونوں چیزوں میں یہ صفت نہ ہو لہذا ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حدیث کے خلاف ایسی بات فرمائیں علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کا یہ خیال ہے کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے خلافت نامہ لکھوانا چاہتے تھے اور صحیحین کی اس روایت کو اپنے لئے

خیال پر قرینہ بتاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہتے اس آخری مرض میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اپنے والد اور بھائی کو بلواؤ تاکہ میں ابوبکر کے لئے تحریر لکھ دوں تاکہ لوگ میرے بعد اختلاف نہ کریں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اچھا رہنے دو، یابی اللّٰہ والمؤمنون الا ابابکر (او کما قال)۔ پس آپ کو وحی سے مطمئن کر دیا گیا تھا اس لئے اس ارادہ کو ترک فرما دیا۔ اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مطمئن ہوجانے کے بعد بھی آپ خلافت صدیق لکھوانا چاہتے تھے تاکہ لوگ اختلاف نہ کریں تو بعد میں آپ کا سکوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں تھا جس میں راز یہ تھا کہ انتخاب خلیفہ کا زریں اصول "تفویض الی اھل الحل والعقد" قائم کر جائیں اور ولیعہدی کی رسم جاہلیت کا تصور اسلام میں باقی نہ رہے۔ کئی مواقع پر آپ نے وحی الٰہی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت فرمائی۔ اس موقع پر بھی آپ کا سکوت اور حضرت عمر کی موافقت وحی الٰہی سے تھی۔ اسے شیعہ بھی تسلیم کرتے ہیں چنانچہ کتب شیعہ میں نہایت معتبر کتاب فلک النجات صفحہ ۳۲۶ جلد اول پر بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔ ولما سکوتہ علیہ السلام بعد التنازع فلکان من عند اللّٰہ بلا کان تو ہوتے ہ

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی　　تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اختلاف اگر بالہام اللہ تعالیٰ اختلاف نظر تھا (کما وقع فی مواضع شتی) تو اس کا مناقب میں شمار ہونا بدیہی ہے اور اگر شدت مرض اور آپ کی تکلیف کے مدنظر یہ اختلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تو اس کی نوعیت بعینہٖ صلح حدیبیہ کے موقع پر لفظ رسول اللہ مٹانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انکار جیسی ہوگی جسے شیعہ لوگ مناقب علی میں شمار کرتے ہیں۔

(اعتراض ثالث کا جواب) یہ تو بعینہٖ وہ قول ہے جس کو خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں اس سے تین ماہ پیشتر لاکھوں کے مجمع میں فرما چکے تھے یعنی "لن تضلوا ما ان تمسکتم بہ"، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے "حسبنا کتاب اللّٰہ" کہنے کا اگر یہی مطلب ہے تو قرآن میں ہے "حسبنا اللّٰہ" پس اس کا مطلب بھی یہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کافی ہیں، رسول کی ضرورت نہیں، فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

پچ یہ ہے کہ یہ زریں مقولہ یعنی حسبنا کتاب اللّٰہ ایمان کی جان ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان کمالات کا آئینہ ہے جن کا نمونہ اس آسمان نے بایں ہمہ طول کبھی نہیں دیکھا۔ فقط

وھذا آخر الکلام والحمد للّٰہ رب العالمین

رشید احمد

وقع الوسواس ــــــــــ ۵

مجالُ التحریرُ
لخیالِ الزہیرُ

تحقیق انیق متعلق حدیث اشتکت النار الیٰ ربّھا

حضرت الاستاذ العلام مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی ثم خیرپوری محدّث دارالعلوم کراچی دامت برکاتہم کی تقریر بخاری سے ایک اقتباس ۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوٰۃ فان شدۃ الحر من فیح جہنم واشتکت النار الیٰ ربھا فقالت یا رب اکل بعضی بعضا فاذن لھا بنفسین نفس فی الشتاء ونفس فی الصیف وھو اشد ما تجدون من الحر واشد ما تجدون من الزمھریر ——— جامع بخاری ص ۷۷ ج ۱

کیا جہنم میں طبقۂ زمہریریہ کا وجود بھی ہے : تمام اُمت میں عام طور سے یہ مسئلہ سا سمجھا جانے لگا ہے کہ جہنم طبقۂ ناریہ اور طبقۂ زمہریریہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔

طبقۂ زمہریریہ کا ثبوت تمام ذخیرہ ہائے کتاب وسنت میں کہیں نہیں ملتا۔ بلکہ قرآن کریم میں تو "لا یذوقون فیھا بردا ولا شرابا الا حمیما وغساقا" فرمایا گیا ہے۔ نکرہ تحت النفی لاکر جہنم سے برودت اور زمہریر کا سلب کلی فرمادیا۔ برد کی تخصیص نافع کے ساتھ صحیح نہیں، کیونکہ برد ضار کا استثناء نہیں جیسے کہ "الا حمیما وغساقا" کے ساتھ شراب ضار کا استثناء کیا گیا ہے اگر تخصیص بالقرائن کو کافی سمجھا جاتا تو شراب ضار کے استثناء کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اصطلاح قرآن وحدیث میں تو جہنم مرادف "نار" بن گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب وسنت میں جہاں جہاں جہنم کا تذکرہ ہے وہاں دوزخ کو جہنم کے لفظ سے کم اور "نار" کے الفاظ سے زیادہ تعبیر کیا گیا ہے۔

چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے "فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ" "علیھم نار موصدۃ" "کانھا ترمی بشرر کالقصر" اسی طرح فرمایا گیا ہے "کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلودا غیرھا" نضج کا لفظ اس بات پر واضح دلیل ہے کہ جہنمیوں کا عذاب آگ ہی ہوگا۔ کافروں کے بارہ میں ارشاد ہے "یوم تکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم" یہاں بھی کَیّ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنے داغنے کے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ عصاۃ المؤمنین کو آگ سے اس حال میں نکالا جائے گا کہ وہ جل کر کوئلے ہو چکے ہوں گے اور ان کو نہر حیات میں غسل دیا جائیگا اور فرمایا کہ نار ان کے قلوب پر اثر نہ کرے گی۔ ابو طالب ضحضاح من نار میں ہوگا، "ارب النار" "وقفت علی النار" "حامیۃ" "موقدۃ" اور "اذن من سبب التوائب" کے متعلق فرمایا کہ میں نے ان کو نار

میں دیکھا اور فرمایا کہ میری مثال اس شخص جیسی ہے جس نے آگ جلائی اس میں پروانے گرنے لگے وہ
ان پروانوں کو آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہے مگر یہ اس پر غالب آرہے ہیں اور آگ میں
داخل ہو رہے ہیں۔ منکرین پر وعید فرمائی "ان الشجرۃ التی اخرجت ابویکم من الجنۃ لم
تعصموا منہا بشیء تشتغلون عنہ بنار" اور فرمایا "شر الشر و شر الوان من ذر" غرضیکہ بے شمار مثالیں
کتاب و سنت میں اس قسم کی موجود ہیں کہ جہنم کے اوپر نار کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ان تمام مثالوں
کو اگر یکجا جمع کیا جائے تو اس سے دفتر کے دفتر سیاہ ہو سکتے ہیں۔ زیر بحث حدیث میں بھی اشتکت
النار الی ربہا فرمایا گیا۔ اشتکت الزمہریر نہیں، اور نفسین کا اذن بھی نار کو دیا گیا۔ اگر طبقہ زمہریریہ
کا وجود ہوتا تو قرآن و حدیث کے اتنے بڑے ذخیرہ میں کہیں نہ کہیں اس کا تذکرہ ضرور ہونا چاہیے
تھا یا کم از کم قرون مشہود لہا بالخیر صحابہ یا تابعین یا ائمہ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہی کوئی قول منقول ہوتا
پھر یہ کہ اگر طبقہ زمہریریہ کے وجود کو بفرض تسلیم بھی کرلیا جائے تو ایک زبردست اشکال پیش
آئے گا کہ جس وقت میں سردی کی شدت ہو اس وقت میں بھی تاخیر صلوٰۃ کا حکم ہوتا حالانکہ حدیث
میں صرف ابردوا بالصلوٰۃ فان شدۃ الحر کا ذکر ہے۔ اگر طبقہ زمہریریہ کا وجود ہوتا تو سردی میں
بھی نماز کو موخر کرنے کا حکم ہوتا کیونکہ سردی اسی کے سانس باہر پھینکنے سے ہوتی اور جس طرح
حرارت آثار غضب میں سے ہے اسی طرح برودت بھی آثار غضب میں سے ہوتی نیز عنقریب
یہ بیان کروں گا کہ شدت حرارت تنفس جہنم یا لقرب الشمس میں منافاۃ نہیں اس لئے کہ شمس
جہنم سے ہی حرارت اخذ کرتا ہے۔ پس حرارت شمس بعینہ حرارت جہنم ہے۔ اس پر یہ اشکال
وارد ہوگا کہ اگر جہنم میں طبقہ زمہریریہ بھی ہے تو جیسے شمس جہنم سے حرارت اخذ کرکے دنیا
میں شدت حرارت پیدا کرتا ہے اسی طرح موسم سرما میں لازم آئیگا کہ شمس جہنم سے برودت
اخذ کرکے ارض پر پھینکے جو شدت زمہریر کا باعث بنے حالانکہ شدت سرما کے موسم میں بھی شمس میں
برودت نہیں ہوتی بلکہ حرارت ہی ہوتی ہے۔

حدیث کا مطلب: اب یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ جب طبقہ زمہریریہ کا ثبوت نہیں تو پھر
"اشد ما تجدون من الزمہریر" کا مطلب کیا ہے؟ اور دنیا میں سردی کی وجہ اور سبب جہنم کیسے ہے؟
اسے سمجھنے کے لئے چند مقدمات کی ضرورت ہے۔

(۱) گرمی سے اشیاء میں انبساط اور تحلل پیدا ہوتا ہے اور سردی سے تکاثف اور اکتناز و
انقباض، یہی وجہ ہے کہ ریلوے لائن کے دو ٹکڑوں کو جوڑتے وقت ان کے درمیان کچھ

خلا رکھا جاتا ہے، کیونکہ اگر باہم پیوست کرکے ان کو جوڑ دیا جائے تو پہیوں کی رگڑ اور موسم کی تمازت وغیرہ سے شدید حرارت پیدا ہونے کے بعد ان کے اجزاء میں تخلخل و انبساط ہونے کی وجہ سے اس کے اوپر اٹھ جانے کا خطرہ ہوتا ہے جس کا نتیجہ گاڑی کے الٹ جانے یا بوجھ پڑنے سے ان کے ٹوٹ جانے کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔

(۲) متخلخل چیز خفیف ہوتی ہے اور متکاثف ثقیل جیسے روئی اور لوہا۔

(۳) خفیف چیز سریع الحرکت سہل الانجذاب ہوتی ہے، وہ محرک یا جاذب کے اثر کو جلدی قبول کرتی ہے اور ثقیل چیز بطئ الحرکت اور متعسر الانجذاب ہوتی ہے، محرک اور جاذب کے اثر کو جلدی قبول نہیں کرتی۔

اب یہ سمجھیں کہ جب جہنم اپنا سانس باہر پھینکتی ہے تو باہر کی ہوا گرمی کی وجہ سے متخلخل ہو جاتی ہے، پھر جہنم کا دوسرا سانس اندر کو ہوتا ہے باہر کو نہیں، اس لئے جب وہ سانس اندر کو لیتی ہے تو گرم ہوا تخلخل کی وجہ سے چونکہ خفیف اور ہلکی ہوتی ہے لہٰذا سانس کے ساتھ اندر چلی جاتی ہے اور سرد ہوا چونکہ متکاثف ہوتی ہے اس لئے اس میں خفت نہیں ہوتی، ثقیل ہوتا ہے لہٰذا وہ دنیا میں رہ جاتی ہے اور سردی کا باعث بنتی ہے۔ اس ہوا میں ایک جانب سے کرۂ ماء اور دوسری جانب سے کرۂ زمہریر کا تلاصق بھی برودت کا باعث بنتا ہے۔

حدیث پر فلسفیانہ اشکالات۔ اس حدیث پر اہل فلسفہ کی جانب سے یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ تجربہ اور مشاہدہ سے یہ امر ثابت ہے کہ دنیا کی سردی اور گرمی کا سبب سورج کا قرب و بعد ہے، جب سورج دنیا کے کسی حصہ سے قریب ہوتا ہے تو وہاں گرمی ہوتی ہے اور جہاں سے دور ہوتا ہے وہاں سردی، تو پھر اب سردی و گرمی کا سبب جہنم کے سانس کو ٹھہرانا کہاں تک صحیح ہے؟

اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسباب میں تزاحم نہیں ہوا کرتا، ایک چیز کے اسباب مختلف اور متعدد ہو سکتے ہیں چنانچہ سردی و گرمی کے اسباب میں سے ایک سبب جس طرح آفتاب کا قرب و بعد ہے، اسی طرح وہ بھی ہے جو حدیث میں بیان کیا گیا، بلکہ اس کے علاوہ بھی کئی اسباب ہیں۔ مثلاً بلندی پر ہونا سردی کا باعث ہے اسی طرح سمندر یا پہاڑ کا قرب و بعد، صلابت و رخاوت میں تفاوت ارض کا اختلاف، جنس ارض کی انواع شورہ، گندھک وغیرہ کے آثار کا اختلاف، ریاح کا دباؤ اور احتباس و احتقان وغیرہ۔ اگر صرف سورج کا قرب و بعد ہی سبب ہوتا تو شملہ اور کوئٹہ کے موسم میں اتنا زبردست تفاوت نہ ہوتا جبکہ

؎ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ نے بھی فتح الملہم میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ ۱۲ منہ

دونوں کے عرض البلد میں صرف ۳۴ دقیقہ کا فرق ہے۔ اس کے باوجود کوئٹہ سخت سرد مقام ہے اور سبی سخت گرم۔ اس جواب پر پھر چند اشکال وارد ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر جہنم کی وجہ سے موسم بدلتا ہے تو چاہئیے یہ کہ قطب شمالی اور قطب جنوبی (عرض تسعین) میں بھی چھ مہینے سردی اور چھ مہینے گرمی ہو حالانکہ وہاں ہمیشہ سردی ہے گرمی نہیں۔ اسی طرح میل کلی یعنی مدار سرطان اور مدار جدی (تقریباً ۲۳ درجہ عرض البلد) کے اندر رہنے والے لوگوں کے یہاں آٹھ موسم ہوتے ہیں۔ ہر فصل سال میں دو مرتبہ آتی ہے تو یہ کیونکر؟ جبکہ اثر جہنم تو تمام دنیا پر ہونی چاہئیے۔ اس لئے مدار سرطان و جدی سے کم عرض البلد میں بھی آٹھ فصلوں کی بجائے چار فصلیں ہونی چاہئیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس اعتراض کا ثبوت اس امر پر موقوف ہے کہ محققین عرض تسعین میں سال بھر موسم کا بالکل یکساں رہنا کہ ذرہ برابر بھی فرق نہیں آتا ثابت کریں۔ اگر ذرہ برابر بھی فرق ہو جیسا کہ عقل کا تقاضا ہے کیونکہ چھ مہینے تک وہاں آفتاب نکلا تو رہتا ہی ہے اگرچہ وہ افق سے تقریباً ۲۳½ درجہ سے زیادہ مرتفع نہیں ہوتا، تو کوئی اشکال نہیں۔ اسی طرح اس امر کی تحقیق کی جائے کہ میل کلی سے کم عرض البلد میں مواسم ثمانیہ میں سے ایک شتاء دوسری شتاء سے اور ایک صیف دوسری صیف سے کچھ متفاوت ہے یا نہیں۔ اگر تفاوت ہے تو کوئی اشکال نہیں، اور اگر عدم تفاوت محقق ہو جائے تو اصل اشکال کے دفع کے لئے دوسرا جواب ہی متعین ہوگا جو عنقریب آ رہا ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ نفس جہنم سے حرارت کا دفعۃً پیدا ہو جانا لازم تھا، حالانکہ موسم کی تبدیلی بتدریج ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دفعۃً حرارت کا پیدا ہونا اور موسم کا بدل جانا چونکہ صحت کے لئے سخت مضر ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نفس جہنم سے خارج ہونے والی حرارت کو کسی جگہ پر مجتمع فرما دیتے ہیں اور بتدریج زمین پر پھیلاتے ہیں، نیز یہ بھی ممکن ہے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ نفس جہنم دفعۃً خارج نہیں ہوتا بلکہ بتدریج خارج ہوتا ہے اور اس کے ظہور کی وجہ یہ ہے کہ جب جہنم کی مشابہت حیوان کے ساتھ ہوتی تنفس میں اور یہ بھی معلوم ہو کہ سال بھر میں دو نفس جہنم کے ہیں، ایک خارج اور دوسرا داخل تو حیوان کی طرح تنفس کی حرکات کا اتصال جب ہی ہو سکتا ہے کہ ہر ایک نفس چھ ماہ تک بتدریج ممتد رہے۔

تیسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ جہنم کی حرارت شمس کے قرب کے ساتھ اور جہنم کی برودت شمس کے بعد کے ساتھ متلازم کیوں ہے، کبھی اس کے برعکس کیوں نہیں ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شمس کی حرارت کی مناسبت سے حرارت جہنم بھی اسی زمانے میں ظاہر ہوتی ہے جس میں حرارت شمس۔ اگر بعد شمس کے زمانے میں حرارت جہنم اور قرب شمس کے وقت میں برودت جہنم پیدا ہوتی تو حرارت و برودت کے

اجتماع سے سال بھر موسم یکساں رہتا اور فصول مختلفہ پیدا نہ ہوتیں جو صراحۃً خلاف حکمت ہے۔ نیز موسم صیف میں حرارت شمس کا تحمل کرنے کے لئے قدرت الٰہیہ باطن جسم میں حرارت پیدا کر دیتی ہے، پس جس زمانہ میں جس چیز کے تحمل اور مقابلہ کی استعداد قدرت نے پیدا کی اسکا اسی زمانہ میں پیدا ہونا حکمت و مصلحت کا مقتضیٰ ہے۔ اصل اشکال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آفتاب کی حرارت جہنم ہی سے ماخوذ ہے اور وہ جہنم کی حرارت اپنے اندر جذب کرکے زمین پر پھینکتا ہے جس طرح بجلی کا بلب پاور ہاؤس سے بجلی کو جذب کرکے روشنی کرتا ہے اور آتشی شیشہ شمس کی شعاعوں کو جذب کرکے مقابل چیز پر پھینک کر اسے جلا دیتا ہے۔ پس سبب ظاہری تو یہی آفتاب ہے لیکن اسمیں جو حرارت ہے اسکا سبب جہنم ہے لہٰذا سردی گرمی کا سبب جہنم کو ٹھہرانا بالکل صحیح ہے پھر اس پر بھی اشکال ہوتا ہے کہ یہ تقریر اس امر کو مستلزم ہے کہ نفس شمس میں حرارت کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ شتاء میں اسکی حرارت کم ہو جاتی ہو اور صیف میں زیادہ۔ حالانکہ حقیقت اسکے خلاف ہے، موسم سرما میں سردی پڑنے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ آفتاب سے حرارت کم ہو گئی ہے بلکہ آفتاب میں تو تمازت اسی قدر رہتی ہے جتنی کہ موسم صیف میں تھی مگر اسلئے زیادہ محسوس نہیں ہوتی کہ آفتاب زمین سے دور ہو جاتا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال اس امر پر موقوف ہے کہ آفتاب کی حرارت میں کمی بیشی کے عدم کو ثابت کیا جائے ممکن ہے کہ صیف و شتاء میں ذات شمس ہی میں حرارت مختلف ہوتی ہو مگر ہمیں یہ فرق محسوس نہ ہوتا ہو۔ دوسرے یہ کہ اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ تفاوت نہیں تو یہ کہا جائیگا کہ آفتاب جہنم کے نفس خارج سے حرارت کو جذب کرکے اسکا ایسا مستقر بنتا ہے کہ جہنم کا نفس داخل پس حرارت کو واپس نہیں کھینچ سکتا پس نفس داخل محض ریح حارہ کو کھینچتا ہے آفتاب کی حرارت کو نہیں مگر یہاں پر یہ شبہ وارد کیا جائے کہ شمس کی سابقہ حرارت علیٰ حالہا قائم رہتی ہے تو ہر آئندہ سال نفس خارج کے اثر سے اسمیں اضافہ ہونا چاہئیے تو اسکا جواب یوں دیا جائیگا کہ حرارت کے ایک خاص درجہ سے ترقی نہ کریگی دو وجہیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ حرارت کو قبول کرنیوالا جسم ایک خاص اور معین درجہ کی استعداد رکھتا ہو اس سے زیادہ کی استعداد ہی نہ ہو جیسے بجلی کا قمقمہ اور آتشی شیشہ کی استعداد و مخصوص درجہ کے مطابق ہی حرارت اخذ کر سکتا ہے دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ منفعل کا درجۂ حرارت مؤثر کے درجۂ حرارت سے بڑھ نہیں سکتا، مثلاً تھرمامیٹر ایک منٹ رکھنے پر جو درجہ حرارت کا ظاہر کریگا ایک گھنٹہ تک رکھنے پر بھی وہی درجہ رہیگا اسمیں اضافہ نہ ہوگا پس جہنم خواہ سانس اندر کو لے یا باہر پھینکے بہر صورت آفتاب کی تمازت و حرارت میں کوئی تفاوت اور کمی بیشی نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ کہنا بالکل صحیح ہو گیا کہ آفتاب کی حرارت جہنم سے ماخوذ ہے لہٰذا سردی و گرمی کا سبب حقیقی جہنم ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم [illegible]

قد ضبط هذا التقرير اللطيف الشيخ في حلقة درس الجامع صحيح البخاري احقر تلامذة الشيخ واصغرهم محمد تقي العثماني الديوبندي ثم الكراتشوي عفر الله تعالى له ولوالديه ولمشايخه ولجميع المؤمنين والمؤمنات آمين، وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

غرہ ربیع الآخر سنہ ۱۳۷۹ھ

تقریر مذکور سے متعلق استاذ العلماء جامع کمالات حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہم العالی کی رائے سامی

"احقر نے اشتکاء النار کی حدیث پر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب کی املائی تقریر ملاحظہ کی، میری نظر میں وہ قواعد شرعیہ کے خلاف نہیں بلکہ مطابق ہے اور حدیث پر وارد ہونے والے جملہ عقلی اشکالات کے جو جوابات دیئے گئے وہ نہایت تحقیقی ہیں۔ شارحین حدیث نے اس کی طرف بہت کم توجہ فرمائی، اللہ تعالیٰ محشی کو جزائے خیر دے کہ بہت اہم عقدے حل فرما دیئے آمین" العبد ابو شمس الحق عفا اللہ عنہ

ضمیمہ تقریر بالا

ایک دوست نے طبقہ زمہریر سے متعلق مندرجہ ذیل روایات لکھ کر دیں۔

(۱) فی تنویر المقباس انه قال امام المفسرین عبد الله بن عباس رضي الله عنهما في تفسير قوله عز وجل "حميم وغساق" حميم ماء حار قد انتهى حره "وغساق" زمهرير يحرقهم كما تحرقهم النار (مجموعة التفاسير ج ۶ ص ...)

(۲) وقال العلامة ابو البركات النسفي رحمه الله في مدارك التنزيل وقيل الحميم يحرق بحره والغساق يحرق ببرده (مجموعة التفاسير ج ۶ ص ...)

(۳) وقال العلامة الخازن رحمه الله في تفسيره وقيل الغساق عين في جهنم وقيل هو البارد المنتن (مجموعة التفاسير ج ...)

(۴) وقال العلامة الشربيني رحمه الله "لا يذوقون فيها بردا" قال مجاهد والحسن اي راحة وروحا اي ينفس عنهم حر النار (وبعد سطرين) وروي عن ابن عباس رضي الله عنهما ان البرد النوم ومثله قال الكسائي وابو عبيدة تقول العرب منع البرد البرد اي اذهب البرد النوم (وبعد سطر) وعن ابن عباس رضي الله عنهما الغساق الزمهرير يحرقهم ببرده (السراج المنير ج ۴ ص ...)

(۵) وقال الامام ابن كثير رحمه الله اما الحميم فهو الحار الذي قد انتهى حره واما الغساق فهو ضده وهو البارد الذي لا يستطاع من شدة برده المؤلم ولهذا قال عز وجل (وآخر من شكله ازواج) اي واشياء من هذا القبيل الشيء وضده يعاقبون بها (وبعد سطر) وقال كعب الاحبار غساق عين في جهنم يسيل اليها حمة كل ذات حمة من حية وعقرب وغير ذلك فيستنقع فيؤتى بالآدمي فيغمس فيها غمسة واحدة فيخرج وقد سقط جلده ولحمه عن العظام ويتعلق جلده ولحمه في كعبيه وعقبيه ويجر لحمه كله كما يجر الرجل ثوبه رواه ابن ابي حاتم

کمال التحریر ـــ ـ ـــ ـ ـــ

عمدة التفسير لآية التطهير

اہل بیت کی تحقیق

سوال: شیعہ کہتے ہیں کہ جب قرآن کریم کی آیت انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا نازل ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت یعنی حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنے کمبل میں داخل فرماکر فرمایا، اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی اور ان کے لئے دعا فرمائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی شرکت کی درخواست کی تو آپ نے انہیں روک دیا، اس قصہ کی کیا حقیقت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

آیۂ کریمہ انما یرید اللہ الخ میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن ہیں، اور اس پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

(۱) اس آیت کے سیاق وسباق میں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا ذکر ہے۔

(۲) ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ فتوحات کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے مصارف میں کچھ وسعت کی درخواست پیش کی، اس پر آیات یا ایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا۰ وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاٰخرۃ فان اللہ اعد للمحسنٰت منکن اجرا عظیما۰ نازل ہوئیں ان میں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو اختیار دیا گیا کہ وہ دنیا کو پسند کریں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کو، اس امتحان میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سب سے ممتاز اعلیٰ کامیابی حاصل کی، دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی کامیاب ہوگئیں کہ انہوں نے دنیا ئے دنیہ کے مقابلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کو اختیار کیا، اس امتحان میں اعلیٰ کامیابی، بلند حوصلگی اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن پر متعدد انعامات فرمائے جن کا تذکرہ ان آیات میں ہے، فرماتے ہیں:

(۱) ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحا نؤتھا اجرھا مرتین واعتدنا لھا رزقا کریما۰ اس آیت میں اس انعام کا بیان ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لئے ہر نیک کام پر دوگنا اجر ہے۔

(۲) یا نساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن الخ اس میں دوسرا

انعام مذکور ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے رتبہ تک دنیا کی کوئی عورت نہیں پہنچ سکتی۔

(۳) انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۝ یہ تیسرا انعام ہوا۔

(۴) ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا ان ذلکم کان عند اللہ عظیما۝ یہ چوتھا انعام ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو امہات المؤمنین قرار دے کر ہمیشہ کے لئے امت پر حرام کر دیا گیا۔

(۵) لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن من ازواج ولو اعجبک حسنھن، اس میں پانچویں انعام کا ذکر ہے۔

لا یحل لک النساء من بعد کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔

ایک یہ کہ ماقبل میں مذکور صفات جن عورتوں میں نہ پائی جائیں وہ آپ کے لئے حلال نہیں۔ ماقبل میں اقارب کے لئے مہاجرات کی قید ہے اور مطلق نساء کے لئے مؤمنات کی قید ہے۔ ارشاد ہے:
انا احللنا لک ازواجک التی اتیت اجورھن وما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک وبنت عمک وبنت عمتک وبنت خالک وبنت خلتک التی ھاجرن معک وامرأۃ مؤمنۃ ان وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا۔ الآیۃ

حاصل یہ کہ رشتہ دار عورتوں میں سے غیر مہاجر اور دوسری عورتوں میں سے کتابیہ آپ کے لئے حلال نہیں۔

دوسری تفسیر یہ کہ وہ ازواج مطہرات جو اس آیت کے نزول کے وقت آپ کے عقد میں تھیں ان کے سوا دوسب عورتیں آپ پر حرام کر دی گئیں ولا ان تبدل بھن من ازواج کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ ازواج میں سے کسی کو بہ نیت تبدیل طلاق دینا حلال نہیں، آئیں ازواج مطہرات پر یہ انعام ہے کہ ہمیشہ کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ان کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔

غرضیکہ امتحان ازواج مطہرات کا ہوا اور اس پر یہ انعامات بھی انہی کے لئے بتائے جا رہے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہی ہیں۔

(۳) اگر اہل بیت سے علی، فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم مراد لئے جائیں تو اشکال لازم آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے بغیر ہی تطہیر اہل بیت کی بشارت دے دی

تھی تو اب پھر ان کو جمع کر کے ان کے لئے تطہیر کی دعا کرنا تحصیل حاصل بلکہ لایعنی اور فضول ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دریائے رحمت کو جوش میں دیکھا تو اولاد کو بھی توسعاً اہل بیت میں داخل فرما کر ان کے لئے بھی تطہیر کی دعا فرمائی یعنی ازواج مطہرات تو اہل بیت کے مفہوم میں حقیقۃً داخل تھیں، اور ان کی تطہیر کی بشارت بغیر دعا کے مل چکی تھی اور اولاد کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کے مفہوم میں توسعاً داخل فرما کر ان کے لئے تطہیر کی درخواست کی، چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا اور بعض روایات کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جب شمولیت کی درخواست کی تو ارشاد ہوا "انتِ علی خیر" یا "انکِ الی خیر" یعنی تم ان سے بہتر حالت پر ہو، اس لئے کہ تمہاری تطہیر تو اللہ تعالی نے میری درخواست کے بغیر ہی فرمادی ہے

اشکال: آیت تطہیر میں مذکر کے صیغے ہیں، ان سے ازواج مطہرات مراد لینا کیسے صحیح ہوگا؟

جواب: مؤنث کے لئے جمع مذکر کا صیغہ استعمال کرنا کلام عرب میں معروف ہے، قرآن کریم میں حضرت موسی علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ قال لاهله امکثوا، شرح شواہد الکشاف میں تحریر ہے
وربما خوطبت المرأة الواحدة بخطاب الجمع المذکر یقول الرجل عن اهله فعلوا کذا (الی قوله)
ومنه قوله تعالی حکایة عن موسی علیه السلام قال لاهله امکثوا، اسکے بعد دو شعر بھی پیش کئے ہیں

فان شئت حرمت النساء سواکم ۔ وان شئت لم اطعم نقاخا ولا بردا
فانت التی انکم وان شئت ابی ۔ وان کنت اوفی منکم اتابعی

جواب مذکور کے علاوہ یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ لفظ "اہل" مذکر ہے اس کی رعایت سے مذکر کے صیغے لائے گئے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اہل بیت میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اس لئے بصیغہ تذکیر خطاب فرمایا گیا۔

شیعہ کہتے ہیں کہ آیت تطہیر دراصل کسی دوسرے مقام پر تھی، جامعین قرآن نے اسے ازواج پر منطبق کرنے کے لئے ذکر ازواج کے درمیان رکھ دیا ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ شیعہ اپنے قول مذکور میں خود عقیدۂ تحریف قرآن کا اعتراف کر رہے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ شیعہ کا قرآن کریم پر ایمان نہیں۔ تفصیل کے لئے بندہ کا رسالہ "حقیقت شیعہ" ملاحظہ فرمائیں، جب شیعہ قرآن کریم پر ایمان ہی نہیں رکھتے اور اسکے محرف ہونے کا عقیدہ رکھتے

بہا تو قرآن کی اس آیت سے وہ ائمہ کی تطہیر وعصمت کے لئے استدلال کس منہ سے کرتے ہیں؟
پھر اگر ان کا قول مذکور بالفرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے تو لفظ اہل بیت کو ائمہ کے ساتھ مخصوص
کرنے اور ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہن کو اسکے مفہوم سے خارج کرنے پر کیا دلیل ہے؟

بعض حضرات اہل بیت کی تخصیص بالازواج کے لئے مندرجہ ذیل دلائل بیان کرتے ہیں۔

(۱) قالوا اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت انہ حمید مجید۔ میں
حضرت سارہ علیہا السلام کو اہل البیت سے خطاب کیا گیا ہے

(۲) فقالت هل ادلکم علی اهل بیت یکفلونه لکم وهم له ناصحون۔ میں اہل بیت
سے ام موسی علیہا السلام مراد ہیں۔

(۳) عام عرف میں "اہل خانہ" "اہل بیت" "اہلیہ" اور "گھر والے" صرف بیوی ہی کو کہا
جاتا ہے۔

(۴) گھر کے افراد میں سے بیوی کے سوا اور کسی کو گھر میں ہمیشہ کے لئے قیام نہیں ہوتا، چنانچہ
مذکر اولاد بالغ ہونے کے بعد اپنا گھر بار الگ بنا لیتی ہے بلکہ لڑکے جب تک والدین کیساتھ
ہوتے ہیں اس زمانے میں بھی ان کا بیشتر وقت گھر سے باہر ہی گزرتا ہے۔ اور لڑکیاں شادی
ہوجانے کے بعد گھر سے رخصت ہوجاتی ہیں، مگر یہ دلائل وزنی نہیں۔

قرآن کریم، احادیث اور کلام عرب کے مواقع استعمال پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت سامنے
آتی ہے کہ توسعاً اہل بیت کا اطلاق گھر کے سب افراد پر بلکہ پورے خاندان پر ہوتا ہے اگرچہ
گھر میں ایک ساتھ نہ رہتے ہوں۔ حضرت سارہ علیہا السلام سے ملائکہ کے خطاب میں بھی اہل بیت
سے پورا خاندان مراد ہے۔

خلاصہ بحث یہ کہ آیت تطہیر میں سیاق وسباق اور شان نزول کے مد نظر اہل بیت کا خطاب
ازواج مطہرات ہی کے ساتھ مخصوص معلوم ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توسعاً اولاد
کو بھی اس میں شامل فرمادیا بلکہ خود آیت میں بھی صیغہ تذکیر اس توسع کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے
ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اشارہ کی بنا پر اولاد کے لئے دعا فرمائی ہو۔

فقط واللہ تعالی اعلم

۶ جمادی الآخرہ ۹۴ھ

کتاب السّلوک

رفع تعارض مابین عبارات مختلفہ دربارہ اصلاح از غیر صالح

سوال: کسی ایسے شخص سے اصلاحی تعلق رکھنا جو فن میں تو بصیرت رکھتا ہو مگر صالح نہ ہو درست ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں حضرت تھانوی قدس سرہ نے دو جگہ مختلف تحقیق تحریر فرمائی ہے۔

(۱) فرمایا کہ شیخ کا ولی ہونا ضروری نہیں، مقبول ہونا ضروری نہیں، ہاں فن کا جاننا اور اس میں مہارت ہونا ضروری ہے۔ جیسے طبیب کہ اس کا پرہیزگار ہونا ضروری نہیں فن کا جاننا البتہ ضروری ہے۔ اسی طرح اگر اعمال صالحہ ہوں، تقوی ہو، ولایت حاصل ہو جائے گی گو شیخ نہ ہو ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر شیخ ولی بھی ہو تو اس کی تعلیم میں برکت زیادہ ہوگی۔

(ملفوظات کمالات اشرفیہ مطبوعہ مکتبہ تھانوی ملفوظ [illegible])

(۲) کار مرداں روشنی و گرمی ست ٭ کار دوناں حیلہ و بے شرمی ست

جاننا چاہئے کہ جس طرح مرض ظاہری کے علاج کے لئے ایسے طبیب کی ضرورت ہے جو خود بھی صحیح و تندرست ہو مریض نہ ہو اور دوسروں کا علاج بھی کر سکے کیونکہ اگر خود مریض ہے تو مسئلہ طبیہ ہے رائی العلیل علیل۔ گو وہ طبیب ہو مگر اس کی رائے قابل اعتماد نہیں۔ اگر وہ صحیح و تندرست ہے مگر علاج کا طریقہ نہیں جانتا تب بھی اس مریض کے مطلب کا نہیں گو خود اچھا ہے۔ اسی طرح امراض باطنی کے علاج کے لئے ایسے شیخ و مرشد کی حاجت ہے جو خود بھی متقی و صالح ہو، مبتدع و فاسق نہ ہو اور دوسروں کی بھی تکمیل کر سکے۔ کیونکہ اگر بد عقیدہ اور بد عمل ہے تو اولاً اس پر یہ اطمینان نہیں کہ یہ خیر خواہی سے تعلیم کریگا بلکہ غالب تو یہی ہے کہ عقیدہ میں اپنا جیسا بنانے کی کوشش کریگا اور عمل میں اس کو اسلئے نصیحت نہ کر سکے گا کہ خود اسکا عامل نہیں۔ یہی خیال ہوگا کہ اگر نصیحت کرونگا تو یہ شخص اپنے دل میں کیا کہے گا بلکہ غالب یہ ہے کہ خود بھلا بننے کو اپنی بد عملی کو تاویل سے درست کرنا چاہے گا تو اس میں بڑی گمراہی کا اندیشہ ہے۔ ثانیاً اسکی تعلیم میں انوار و برکات و تاثیر و امداد غیبی نہ ہوگی۔

ان میں تطبیق یا ترجیح بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

وجہ التوفیق: عبارت اولیٰ سے مقصد یہ ہے کہ غیر ولی ماہرین فن سے ایسے خواص جو صحیح تشخیص میں امتیاز کرسکتے ہوں دو طریقے سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

(الف) تشخیص مرض و تجویز علاج میں انکی بیان کردہ کلیات کو پیش نظر رکھ کر اپنے حالات کا جائزہ لیں اور جزئیات پیش آمدہ کی تشخیص و تجویز کو اس ماہر فن کی بیان کردہ کلیات سے استنباط کریں۔

(ب) بغرض علاج اپنے حالات انکے سامنے پیش کریں اور اس کی تشخیص و تجویز کی صحت و سقم کا جائزہ لیں۔ اگر خداداد بصیرت و ذوق سلیم کی بدولت انکی تشخیص و تجویز پر قلب مطمئن ہو تو اس پر عمل کریں ورنہ لا۔ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو طبیب کامل تو نہیں مگر طبیب کامل کی رائے کی صحت و سقم معلوم کرنے کی استعداد رکھتا ہے۔ حاصل یہ کہ غیر ولی فن میں کیسی ہی مہارت کیوں نہ رکھتا ہو بغرض علاج انکے سامنے کامل تسلیم و تفویض، انقیاد و اعتماد، اطلاع و اتباع بدون تفکر و تدبر ہرگز جائز نہیں۔ عبارت ثانیہ کا یہی مطلب ہے۔

وجوہ الترجیح

(۱) کلیہ مثنوی کا مضمون مدلل ہے اور ملفوظات کا غیر مدلل، لہذا کلیہ مثنوی کا مضمون راجح ہوگا۔ ملفوظات میں جو طبیب کے ساتھ بطور تمثیل کے دلیل بیان کی گئی ہے وہ بھی مخدوش ہے کیونکہ طبیب کا ولی ہونا اگرچہ ضروری نہیں مگر صحیح و تندرست ہونا ضروری ہے۔ پس جیسے طبیب ظاہر کا امراض ظاہرہ سے تندرست ہونا ضروری ہے بعینہ اسی طرح طبیب باطن کا امراض باطنہ سے تندرست ہونا ضروری ہے، رای علیل علیل کا اصول مسلم و مشاہد و منقول ہونیکے علاوہ معقول بھی ہے۔ بایں طور کہ علاج کے لئے کمال عقل و کمال سکون ضروری ہے اور مرض کی وجہ سے دوسرے قوی کی طرح قوۃ عقلیہ میں بھی ضعف آنا لازم اور مشاہد ہے۔ نیز تکلیف کی وجہ سے جو انتشار پیدا ہوتا ہے اس سے قوۃ فکریہ میں کام کرنے کی پوری صلاحیت نہیں رہتی بعینہ اسی طرح مریض باطن کمال عقل و سکون قلب سے خالی ہوتا ہے، کمال عقل اسلئے نہیں کہ شریعت میں عقل ہے اسلئے قرآن کریم نے صرف کامل الایمان لوگوں ہی

کو "رجال" کا لقب دیا ہے، وقال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ

در اشارتہاش را بینی زنی ! مرد پنداری و چوں بینی زنی
ایں قدر عقلے کہ داری گم شود سر کہ عقل از وے بپرد دم شود

پس جس حد تک شریعت میں کوتاہ ہوگا اسی حد تک عقل میں فتور لازم ہوگا اور سکونِ قلب اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اسکی تحصیل منحصر ہے تعلق مع اللہ میں، پس جسقدر یہ تعلق ضعیف ہوگا سکونِ قلب ناقص ہوگا اور اسکی ضد یعنی انتشار موجود ہوگا تو ثابت ہوا کہ غیر ولی کمالِ عقل و کمالِ سکونِ قلب سے خالی ہوتا ہے، ضعفِ عقل اور انتشار کا شکار ہوتا ہے لہٰذا اس میں معالج بننے کی صلاحیت نہیں۔

(۲) کلید مثنوی کا حصہ اول حضرت اقدس قدس سرہٗ نے خود اپنے قلم مبارک سے تحریر فرمایا ہے لہٰذا اسکی نسبت حضرت قدس سرہٗ کی طرف بلا واسطہ ہے اور ملفوظات کی نسبت بواسطۂ ناقل ہے جسمیں احتمال الخطأ فی السماع والفہم والتعبیر موجود ہے۔

(۳) یہ امر مسلم ہے کہ کسی کتاب کی تصنیف پر جس حد تک تحقیق عمیق اور تیقظ و امعانِ نظر سے کام لیا جاتا ہے عام ملفوظات میں اتنا اہتمام نہیں ہوتا اور نہ ہی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اگر ان ملفوظات کو حضرت قدس سرہٗ نے بغرضِ تصحیح سنا یا دیکھا بھی ہو تو بھی اس کے مقابلہ میں کلید مثنوی کی تحقیق واجب القبول ہوگی۔ والتوفیق احسن من الترجیح۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وهو الملهم للصواب [illegible]

رشید احمد

۲۴ جمادی الآخرہ سنہ ۸۶ ہجری

جواب از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دفعِ تعارض کی جو تقریر اوپر کی گئی ہے وہ بھی صحیح و محتمل ہے لیکن میرے دل کو تو اول وہلہ میں یہ بات زیادہ لگتی ہے کہ کمالاتِ اشرفیہ میں ایک علمی تحقیق اور امکانِ عقلی پر گفتگو ہے کہ شیخ اگر ماہرِ فن ہو اور مرید کی تدبیر صحیح کرے مگر خود عامل نہ ہو تو مرید اسکے اتباع سے درجۂ کمال کو پہنچ سکتا ہے نہ عقلاً کوئی چیز مانع ہے نہ شرعاً۔ ان اللہ یؤید هذا الدین بالرجل الفاجر وامثالہ اس کے لئے کافی ہے۔

اور کلید مثنوی میں وہ طریق بتلایا گیا ہے جو عادۃً ضروری ہے۔ تجربہ اور عادت اسپر شاہد ہے کہ محض امکان عقلی سے کہیں دنیا میں کام نہیں چلتا جب تک اسباب مناسب اختیار نہ کرے۔ فاسق شخص اگرچہ ماہر فن ہو اس پر یہ اعتماد ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ اسکی تدبیر صحیح کریگا۔ جب اعتماد نہیں تو علاج بیکار ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلا مضمون نری علمی تحقیق اور امکان عقلی و شرعی کا بیان ہے جو عموماً اصلاح حال کے لئے عادۃً و تجربۃً کافی نہیں ہوتا اور دوسرے مضمون میں صحیح طریقہ بتایا گیا جس کے بغیر عادۃً اصلاح نہیں ہوتی۔

بندہ محمد شفیع از دارالعلوم کراچی

۲۸ رجب المرجب سنہ ۹۰ ہجری

بیعت مقصود نہیں اصلاح مقصود ہے

سوال: زید کسی پیر کا مرید نہ ہو اور وہ مر جائے یا تمام عمر میں کسی کو مرشد نہ بنائے تو کسی قسم کا گناہ تو نہ ہوگا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بیعت سے مقصود اصلاح ہے اور وہ تبھی ہوتی ہے کہ کسی کامل کے ساتھ اصلاحی تعلق رکھے اگرچہ بیعت نہ ہو۔ بیعت مقصود نہیں اصلاح مقصود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ رمضان المبارک ۸۲ھ

حقیقت تصوف

سوال: آجکل عام طور پر مدارس دینیہ کے کئی اساتذہ و طلبہ اور انکے علاوہ دوسرے عام مولویوں کو بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ تصوف اور اہل تصوف کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں لہٰذا اس کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں کہ تصوف کی شرعاً کیا حیثیت ہے اور اسکا قرآن و حدیث سے کیا ثبوت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آخرت سے بے فکر مولویوں کی تصوف سے برہمی کا سبب یہ ہے کہ تصوف کے ذریعہ اصلاح باطن اور فلاح آخرت حاصل ہوتی ہے جو علم سے اصل مقصود ہے۔ چونکہ تصوف حبّ جاہ و مال میں مبتلا مولویوں کے نفسانی تقاضوں کے خلاف پڑتا ہے اسلئے وہ اس کی تحقیر کرتے ہیں۔ اسکی مثال بعینہٖ یہ ہے کہ عوام الناس میں سے وہ لوگ جن میں دین کی فکر نہیں اور وہ آزادانہ زندگی بسر

کرنا چاہتے ہیں وہ علماء دین کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنی مجالس میں ان کو برا بھلا کہتے رہتے ہیں جس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں علماء حق کو رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ تصوف کی ضرورت قرآن و حدیث اور فقہ سے ثابت ہے علاوہ ازیں عقلاً بھی اس کی ضرورت بدیہی اور ظاہر ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ احکام شریعت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ظاہر سے متعلق

(۲) باطن سے متعلق

اعمال باطنہ کا وجود قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور ہر شخص کا وجدان بھی اس کی شہادت دیتا ہے۔ علاوہ ازیں مسلمات عقلیہ اور متفق علیہ حقائق میں سے ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے وذروا ظاهر الاثم وباطنه، اس کے علاوہ حسد، کبر، ریا، حب مال، حب جاہ وغیرہ رذائل اور ان کی متقابلات صفات محمودہ، اخلاق رذیلہ سے تخلیہ اور اخلاق حمیدہ سے تحلیہ کا حکم اول کے علاج اور دوم کی تحصیل کے طرق قرآن و حدیث میں بار بار بہت کثرت سے مذکور ہیں بس ان اعمال باطنہ یعنی رذائل کے ازالہ اور اخلاق حمیدہ کی تحصیل سے متعلق علم کا نام تصوف ہے۔

عقلی لحاظ سے دیکھا جائے تو بھی تصوف کی ضرورت بدیہی ہے بایں طور کہ جب امراض باطنہ نصوص شرعیہ سے ثابت ہیں اور مشاہد ہیں تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح اور علاج کے طریقے بھی ضرور بیان فرمائے ہونگے ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت ہوگی کہ اخلاق رذیلہ پیدا تو فرما دیئے مگر ان کا علاج نہیں بتایا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے فقہ کی تعریف یوں منقول ہے۔ الفقه معرفة النفس ما لها وما عليها (توضیح ص ۱) یہ تعریف تصوف کو بھی شامل ہے بلکہ اعمال باطنہ چونکہ زیادہ اہم ہیں حتی کہ اعمال ظاہرہ کا وجود و عدم اور ان کا اعتبار اعمال باطنہ ہی پر موقوف ہے اس لئے تعریف مذکور کے مطابق فقہ کا اہم شعبہ تصوف ہوا، فقہ کا اعمال ظاہرہ سے تعلق رکھنے والا شعبہ ثانوی درجہ رکھتا ہے۔ علم باطن کی اہمیت کے پیش نظر فقہ کے اس شعبہ کا مستقل نام "تصوف" رکھ دیا گیا مگر بے عمل مولویوں نے تصوف کو فقہ کے مفہوم سے ایسا اڑایا کہ فقہ کے لفظ میں تصوف کی طرف کسی قسم کے التفات کی کوئی بھی گنجائش نہ چھوڑی۔

غرضیکہ تصوف کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اعمال باطنہ سے متعلق علم حاصل

کیا جائے اور اس کی ضرورت قرآن، حدیث، فقہ اور عقل سے ثابت ہو چکی ـــــــ باقی مصلح کا کام صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ کسی شخص میں مرض کی تشخیص کر کے نسخہ تجویز کر دیتا ہے، مرض اور علاج تو منصوص ہے، مرض کی تشخیص اور نسخہ کی تجویز مصلح کرتا ہے۔ اسکے علاوہ مصلح بعض ایسی تدابیر اختیار کرتا ہے جن کا تعلق فراست، درتجربہ سے ہے، چونکہ ان تدابیر کو مقصود نہیں سمجھا جاتا بلکہ ذریعۂ مقصود (اصلاح باطن) ہیں اسلئے ان تدابیر کا ثبوت قرآن و حدیث سے ضروری نہ رہا۔

ایسے بے فکر مولویوں کو اگر کوئی اصلاح باطن کا مشورہ دیتا ہے تو ان کا نفس امارہ یہ عذر پیش کرتا ہے کہ آجکل کوئی بزرگ ایسا نہیں کہ اس سے اصلاح کرائی جائے، ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست　　　تا بجوشد آبت از بالا و پست

معالج نہ ملنے کی شکایت اس کی دلیل ہے کہ علاج کی فکر نہیں اور مرض کو مرض نہیں سمجھا جا رہا، امراض جسمانیہ کے علاج کی تو یہ حالت ہے کہ ذرا سا پیٹ میں درد ہو تو ہر شخص معالج نظر آنے لگتا ہے مگر آخرت کی فکر نہیں اس لئے معالج نہ ملنے کی شکایت کی جاتی ہے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت نہ ہوگی کہ امراض باطنہ تو پیدا فرما دیئے مگر معالج کوئی بھی پیدا نہیں فرمایا، یا یوں تعبیر کریں کہ آخرت کی تباہی کے اسباب پیدا فرما دیئے مگر ان سے نجات حاصل کرنے کی کوئی سبیل پیدا نہ فرمائی، اگر یوں کہا جائے کہ جب امراض باطنہ کا علاج قرآن و حدیث میں موجود ہے تو علماء اپنا علاج خود ہی کر سکتے ہیں کسی کے ساتھ اصلاحی تعلق رکھنے کی ضرورت نہیں، یہ خیال اسلئے صحیح نہیں کہ اولاً قرآن و حدیث میں مذکور نسخوں کو صرف اہل فن ہی جانتے ہیں دوسرے علماء کی وہاں تک رسائی نہیں، ثانیاً جیسے امراض جسمانیہ کا علاج صرف کتب طب کے مطالعہ سے نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے لئے کسی ماہر فن کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اسی طرح امراض باطنہ کا علاج بھی بدوں صحبت کامل کے نہیں ہو سکتا، ضرورت صحبت پر مزید دلائل بندہ کی کتاب ارشاد القاری الی صحیح البخاری میں مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فکر آخرت اور شوق دین کی نعمت سے نوازیں۔ نفس و شیطان کے مکاید سے اپنی حفاظت میں رکھیں، فقط، واللہ الحاکم

۱۵ / جمادی الآخرہ سنہ ۱۴۰۰ ہجری

حضرت علی سے حسن بصری کی ملاقات اور حضرت علی سے باطنی سلاسل کی ابتداء کی حکمت

سوال : بعض حضرات سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہیں ہوئی لیکن سلسلۂ چشتیہ میں یہ لکھا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے پیر و مرشد تھے اور اس کی بھی وجہ تحریر فرمایا کہ صرف نقشبندیہ سلسلہ کے سوا باقی تمام سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شروع ہوتے ہیں، دونوں باتوں کا جواب تفصیل سے تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا!

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی ملاقات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے[عـہ] (تہذیب التہذیب)

کسی صحابی کی کوئی جزئی فضیلت دوسرے صحابی کی مطلق فضیلت سے منافی نہیں چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مطلق فضیلت ہونے کے باوجود تدبر کی فضیلت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اور کثرت روایت حدیث کی فضیلت حضرت ابوہریرہ، انس، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہے اسی طرح اشاعت علم باطن کی جزئی فضیلت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہے۔ مشہور حدیث انا مدینۃ العلم و علی بابھا میں شاید یہی مراد ہو، اس کی ایک عقلی وجہ بھی ہے وہ یہ کہ افادہ علوم باطن کے لئے خاص مناسبت اور مزاج شناسی ضروری ہے اور یہ امر نسبی تعلق خصوصاً پروردہ بچے میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۵ھ

شیخ کامل کی علامات

سوال: کسی متبع سنت شیخ کامل کی علامات اور اس کی پہچان کیا ہے۔ کیا شیخ اور ان کے مریدین کے لئے اتباع شریعت ضروری ہے؟ اور کیا شریعت پر چلنے کے علاوہ بھی معرفت حاصل ہو سکتی ہے؟ کیا اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس اتباع شریعت کے علاوہ حاصل نہیں ہو سکتا یا دونوں چیزیں اتباع شریعت اور شریعت پر پورا پورا عمل کرنے ہی پر موقوف ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ شریعت اور معرفت دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایسے شخص کے بارہ میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

شیخ کامل کی علامات یہ ہیں:

(۱) وہ زندگی کے ہر شعبہ میں پورے طور پر متبع سنت ہو اور اپنے معتقدین و مریدین کو بھی ہر معاملہ میں اتباع سنت کی تلقین و تاکید کرتا ہو۔

عـہ اس کی پوری تفصیل عنوان "حضرت علی سے حسن بصری کا استفادہ" کے تحت ہے۔ ۱۲

(۲) امراء و اغنیاء کی بجائے صلحاء و علماء عوام اس کی طرف زیادہ متوجہ ہوں اور اس سے
عقیدت رکھتے ہوں۔
(۳) اس کے پاس بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ کی یاد، آخرت کی فکر اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو۔
(۴) اس کے ساتھ اصلاحی تعلق رکھنے والوں کی اکثریت ظاہرًا و باطنًا شریعت کی پابند ہو۔
اتباع شریعت کے سوا تزکیۂ نفس و اصلاح باطن کی ہرگز ہرگز کوئی صورت ممکن نہیں، قال
اللہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم
وقال تعالیٰ وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔ جو شخص
معرفت و طریقت کو شریعت سے الگ قرار دیتا ہے وہ ملحد، بے دین اور زندیق ہے، حکومت اسلامیہ
پر فرض ہے کہ اس کے قتل کا حکم دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
غرۂ رمضان المبارک ۹۵ھ

کرامت کی پہچان

سوال: کرامت کی صحیح تعریف کیا ہے۔ کیا ہر اعجوبہ کرامت ہے؟ بینوا توجروا
الجواب باسم ملہم الصواب
کرامت ایسے کام کو کہتے ہیں جو کسی پابند شریعت اور مکمل متبع سنت ولی اللہ سے بطور خرق
عادت صادر ہو۔ جو شخص مکمل طور پر شریعت کا پابند نہ ہو وہ اگر کوئی اعجوبہ دکھائے تو وہ کرامت نہیں
بلکہ استدراج، سحر یا مسمریزم وغیرہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۰ صفر سنہ ۹۴ ہجری

شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت

سوال: تصوف کی اصطلاحات شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کا کیا مطلب ہے؟
کیا یہ چیزیں شریعت سے الگ ہیں؟ وضاحت سے تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا
الجواب باسم ملہم الصواب
شریعت احکام ظاہرہ و باطنہ کا مجموعہ ہے اور طریقت صرف احکام باطنہ کو کہا جاتا ہے
اس لئے طریقت شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ شریعت ہی کا ایک شعبہ ہے۔ شریعت کے
تمام احکام ظاہرہ و باطنہ کے کامل اتباع کی بدولت بعض حقائق تکوینیہ و تشریعیہ کا انکشاف
ہوتا ہے یہ حقیقت ہے۔ شریعت کے اتباع اور علوم کے انکشافات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی

معرفت ومحبت میں اضافہ ہوتا ہے اسے معرفت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بعض اصطلاحات کے گرداب سے نکال کر اپنی معرفت ومحبت عطا فرمائیں، آمین فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ رذی قعدہ سنہ ۹۶ ہجری

جہادِ اکبر

سوال: عام طور پر مشہور ہے کہ صوفیہ کرام مجاہدۂ نفس کو جہاد اکبر کہتے ہیں۔ کیا اس کا قرآن وحدیث سے کوئی ثبوت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک اخرجہ البیہقی (کنوز الحقائق)

وقال صلی اللہ علیہ وسلم المجاہد من جاہد نفسہ، رواہ الترمذی وصححہ واخرجہ الدیلمی عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قدم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قوم غزاۃ فقال ... قدمتم خیر مقدم وقدمتم من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر مجاہدۃ العبد ہواہ (کنز العمال)

والیہ اشار العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ فی ــہ

قد رجعنا من جہاد الاصغریم ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ با نبی اندر جہاد اکبریم

ان نصوص کے علاوہ ویسے بھی ظاہر ہے کہ کفار کے ساتھ جہاد سے اصل مقصد حفاظت دین ہے اور وہ مجاہدۂ نفس ومخالفت ہوی پر موقوف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حدیث مذکور ثابت نہیں، مکمل تحقیق تتمہ میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ

۲ ربیع الآخر سنہ ۹۷ ہجری

صاحب نسبت کی تعریف

بعض بزرگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ صاحب نسبت ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے شمار نسبتیں ہیں۔ مثلاً وہ خالق ہم مخلوق، وہ رازق ہم مرزوق، وہ قادر ہم مقدور، وہ مکوِّن ہم مکوَّن وغیرہ۔ ان نسبتوں کے استحضار اور اتباع شریعت کی بدولت انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا ہو جاتا ہے اس کو اصطلاح صوفیہ میں نسبت کہا جاتا ہے۔ حضرت تھانوی قدس سرہ نے نسبت کی تعریف بالالتزام یوں فرمائی ہے: دوام طاعت وکثرت ذکر۔ جس شخص کو یہ دو امور حاصل ہو جائیں اسے صاحب نسبت کہتے ہیں، واللہ

احتجنا منہوی اسمیت۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الاول سنہ ۹۰ ہجری

تشریح حال و مقام :

بعض بزرگوں سے سُنا ہے کہ فلاں صاحبِ حال ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

درحقیقت حال و مقام دو متقابل اصطلاحیں ہیں: "المقامات مکاسب والاحوال مواہب" یعنی مقام وہ ملکۂ راسخہ ہے جو کسب و ریاضت سے حاصل ہوا ہو، یہ عموماً دائم ہوتا ہے، کالتوکل والصبر وغیرہما، اور حال بلا اختیار پیدا ہونے والے واردِ قلبی کو کہا جاتا ہے جو اکثر زائل ہو جاتا ہے، کالشوق والوجد والاستغراق، مقام کا معاملہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے عوام سے اس کے آثار مخفی رہتے ہیں اور حال اکثر خلق پر بھی ظاہر ہو جاتا ہے، کما قال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

حال چوں جلوہ ست زاں زیبا عروس　　ویں مقام آں خلوت آمد با عروس

جلوہ بیند شاہ و غیر شاہ نیز　　وقت خلوت نیست جز شاہ عزیز

جلوہ کردہ عام و خاصاں را عروس　　خلوت اندر شاہ باشد با عروس

ہست بسیار اہل حال از صوفیاں　　نادر ست اہل مقام اندر میاں

بسا اوقات حال بالمعنی العام الشامل للمقام بھی استعمال ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ ربیع الاول سنہ ۹۰ ہجری

حضرت علی سے حسن بصری کا استفادہ

سوال: کتب اسماء الرجال میں تصریح ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی لقاء حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت نہیں، اس صورت میں سلسلۂ چشتیہ کا انقطاع لازم آتا ہے، امید ہے کہ اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈال کر مطمئن فرمائیں گے۔ والاجر عند اللہ الکریم۔

الجواب باسم ملہم الصواب

روایات ذیل سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع و لقاء ثابت ہے

(۱) قال ابن سعد ولد الحسن البصری لسنتین بقیتا من خلافة عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه ونشأ بوادی القری وکان فصیحا رأی علیا (تهذیب التهذیب)

(۲) روی عن ابی بن کعب وسعد بن عبادة وعمر بن الخطاب ولم یدرکهم وعن ثوبان وعمار بن یاسر وابی هریرة وعثمان بن ابی العاص ومعقل بن سنان ولم یسمع منهم وعن عثمان وعلی ... (تهذیب التهذیب)

اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت بدون سماع ہوتی تو یہاں بھی عدم سماع کی تصریح ہوتی۔

ایک ہی مقام میں ہوتے ہوئے عدم لقاء و عدم سماع بہت بعید ہے۔ غرضیکہ آپ کو صحبت طویلہ حاصل نہیں ہوئی، استفادۂ باطنہ کے لئے اگرچہ بالعموم صحبت طویلہ ضروری ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔

اگر بالفرض عدم سماع بھی تسلیم کر لیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفادہ بالواسطہ کیا ہوگا، اس میں کیا اشکال ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ــــــــ ۵ جمادی الآخرہ سنہ ۸۸ھ

مسئلہ وحدۃ الوجود:

سوال: بعض جاہل صوفی "ہمہ اوست" کہتے ہیں اسکا کیا مطلب ہے؟ وضاحت سے بیان فرمائیں، بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

"ہمہ اوست" مسئلہ وحدۃ الوجود کا ایک عنوان ہے جیسے کہ اصطلاح صوفیہ میں توحید، عینیت اور مظہریت وغیرہ بھی اسی مسئلہ کے مختلف عنوان ہیں۔ حاصل اسکا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود کامل ہے اور اسکے مقابلہ میں تمام ممکنات کا وجود اتنا ناقص ہے کہ کالعدم ہے، عام محاورہ میں کامل کے مقابلہ میں ناقص کو معدوم سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے کسی بہت بڑے عالم کے مقابلہ میں معمولی تعلیم یافتہ کو یا کسی مشہور پہلوان کے مقابلہ میں معمولی شخص کو کہا جاتا ہے کہ یہ تو اسکے سامنے کچھ بھی نہیں، حالانکہ اسکی ذات اور صفات موجود ہیں مگر کامل کے مقابلہ میں انھیں معدوم قرار دیا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے وجود کامل کے سامنے تمام مخلوق کے وجود کو حضرات صوفیہ معدوم قرار دیتے ہیں، حضرت شیخ سعدی نے دو مثالوں سے اسکی خوب وضاحت فرمائی ہے، ارشاد ہے ؎

مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ　　　بتابد بشب کرمکے چوں چراغ
یکے گفتش اے کرمک شب فروز　　　چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز
ببیں کاتشیں کرمک خاک زاد　　　جواب از سر روشنائی چہ داد
کہ من روز و شب جز بصحرا نیم　　　ولے پیش خورشید پیدا نیم

دوسری مثال بیان فرماتے ہیں ؎

یکے قطرہ از ابر نیساں چکید　　　خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائیکہ دریاست من کیستم!　　　گر او ہست حقا کہ من نیستم:
ہمہ ہر چہ ہستند از آں کمتر اند　　　کہ با ہستیش نام ہستی برند

تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ وحدۃ الوجود کے یہ معنی نہیں کہ سب ممکنات کا وجود اللہ تعالیٰ کے وجود سے متحد ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وجود کامل صرف واحد ہے، بقیہ موجودات کالعدم ہیں "ہمہ اوست" کا بھی یہی مفہوم ہے جیسے کہ کوئی بادشاہ کے دربار میں درخواست پیش کرے، بادشاہ اسے چھوٹے حکام کی طرف رجوع کا مشورہ دے اور یہ جواب میں کہے کہ حضور آپ ہی سب کچھ ہیں،

تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ سب حکام آپ سے متحد ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپکے سامنے سب حکام کالعدم ہیں۔

اسی طرح عینیت اصطلاح صوفیہ میں بمعنی احتیاج ہے، اس معنی سے جملہ مخلوق میں خالق ہے یعنی اسکی محتاج ہے، پھر کبھی عینیت میں یہ قید لگادیتے ہیں کہ اس احتیاج کی معرفت بھی ہو، اس معنی سے صرف عارف کے لئے عینیت ثابت کرتے ہیں، پھر بعض اوقات ایک قید مزید بڑھاتے ہیں کہ اس معرفت میں استغراق ہو کہ جملہ مخلوق حتی کہ اپنی ذات کی طرف بھی التفات نہ رہے وبہذا المعنی قال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

آں یکے را روئے او شد سوئے دوست ۔۔۔ واں یکے را روئے او خود روئے دوست

جاہل صوفیوں کے فتنہ سے اُمت کی حفاظت کے لئے اہل ارشاد نے وحدۃ الوجود کی اصطلاح کو وحدۃ الشہود سے بدل دیا ہے، جس میں فتنہ کا خطرہ نہیں، کیونکہ اس میں غیر کے وجود کی نفی نہیں بلکہ اسکا مفہوم یہ ہے کہ جملہ موجودات میں سے شہود اور التفات صرف ایک ذات کی طرف ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ جمادی سنہ ۹۷ھ

تشریح فناء وبقاء:

سوال: مقام فنا کے کیا معنی ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے غلبۂ شہود کی وجہ سے اپنی ذات وصفات سے بے خبری کو فناء کہتے ہیں۔ فناء صفات کو قرب نوافل، اور فناء ذات کو قرب فرائض کہا جاتا ہے۔ چونکہ حدیث قدسی "وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا (رواہ البخاری)" میں فناء صفات کو تقرب بالنوافل پر مرتب کیا گیا ہے اسلئے صوفیہ اس درجہ کو قرب نوافل کہتے ہیں، اور فرائض کا درجہ نوافل سے زیادہ ہے۔ چنانچہ اسی حدیث کے شروع میں ہے "وما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما افترضت علیہ" اسلئے فناء ذات کو جو کہ افضل ہے فناء صفات سے قرب فرائض کہتے ہیں۔

پھر اس فناء کا بھی علم نہ رہے تو یہ فناء الفناء ہے جیسے کہ نائم اپنی نوم سے بھی بے خبر ہوتا ہے۔ بعض حضرات بقاء یعنی فناء سے افاقہ کو فناء الفناء کہتے ہیں۔

فناء وبقاء ایک اور معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ زوال رذائل کو فناء اور حدوث فضائل کو بقاء کہا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ جمادی الآخرہ سنہ ۹۷ھ

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے
راہ آں باشد کہ پیش آید شہے
استیناس الابد
بشرح
فضل العالم علی العابد

وجہِ تالیف

ایک مرتبہ لاہور کے سفر میں جامعہ اشرفیہ میں حاضری ہوئی وہاں کے ایک عالم فرمانے لگے کہ

"میرے خیال میں علماء کو ذکر و شغل اور نوافل و تلاوت کی بجائے درس و تدریس اور افتاء و ارشاد میں مشغول رہنا زیادہ ضروری ہے"

انھوں نے اپنے اس خیال کی تائید میں حدیث "فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم" پڑھی بندہ نے عرض کیا کہ جو عالم ذکر و تلاوت وغیرہ عبادت نافلہ کثرت سے نہیں کرتا وہ مطلقاً شرع میں عالم ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس پر کچھ دلائل بیان کرا دئیے، یہ قصہ عصر و مغرب کے درمیان پیش آیا، نماز مغرب کے بعد وہ عالم تشریف لائے اور فرمایا کہ

"آپ کے بیان سے متأثر ہو کر میں آج اوّابین پڑھ کر آرہا ہوں"

میں نے کراچی واپس آکر سفر کی روئیداد میں یہ قصہ بھی ذکر کیا، اس وقت کسی صاحب نے ٹیپ ریکارڈر لگا رکھا تھا، اس میں یہ بیان محفوظ ہو گیا سننے والوں نے بہت پسند کیا اور اس کی اشاعت کی ضرورت بیان کی، بندہ کو بھی خیال ہوا کہ

"کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم مذکور کی طرح اسے غلط فہمی میں مبتلا دوسرے علماء کے لئے بھی اسے نافع بنا دیں"

چنانچہ میں نے یہ مضمون ٹیپ سے نقل کروا کر استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کیا، آپ بہت مسرور ہوئے، اس پر اپنا تأثر تحریر فرمایا اور فرمایا کہ

"دار العلوم کے سب اساتذہ کو جمع کر کے یہ مضمون سنایا جائے" حضرت مفتی صاحب کی نظر میں اس کی افادیت و اہمیت ثابت ہونے کے بعد اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا گیا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور ہم سب کے لئے نافع بنائیں - وفقنا اللہ الجمیع لما یحب و یرضی، آمین

رشید احمد — ۶ صفر سنہ ۹۶ھ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کا تأثر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز محترم مولانا رشید احمد صاحب زاد اللہ تعالیٰ فضلاً و کمالاً کا مضمون متعلقہ حدیث فضل العالم علی العابد شوق سے سُنا ماشاء اللہ حجت کے اعتبار سے متین اور اثر کے اعتبار سے رنگین ہے حقیقت ہے کہ فقہاء کرام کے ایسے اقوال جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علم دین کی کتابوں کا مطالعہ یا درس و تدریس قیام اللیل سے افضل ہے ان سے بہت سے اہل علم اس مغالطہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ تہجد اور نوافل و اوراد کو بالکلیہ ترک کر کے سارا وقت تبلیغ و تعلیم میں خرچ کریں بلکہ خود حضرات فقہاء و محدثین اور تمام علماء سلف و خلف کا تعامل دیکھا جائے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی اہم نوافل تہجد وغیرہ اور اہم اذکار کو چھوڑ کر علمی خدمات کو اختیار نہیں کیا بلکہ علمی خدمات کے ساتھ اوراد و اذکار اور تہجد و نوافل کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا ہے۔

میں نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے کہ حضرت امام قاضی ابو یوسفؒ اس زمانے میں جبکہ وہ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور اور اس کے فرائض کی ادائیگی میں مشغول تھے رات کو دو سو رکعت پڑھتے تھے، جہاں تک مجھے یاد ہے خلاصۃ الفتاویٰ میں کسی جگہ لکھا ہے (جو اس وقت سرسری تلاش سے ملا نہیں) کہ تعامل علماء سلف کا یہ تھا کہ دن کا وقت تو زیادہ تر علمی خدمات درس و تدریس تبلیغ و تعلیم یا تصنیف و فتویٰ میں صرف کرتے تھے مگر رات کا بڑا عمل ان کا نماز تہجد و تلاوت ہی ہوتا تھا اور حقیقت ہے کہ تعلیم و تبلیغ کی خدمت بھی مؤثر و مفید جبھی ہوتی ہے جبکہ تعلق مع اللہ اور ذکر اللہ کے لازمی اثرات اس میں موجود ہوں۔ واللہ المستعان

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
دار العلوم کراچی نمبر ۱۴
۹/۱۴/۹۸ھ

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُمْ

اس حدیث کے پیش نظر بعض علماء اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ اہل علم کو نفلی عبادت کی بجائے علمی مشغلہ رکھنا چاہئے، اوابین، تہجد اور ذکر و شغل وغیرہ میں مشغول ہونا صحیح نہیں، یہ وقت علم دین کی خدمت و اشاعت میں صرف کرنا افضل ہے مگر یہ محض مغالطہ اور نفس و شیطان کا کید ہے۔ اس لئے حدیث مذکور کی تشریح کی ضرورت پیش آئی۔

اولاً یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ شریعت کی نظر میں علم کسے کہتے ہیں؟ سو واضح ہو کہ نظر شرع میں علم وہ معتبر ہے کہ جس سے خشوع و خضوع، ورع و تقویٰ و فکر آخرت اور حساب و کتاب کا استحضار اور دنیا و ما فیہا سے زہد اور آخرت کی طرف رغبت پیدا ہو، فرماتے ہیں:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ اس سے معلوم ہوا کہ علم سے خشیت پیدا ہوتی ہے
وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَأَعْلَمَكُمْ بِاللهِ أَنَا، أَيْ أَنَا أَتْقَاكُمْ لِأَنِّي أَعْلَمُكُمْ بِاللهِ اس سے ثابت ہوا کہ زیادہ علم زیادہ تقویٰ کی صورت ہے۔ اور فرمایا:
فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ۝ ان آیات سے جہل و علم کی حقیقت معلوم ہوئی کہ حیات دنیا پر نظر رہنا جہل اور ثواب اللہ پر نظر ہونا علم ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ کا صرف اعتقاد حاصل ہو جانا علم نہیں بلکہ تحقق علم کے لئے اس کا استحضار اور اس کے مطابق عمل ضروری ہے وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ سے اسی امر کی تاکید فرما دی، لہٰذا خواہ کوئی دنیا بھر کے علوم حاصل کرے مگر بدون تقویٰ کے وہ نظر شرع میں كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا اور "چار پائے برو کتا بے چند" کا مصداق ہو گا، عقلاً بھی یہ امر مسلّم اور بدیہی ہے کہ حقیقی علم معرفت خالق ہے۔ سہ

استیناس الآثار ———— ۴

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے　　　　راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

اور یہ بھی مسلم ہے کہ کسی چیز کی صفات کی جس حد تک معرفت ہوگی اسی حد تک اسکے آثار کا ظہور ہونگے۔ پس اللہ تعالیٰ کی شان جلال وجمال کی معرفت کے بعد غلبۂ شوق و غلبۂ خوف اور ان کے آثار کا ترتب لازمی ہے، دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ تقویٰ اور خشوع کیسے حاصل ہوتا ہے؟ اسکی تفصیل کے قرآن کریم نے مختلف مواضع میں متعدد طریقے بیان فرمائے ہیں، ارشاد ہے۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِينَ ۝ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُّلٰقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رٰجِعُونَ ۝ اس مضمون کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ توجہ الی الآخرۃ موقوف ہے زہد عن الدنیا پر، کیونکہ تحلیہ بلا تخلیہ ناممکن ہے؟

حضرت رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

آئینہ دانی چرا غماز نیست　　　　زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست

رو تو زنگار از رخ او پاک کن　　　　بعد ازاں آں نور را ادراک کن

اور زہد عن الدنیا نام ہے ازالۂ حب دنیا کا جو شامل ہے حب مال و حب جاہ کو۔ پس فرماتے ہیں کہ حب مال کا علاج صبر یعنی ترک لذات وشہوات سے کرو، اسلئے کہ تحصیل لذات کے لئے مال کی ضرورت پڑے گی تو مال کی طلب بڑھے گی، لہٰذا نفس کو ترک لذات کا عادی بناؤ تاکہ مال کثیر کی ضرورت نہ پڑے۔ قال البوصیری ؎

والنفس کالطفل ان تہملہ شب علی　　　　حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم

اور حب جاہ کا علاج نماز سے کرو، اس لیے کہ نماز میں سراسر عجز وانکسار ہے اور نماز کی گرانی کا علاج خشوع یعنی سکون قلب ہے، اس طرح کہ اعضاء کی حرکات قلب کی حرکات (خیالات وارادات) کے تابع ہیں، اسلئے نماز میں سکون اعضاء کی قیود (یعنی چلنے پھرنے بولنے دیکھنے کھانے پینے سے ممانعت) اسوقت تک گراں معلوم ہونگی جب تک قلب میں سکون پیدا نہیں ہوگا اور سکون قلب (خشوع) حاصل کرنیکا طریقہ بیان فرماتے ہیں کہ اپنے رب سے لقاء اور حساب وکتاب وجزاء وسزا کا مراقبہ کرتے رہا کرو۔

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيدٌ ۝

الیٰ ما قال ـــــ ۵

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـــًٔا ۭ ان دونوں آیتوں میں تقویٰ کا امر فرما کر اس کی تحصیل کا طریقہ بیان فرمایا کہ قیامت اور اس کی ہولناکیوں کا مراقبہ کیا کرو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاۗءً ۚ اس میں تحصیل تقویٰ کے لئے باری تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کے مراقبہ کا حکم فرمایا۔

اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۭ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۙ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝ اس میں حب مال کا علاج یہ بیان فرمایا کہ حشر اور حساب وکتاب کا مراقبہ کیا کرو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ اور فکر آخرت پیدا کرنے کے لئے مراقبۂ موت کی تعلیم فرمائی۔

اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ ۔

كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا ۔ زُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ ۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ میں مراقبہ ذات حق کا حکم فرمایا۔
حَقِيْقٌ بِالْمَرْءِ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ مَجَالِسُ يَخْلُوْ فِيْهَا وَيَذْكُرُ ذُنُوْبَهٗ فَيَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْهَا (هب) سے محاسبہ کی تاکید فرمائی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ یہاں تقویٰ اختیار کرنے کے لئے محاسبۂ اعمال کا حکم فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ اس آیت میں تحصیل تقویٰ کا طریقہ یہ بیان فرمایا کہ صادقین کے ساتھ رہا کرو، یعنی کثرت صحبت صادقین۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝ اس سے معلوم ہوا کہ کثرت ذکر اللہ سے قلب کو اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے اور اوپر آیۂ کریمہ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کی تفسیر میں بیان ہوا کہ سکون قلب سے نماز سہل ہو جاتی ہے، جس سے حب جاہ زائل ہوتی ہے جس سے فکر آخرت پیدا ہوتی ہے، ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، یعنی جو شخص خلوت میں ذکر اللہ کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں اسے اللہ تعالیٰ ایسے قرب سے نوازتے ہیں کہ قیامت کے روز اس کو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دیں گے جبکہ لوگ تمازت سے پریشان ہوں گے اور

پسلیوں میں ڈوب رہے ہوں گے۔ غرضیکہ مراقبہ، محاسبہ، صحبت اولیاء اور اللہ کثرت ذکر سے علم معرفت میں ترقی ہوتی ہے جس سے تقویٰ، خشوع اور تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے اسلئے کثرت ذکر کا حکم دیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۙ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝

وقال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

این قدر گفتیم باقی فکر کن　　　　فکر گر جامد بود رو ذکر کن
ذکر آرد فکر را در اہتزاز　　　　ذکر را خورشید این افسردہ ساز

نتیجہ یہ نکلا کہ علم موقوف ہے کثرت ذکر، محاسبہ، مراقبہ اور صحبت اولیاء اللہ پر، سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کئی روز تک مراقبہ اور تخلیہ کروانے کے بعد علم و عرفان سے آپ کا تحلیہ فرمایا گیا۔ پس ابتداءً تو یہ اذکار و اشغال مرض جہل سے نجات حاصل کرنے کے لئے بطور علاج کے ضروری ہیں، مگر جب ان کی بدولت علم و احساس کے ساتھ ساتھ تقویٰ و خشوع کی نعمت مل جاتی ہے تو یہ اذکار و اشغال خود مرض بن کر عاشق پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ کسی مرض کے لئے افیون یا تمباکو استعمال کروایا جائے جس سے اصل مرض کا علاج تو ہو جائے مگر خود افیون یا تمباکو کی عادت کا لا علاج مرض ہمیشہ کے لئے سوہان روح بن جائے۔ ابتداء میں انسان علاج کے طور پر بادل نخواستہ ان چیزوں کو اختیار کرتا ہے مگر کچھ وقت کے بعد یہ اذکار و اشغال انسان کو ایسے چمٹتے ہیں کہ ان سے بچنا ناممکن ہو جاتا ہے ؎

مکتب عشق کا دنیا سے نرالا دستور　　　　اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد رہا

اسی حالت کے بارے حضرت مجذوب فرماتے ہیں ؎

اب تو چھوٹے سے بھی نہ چھوٹے ذکر ترا اے میرے خدا
حلق سے نکلے سانس کے بدلے ذکر ترا اے میرے خدا

اذکار و اشغال میں یہ فرق ہے کہ اشغال خود مقصود نہیں صرف ذریعۂ مقصود ہیں، اور اذکار ذریعۂ مقصود ہونے کے علاوہ بذات خود بھی مقصود ہیں۔ ارشاد ہے:

[illegible]

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔　　　　۳۴۱

استیناس الآیۃ ——— ۔

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝ یعنی کثرت ذکر و مراقبات سے ان پر ایسی رقت قلب طاری ہو جاتی ہے کہ اپنے محبوب کی باتیں سن کر ان کے قلوب پر لرزہ آنے لگتا ہے، اور بدن کا رواں رواں کانپ جاتا ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں روتے ہوئے بے ساختہ سجدے میں گر جاتے ہیں اور آنکھوں سے سیل اشک جاری ہو جاتا ہے جو اس قدر کثرت سے بہتا ہے کہ گویا خود آنکھیں ہی بہی جا رہی ہیں ؎

کوئی نہیں جو یار کی لا دے خبر مجھے ‏ ‏ ‏ ‏ اے سیل اشک تو ہی بہا دے ادھر مجھے

؎ از حال خود آگہ نیم ہر ایں قدر دانم کہ تو

ہرگہ بخاطر بگذری اشکم ز داماں بگذرد

محبوب حقیقی نے اپنے عشاق کے مراقبہ، محاسبہ، کثرت ذکر، کثرت صلوٰۃ اور قیام لیل کا تذکرہ قرآن کریم میں بار بار دہرایا ہے، فرماتے ہیں:

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ یعنی قیامت کی ہولناکی کا مراقبہ کرتے رہتے ہیں۔

يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں کہ حسنات قبول بھی ہوئیں یا نہیں۔

يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝

اس میں اولاً مادہ قلت ثانیاً اس کی تعبیر بالتقلیل ثالثاً من تبعیضیہ رابعاً ما تاکیدیہ لاکر کس شان کے ساتھ ان کے قیام لیل کا تذکرہ فرمایا ہے کہ رات کو بہت ہی کم سوتے ہیں اور جب رات قریب الختم ہوتی ہے تو رات بھر کی عبادت کا محاسبہ کرتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ کچھ بھی

استیعاب الآیۃ ———— ۸

عبادت نہ کرسکے۔ مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ اپنی عبادت کا نقص سامنے آتا ہے تو اس پر استغفار کرتے ہیں ؎

نیکیاں یا رب مری بدکاریوں سے بد ہوئیں وہ بھی آنسو کی ترے دربار میں سجدہ ہوئیں

یہ عشاق اپنی جان کا نذرانہ پیش کرکے بھی اپنے کو قصور وار ہی سمجھتے ہیں ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا۔

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. یعنی کثرتِ ذکر و مراقبۂ قدرت میں لگے رہتے ہیں۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ اس میں اہل علم اسے کہا گیا ہے جو رات کو خشوع و خضوع اور خوف و رجا کی حالت میں کثرت سے نوافل پڑھے، بلکہ آیت ذیل کے ظاہر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں میں غلبۂ خشیت، خشوع و خضوع، کثرتِ ذکر، کثرتِ قیام لیل نہیں وہ مؤمن ہی نہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۩ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ان آیات میں اِنَّمَا کلمۂ حصر ہے، یعنی جب تک صفاتِ مذکورہ نہ پائی جائیں گی ایمان کا وجود ہی نہیں ہوسکتا، ان آیات کے ظاہر اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک رجال اللہ کے تعامل سے کثرتِ ذکر و قیام لیل کی فرضیت بلکہ شرطِ ایمان ہونا مفہوم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرض کی دو قسمیں ہیں (۱) ضابطہ کا فرض (۲) رابطہ کا فرض مثلاً شوہر کے ذمہ بیوی کے علاج کے مصارف اور بیوی کے ذمہ شوہر کی خدمت ضابطۂ شرعیہ سے فرض نہیں، مگر رابطہ کی حیثیت سے یہ ایسا اہم فریضہ شمار ہوتا ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے والے شوہر یا بیوی کو زوجیت کے لائق ہی نہیں سمجھا جاتا، اگرچہ ضابطہ کی رو سے یہ میاں بیوی ہیں، اسی طرح ضابطہ کی رو سے اگرچہ کوئی شخص مسلمان ہو مگر مسلمان کہلانے کے لائق اور رابطہ کا مسلمان تب بنے گا جب رابطہ کے فرائض مثلاً خشوع و خضوع کثرتِ ذکر و

قیام لیل کو ادا کریگا - اس پوری تقریر کا حاصل یہ ہے کہ جب تک مراقبہ، محاسبہ، خشوع و خضوع،
کثرتِ ذکر و قیامِ لیل متحقق نہ ہوگا، اسوقت تک عالم بننا تو درکنار صحیح معنوں میں مسلمان بھی
نہیں بن سکتا، اب حدیث کا مطلب واضح ہوگیا کہ عالم سے مراد وہ ہے جو نظرِ شرع میں عالم
ہو اور کامل مؤمن ہو۔ یعنی کم از کم اتنی عبادت کرتا ہو جو حقیقتِ علم اور کمالِ ایمان کے لئے
شرط ہے، جس کی تفصیل اوپر بیان ہوئی، ورنہ وہ عالم ہی نہیں بلکہ اس لائق بھی نہیں کہ اسے
مؤمن کہا جائے گرچہ حقیقت میں مؤمن ہو، پس عالم سے مراد وہ شخص ہے جو کم از کم اتنی
عبادت کرتا ہو جو حقیقتِ علم کے لئے موقوف علیہ ہے اور زیادہ وقت مشاغلِ علمیہ میں صرف
کرتا ہو اور عابد سے مراد وہ ہے جو درجۂ موقوف علیہ سے بھی زیادہ عبادت کرتا ہو اور علم بقدرِ
ضرورت سے زیادہ حاصل نہ کیا ہو، پس دونوں عالم بھی ہیں اور عابد بھی، فرق اتنا ہے کہ
ایک علم بقدرِ ضرورت یعنی بقدرِ فرضِ عین حاصل کرکے فرضِ کفایہ کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے
کثرتِ عبادت میں مشغول ہوجاتا ہے اور دوسرا عبادت بقدرِ ضرورت (جو حقیقتِ علم و کمالِ ایمان
کے لئے موقوف علیہ ہے) کرتا ہے اور علم سے فرضِ کفایہ کا درجہ بھی حاصل کرلیتا ہے، حقیقتِ علم
منکشف ہونے کے لئے دردِ محبت کی ضرورت ہے ؎

دردِ درون خود بیفزا دردرا — تا ببینی سبز و سرخ و زرد را

اس درد کی بدولت ایسے علوم منکشف ہوتے ہیں کہ عقل خیرہ رہ جاتی ہے ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء — بے کتاب و بے معید و اوستا

جو لوگ اس لذتِ درد سے ناآشنا ہیں ان کو حقیقتِ علم کی کیا خبر ؎

تو نہ دیدی گہے سلیماں را — چہ شناسی زبان مرغاں را
آگاہ نۂ تپ درون را — نشتر چہ زنی رگِ جنوں را

ان کو تو خودپرستی محبوبِ حقیقی کی طرف آنے ہی نہیں دیتی ؎

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید — معشوق دریں جاست بیائید بیائید

ایسے لوگوں کے بارے میں حضرت رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں فضل دارد از علوم — جان خود را مے نداند ایں ظلوم
جان جملہ علمہا ایں ست ایں — کہ بدانی من کیم در یوم دیں
ایہا القوم الذی فی المدرسہ — کلما حصلتموہ وسوسہ

علمو نبود الا علم عاشقی ما بقی تلبیس ابلیس شقی

خدمتِ علمِ دین کا بہانہ بنا کر عبادت سے جی چرانے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ کیا وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی اور آج تک رجالِ اُمت کے سلسلہ کا طرزِ عمل اپنی آنکھوں سے اوجھل کر سکتے ہیں؟ آپ لوگ تو بزعمِ خود صرف علم دین کے محافظ و مبلغ ہی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم پر تو تبلیغ دین کے علاوہ حکومت کی ذمہ داریاں بھی تھیں، پھر ان نفوسِ قدسیہ میں جذبۂ تبلیغ و مساعی عبادت گزاری کس حد تک تھا، یہ ہمارے وہم و گمان سے بھی خارج ہے ؎

وکیف یدرک فی الدنیا حقیقتہ قوم نیام تسلوا عنہ بالحلم

حضور اکرم آپ قیام لیل کس حد تک فرماتے تھے، کمر باندھ لیتے، احیاء لیل فرماتے، پاؤں متورم ہو جاتے اور کثرت سے نفل روزے رکھتے اور ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے، آپ نے یہ خیال کیوں نہ فرمایا کہ کثرتِ نوافل کی بجائے یہ وقت بھی تبلیغ علم دین اور نظم و اقامت حکومت میں ہی صرف کرنا چاہیے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے چالیس سال تک مسلسل عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی، ایک قرآن پاک روزانہ ختم فرماتے تھے، علامہ برہان الدین مرغینانی مصنف ہدایہ نے تیرہ سال تک مسلسل روزہ رکھا اور کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا، کیا آپ کا جذبۂ حفاظت و اشاعت علم دین ان مقدس ہستیوں سے بھی بڑھ کر ہے؟ مثال کے طور پر ان دو ہستیوں کا ذکر کر دیا، ورنہ اس سلسلہ کے ہر فرد کی یہ کیفیت ہے ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

ایک مرتبہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ اپنے استاذ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں مہمان ہوئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی صاحبزادی نے مہمان کی دیگر ضروریات کے ساتھ تہجد کے وقت وضوء کے لئے پانی بھی رکھ دیا، صبح کو جب دیکھا کہ پانی ویسے ہی رکھا ہے تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے یوں شکایت کی کہ "طالب علم لیس لہ حظ فی الصلوٰۃ" یہ کیسا طالب علم ہے جسے تہجد کی بھی توفیق نہیں ہوئی؟ ایک جلیل القدر امام کی صاحبزادی کا یہ جملہ مدعیانِ علم کے لئے تازیانۂ عبرت ہے۔ امام شافعی کے دریافت فرمانے پر امام احمد رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ رات آپ کے ہاں جو کھانا کھایا ہے اسکے انوار اس قدر محسوس ہوئے کہ رات بھر عبادت میں گزری ایک لمحہ کے لئے بھی غفلت نہیں ہوئی، لہٰذا وضوء کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، ماضی قریب

استیناس الآیہ ——— ۲

میں ہی ایسے رجال گزرے ہیں کہ امت مسلمہ پر کوئی دینی یا دنیوی ادنیٰ سی آفت بھی انکو پریشان کر دیتی تھی، جس سے ان کی نیند غائب اور آرام کافور ہو جاتا تھا، ایک درد تھا جو کسی وقت چین نہ لینے دیتا تھا، ان کے جذبۂ اشاعت دین کی مدعیان حفاظت علم کو تو ہوا بھی نہیں لگی، ایک طرف جہاد، وعظ و تقریر، تبلیغ و اشاعت، تدریس و افتاء، تصنیف و تالیف کے میدان میں یہ حضرات سباق تھے، دوسری طرف مراقبہ، محاسبہ، کثرت ذکر و شغل، نوافل و قیام لیل میں ممتاز اور امراض باطنہ کے طبیب حاذق تھے، ایک جانب بلا واسطہ علم نبوت حاصل کرنے والے ہزاروں شاگرد اور مواعظ و ملفوظات و تصانیف سے مستفید ہونے والے کروڑوں افراد اور دوسری جانب ان کے مطب روحانی سے صحتیاب ہونے والے اور نور نبوت حاصل کرنے والے ہزاروں کی تعداد میں ہیں، ان حضرات نے فقہ، قرآن، حدیث، علوم نقلیہ و عقلیہ، ظاہرہ و باطنہ کی ایسی گتھیاں سلجھائی ہیں کہ مدعیان علم و فراست کھانے پر بھی نہ سمجھ سکیں، مدعیان حفاظت و اشاعت علم ان عشاق کی تبلیغ و اشاعت دین جیسا کوئی ادنیٰ سا نمونہ تو پیش کریں ؎

اولٰئک اسلافی فجئنی بمثلھم — اذا جمعتنا یا عذیل المجامع

حقیقت یہ ہے کہ جب تک تعلق مع اللہ حاصل نہیں ہوتا اس وقت تک تبلیغ و اشاعت کا فریضہ ادا ہو ہی نہیں سکتا، آجکل خطرناک ضلالت یہ ہے کہ علم حقیقی کا مدعیان علم مذاق اڑانے لگے ہیں اور اپنے حلقۂ اثر کو اس سے روکتے ہیں ؎

منعم کنی ز عشق وے اے مفتی زمن — معذور دارمت کہ تو او را ندیدۂ

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے — حاصل خواجہ بجز پندار نیست

عوام کالانعام کی واہ واہ انسان کو تباہ کر دیتی ہے، عوام کی عقیدت اور دست بوسی پر عجب و پندار کوتاہ نظری اور مہلک ہے، کسی صاحب نظر سے تشخیص کروا لیجئے ؎

بنما بصاحب نظرے گوہر خود را — عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

ہمیں کہتی ہے دنیا تم ہو دل والے جگر والے — ذرا تم بھی تو دیکھو کہ ہو تم بھی نظر والے

یہ لوگ بصورت علم درحقیقت جہل کے پندار میں مبتلا ہیں ؎

نازاں ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق — اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

یہ علم کی لذت اور اہل دل کے سوز و گداز کو کیا جانیں ؎

اسقنا ۔ الآیۃ ـــــــ ۱۲

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد — ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

ع ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

چوں دل بہ نگارے نہ بستی اے زاہد — تا از سوز درون و نیاز ما چہ خبر؟

اہل انصاف کے لئے اسی قدر مضمون کافی ہے، چنانچہ ایک معروف اہل علم جو اس غلط فہمی میں مبتلا تھے اس قدر متأثر ہوئے کہ اس مضمون کا صرف خلاصہ سنتے ہی انہوں نے اوابین اور اشراق وغیرہ نوافل شروع کر دیئے اور اہل احتساب کی خدمت میں یہ دو شعر پیش کرتا ہوں ؎

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی — بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

تو و طوبیٰ و ما و قامت یار — فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

آخر میں دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم حقیقی کی دولت سے نوازیں

زاہد ترا بہ ما و دین و دینار را — ذرۂ دردے دل عطار را

اللّٰھمّ نوّر قلوبنا بنور معرفتک ابدًا ۔ آمین ۔

رشید احمد
اوائل ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

تکملہ:

کسی کو اشکال ہو سکتا ہے کہ علماء کے لئے تدریس، تبلیغ، افتاء اور تصنیف جیسی متعدی خدمات انجام دینا فرض کفایہ ہے اور ذکر و شغل، مراقبہ و محاسبہ وغیرہ عبادات نافلہ ہیں اور فرض کی اہمیت و ثواب نفل سے بدرجہا زائد ہے، پھر میں علماء کو کثرت ذکر و فکر کی تبلیغ کیوں کرتا ہوں؟ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی،

الزامی جواب:

میں نے نصوص قرآنیہ سے ثابت کیا ہے کہ جو عالم عبادات نافلہ اور ذکر و فکر کی کثرت نہیں کرتا وہ نظر شرع میں عالم تو در کنار مومن کہلانے کے لائق بھی نہیں، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء امت کے اقوال سے اس کی اہمیت ثابت کی ہے اور بتایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر علماء امت کا تعامل یہی چلا آیا ہے کہ وہ اشاعت دین کی متعدی خدمات کے ساتھ اپنے اوقات کا بڑا حصہ عبادات نافلہ اور ذکر و فکر میں صرف فرماتے تھے، اب آپ ہی اس پر غور فرما کر جواب دیں،

تحقیقی جواب:

دوسروں کو تبلیغ اور ان کی اصلاح کی کوشش فرض کفایہ ہے، مگر اپنی اصلاح فرض عین ہے، اصلاح کا

مطلب یہ ہے کہ معاصی ظاہرہ و باطنہ سے احتراز کیا جائے اور یہ موقوف ہے ذکر و فکر اور محاسبہ و مراقبہ کے اہتمام پر، پس فرض عین کا موقوف علیہ بھی فرض عین ہوگا، ذکر و فکر و محاسبہ و مراقبہ اور صحبت کامل کے مستند درجہ کے سوا معاصی سے بچنے کی فکر ہی پیدا نہیں ہوتی بلکہ معاصی باطنہ میں سے اکثر کا تو علم اور احساس تک نہیں ہوتا کسی مرض کا کچھ احساس ہو بھی تو وقت پر اس کا استحضار نہیں ہوتا اور استحضار بھی ہو تو اس سے بچنے کی فکر اور علاج کا خیال نہیں ہوتا لہٰذا ذکر و محاسبہ، مراقبہ اور کسی کامل کی صحبت کا کم از کم وہ درجہ فرض ہے جو معاصی ظاہرہ سے حفاظت کے ساتھ ساتھ معاصی باطنہ سے بھی پاک کر دے، رذائل سے تخلیہ اور فضائل سے تحلیہ کا موجب ہو، اس مقصد میں کامیابی کے بعد بھی ذکر و فکر کے اس درجہ کا التزام اس لئے ضروری ہے کہ اس میں غفلت سے امراض کے عود کا سخت خطرہ ہے۔

مزید برآں ذکر و فکر کے درجہ مذکورہ پر اضافہ بھی لازم ہے اس لئے کہ اس سے قلب کی صلاحیت بڑھتی ہے، محبت و اخلاص میں ترقی ہوتی ہے اور محبت و اخلاص میں جس حد تک ترقی ہوگی اسی درجہ میں اعمال کے اجر و دوسروں کو تبلیغ کے اثر میں اضافہ ہوگا اور علم میں اور تصنیف و تالیف میں برکت ہوگی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت بعد والوں کے بعد و ترجیح کر کے تیس سو والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جبل احد کے برابر اللہ تعالیٰ کی راہ میں سونا خرچ کرے وہ متقدمین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایک مد (۵ سیر ۸ گرام) جو یا اس کے نصف تک بھی نہیں پہنچ سکتا، فتح کے بعد اسلام لانے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا درجہ اس سے بھی کم ہے اور غیر صحابی کا درجہ تو ادنیٰ صحابی سے بھی بہت کم ہے، خواہ عمل میں مقدار صحابی سے زائد ہو، کثرت عبادت کے علاوہ صحبت بھی زیادتی اجر کا باعث ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ کی بدولت ان کے قلوب میں جو صلاحیت اور محبت و اخلاص تھا وہ غیر میں نہیں ہو سکتا، اس سے ثابت ہوا کہ قلب کی صلاحیت سے اجر میں اضافہ اور کام میں برکت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ علماء ربانیین کے کام اور تصنیف میں جو برکت ہے وہ دوسروں میں نہیں، اور فرق اجر کا مشاہدہ آخرت میں ہوگا بلکہ اہل بصیرت کو اس کا اثر دنیا میں بھی مشاہد ہے۔

اللّٰهم ارزقني حبك وحب من يحبك وحب عمل يقربني الى حبك، اللّٰهم اجعلنا ممن يعبدك كأنه يراك آمين

رشید احمد

۲۰ جمادی الاولیٰ

(بقیہ صفحہ ۱۹)

- ○ قراءۃ مسنونہ
- ○ قرآن کے خلاف گہری سازش
- ○ قربانی کا وجوب
- ○ القول الاظہر فی تحقیق مسافۃ السفر
- ○ القول الناصر عن حکم المسبوق خلف المسافر
- ○ القول المصدوق فی بیع الحقوق
- ○ القول المستطاب ببلوغ الرکاب (۲ باب)
- ○ القول الفاصل بین مسلکی الفاسد والباطل
- ○ القول المرجوح فی کراہۃ بیع المرابحۃ بالکوثری
- ○ القول المتین فی شرح اطلبوا العلم ولو بالصین
- ○ القید المراد بالعرف والایراد
- ○ کارخانہ کے منافع میں مزدوروں کی شرکت
- ○ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم
- ○ کشف الغطاء عن مسائل سود الاشیاء
- ○ کشف الظلام عن حقیقۃ اختلاف العلماء
- ○ الکلام البدیع فی احکام التوزیع
- ○ گائے کی قربانی میں ایک شخص کے دو حصے
- ○ لمعات المصابیح فی رکعات التراویح
- ○ مجال التقریر خیال الازہریہ
- ○ مرتبہ احادیث موضوعہ و ضعیفہ
- ○ مسح تیمم کا مشہور طریقہ ثابت نہیں۔
- ○ المشرق علی المشرقی
- ○ المفکرۃ لمسائل المحاذاۃ
- ○ المصابیح الغرار عن قلب المنار
- ○ المضامین الجلیۃ فی صورۃ القبوضۃ الحالیۃ
- ○ معجم العلوم والکتب لمصنفین (نامکمل)
- ○ النقاط البیضاء فی العمامۃ السوداء
- ○ المقالۃ السنیۃ للسائل عن حکم الغیبۃ
- ○ منکرات اہل مدارس واہل ثروت
- ○ منکرات تبلیغ و خانقاہ و سیاست
- ○ منکرات رمضان و تراویح و عیدین
- ○ منکرات شادی و غمی
- ○ منکرات مجالس وعظ و مبلغین و واعظین
- ○ منکرات محرم
- ○ منکرات مساجد و اوقاف
- ○ منکرات معاشرہ
- ○ مودودی صاحب اور تخریب اسلام
- ○ النخبۃ فی مسألۃ الحوت والطبۃ
- ○ النذیر العریان عن عذاب صورۃ الحیوان
- ○ نماز میں اغلاط العوام والخواص
- ○ نوافل کی جماعت
- ○ نوٹ کا مبادلہ اور ہنڈی
- ○ نیل السعادۃ بالاقتداء فی الصلوٰۃ المعادۃ
  نیل الفضیلۃ بسؤال الوسیلۃ
- ○ نیل المآرب بحلق الشوارب
- ○ نیل المرام بالتزام السکوت عند قراءۃ الامام
- ○ الوصیۃ الاخوانیۃ فی حکم الجماعۃ الثانیۃ
- ○ وطی اور قتل جنین بعقار الاسقاط
- ○ الہدایات المفیدۃ لمتربیۃ
  المبادی من العلوم الجدیدۃ
- ○ ہدایۃ الارتیاب فی فرضیۃ الحجاب

محمد احمد کا "درسِ قرآن" پڑھنا جائز نہیں

میں نے مؤلف کو بذریعہ رجسٹری یہ اطلاع بھیجی تھی کہ اگر آپ "درسِ قرآن" سے متعلق میری تحریر کا کوئی جواب لکھیں گے یا کسی سے لکھوائیں گے تو میں اس کا کوئی جواب نہیں دونگا۔

جب انھوں نے چار علماء سے کتاب کی اصلاح کرالینے کی تحریر لکھدی اور چار مشہور علماء کے نام بھی لکھ دیئے تو میرا مقصد پورا ہوگیا اس لئے میں نے اس سلسلہ میں کچھ لکھنا شغلاً بالکل بند کر دیا۔

مگر مؤلف نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا، ان مشہور علماء سے اصلاح کرائے بغیر کتاب شائع کر رہے ہیں اس لئے عوام کو اس فتنہ سے بچانے کی کوشش جاری رکھنا فرض ہے، میری مفصل تحریر کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) مؤلف عالم نہیں، اس لئے ان کا اپنے نام کے ساتھ "مولانا" لکھنا جائز نہیں اس سے عوام کو دھوکا ہوتا ہے۔

(۲) میں نے "درسِ قرآن" پر تقریظ لکھنے سے انکار کر دیا تھا اس کے باوجود انھوں نے میرا نام کتاب میں شائع کر دیا اور میرے نام سے امت کو پندرہ سال سے دھوکا دے رہے ہیں۔

(۳) میں نے تو صرف تقریظ ہی سے انکار کیا تھا مگر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب زید مجدہم نے تو مجھ سے بھی بڑھ کر کتاب کی اشاعت ہی سے منع فرمایا تھا، اس کے باوجود انھوں نے کتاب شائع کر دی، ساتھ مزید جرأت یہ کہ حضرت شیخ الحدیث کا نام بھی شائع کر دیا۔

(۴) مولانا محمد تقی صاحب عثمانی لکھتے ہیں:

"محمد احمد صاحب نے احقر کو رائے حاصل کرنے کے لئے کتاب یا اس کا مسودہ نہیں بھیجا تھا نہ کبھی رائے کے لئے کہا تھا لیکن کتاب میں میرا نام شائع کر دیا، احقر سے نہ رائے لی نہ مشورہ کیا، نہ کبھی کتابچہ کا ذکر کیا، آنجناب کی طرف سے "درسِ قرآن" پر اعتراضات کے بعد احقر نے متعدد مرتبہ ان سے کہا کہ اگر آپ احقر سے واقعۃً رائے لیتے تو احقر یہ مشورہ دیتا کہ آپ اس کتاب کی تالیف کا اقدام نہ کریں۔"

ان حضرات کی ممانعت کا علم ہو جانے کے بعد اس کی اشاعت بالکل غلط ہوگئی، حکمی ہے ان علماء نے بھی روکا ہو۔

(۵) آخر میں سلسلہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی خدمت میں پیش ہوتا ہے کہ آپ کے سلسلے کے ایک غیر عالم خلیفہ نے تفسیر لکھی، کئی مشہور علماء نے ان کو اس کی اشاعت سے منع فرمایا جن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بھی ہیں، اس پر اس نے اپنے نام کے ساتھ "مولانا" لکھا، کتاب

محمد احمد کا "درس قرآن" پڑھنا جائز نہیں

میں نے مؤلف کو بذریعہ رجسٹری یہ اطلاع بھیجی تھی کہ "اگر آپ "درس قرآن" سے متعلق میری تحریر کا کوئی جواب لکھیں گے یا کسی سے لکھوائیں گے تو میں اس کا کوئی جواب نہیں دوں گا۔

جب انھوں نے چار علماء سے کتاب کی اصلاح کرانے کی تحریر لکھ دی اور چار مشہور علماء کے نام بھی لکھ دیئے تو میرا مقصد پورا ہو گیا اس لئے میں نے اس سلسلہ میں کچھ لکھنا بالکل بند کر دیا۔

مگر مؤلف نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا، ان مشہور علماء سے اصلاح کرائے بغیر کتاب شائع کر رہے ہیں، ناواقف عوام کو اس فتنہ سے بچانے کی کوشش جاری رکھنا فرض ہے، میری مفصل تحریر کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) مؤلف عالم نہیں، اس لئے ان کا اپنے نام کے ساتھ "مولانا" لکھنا جائز نہیں اس سے عوام کو دھوکا ہوتا ہے۔

(۲) میں نے "درس قرآن" پر تقریظ لکھنے سے انکار کر دیا تھا اس کے باوجود انھوں نے میرا نام کتاب میں شائع کر دیا اور میرے نام سے امت کو پندرہ سال سے دھوکا دے رہے ہیں۔

(۳) میں نے تو صرف تقریظ ہی سے انکار کیا تھا مگر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب زید مجدہ نے تو مجھ سے بھی بڑھ کر کتاب کی اشاعت ہی سے منع فرمایا تھا، اس کے باوجود انھوں نے کتاب شائع کر دی، ساتھ مزید جرأت یہ کہ حضرت شیخ الحدیث کا نام بھی شائع کر دیا۔

(۴) مولانا محمد تقی صاحب عثمانی لکھتے ہیں:

"محمد احمد صاحب نے احقر کو رائے حاصل کرنے کے لئے کتاب یا اس کا مسودہ نہیں بھیجا تھا نہ زبانی رائے کے لئے کہا تھا، لیکن کتاب میں میرا نام شائع کر دیا، احقر سے نہ رائے لی نہ مشورہ کیا، نہ کبھی کتاب کا ذکر کیا، آنجناب کی طرف سے "درس قرآن" پر اعتراضات کے بعد احقر نے متعدد مرتبہ ان سے کہا کہ اگر آپ احقر سے واقعۃً رائے لیتے تو احقر یہ مشورہ دیتا کہ آپ اس کتاب کی تالیف کا اقدام نہ کریں۔"

ان حضرات کی ممانعت کا علم بلا تجسس ہو گیا، ممکن ہے اور علماء نے بھی روکا ہو۔

(۵) اگر یہ معاملہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی خدمت میں پیش ہوتا کہ آپ کے سلسلہ کے ایک غیر عالم خلیفہ نے تفسیر لکھی، کئی مشہور علماء نے ان کو اس کی اشاعت سے منع فرمایا جن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بھی ہیں، مگر اس نے اپنے نام کے ساتھ "مولانا" لکھ کر کتاب

شائع کر دی اور مزید ظلم یہ کہ کتاب میں ان علماء کا نام شائع کر کے پندرہ سال سے امت کو دھوکا بھی دے رہا ہے، اور بعض ایسے علماء کا نام بھی شائع کر دیا ہے جن کو کتاب یا اس کا مسودہ دکھانا تو درکنار ان کو اس کی خبر تک بھی نہیں دی تو کیا حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ ایسے شخص کو توبہ اور ان علماء کرام سے معافی مانگنے اور کتاب کی اشاعت بند کرنے پر مجبور نہ فرماتے؟ اور بصورت انکار سلسلہ سے اخراج کا اعلان نہ فرماتے؟ اور کیا اب سلسلہ کے موجودہ اکابر پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا؟

(۶) اگر ان کا یہ مقدمہ "نمبر ۵" میں مذکور تفصیل کے مطابق عدالت شرعیہ میں پیش کیا جائے تو کیا عدالت ایسے شخص کو سخت تعزیر اور کتاب پر بندش نہیں لگائے گی؟

(۷) سابق مفصل تحریر میں یہ وضاحت کر چکا ہوں کہ میں نے اس تحریر سے پہلے دو بار انکو بہت نرمی سے سمجھایا اور تیسری بار چہرے کے پردے کے مسئلہ پر ذرا سختی سے کہا تو یہ بہت سخت برہم ہوئے اور اس بے پردگی کو تفسیر عثمانی سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے جب ان سے قبول حق کی کوئی توقع نہ رہی تو میں نے علماء کو جاہل مفسرین کے خطرناک فتنہ کی طرف متوجہ کرنا فرض سمجھا۔

بحمد اللہ تعالیٰ بندہ کے متوجہ کرنے پر دنیا بھر میں مشہور علماء کرام نے اس فتنہ کے خلاف خوب کھل کر لکھا، مؤلف کو بہت سخت تنبیہ فرمائی، علماء نے کتاب کی اصلاح کرانے پر مجبور کر دیا، مگر اس نے طریق اصلاح سے متعلق علماء کی ہدایات قبول کرنے سے انکار کر دیا، علماء کی تحریریں دار الافتاء میں محفوظ ہیں۔

(۸) مؤلف علماء کی ہدایات سے انحراف کی وجہ سے انتہائی کوشش اور بڑی سے بڑی مالی پیشکش کے باوجود مشہور و مسلّم علماء میں سے کسی ایک کو بھی کتاب کی اصلاح پر آمادہ نہیں کر سکا، کسی غیر معروف و غیر مسلّم عالم کی اصلاح قابل اعتبار نہیں، اس لئے اس کتاب کا دیکھنا جائز نہیں۔

رشید احمد
دار الافتاء والارشاد ناظم آباد
جمادی الآخرہ ۱۴۱۲ ہجری

اس تنبیہ کو زیادہ سے زیادہ شائع کر کے قرآن کو تحریف سے بچانے کا فرض ادا کریں، غفلت کی صورت میں اللہ کی گرفت اور دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈریں۔

شائع کردیں اور مزید ظلم یہ کہ کتاب میں ان علماء کا نام شائع کرکے چند رسالوں سے امت کو دھوکا بھی دے رہا ہے اور بعض ایسے علماء کا نام بھی شائع کردیا ہے جن کو کتاب یا اس کا مسودہ دکھانا تو درکنار ان کو اس کی خبر تک بھی نہیں دی تو کیا حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ ایسے شخص کو توبہ اور ان علماء کرام سے معافی مانگنے اور کتاب کی اشاعت بند کرنے پر مجبور نہ فرماتے؟ اور بصورتِ انکار سلسلہ سے اخراج کا اعلان نہ فرماتے؟ اور کیا اب سلسلہ کے موجودہ اکابر پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا؟

(۶) اگر ان کا یہ مقدمہ نمبر ۵ میں مذکور تفصیل کے مطابق عدالتِ شرعیہ میں پیش کیا جائے تو کیا عدالت ایسے شخص کو سخت تعزیر اور کتاب پر بندش نہیں لگائے گی؟

(۷) سابق مستقل تحریر میں یہ وضاحت کرچکا ہوں کہ میں نے اس تحریر سے پہلے دو بار ان کو بہت نرمی سے سمجھایا اور تیسری بار چہرے کے پردے کے مسئلہ پر ذرا سختی سے کہا تو بہت سخت برہم ہوئے اور اس بے پردگی کو تفسیر عثمانی سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے، جب ان سے قبولِ حق کی کوئی توقع نہ رہی تو میں نے علماء کو جاہل مفسرین کے خطرناک فتنہ کی طرف متوجہ کرنا فرض سمجھا۔

بحمد اللہ تعالیٰ بندہ کے متوجہ کرنے پر دنیا بھر میں مشہور علماء کرام نے اس فتنہ کے خلاف خوب کھل کر لکھا، مؤلف کو بہت سخت تنبیہ فرمائی، علماء نے کتاب کی اصلاح کرانے پر مجبور کردیا، مگر اس نے طریقِ اصلاح سے متعلق علماء کی ہدایات قبول کرنے سے انکار کردیا، علماء کی تحریریں دار الافتاء میں محفوظ ہیں۔

(۸) مؤلف علماء کی ہدایات سے انحراف کی وجہ سے انتہائی کوشش اور بڑی سے بڑی مالی پیشکش کے باوجود مشہور و مسلّم علماء میں سے کسی ایک کو بھی کتاب کی اصلاح پر آمادہ نہیں کرسکا، کسی غیر معروف و غیر مسلّم عالم کی اصلاح قطعاً معتبر نہیں، اس لئے اس کتاب کا دیکھنا جائز نہیں۔

رشید احمد
دار الافتاء والارشاد ناظم آباد
[illegible] جمادی الآخرۃ [illegible]

اس تنبیہ کو زیادہ سے زیادہ شائع کرکے قرآن کو تحریف سے بچانے کا فرض ادا کریں، غفلت کی صورت میں اللہ کی گرفت اور دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈریں۔

انوار الرشید
فقیہ العصر شیخ الحدیث مفتی اعظم
حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم
کے
نصیحت آموز و بصیرت افروز حالات و ارشادات
ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی